رجسٹرڈ نمبر اے ۴۸۱

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ مع محصول

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

کتبخانہ دار المصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانیؒ

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اول طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ .... ے، للعہ

الیضاً حصہ دوم، طبع اول قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلان

الیضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد

الیضاً حصہ سوم، تقطیع کلان قسم اول عہ قسم دوم ے

الفاروق، حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت، ے

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات،

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور انکا فلسفہ

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل ......

سوانح مولانا روم، مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی تعریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ

رسائل شبلی، مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ،

مقالات شبلی، مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ،

بیان خسرو، خسرو کے حالات زندگی، اور انکی شاعری پر ریویو ....

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت فارسی شاعری کا آغاز و قدما کا دور .... ے

الیضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور

الیضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور

الیضاً حصہ چہارم، تمدنی شاعری پر ریویو ے

الیضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ ....

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی مین ریویو ....

موازنہ انیس و دبیر، میر انیس کی شاعری پر ریویو ہے

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت ....

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور انکے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع،

علم الکلام، مسلمانون کے علم کلام کی تاریخ اسکی عہد بعہد کی ترقیان اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس ....

الکلام، مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جسمین عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ مین ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس، قیمت ....

قصیدہ امرتسر، امرتسر کے اجلاس ندوۃ العلماء مین مولانا نے جو فارسی قصیدہ پڑھا تھا طبع رنگین و اعلی مطبع نامی کانپور

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی دستۂ گل، بوئے گل، برگ گل، کے نامون سے چھپے تھے اس مین سب یکجا کردئیے گئے ہین، ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت ....

کلیات شبلی اردو،

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورۂ والذاریات،

تفسیر سورۂ اللھب، ....

تفسیر سورۂ والتین، ....

تفسیر سورۂ والکوثر، ....

تفسیر سورۂ القیامہ، ....

تفسیر سورۂ عبس، ....

تفسیر سورۂ والمرسلات، ....

عدد اوّل	ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۲۵ء	مجلد شانزدہم

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

آج سے معارف کی سولہوین جلد کا آغاز ہے، اور اسکی عمر کا دسوان سال شروع ہوتا ہے، ہندوستان مین جہان ہر نئے سال پر رسالے پیدا ہوتے ہین، اور ختم سال پر مرجاتے ہین، معارف جیسے خشک اور بے مزہ رسالہ کی اتنی زندگی بھی بجائے خود داد طلب ہو، بعض معاصرین نے تصریحًا یا کنایۃً معارف کی اس مستقل زندگی کی علت یہ بتائی ہے کہ یہ بعض ریاستون کی امداد کے سہارے زندہ ہے، لیکن ہم یہ باعلان کہنا چاہتے ہین کہ ریاستون سے جو امدادین ملتی ہین وہ دار المصنفین اور سیرت کو ملتی ہین، معارف سے اونکا کوئی تعلق نہین، دار المصنفین کا ہر صیغہ کا آمد وصرف علحدہ ہے، معارف بحمد اللہ کہ اپنے پاؤن پر آپ کھڑا ہے، اور تمام مصارف کا وہ خود ذمہ دار ہے، یہانتک کہ مضامین کا معاوضہ بھی خود ادا کرتا ہے، اور ہم کو یہ کہنے مین بھی تامل نہین کہ ادھر چند برسون سے اس کا ہر سال خریدارونکی تعداد کے لحاظ سے دوسرے سال سے زیادہ ہمت افزا ہوتا ہے، والحمد للہ علی ذلک،

آریون نے اپنی قوم مین جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لئے ایک نیا سامان یہ فراہم کیا ہے، کہ ہندوستان کی گذشتہ تاریخ مین جن ہندو راجاؤن نے مسلمان بادشاہون کے مقابلہ مین زیادہ شجاعانہ کارنامے دکھائے ہین، اور زیادہ جوش سے مسلمانون سے لڑے ہین، ان کا جشن منایا جائے، اُن کے اخبارات ہر سال اونکی ولادت کی تاریخ مین اونکے نام کے خاص نمبر نکالین، اون کے اوصاف اور محامد ولولہ انگیز تقریرون مین بیان کئے جائین، اس طرح قوم مین مسلمانون کے خلاف لڑنے اور مارنے کے جذبات بھڑکائے جائین،

اس کے ردِ عمل کے طور پر یقیناً بعض عام مسلمانون مین یہ انتقامی خواہش پیدا ہوتی ہو گی کہ وہ بھی اون مسلمان بادشاہون کا جشن منائین، سالانہ عرس کرین، اونکے فضائل اور مناقب کا ترانہ گائین، اور ان کو ہر طرح معصوم ٹھہرائین جنھون نے ہندؤن کے مقابلہ مین فتح و کامیابی حاصل کی ہو، اونکو تہ تیغ کیا ہو، اونکو قتل و غارت کیا ہو، تاکہ مسلمانون مین ہندؤن کے مقابلہ مین جوش اور ہمت پیدا ہو، لیکن اس باہمی مقابلہ مین دونون قومین ایک دوسرے کے مردہ دشمنون کو پیار کرنے کے لیے اسطرح بیتاب ہین کہ وہ یہ بھول گئی ہین کہ آج دونون کا کوئی تیسرا زندہ دشمن بھی موجود ہے یا نہین؟

مسلمان ہندؤن کو توڑ دینا چاہتے ہین، ہندو مسلمانون کو چور چور کر دینا چاہتے ہین، مگر یہ کوئی نہین دیکھتا کہ جس "خاکی کشتی" پر جس کا نام ہندوستان ہے دونون سوار ہین، اوسکے تختون مین اندر اندر سوراخ کون کر رہا ہے، اس جنگ مین خواہ مسلمان جیتین یا ہندو، مگر بہر حال اوس جیت سے ہندوستانی کی جیت نہین ہو سکتی، ہندو اگر ہندوستان کی آنکھین ہین تو مسلمان دل ہین چشم و دل کی اس باہمی جنگ آزمائی کو دیکھکر جن مین سے ہر ایک اس خرابی کا الزام دوسرے پر تھوپنے کی فکر مین ہے ہندوستان "درد" کے لہجہ مین گویا ہے،

دل یہ کہے کہ آنکھون نے ہم کو کیا خراب
آنکھین کہین کہ دل ہی نے ہم کو ڈبا دیا

بگڑا کسی کا کچھ نہین اے دردؔ عشق مین
دونون کی ضد نے ہم کو بلا مین پھنسا دیا

عید اضحیٰ کا موقع دونون قومون کی نزاع باہمی کا موسم بہار ہے، دلّی مین رسم ہے کہ قربانی کی گایون کو ہار پھول پہنا کر مذبح ایک خاص راستہ سے جلوس کے ساتھ لے جاتے ہین، جہان کہتے ہین کہ ہندؤن کی آبادی زیادہ ہے، ہندو کوشان ہین کہ اس راستہ سے گایون کا یہ جلوس نہ گذرے، اور مسلمان

مصر مین، اگرچہ نکہ یہ ان کا قدیم راستہ ہے، اسلئے کسی کو ان کے روکنے کا حق نہین، گذشتہ سال اسی موقعہ پر ایک خونین ہنگامہ کی روداد گذر چکی ہے، آہمسا (ترک تشدد) پر اعتقاد رکھنے والے ہندو بھائیون کو ہم کچھ نہین کہہ سکتے، لیکن مذہب پر جان دینے والے مسلمانون سے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہین کہ کیا جانورون کو اس طرح ہار پھول پہنا کر اور آراستہ کرکے قربانی کے لئے لے جانا اونکی شریعت اور مذہب مین جائز ہے، شہر کے علمار سے پوچھو کہ کیا ایسا کرنا درست ہے؟ کیا اس طرح کرنا بت پرستانہ رسوم کی تقلید تو نہین ہے؟ یہ خود و دشمن "مشرک ہندون کی بھینٹ کی نقل تو نہین ہے؟

"بھینٹ" اور "قربانی" مین بڑا فرق ہے، خدا قربانی کے متعلق فرماتا ہے:-

لن ینال اللہ لحومہا ولا دماءُ ھا ولکن ینالہ التقوی منکم (حج)	خدا کو قربانی کے ان جانورون کا گوشت اور خون نہین پہنچے گا، لیکن تمھاری پرہیزگاری اس تک پہنچیگی،

مشرکین کا خیال تھا اور ہے کہ اس بھینٹ کا خون دیوتاؤن کو بھاتا ہے اور لطف دیتا ہے، لیکن مسلمانون کے خدا نے اسکو صرف قربانی کرنے والون کی پاکی، پرہیزگاری اور تقوی کا ذریعہ بنایا ہے،

ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر (حج)	اور تاکہ ان خاص دنون مین خدا کا نام اس شکر یہ مین لین کہ اس نے ان کو پلے جانورون کی روزی دی تو اس مین سے خود کھاؤ، اور بھوکے غریبون کو کھلاؤ

تو اس رسم دینی کے ادا کرنے مین ہم کو جس چیز کا سب سے پہلے خیال کرنا چاہئے وہ نیکی، پرہیزگاری شکرگذاری اور غریبون کی اعانت ہے،

مسلمانون کی واحد تعلیمی درسگاہ (مدرستہ العلوم علی گڈھ) کی پنجاہ سالہ عمر کی خوشی مین جشن پنجاہ سالہ

منائے جانے کا آیندہ دسمبر مین اعلان ہوا ہے، یہ رسم بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے منائی جائیگی
اور اسی کے ساتھ قوم کی پچاس سال کے تعلیمی، سیاسی، اقتصادی جد و جہد پر بھی تبصرہ کیا جائے گا، ارکانِ
علی گڈہ کو تعلیمی اور وہ بھی انگریزی تعلیم کے تبصرہ کا تو پورا حق ہے، مگر سیاسی اور اقتصادی تبصرہ شاید ان کے
لئے موزون نہ ہو، کہ اس کے لیے انھون نے کبھی کچھ نہین کیا ہے، تو جو سبق قوم کو انھون نے پڑھائے نہین انکے
امتحان کا اونکو کیا حق ہے!

مناسب ہے کہ اسی کے ساتھ کالج کے ان شاندار قومی علمی تعلیمی، سیاسی، اقتصادی خدمات پر
بھی تبصرہ کیا جائے جو پچاس سال مین اوسکے "سپوت فرزندون" نے انجام دئیے ہین، سپوت فرزندون سے
ہماری مراد وہ ناسعادتمند اور سرکش اولادین نہین ہین، جو علی گڈہ کی حکومت سے باغی ہو گئے ہین، ورنہ اگر ان کے
خدمات بھی شامل کر لیے جائین، تو ان کے تسلیم کر لینے مین کسکو تامل ہوگا، لیکن ایک طرف اونکے خدمات
کو اپنے مفاخر مین داخل کرنا، اور دوسری طرف اونکو سیہ کار اور گم کردہ راہ کہنا آئینِ انصاف نہ ہوگا،
اگر اس موقع پر جب مسلمانون کی آل پارٹیز کانفرنس ہو رہی ہے، تو علی گڈھ جوبلی کے وقت فرزندانِ
کالج کی بھی "آل پارٹیز کانفرنس" منعقد ہو، اور سب ملکر ہماری تعلیمی گتھیون کو سلجھانے مین متفق و متحد
نظر آئین،

علی گڈھ تحریک کی جو اصلی دقت ہر دہ یہ ہے کہ اس کے اہل حل و عقد ایک ساتھ تعلیمی، سیاسی،
اقتصادی، تمدنی، اور ہر قسم کی کوششون کا اپنی چہار دیواری کے دائرہ کو مرکز بنانا چاہتے ہین، اور یہ متضاد
عناصر کبھی یکجا نہین ہو سکتے، اگر اربابِ علی گڈہ صرف تعلیمی تحریک کو اپنا مخصوص مرکزِ عمل قرار دے لین،
اور جہانگیری کا خواب نہ دیکھین، تو ان کے حق مین اور مسلمانون کے حق مین بھی یہ مفید اور نفع بخش ہو،

اور مختلف عناصر کے تصادم کا خطرہ بھی جاتا رہے،

ہم نے دیکھا ہے کہ ایسے شاہانہ موقعون پر بڑی بڑی اہم تبدیلیان جو عام حالات مین ناجائز سمجھی جاتی ہین، وہ باعلان کردی جاتی ہین تقسیم بنگال جیسی "طے شدہ حقیقت" کی ترمیم کے لئے دہلی کا شاہانہ دربار کا موقع مناسب سمجھا گیا، اور بلاپس وپیش اوسکی تنسیخ کردیگئی، آج سے پچاس سال پہلے جو تعلیمی نصب العین اور طریقہ، کار علی گڈھ مین قرار دیا گیا تھا، اگر آج پچاس برس کے بعد حالات کے تغیر سے "ہماری طے شدہ تعلیمی پالیسی" مین ترمیم و تنسیخ کی ضرورت ہے تو اس کے اعلان کا یہ پنجاہ سالہ جوبلی بہترین موقع ہے،

ہم نے بار بار لکھا ہے اور پھر لکھتے ہین کہ اس فرقہ مین بہترین شخصیت صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب کی ہے، ہم کو معلوم ہوا ہے کہ صاحبزادہ صاحب کے خیالات مین بہت کچھ انقلاب ہوا ہے، ہم کو توقع ہے کہ ان کے اس انقلاب سے اس تحریک مین بھی انقلاب پیدا ہوگا اب ضرورت ہے کہ ہماری تعلیمی مسجد کا قبلہ مغرب سے مشرق کو بدل جائے، اور آستانہ حکومت کے بجائے آستانہ ملت کو اپنا سجدہ گاہ بنایا جائے، اور یونیورسٹی سے عہدہ داران سرکاری کے بجائے خادمانِ قومی پیدا ہون،

یارب این آرزوئے من چہ خوش است　　　　تو بدین آرزو مرا برسان،

مطبع معارف سے دارالمصنفین کی دونئی کتابین **سیر انصار** جلد دوم، اور **شعر الہند** جلد اول چھپکر تیار ہوگئی ہے، **سیرۃ عائشہؓ** پہلا اڈیشن ختم ہوگیا تھا، دوسرا اڈیشن بھی مطبع سے آگیا ہے، مولانا کی بہترین تصنیف **الفاروق** جسکے بازاری نسخے اب تک مل رہے ہیں بڑے اہتمام سے اوسکی طباعت ہمارے مطبع مین جاری ہے، مولانا کی اردو نظمون کا مکمل مجموعہ جس مین سیاسی، تعلیمی، تاریخی، اخلاقی ہر قسم کی نظمین ہین چھپکر تیار رہے،

مقالات

شغل تکفیر

از مولانا سید سلیمان ندوی،

مدت کے بعد علمائے **بریلی** نے جنکو فتنۂ ارتداد کی سازش کے بدولت مسلمانون کے سامنے سراٹھانے کا موقع ملا، اپنے قدیم زنگ آلود ہتھیار یعنی مسلمانون کی تکفیر کے استعمال کی فرصت ہاتھ آئی، ہم کیا کہین کہ ہم توان کے نزدیک موروثی طور سے کابرًاعن کابر کافر چلے آتے ہین سب سے زیادہ جنکے سینے اون کے تیرستم سے چھلنی ہین وہ علمائے **ندوہ** ہین، اس باب مین علمائے **دیوبند** بھی ہمسے پیچھے ہین، ہمنے سنا ہے کہ شاید ۹۶ رسالے علمائے ندوہ کی تکفیر اور تفسیق مین انکی طرف سے لکھے گئے ہین، جنکے نامون کا "حادثۂ جانکاہ برمولوی لطف اللہ" "تکفیر علما الحرمین، اہل الندوہ ذو دالمین والشین (علما حرمین کا جھوٹے ذلیل ندوہ والون کو کافر بتانا) وغیرہ سے اندازہ کیجئے، اور یہ سب کس جرم مین، اس جرم مین کہ **ندوہ** نے یہ دعوت دی تھی کہ اسلامی فرقون مین کسی اہل قبلہ کو کافر نہین کہنا چاہئے، اور تمام علمائے اسلام کو باہم رواداری سے کام لینا چاہئے اور اعدائے اسلام کے مقابلہ مین ان سب کو باوجود اختلاف عقائد باہم متحد و متفق ہوجانا چاہئے، یہ آواز تھی جس پر بریلی کے دارالافتار سے ہزارون تکفیر کے فتوے صادر ہوئے علمائے ندوہ نے انکی ان تمام مزخرفات کا جواب ہمیشہ متانت آمیز خاموشی سے دیا، اور کبھی اپنی تکفیر کرنے والون کو کافر کہکر اپنے وقار علمی کو صدمہ نہین پہنچایا، البتہ اپنے مسلک کے ثبوت مین قرآن پاک، احادیث صحیحہ، اور آثار و تاریخ سلف سے دلائل کا انبار لگا دیا، یہ رسالے اب بھی موجود ہین اور دفتر ندوہ سے مل سکتے ہین،

علمائے بریلی کے مخالفین اب تک ہمیشہ خاموش، اور سنجیدہ جماعتین رہین، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے
رسائل کو چھوڑ کر جنھون نے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا پر عمل کیا، علمائے دیوبند بھی ہمیشہ اسی اصول پر قائم رہے
علمائے بریلی کی قوتِ تکفیر کی روزافزون ترقی کا یہ عالم رہا ہے کہ اس بزرگ کو بھی جنکے تصدق سے انکو
علم کی وراثت ملی ایک ادنیٰ فقہی مسئلہ پر ہر قسم کے کفریات کا مورد قرار دیا، اس زخم کی گہرائی کو کوئی ہمارے
دوست مولٰنا **عبدالماجد** قادری بدایونی سے پوچھے،

اب حال مین اس مشرب خاص کے بادہ خوارون نے **پنجاب** کے چند دیوانون کو چھیڑا، نتیجہ کلوخ
انداز را پاداش سنگ است، اب ان کو نظر آیا کہ کسی مسلمان کو کافر بنانا اوتنا آسان نہین جتنا وہ سمجھتے ہین،
قسم بخدا کہ ان کے اس رویہ سے نہ صرف علم اور علماء کی بے وقعتی ہوتی ہے بلکہ خود اسلام کو نعوذ باللہ ذلت
اٹھانی پڑتی ہے، پھر اس تعمیم کے ساتھ فتویٰ کہ "جو ان کے کافر بنائے ہوؤن کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر
ہے" سلف صالحین کے آثار و فتاویٰ کے بیشمار اوراق موجود ہین، کیا اس تعمیمی فتوے کی ایک مثال بھی
پیش کیجا سکتی ہے؟ اور سب سے تعجب کی یہ بات ہے کہ یہ فتوے اس مجلس مین صادر ہو جسکو ان احناف
کے ساتھ نسبت اور اضافت حاصل ہو، جنکے امامون کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ :-

ولا نکفر احدا من اھل القبلۃ   ہم کسی اہل قبلہ کو کافر نہین کہتے،

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا،

اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو اسلام اور قرآن کے منصوص عقائد و احکام کے انکار کی بنا پر کافر کہے
تو وہ حق بجانب ہو سکتا ہے، مگر یہ حضرات اون مسائل مین مسلمانون کی تکفیر کرتے ہین جو خود اُن کے
ساختہ پرداختہ، یا جو خود اون کے اجتہاد و فکر کے نتائج ہین، حالانکہ پہلے اصول کی طرح اہل سنت اور خصوصاً
احناف کا دوسرا متفقہ اصول یہ ہے کہ وہ اہل تاویل کو کافر نہین کہتے، تیسرا اصول یہ ہے کہ اگر کسی
کے قول سے کوئی کفریہ کلمہ مستلزم ہوتا ہو، اور وہ اس سے انکاری ہو، یا اس کے اس مطلب کی جس سے

یہ کفر مستلزم آتا ہو وہ تردید کرے، اور اپنے کو اس سے بری ثابت کرے تو اوسکو زبردستی کافر بنانا صحیح نہین بلکہ یہ انکار و تردید اگر اس سے کفر ثابت بھی ہوتا ہو تو قائل کی توبہ و ندامت کی قائم مقام ہو جائے گی، یہ ہین وہ اصول جو ہماری کتب کلامیہ مین پوری تصریح سے ہر جگہ موجود ہین،

یہ اصول قرآن پاک، احادیث نبوی اور آثار سلف سے ماخوذ ہین، قرآن مجید تعلیم دیتا ہے،

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۔　جو تمپر سلام (یعنی اسلامی شعار) کا اظہار کرے اوسکو یہ نہ کہو کہ تم مومن نہین،

ہمارا یہ حال ہے کہ ہم کہتے ہین کہ ہم مومن ہین لیکن ہمسے یہ کہا جاتا ہے کہ تم مومن نہین، اسلئے نہین کہ تم ایک خدا کو دو کہتے ہو، اسلئے نہین کہ تم غیر خدا کے آگے جھکتے ہو، اسلئے نہین کہ تم رسول کے منکر ہو یا بشر مین ربانی اوصاف ثابت کرتے ہو، بلکہ اسلئے کہ تم ہماری فہم کے مطابق بعض مسائل کو نہین سمجھتے، اور ہماری عینک سے تم ہر چیز کو نہین دیکھتے ہو، کیا ہمارے ان مقدس علما کو حضور صلعم کا وہ فقرہ یاد ہے جب ایک بدوی نے یہ کہا تھا کہ خدایا میرے اور محمد (صلعم) کے سوا کسی اور کو نہ بخش، تو آپ نے فرمایا "ای شخص تو نے وسیع رحمت کو تنگ کر دیا"، دوسری روایت مین ہے کہ آپنے فرمایا کہ "یہ زیادہ بیوقوف یا گمراہ ہے، یا اس کا اونٹ"۔

صحیحین کی مشہور خبر ہے کہ ایک غزوہ مین آپ کے محبوب صحابی حضرت اسامہؓ ایک کافر پر تلوار اٹھاتے ہین، کافر فوراً نعرۂ توحید بلند کرتا ہے، صحابی ممدوح اوسکو اوسکا بہانۂ حفاظت جان سمجھکر اوسپر تلوار کا وار کر دیتے ہین، اور وہ جان دیدیتا ہے یہ واقعہ حضور انور صلعم کے گوش مبارک تک پہنچتا ہے، جوش کا عالم پیدا ہو جاتا ہے حضرت اسامہؓ کو زجر فرماتے ہین وہ عرض کرتے ہین کہ یا رسول اللہ اوس نے اپنی جان بچانے کے لئے صرف زبان سے یہ کلمہ پڑھ دیا آپ فرماتے جاتے تھے لا الٰہ الا اللہ کے بعد؟ مسلم مین ہے کہ آپ فرماتے تھے کیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ کو کیا کروگے، ایک روایت مین

ہے کہ فرمایا،

ھلا شققت عن قلبہ تم نے اس کا دل چیر کر کیون نہین دیکھ لیا،

حضرت اسامہؓ کہتے ہین کہ اس وقت شرم اور ندامت سے میرا یہ حال تھا کہ مین دل مین کہتا تھا کہ کاش مین آج ہی مسلمان ہوا ہوتا، کہ مجھسے ایسی حرکت نہ ہوئی ہوتی،

صحیح بخاری مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت خالدؓ کو ایک جماعت کا سردار بنا کر بنو جذیمہ کے مقابلہ مین بھیجا، انکو اظہار اسلام کے اصطلاحی الفاظ معلوم نہ تھے، اُنھون نے اسلمنا (ہم اسلام لائے) کی جگہ کہا صبونا صبونا (ہمنے اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑا یا پرانا مذہب چھوڑا) کہا، حضرت خالدؓ نے جو ایک فوجی آدمی تھے اون کے قتل کا حکم دیدیا، بعضون نے اسکی تعمیل کی، اور بعضون نے اسکی تعمیل سے انکار کیا، کہ یہ حکم اصول اسلام کے خلاف ہے، اور آکر یہ واقعہ دربار رسالت مین عرض کیا، حضور نے یہ سنتے ہی دونون ہاتھ اُٹھائے اور متعدد دفعہ فرمایا" خداوندا! مین خالد کے اس فعل سے تیرے آگے برات ظاہر کرتا ہون، خداوندا مین خالد کے اس فعل سے تیرے آگے برات ظاہر کرتا ہون"،

حضرت مقدادؓ فتوی پوچھتے ہین کہ یا رسول اللہ صلعم اگر لڑائی مین کسی کافر سے مقابلہ آپڑے اور وہ اپنی تلوار سے میرا ایک ہاتھ اوڑا دے، اور جب وہ میری زد مین آئے تو کہہ اٹھے کہ" مین اسلام لایا" تو کیا اسکے بعد اس کو قتل کر سکتا ہون؟ فرمایا، نہین اب تم قتل نہین کر سکتے، عرض کی یا رسول اللہ اوس نے میرا ایک ہاتھ اوڑا دیا، اور اس کے بعد یہ کلمہ پڑھا، فرمایا نہین، اب تم قتل نہین کر سکتے، کہ تمھارے قتل کرنے سے پہلے وہ تمھارے درجہ کے برابر ہوگیا، اب اگر تم اسکو قتل کر دگے تو تم اس درجہ مین ہوگے، جس مین وہ اس کلمہ کہنے سے پہلے تھا،

اللہ اکبر! قتل مسلم خود کفر ہے،

کون نہین جانتا کہ مدینہ مین منافقین کی ایک جماعت تھی جو دل سے مسلمان نہ تھی مگر زبان سے

اپنے کو مسلمان کہتی تھی، آنحضرت صلعم ان مین سے ایک ایک کے نام و نشان سے واقف تھے، مسلمانون کو ان سے تکلیفین پہنچتی تھین، لڑائیون مین ان سے اونکو خطرہ تھا، جان نثار بار بار ان کے قتل کی اجازت چاہتے تھے اور حضور انکار فرماتے تھے، صحیح بخاری مین ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے کسی سے پوچھا کہ مالک بن دخشن کہان ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ وہ منافق ہے، خدا اور اس کے رسول سے محبت نہین رکھتا، آنحضرت صلعم نے منع فرمایا کہ ایسا نہ کہو، تم نہین کہتے کہ وہ خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہتا ہے، صحابی مذکور نے کہا، کیون نہین، فرمایا کوئی بندہ اسکو لیکر قیامت مین نہین آئے گا، لیکن خدا اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا،

یہ ان لوگون کی نسبت ارشاد ہے جنکے عمل ان کے قول کی مطابقت نہین کرتے،

فتح مکہ کی تیاری کے زمانہ مین جب ایک بدری صحابی نے کفار قریش کو آنحضرت صلعم کے اس ارادہ کی خبر دیدی، اور آپ کو ان کا یہ فعل معلوم ہو گیا، اور ان کا خط پکڑا گیا، تو حضرت عمر ان پر حکم لگا دیتے ہین کہ یہ منافق ہین، آنحضرت صلعم فرماتے ہین کہ اے عمر! ایسا نہ کہو تمھین کیا معلوم کہ خدا نے اُن کے اس فعل کو جان کر اہل بدر کی نسبت یہ کہا ہو کہ مین نے تم کو بخشدیا،

حضرت معاذؓ نماز مین امام ہوتے، اور بڑی بڑی سورتین پڑھتے، ایک دن اُنھون نے سورۂ بقر پڑھنی شروع کی، ایک مقتدی نے مختصر سورہ پڑھکر اپنی نماز ختم کر لی اور چلے گئے، حضرت معاذؓ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو اُنھون نے کہا کہ وہ منافق ہے، اون بیچارے نمازی کو یہ معلوم ہوا تو دربار نبوت مین فریاد خواہ ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ہم مزدور ہین، اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہین، اور خود اپنے اونٹون کو پانی پلاتے ہین، معاذ نے کل نماز پڑھائی تو سورۂ بقر پڑھنے لگے تو مین نے مختصر نماز پڑھ لی، اس پر معاذ کہتے ہین کہ مین منافق ہون، حضرت صلعم نے معاذ کی طرف خطاب کیا، کہ اے معاذ! کیا تم لوگون کو آزمائش مین ڈالنا چاہتے ہو، کیا تم لوگون کو آزمائش مین ڈالنا چاہتے ہو، کیا تم لوگون کو آزمائش مین ڈالنا چاہتے ہو،

والشمس، اور سبح اسم ربک پڑھا کرو،

ایک شخص کو جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے کافر کہدینا اتنا آسان نہین، جتنا ہم نے سمجھ رکھا ہے، حدیث صحیح مین حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا

ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما (بخاری)

جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو یہ کلمۂ کفر دو مین سے ایک پر رجوع ہوگا،

یعنی اگر وہ حقیقت مین کافر نہ تھا، تو مسلمان کو کافر کہنا خود اسکے کفر کو مستلزم ہے،

حضرت ثابت بن ضحاک صحابیؓ روایت کرتے ہین کہ آپ نے فرمایا،

ولعن المومن کقتلہ ومن رمی مومنا بکفر فھو کقتلہ (بخاری)

ایک مسلمان کو لعنت کرنا اس کے قتل کے برابر ہے، اور جس نے ایک مسلمان پر کفر کی تہمت رکھی تو وہ اس کے قتل کے برابر ہے

اسلام مین خوارج کا فرقہ صحابہ اور سلف صالحین کے عہد مین پیدا ہوچکا تھا، ان سے لڑائیان ہوئین اور خونریزیان ہوئین، مگر انھون نے ان کو کافر نہین کہا، نہ اونکی بیویون کو مطلقہ سمجھا، نہ انکے مال و اسباب کو لوٹنا جائز قرار دیا، حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کیا یہ کافر ہین، فرمایا یہ تو کفر ہی سے (اپنے خیال کے مطابق) بھاگے ہین، بلکہ متاخرین کے اقوال سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، صاحب کتاب الروضہ نے جیسا کہ فتح الباری مین ہے اہل سنت مین سے اکثر اہل اصول کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اونکو شہادتین کے تلفظ اور ارکان اسلام کی بجاآوری کے باعث کافر نہین کہا جائے گا، امام الحرمین سے کسی نے فتویٰ پوچھا تو اھون نے جواب دیا "کسی کافر کو مسلمانون مین داخل کرنا اور کسی مسلمان کا اسلام سے خارج کرنا بڑی بات ہے" امام ابوبکر باقلانی نے اونکو کافر کہنے مین تامل کیا، اور فرمایا کہ قوم نے انکی تکفیر کی تصریح نہین کی ہے" امام خطابی کہتے ہین "تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ خوارج اپنی گمراہی کے باوجود مسلمانون ہی کے فرقون مین سے ایک فرقہ ہین، اور ان سے رشتۂ مناکحت، اور اونکا ذبیحہ کھانا جائز ہے، اور وہ جب تک اصول اسلام کو

مانتے ہین انکی تکفیر نہین کیجائیگی، امام غزالی التفرقہ بین الاسلام والزندقہ مین لکھتے ہین :-

ینبغی الاحتراز عن التکفیر ما وجد	جب تک ممکن ہو اور راہ پیدا ہو سکے تکفیر سے احتراز
الیہ سبیلا فان استباحۃ دماء المصلین	کرنا چاہئے، کیونکہ نمازی اور توحید کے اقرار کرنے والون
المقرین بالتوحید خطاء والخطاء فی ترک	کے خون کو مباح سمجھنا غلطی ہے، اور ایک ہزار کافرون
الف کافر فی الحیاۃ اھون من الخطاء	کو زندہ چھوڑ دینے مین غلطی کرجانا ایک مسلمان کے
فی سفک دم مسلم واحد،	خون کو بہانے مین غلطی کرنے سے بدرجہا آسان ہو

ضرب الاحناف کی مجلس کے لیے ائمہ احناف کے متفقہ فتوے یقیناً زیادہ مؤثر ہونگے

ائمہ احناف متفقاً کہتے ہین،

واعلم انہ لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ	جاننا چاہئے کہ کسی ایسے مسلمان کے کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے
علی محمل حسن، او کان فی کفرہ خلاف ولو کان	جسکے کلام کے کوئی بہتر معنی بھی ممکن ہون، اور جسکے کفر
ذلک روایۃ ضعیفۃ ... اذا کان فی المسئلۃ	کے بارہ مین اہل افتا مین اختلاف رائے ہو اگرچہ
وجوہ توجب الکفر و واحد یمنعہ فعلی	وہ فتوی ضعیف ہی روایت سے کیون نہ ہو، ...
المفتی المیل لما یمنعہ (شامی باب حکم المرتد)	جب کسی مسئلہ کے متعدد ایسے وجوہ نکل سکتے ہین جن سے
" " " " " " " "	کفر واجب ہوتا ہے اور صرف ایک وجہ ایسی ہو جو کفر
" " " " " " " "	کو مانع ہو تو مفتی پر اسی مانع کفر وجہ کی طرف
" " " " " " " "	مائل ہونا واجب ہے،

اس عام فتوی سے یہ ظاہر ہوا کہ کسی مسلمان کے کلام سے اگر بعض ایسے معنی نکلے ہون جو کفر کو مستلزم ہون، لیکن اوسکے ایسے معنی بھی نکل سکتے ہون جنسے کفر لازم نہین آتا، تو اس کے کلام کو اسی مانع کفر معنی پر محمول کرنا چاہئے، خصوصاً جب یہ معلوم ہو کہ اس مشکوک کلام کے بعد بھی وہ نماز پڑھتا ہے محمد رسول اللہ

صلعم کے ساتھ عقیدت رکھتا ہے اسلام کی خدمتین انجام دیتا ہے، تو اس قسم کے فتوؤن کی رکاکت اور بھی واضح اور ظاہر ہو جاتی ہے، یہ جزئیہ بھی کتب فتاوی مین مذکور ہے،

حضرت امام محمد جو فقہ حنفی کی عمارت کی اصل بنیاد ہین، اپنی کتاب **آثار محمد** مین روایت کرتے ہین، کہ حضرت ابن عمرؓ سے اگر کسی نے فتوی پوچھا کہ یا ابا عبدالرحمان یہ لوگ جو ہماری بند چیزون کو چرا لیجاتے ہین، اور ہمارے دروازون کو کھول ڈالتے ہین، کیا وہ کافر ہین؟ فرمایا نہین، پھر دریافت کیا کہ کیا یہ لوگ جو قرآن کے نئے معنی (تاویل) کرتے ہین، اور ہم کو کافر کہتے ہین اور ہمارا خون حلال سمجھتے ہین (یعنی خوارج) کیا یہ کافر ہین، فرمایا نہین، اس نے تعجب سے پوچھا تو پھر کیونکر، ارشاد ہوا کہ نہین جب تک وہ خدائے واحد کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائین،

یہ تھا ائمۂ احناف کا رویہ! اور یہ ہے حزب الاحناف کا فتوی!

اسلامی فلسفہ

قرونِ وسطی کے اندلس مین،

از

پروفیسر پی، جی، برج، پرنسپل سینٹ پال کالج، کلکتہ،

مترجمہ

قاضی احمد میان اختر جونا گڑھی

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یورپ کے کسی حصۂ ملک نے ایک پرزور نشأۃ الثانیہ کیلئے اس قدر سرمایہ ورثہ مین نہین پایا، اور اس وسیع براعظم کی اقوام مین سے کوئی قوم شاندار احیار علوم و معارف کے لئے اس شان و شوکت سے نہین اٹھی، جیسے کہ چودھوین صدی کے آخر مین جزیرہ نمائے آئبیریا (اندلس) اور اس کے باشندے اندلس کے یہود اور مسلمان علما رفلسفہ نے شمع علم و حکمت کو روشن رکھنے مین اس وقت نمایان حصہ لیا جبکہ براعظم یورپ کے آسمان پر بربریت اور وحشت کی گھٹائین چھائی ہوئی تھین، ازمنۂ وسطی کی تاریخ کے ایک ماہر شخص کا بیان ہے کہ سامی نسلون کے شاندار فلسفیانہ ارتقا سے عیسائی فلسفہ کا افلاس شدید بالکل متناقض تھا، **رمیونڈ لل** کے سوا، جو مسلمان اور یہودی مصنفین، خصوصاً اول الذکر، کی خوشہ چینی کا رہین منت ہے، عیسائیت نے شاذ ہی کوئی نمایان قابلیت کا فلسفی پیدا کیا ہے، تاریخ اسلام کا وہ متعصب اور متوہم نقاد **سیل** (SELL) اس جزیرہ نما کے عربی عہد حکومت مین ابتدائی (PRIMARY) تعلیم کے بہترین نظام کی شہادت مندرجۂ ذیل الفاظ مین دیتا ہے:-

"وہان ابتدائی تعلیم کا نظام اس قدر مکمل تھا کہ تقریباً اندلس کا ہر شخص لکھنے پڑھنے پر قادر تھا، ایک ایسے معمولی کاشتکار کا ملنا بھی مشکل تھا جو پڑھ لکھ نہ سکتا ہو، حالانکہ دیگر مغربی ممالک مین ایسے ایک شخص کا ملنا بھی دشوار تھا"

اور اعلیٰ تعلیم کے لیے، تو ہمین معلوم ہے کہ، قرطبہ تمام مہذب دنیا مین بجا طور پر مشہور تھا، تحصیل علم کے ساتھ شوق اور دلچسپی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اسی شہر قرطبہ کی علمی درسگاہ مین پانچ ہزار طلبہ شریک ہوتے تھے، کبھی گمان بھی نہین ہو سکتا کہ قرون وسطیٰ کے یورپ مین ایسی زبردست علمی تحریک کا وجود رہا ہوگا، لیکن ہمین تسلیم کرنا چاہئے کہ ہمارا نصف دانستہ، نصف نادانستہ تعصب، اس سامی تہذیب کے خلاف، ہماری بے اعتباری کا ذمہ دار ہے، **ازمنۂ مظلمہ** کا غیر موزون نام، جو باصرار تمام قرون وسطیٰ پر چسپان کیا جاتا ہے، بہت کچھ ہمارے اس طرز عمل کا ذمہ دار ہے، عربی تاریخ کا محقق ماہر **ربیرا** ہمارے سامنے اقبال کرتا ہے کہ اس کو اس بات کے تسلیم کرنے مین کس قدر تامل تھا کہ پادری **زمینز** نے جیسا کہ اسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے، واقعی فتح غرناطہ کے بعد ہزارون عربی کتابون کو نذر آتش کر دیا تھا، **ربیرا** کہتا ہے کہ وہ اس واقعہ کو ایک مبالغہ خیال کرتا تھا جس کا باعث بعض مورخین اندلس کا، کلیسائے روم کے بلند رتبہ عہدہ دار (پوپ) کو بدنام کرنے اور الزامات لگانے کا میلان طبعی ہے، اس تاریخی غلطی کو رفع کرنے کے خیال سے اس نے اندلس کے عربی تمدن کے مطالعہ اور تحقیقات کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے، اور اپنی پرمشقت تحقیقات کے نتیجہ کے طور پر وہ تیقن کے ساتھ لکھتا ہے:-

"یہ ایک قطعی اور حقیقت نفس الامری ہے کہ اندلس کے اسلامی عہد حکومت مین دو لاکھ قلمی کتابین موجود تھین"

صرف **ربیرا** ہی وہ عربی کا عالم نہین ہے جو اس اسلامی تہذیب کی شہادت دیتا ہے، بلکہ مشہور اندلسی فاضل **آسین اتی پلیسوس** اور **کودیرا** بھی اسلامی اندلس کے افاضل فلاسفہ کو ایک بیش بہا

خراج تحسین پیش کرنے مین برابر کے شریک ہین، نہ صرف موجودہ علمار اندلس اسلامی تہذیب کی نسبت اپنے مسلمہ تحسین کے علانیہ اظہار مین تنہا ہین، بلکہ نامور مورخ **دوزی** اور **اسکاٹ** بھی اپنی غیر متزلزل مدح سرائی مین برابر رطب اللسان ہین، **اسکاٹ** اپنی زبردست اور مکمل تاریخ "اندلس کا اسلامی عہد سلطنت" مین لکھتا ہے:

"کوئی بادشاہ، جسکا ذکر تاریخ نے کیا ہو، ایسا نہین گذرا جو الحکم ثانی کے مبلغ علم، یا اس کے مذاق علمی کے تعدّد و تنوع کی برابری کرسکا ہو ؛ دنیا کے ہر ملک مین، تمدن کے مرکز مین، مشرق کے عظیم الشان دارالخلافتون مین اور تجارت کی زبردست منڈیون، بغداد، قاہرہ، دمشق مین، اس کے ایجنٹ اسکے کتبخانون کے واسطے کتابین فراہم کرنے کے لئے مقیم تھے، مشہور مصنفین کی منافست اور مسابقت ممالک دور دراز سے انکی تصانیف کو قرطبہ پہنچانے کا باعث ہوا کرتی تھی"

ایسی فیاضانہ سرگرم کوششون کا کامیاب نتیجہ ایک عجیب و غریب ذخیرہ کتب کی صورت مین نمودار ہوا، جو یورپ مین، بقول اسکاٹ، بلا شبہہ ایک عظیم ترین "حفاظت کار علم" تھا بقول بعض مصنفین اس کتب خانہ مین کتابون کی تعداد چالیس ہزار، اور بقول بعض ساٹھ ہزار تھی، بالفاظ دیگر افریقہ، ایشیا اور یورپ کی تمام حاصل شدہ حکمت قرطبہ مین جمع ہو گئی تھی، اسکاٹ لکھتا ہے،

"اس ذہنی و روحانی ظلمت، قابل تنفر بد اخلاقی اور غلاظت، اور بدترین عصبیت کے برعکس جو یورپ کی معاصرانہ ہیئت اجتماعیہ کو ممتاز کرتی ہے، الحکم ثانی اندلس کے عربی تمدن: شعر و صنعت اور علوم و فنون کا قابلترین نمایندہ تھا"

گذشتہ پچاس سال سے اسپین کی ان کثیر التعداد گرد آلود قلمی کتابون کو بالاستیعاب مطالعہ کرنے اور کار آمد بنانے کی قابل قدر کوششین عمل مین لائی جارہی ہین، جو عمل **انکویزیشن** کی بربادی مین زمینز اور اس کے رفقار کے تباہ کن ہاتھون سے بچ کر رہ گئی ہین، اہل اسپین کا یہ طرز عمل انکی گذشتہ بے اعتنائی کی تلافی ہے اور فی الواقع یہ تحریک "حکمۃ اندلسی" کی "نشاۃ ثانیہ" کہلائے جانے کی مستحق ہے، وہ خوف دہشت

جو ہر قدامت پسند اندلسی پر طاری ہوتا تھا، اور جو غیر عیسائی نسلون کے "غیر مقدس" اور خطرناک لٹریچر سے باز رکھتا تھا،
آج تقریباً ناپید ہے، اور آج یہ "انتعاشِ علوم" کے علمبردار نہایت جوش اور سرگرمی کے ساتھ ان کا فرانہ (اسلامی)
علوم" کے مطالعہ مین مصروف ہوگئے ہین، احیاءِ علوم کی اس تحریک کا بانی مبانی اور محرک اول **مننڈیزی**
پلایو تھا، جسکی علمیت بہت وسیع تھی، سترہ برس کی عمر مین اس نے **علوم الاندلس** (Ciencia
Española) نام کی ایک کتاب لکھکر شائع کی جو حکمۃ اندلسی کے پوشیدہ خزانون کی طرف
اہل علم کی توجہ کو منعطف کرنے مین نہایت پراثر ثابت ہوئی، اسکی مقناطیسی شخصیت نے اپنے گرد ملک کے
ذہین اور محنتی نوجوانون کو جمع کرلیا، اور علوم اندلس کی خوبیان ان پر آشکارا کرنے، اور فضلائے اندلس کے
اکتشافات کو بروئے کار لانے کے لئے اس نے ان کے سینون مین حب الوطنی کا جوش پیدا کردیا، اسکی زندگی
کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ عربی زبان اور عربی تاریخ کے مطالعہ کو زندہ کیا جائے، اور اسکی انتھک کوششون
کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم آج اس جزیرہ نما مین تحقیقاتِ علمی کے لئے ایک حیرت انگیز اعتناء مشاہدہ کر رہے ہین،
اندلس کا اپنے قرون متوسطہ کے فلاسفہ کی اہم تصانیف کو روشنی مین لانا در اصل اپنی دولتِ گم گشتہ کا تلاش
کرنا ہے، اس تحریک کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ روایت کی قید سے بالکل آزاد ہے، اس بات پر
کوئی شخص اظہار تأسف کئے بغیر نہین رہ سکتا کہ اسپین نے عربی علوم کے تنزل کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ کثیر التعداد
مصنفین کی تصانیف کو تلف ہونے دیا، قرونِ وسطیٰ کی اندلسی تہذیب کا تجزیہ کرنے کے قریب آتے ہوئے
ناقدین اس بات پر متفق معلوم ہوتے ہین کہ یہ تہذیب مادۂ اختراعی کے اثر سے محروم تھی، اور اس زمانہ مین مجدد
فلاسفہ کا وجود نہ تھا، اسپین بھی تمام براعظم یورپ کی طرح اپنی تخیل کی نشو و نما کے لئے مشرق کا دست نگر تھا
اور جرأت آمیز حریت خیال کی سحر اب تک طلوع نہین ہوئی تھی، فلسفہ کے شاندار نظام تعمیری کا دور
نہین آیا تھا؛ عربی نسلون نے بھی بہ نسبت قوۃ اختراعی کے قوۃ اخذ مین نمایان شہرت و امتیاز حاصل
کیا، باایں ہمہ مشرقی فلسفہ مغرب مین، جیسا کہ ہم دیکھ چکے، کچھ کم مقدار مین نہین لایا گیا، اگرچہ لازمی طور پر یہ

قیاس کرنا بیجا نہین ہے کہ عربون کے اس عمل اتخاذ کو ایک مدت مدید درکار ہوتی، خصوصاً ایسی حالت مین جب کہ اس جزیرہ نما کا سیاسی اضطراب کسی طرح فلسفیانہ موشگافیون کے لئے موافق نتھا، فی الحقیقت اندلس نے اہل عرب سے درثہ مین کیا پایا؟ اور اس نے تمام یورپ مین کیا منتقل کیا؟ ان دو سوالون کا جواب طلیطلہ کے دار الترجمہ کے کارنامے دے سکتے ہین،

۱۰۸۵ء مین، عیسائیون کے ہاتھ سے فتح ہونے کے بعد، طلیطلہ تدریج علم کا مسکن، اور فلاسفۂ مشرق و مغرب کا مرکز اجتماع بنگیا، شہر قرطبہ، اپنے بعض مرابطین اور ان کے جانشین موحدین فرمانرواؤن کے ہاتھون فلاسفہ پر جبر و تشدد ہونے کی وجہ سے، اپنے علمی مرکز ہونے کا استحقاق کھو چکا تھا، اسلیے کثیر التعداد اہل یہود طلیطلہ مین آکر پناہ گزین ہوگئے، اور بعض جلیل القدر عرب مصنفین نے بھی انکی تقلید کی، ان فدا کاران حریت کے لئے طلیطلہ نے اپنی آغوش شوق کھولدی، اور تہ دل سے ان کا خیر مقدم کیا،

ان حالات نے طلیطلہ کے اس زمانہ کے اسقف اعظم کے لئے، اپنے گرد منتخب فضلائے روزگار کا اجتماع، اور حکمت مشرقیہ کا قابل الفہم زبان مین ترجمہ کرانے کے مہتم بالشان کام کو ممکن بنا دیا، ان سب مین شقوبیہ (Segovia) کا رئیس الاساقفہ **ڈومینک گونڈیسالوس** (یا گونڈیسالوین جیسا کہ بعض مصنفین اس نام کو ترجیح دیتے ہین) اور **جان آونڈریتھ**، جو یہودی سے عیسائی ہوگیا تھا، سربرآوردہ تھے، ترجمہ کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ غالباً ناکمل تھا، گونڈیسالوس کی واقفیت عربی سے بہت محدود تھی، اسلئے وہ صرف آونڈریتھ کے بتائے ہوئے معانی کو مترادف لاطینی الفاظ کا جامہ پہنا دیتا تھا، جملہ کی ترکیب لازمی طور پر، بہ نسبت لاطینی ہونے کے زیادہ تر عربی ہوتی تھی، جو بسا اوقات اس کے مطلب کو خبط کر دیتی تھی، ترجمہ کی یہ میکانیکی صورت، جیسا کہ **رینان** اپنی کتاب ابن رشد و فلسفہ مین بجا طور پر لکھتا ہے، اس مین شک نہین کہ بیحد ناقص ہوتی تھی تاہم وہ اس زمانہ مین بسا غنیمت سمجھی جاتی تھی، یہ تراجم کیسے ہی ناکمل کیون نہ ہون لیکن فلسفیانہ تخئیل کو ابھارنے اور اصل تصانیف کی طرف راغب

کرنے مین نہایت قیمتی ثابت ہوئے، ارسطو کی تقریباً تمام تصانیف کا ان مترجمین نے ترجمہ کر ڈالا، اسکے علاوہ متعدد فلسفیانہ دقائق سے لبریز کتابون کی تصنیف کا اعزاز گونڈیسالوس کو حاصل ہے، ان تراجم نے غیر ممالک کے ماہرین فن کی توجہ کو منعطف کیا، جنھون نے فوراً طلیطلہ پہنچکر عربی کی تحصیل کی اور تراجم کے اس اہم کام مین شریک ہو گئے، ان فضلاء یورپ کے کئی نام ہم تک پہنچے ہین جنھون نے اس کام مین نمایان حصہ لیا مثلاً جیرڈ کریمونی، میکال اسکاٹ، اور ہرمن جرمنی، ہاریو اپنی مشہور تصنیف "فلسفہ مدرسیہ" مین ریمونڈلل طلیطلی کی تعریف مین رطب اللسان ہے، اور لکھتا ہے کہ اس نے یورپ کی تہذیب کی جو خدمات جلیلہ انجام دی ہین وہ اس قابل ہین کہ تانبے کے پترون پر منقوش کرائی جائین تاکہ آیندہ نسلین اسکو ہمیشہ یاد رکھین،

رینان، مغربی فلسفیانہ تحقیقات پر ان تراجم کے اثر کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ مین کرتا ہے:

"مغربی فلسفہ مین عربی متنون کی شمولیت نے قرون وسطیٰ کی فلسفیانہ اور سائنٹفک تاریخ کو دو نمایان حصون مین منقسم کر دیا اول الذکر کے پاس اپنے استعجاب کو مطمئن کرنے کے لئے رومن اسکول کی تعلیمات کے غیر مسلسل اور منتشر آثار کے سوا کچھ نہین، جنسے مرسیون، کپیلا، بیڈ ایسے لوگون کی تصانیف معمور ہین، آخر الذکر کے ہان، مغرب مین علوم قدیمہ بہت منتظم طریقہ پر اہل عرب کی شروح کی صورت مین یا اصل یونانی تصانیف کے ذریعہ سے پہنچے جنکی صرف تلخیصات پر رومیون نے قناعت کی"

لہذا مشرقی فلسفہ کی ترویج و اشاعت کے لئے خواہ وہ کتنے ہی ناکمل طریقہ پر کیون نہ ہو، مہذب دنیا طلیطلہ کے اس دار الترجمہ کی گرانبار احسان ہے۔

اس تہذیب جدید کی اشاعت کا اثر اس قدر دور رس ہونے کے باوجود کما حقہ بنظر استحسان نہین دیکھا گیا، جس کا سبب غالباً عربی علوم کی تعلیم کا تنزل تھا، جو اندلس سے مسلمانون کے اخراج، اور عیسائیون کے

جابرانہ تسدد کا رہین منت ہی، سالہا سال سے فلسفہ کی تاریخ مین بقول پروفیسر گاؤنتیر ہم فلسفۂ قدیمہ سے فلسفۂ جدیدہ کے مطالعہ کی طرف جاتے ہوئے درمیانی قرون پر ایک نگاہ غلط انداز کے ساتھ، بشرطیکہ اتنا بھی ہو سکے، گزر جانے کے عادی ہو چلے ہین، گویا اس درمیانی مدت مدید مین نفس انسانی پر نوم کی حالت طاری ہو گئی تھی، اور فلسفیانہ تخیل کا سد باب ہو چکا تھا، لیکن زمانۂ حال کی تحقیقات نے بخوبی واضح کر دیا ہے کہ قرون وسطیٰ کا فلسفۂ مدرسیہ نظر غائر اور کافی توجہ کا محتاج ہے، اور یہ کہ اس اسکول کے مشاہیر مترجمین کی تحریرات کی توضیح و تشریح کے لئے اسلامی اور یہودی فلاسفہ کی تصنیفات کا تھوڑا اور معمولی مطالعہ ناکافی ہے **البرٹس اعظم**، **ٹامس اقویناس**، اور **ڈنس اسکاٹس** وسیع پیمانہ پر اندلسی فلاسفہ **ابن رشد**، **ابن جبرول**، اور **موسیٰ بن میمون** کے مرہون منت ہین، مؤخر الذکر (ڈنس اسکاٹس) کی تصانیف سہل الحصول اور سریع الفہم نہ تھین اسلئے اس بات کی تحقیق ناممکن ہو گئی کہ عیسائی مترجمین نے غیر عیسائی مصنفین سے کس قدر اخذ کیا ہے، بایں ہمہ زمانۂ حال مین یورپ مین، عربی اور یہودی فلسفہ کا مطالعہ علوم اسلامیہ کی اشاعت کے دو شاندار نتیجون کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے؛ سب سے پہلے فلسفیانہ اصلاحات کی تعداد مین معتد بہ اضافہ کا ہونا اور ان مین تغیر عظیم پیدا کرنا ہے، اس سلسلہ مین **سیور بونیلا** اپنی تاریخ "فلسفۂ اندلس" مین لکھتا ہے کہ فلسفیانہ مصطلحات کے اس تغیر کے سبب سے البرٹس میگنس کے سمجھنے مین بہ نسبت اسکاٹس اریگینا کے، بڑی دقت پیش آتی ہے، اگرچہ مؤخر الذکر کا زمانہ بہ نسبت اول الذکر کے ہم سے بعید ہے،

اس اثر کی کمیت زمانۂ موجودہ کے واقعات کے مقابلہ سے بخوبی واضح کیجا سکتی ہے، **کانٹ** اور **ہیگل** کے فلسفون کی اشاعت نے زمانۂ حال کے فلسفیانہ مصطلحات مین ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا ہے، چنانچہ یورپ مین **سامی فلسفہ** کی اشاعت سے یہی اثر پیدا ہونے کی توقع ہو سکتی تھی، عربی جیسی وسیع اور متمول زبان کے الفاظ نے معانی کے مختلف مفاہیم سے فلسفیانہ لغت مین بیش بہا اضافہ کر دیا جسکا یہ اثر محض الفاظ اور طرز ادا کی آورد تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ خیالات اور مدرکات تک بھی مستعار لئے

سگئے تھے، اس سلسلہ مین آسین لکھتا ہے:-

"خیالات کی اس آورد کے تمام پہلوؤن کی تحسین کرنے کے لیئے بارھوین صدی پیشتر کے مغربی عیسائی مترجمین کے فلسفیانہ، فقہی اور متصوفانہ خیالات کی ایک جامع اور مکمل فہرست بنانا، اور ان کا مقابلہ تیرھوین صدی عیسوی کے مترجمین کے انھی خیالات کے ساتھ کرنا نہایت ضروری ہوگا،

جیسا کہ آسین کا پختہ یقین ہے، یہ مقابلہ اس حقیقت کو بے نقاب کردے گا کہ سب سے پہلی بار ان خیالات کی بہت بڑی مقدار تیرھوین صدی مین رونما ہوئی، اور تحقیق کرنے پر ان خیالات کا سراغ مسلمان یا یہودی فلاسفہ تک آسانی سے لگایا جاسکے گا، اسی آسین اور ریبرا نے ریمونڈ لل کی تصانیف کا بالاستیعاب اور باحتیاط مطالعہ کیا ہے، اور دونون اس اہم نتیجہ پر پہنچے ہین کہ عیسائی صوفی، جیسا کہ لل کو کہا جاتا ہے، اسلام کے نامور صوفی حضرت محی الدین ابن العربیؒ کا خوشہ چین ہے، اس قیمتی نتیجہ کی مثال مین وہ یہ حقیقت ظاہر کرتے ہین کہ ریمونڈ لل نے اپنی کتابون Lamentatio Philoso phiae Contra Averroistas اور Auditor Kabbalistica مین ایک دائرہ کی شکل لکھی ہے لیکن کسی جگہ اسکی علامتی اہمیت نہین بتلائی، اس وجہ سے لل کی تعلیمات بہت مبہم اور ناقابل فہم ہوگئی ہین، آسین نے حال ہی مین یہ ثابت کردیا ہے کہ حضرت محی الدین ابن العربیؒ کی تصانیف مین یہی شکل مفصل تشریح کے ساتھ پائی جاتی ہے جو لل کے اصول سے بالکل مطابق ہے، یہ اہم نتیجہ ابن العربیؒ کی فتوحات مکیہ کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد نکالا گیا ہے، لل کو اپنے ماخذ کا حوالہ نہ دینے کی افسوسناک عادت تھی اس امر نے اسکی تصانیف کا دیگر تصانیف کے ساتھ مطابقت پیدا کرنا بہت دشوار بنادیا ہے" غالبًا اسکی شہرت اور ناموری کے خیال نے اپنے سے اقبل یا ہمعصر ماخذ کا احسان تسلیم کرنے سے اسکو باز رکھا۔

یہ کہا جاتا ہے کہ مغرب کو جو "عربی ورثہ" ہاتھ آیا وہ زیادہ تر ارسطو کی تصانیف سے روشناس

کرانے پر مشتمل تھا، لیکن اگر ہم عربی فلسفہ کے کارنامون کو اسی تک محدود کر دین تو وہ کوئی زیادہ تعریف کے
قابل نہین رہتا، اس لئے کہ یورپ مین ارسطو کی تصانیف بعد مین اصل یونانی مین لائی گئی تھین، اس سے
انکار نہین کیا جاسکتا کہ عربون نے یقیناً ارسطو کے فلسفہ پر اپنی شخصیت کا نقش بٹھا دیا، ہمین یہ بھی ہرگز نہ بھولنا
چاہئے کہ ارسطالیسی مسائل کی تفہیم نے، جو اہل عرب نے کی، قرون وسطیٰ کے فلسفہ اسکولاستکی کی بہت سی خصوصی
تعلیمات کو ترقی دی اور وہ دو مدرسے (جنھین فلسفۂ اسکولاستکی اپنے تمام مزمن اور ناقابل اتصال رجحانات
کے ساتھ فلسفہ طامس اقوینا (Thomism) اور فلسفۂ ڈنس اسکاٹس (Scotism)
نامی دو حصون مین منقسم تھا) غیر عیسائی مدرسیت (علم کلام) کے مروجہ میلانات سے
پوری مطابقت رکھتے تھے، "تفوق ارادت بر عقل" اور "وحدۃ الوجود" وغیرہ مسائل مین ڈنس اسکاٹس کا پرزور
مؤید اندلس کا یہودی ابن جبرول تھا جسکو مدرسین (Avicebron) کہتے ہین، اور مسئلہ عقول
عشرہ مین طامس کا فلسفہ فارابی، خصوصاً ابن سینا اور یہودیون کے فلسفہ سے اکثر امور مین ملتا جلتا ہے،
چنانچہ حال ہی مین آسین موصوف نے دوسرے طریقہ سے طامس اقوینا کے فلسفہ پر عربی فلسفہ کے
اثرات کا سراغ لگایا ہے، وہ بتاتا ہے کہ تیرہوین صدی کے اندلس کے ایک ڈامینکن راہب ریموند
مارٹی، نے جو عربی زبان کا ماہر تھا، ایک کتاب "تہافۃ العقائد" (Pugio fidae) بر دان
ابن رشد کے خلاف لکھی تھی، آسین ثابت کرتا ہے کہ اسکی بنیاد تمامتر امام غزالیؒ کی تہافۃ الفلاسفہ پر ہے،
مارٹی نے اس مین یہ ثابت کرنے کے لئے کہ خدائے تعالیٰ کو تمام جزئیات مخلوقات کا علم ہے اور اسلیے
اسکی قدرت ان سب پر حاوی ہے، مسئلہ حدوث عالم اور حشر اجساد کے ثبوت مین وہی دلائل بیان
کئے ہین جو امام موصوف نے لکھے ہین؛ نیز یہ اہم حقیقت کہ طامس اقوینا نے بھی اپنی کتاب رد حنبا ملز
Summa Contra Gentiles مین (جو اپنے مقاصد کے لحاظ سے تہافۃ الفلاسفہ
کی ہم آہنگ ہے) مارٹی کے دلائل استعمال کئے ہین، اس طرح آسین نے ان مترجمین کا امام غزالیؒ

سے استفادہ کرنا بوجہ احسن ثابت کر دیا ہے،

آخر مین اس امر پر تعجب کئے بغیر نہین رہا جا سکتا کہ سب سے اہم واقعہ جس کا تعلق قرونِ وسطیٰ کے فلسفہ کے ساتھ تھا وہ فلسفہ اور مذہب کا اختلاط ہے جس نے مسلمان اور یہودی فلاسفرون کے دماغون کو عرصۂ دراز تک مشغول و مصروف رکھا، فلسفہ اور مذہب مین تطبیق دینے[1] کا اعزاز ابن رشد کو دیا جاتا ہے لیکن آسین اپنی کتاب "ابن رشد و طامس اقوینو" مین لکھتا ہے کہ ابن رشد سے ایسے نظریہ کا انتساب صحیح نہین ہے، پھر بھی یہ امر واقعی ہے کہ پیروان ابن رشد نے عقل و مذہب کے درمیان ایسی تفریق کی حمایت کی ہے،

یہ مسائل تھے جنکو اس اسکول کے فضلار نے حل کرنا چاہا، کیا ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ انکی کوئی اولین اہمیت نہین ہے؟ کیا انھی مسائل نے مختلف پیرایون مین، فلاسفۂ حال کے دماغون پر اپنا تسلط نہین جمایا؟ کیا (مثلاً) ڈاکٹر **بوزانقی** تمام مذاہب اور ان کے الہامات کو گھٹا کر افلاطونی و تسکینی فلسفہ مین مقید کر دینا نہین چاہتے؟ یہ مسائل اُن چند مسائل مین سے ہین جو ہمیشہ عقل انسانی کو مبہوت و متحیر بناتے رہے ہین، اور یہی تھا جسکو ہم، چودہوین صدی کے اختتام پر، جزیرہ نمائے آئبیریا کا "سرمایۂ حکمت" کہہ سکتے ہین اگر کسی ایسے شخص سے جو عام اہل اندلس کے برعکس مذہبی نفرت و تعصب سے خالی ہو، یہ سوال کیا جاتا کہ فلسفیانہ تحقیقات کو جاری رکھنے کے لئے کونسا طریقہ بہتر ہوتا؟ تو وہ بلا تامل یہ جواب دیتا کہ علوم فلسفیہ مین اندلسی کارگزاریون کا وہی طریقہ ہونا چاہئے تھا جو مارٹی اور لل نے اختیار کیا تھا لیکن بد قسمتی سے خصوصاً اسپین اور عموماً سلطنت علم کے نقصان عظیم کی بدولت یہ نہ ہونا تھا نہ ہوا، اگرچہ عیسائی افواج کی فتحمندیون نے جو ان کو مسلمانون پر حاصل ہوئین، اندلس کے مسلمان اور یہود بلکہ متنصرہ تک کے

---

[1] یعنی کوئی بات جو برہان سے ثابت ہو گئی ہو اور مذہب مین اس کے خلاف ہو تو مذہب مین یقینی تاویل کی جاویگی۔ آخر،

خلاف انکی دبی ہوئی آتش تعصب کو مشتعل کر دیا، اور مذہبی بغض و عناد کے شعلہ کو بھڑکایا، تاہم مارٹی اور لل کے سے شخصون نے اندلسی مسلمان اور یہود کی حالت سے ہمدردی کرنے، ان کے وسیع لٹریچر کا مطالعہ کرنے اور انکی زندگی و تخیل مین شریک ہونے کے لئے سرگرم کوششین کین، لل کی تصانیف کے ایک ماہر فاضل ہیرا کا بیان ہے کہ اسکی متعدد تصانیف مین کئی مرتبہ اس پر تعصب ہی غالب آجاتا ہے تاہم جہان کہین مسلمان مصنفین مستحقِ تعریف نظر آتے ہین وہان ان کو خراجِ تحسین پیش کرنے سے اس کو دریغ نہین ہوتا، اور جہان انکا کوئی قیمتی اضافہ معلوم ہوتا ہے تو اس سے استفادہ کرنے مین اس کو تامل نہین ہوتا، جبرًا تبدیلِ مذاہب کی پالیسی کا لل ہمیشہ سخت مخالف رہا، اور عمر بھر اصول مذہبی کے ہمدردانہ اور عاقلانہ بحث و مناظرہ کی اشد ضرورت پر زور دیتا رہا، لیکن مارٹی، لل اور ان کے متبعین کی جماعت بہت مختصر تھی اور آخر کار حامیان جبر و تشدد کی جماعت غالب رہی، اگر اندلس کی نشأۃ جدیدہ کا وہ نامور ہیرو اور اپنے زمانہ کا سربرآوردہ مترجم یونانی **والوزلل** کا قائم مقام بنجاتا اور ابن رشد اور میمونین کے فلسفہ کی تحصیل کرنے، اس کو سمجھنے اور حتی المقدور محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا تو حالت کس قدر دگرگون ہوتی، اور تاریخ اندلس کی رو کیسی بدل جاتی، کیونکہ یہ ایک واقعہ ہے کہ اندلس کو، مسلمانون اور یہودیون کے زمانۂ اخراج سے، (جو ایک قوم کے مذہبی اتحاد کو قائم اور اس کے امن و اطمینان کو برقرار رکھنے کے لئے ناگزیر سمجھا گیا) پھر کبھی امن کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی، اور آباؤن کے اس پار اس کو وطنِ مالوف سے نکالے ہوئے لوگون کی اولادون کے مقابلہ مین وقتًا فوقتًا مصروف رہنا پڑا، لیکن والوز بلنسیہ مین پیدا ہوا تھا، جہان سامی نسلون کے خلاف مخالفت کا احساس کثرت سے پھیلا ہوا تھا، اور بلاشبہ وہ نسل سامی کی اس مخالفت کو شیر مادر کے ساتھ اپنے خون مین پیوست کر چکا تھا، اس لئے ظاہر ہے کہ لاطینی اور یونانی نمونون کے سوا اسکی آنکھین کسی چیز کو خوبصورت نہین دیکھ سکتی تھین، اندلس سے مسلمانون اور یہودیون کے اخراج کی نسبت، زمانۂ حال کے ایک سربرآوردہ اندلسی مورخ منندیزی پلایو کی رائے یہان نقل کرنا مناسب

نہ ہوگا جوان حدود کو بتلائے گی، جہان تک کہ اتحادِ عقائدِ مذہبی کی خواہش نے اندلس کے فلسفہ پر اثر ڈالا ہے، اور اب تک ڈال رہی ہے، وہ اپنی کتاب "اندلس کی آزاد خیالی کی تاریخ Historia de las Heteredoxcas Espanoles" مین لکھتا ہے:-

"یہ خیال کرنا ایک دیوانگی ہے کہ کسی کے اخراج یا خاتمہ کر دینے سے "تنازع للبقار" اور زمانۂ دراز کی بیرحمانہ رقابتون کا اختتام ممکن ہو سکتا ہے، ہمیشہ کمزور نسلین لازمی طور پر مغلوب ہو جاتی ہین اور زوردار اور قوی نسلین غالب آتی ہین"

آخر مین یہی مصنف مسلمانانِ اندلس کے اخراج کو، اتحادِ نسل، اتحادِ مذہب، اور اتحادِ زبان و رسوم کے اصول کی کامیابی تصور کرتا ہے، بالفاظِ دیگر سولھوین صدی اور مابعد کے اہل اندلس اصول قومیت و مذہبیت کو اشیاء پرستی (Fetichism) کی صورت مین قائم کرتے نظر آتے ہین جسکی قربان گاہ پر ہر چیز قربان کر دی جاتی ہے، اگر ہم ہوشیاری سے اس نشأۃِ جدیدہ کے اسباب کا تفحص کرین تو نسل سامی کے خلاف اشتعال انگیزی کے علاوہ ہمین ایک اور پوشیدہ سبب، (جسکو نظر انداز نہین کرنا چاہیے) اپنا کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، اس سے ہماری مراد وہ فرانسیسی یا گلیکانی اثر ہے جسکو گلونی کے راہب اس جزیرہ نما مین لے آئے، ان راہبون نے، جو ایک حیثیت سے یسوعین Jesuits کے نقیب تھے، پوپ کے ہاتھون مین ایک مکمل مرکزیت کی طاقت پیدا کرنے کی کوشش کی، آخر کار انھون نے مُصمم طور پر ان مذہبی رسوم اور حقوق کی جو روما مین مروج نہ تھے شدید مخالفت کی، ان کا مطمحِ نظر تمام یورپ مین صرف عوائد و رسوم مذہبی کا عام اتحاد قائم کرنا تھا، چنانچہ گلونی کے یہ راہب جنوب اندلس مین فوراً پھیل گئے، اور سب سے پہلا کام جو انھون نے کیا وہ یہ تھا کہ انھون نے موزارابی رسم مذہبی کو موقوف کر کے اسکی جگہ فرانسیسی رسم کو، (جو غلط طور پر رومی رسم کہلاتی ہے) جاری کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک مین اس وطنیت (یا صوبہ پرستی) Provincialism

کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہونے لگی اور ہلڈ برانڈ نے، جو اس وقت گریگوری ہفتم کے نام سے پوپ کے جلیل القدر منصب پر فائز تھا،

قسطیلیہ اور نویرے کے فرمانرواؤن سے موزارابی رسم کو دبا دینے کے لئے درخواست کی، موزارابی قانون کلیسائی کی کتابون کے حوالہ سے ایک "فتویٰ الحاد" (فرد جرم عقائد) Auto-da-fe[1] تیار کیا گیا، اور عوام کی مذہبی زندگی کے ان قومی عناصر کو دبا دینے کی اس پالیسی نے، آگے چلکر ہدایت و رہنمائی کے لئے، اندلس کے عربی اسکول کے قدیم اساتذہ کی طرف متوجہ کرنے کی بجائے فرانسیسی اسکول کی طرف رجوع کرنے کا ایک ناخوش آیند میلان طبع پیدا کر دیا،

اسی زمانہ مین کم وبیش ایک تیسرا سبب اس مرکزی رجحان کو مستحکم کرنے کے لئے نمودار ہوا، یعنی الفانسو پنجم والی ارغون، اپنی سلطنت مین صقلیہ کے نام دو ملکون کا الحاق ہو جانے سے نیپلز مین اپنی مستقل حکومت قائم کرنے مین کامیاب ہوگیا؛ اس کا دربار نہایت شاندار اور پر تکلف تھا، جس نے اطالوی نشأۃ ثانیہ کے نامور مصلحین کو اپنے حلقۂ ارادت مین کھینچ بلایا تھا، یہان اندلس کے اُن پرشوق، امید افزا نوجوانون کو اطلی کے شستہ مذاق صناعون اور کلاسیکل ادیبون سے روشناس ہونے کا موقعہ ملا اور اس نئی تحریک

[1] عدالت "انکویزیشن" جو اسپین مین مذہب عیسوی سے برگشتہ ملاحدہ کو سزا دینے کے لئے قائم ہوئی تھی اس نے ایک دن ایسا مقرر کر رکھا تھا جس مین مجرمون کو زندہ جلا دیا جاتا تھا، اس روز قانون کلیسا کی رو سے ایک فرد قرار داد جرم تیار کیجاتی تھی جس مین ان ملزمین کے اعتقادات وغیرہ کی تشریح ہوتی تھی، چنانچہ یہ "آٹوڈا فے" بھی ازمنۂ مظلمہ کے الٰہی وحشیانہ مظالم کی ایک یادگار ہے، سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اہل انکویزیشن ان ملزمون کو اسلئے زندہ جلا دیتے تھے کہ رومن کیتھولک چرچ کے اس اصول کے مطابق کہ "اس کلیسا کے دامن پر خون کا دھبہ نہین ہے" ان کو خون بہانے کی ممانعت تھی، کیا خوب ہاسے

چھپائے سے کہین یہ خون ناحق چھپ نہین سکتا ہین دھبے خون کے ظالم تری ان آستینون مین اختر

کا متعدی اثر ان مین سرایت کر گیا، یہان لاطینی اور یونانی آثار کی طرف سے ان کے دلون مین کامل ذوق و شوق پیدا ہو گیا، اور اپنے وطن کو مراجعت کرنے کے بعد وہ اندلس کے دارالعلومون مین علوم جدیدہ کی اشاعت کا ذریعہ بنے، لیکن لاطینی اور یونانی آدب القدما کے سے روز افزون شوق و دلچسپی کی بدولت "وحشیانہ عربی تہذیب" کے مطالعہ کی خواہش ان کے دلون سے زائل ہو گئی، اسی اثنا مین بعض وجوہ سے جنکی تفصیل بہت طول طویل ہو گی، اس نہضتہ علمیہ کا مرکز اطلی سے جنوبی ممالک کو تبدیل ہو گیا، اس واقعہ نے "نشاۃ جدیدہ" کی طرف اندلس کا رخ پھیر دیا، کیونکہ اس وقت سے اہل اندلس رینائزان (نہضتہ علمیہ) کو ریفارمیشن (تحریک اصلاح) کا مرادف سمجھنے لگے، اوران کا وہ محبوب و مرغوب قومی و مذہبی اتحاد جو زمانہ ماضی مین اسقدر گران قیمت پر خریدا گیا تھا، اس وقت معرض خطر مین تھا جس سے بغیر جد و جہد کے دست بردار ہونا کسی طرح گوارا نہین کیا جاسکتا تھا، اس موقع پر کوئی تعجب نہ تھا اگر مذہبی احساس کثرت کے ساتھ محسوس ہونے لگا اور "نشاۃ جدیدہ" (جسکا ارسمس ایک نمایندہ تھا) اور لوتھر کی تحریک اصلاح دونون (بعینہٖ اسی طرح جیسے کہ علوم عربیہ زمانہ ماضی مین) قومی و مذہبی اتحاد کی دشمن، اور مخرب سمجھکر مردود و مطرود قرار دیگئین، اور فوراً اس مطلوبہ اتحاد کو ملک کے قبض و تصرف مین واپس لانے کی تدبیرین عمل مین لائی گئین، سب سے پہلے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ یہ تھا کہ ارسمس کی تصنیفات کی اشاعت ممنوع قرار دیگئی، اور ان نامور مترجمین کی تحریرات کا اسپین مین لانا موقوف کر دیا گیا،

فرمانروایانِ اندلس کا توہم

فلپ ثانی کی طرح تو

تھا ہی نہین[1]، کہ جو ملک مین صرف ملحدانہ خیالات کو داخل ہونے سے باز رکھنے پر قناعت کرتا، بلکہ ایک

[1] ۱۵۶۶ء مین فلپ ثانی نے متنصرہ (نو عیسائی مسلمانون کو) ان کے عربی نامون کو ترک کر دینے اور مشرقی لباس نہ پہننے کا حکم دیا تھا، تاکہ وہ بزعم خود، سوادِ مذہب کاتولیگی مین شامل معلوم ہون، اس کے بعد فلپ ثالث کے عہد

اور قدم یہ آگے بڑھایا گیا، کہ اندلس کے علما، غیر ممالک مین جانے، اور وہان کے دارالعلومون کا معائنہ کرنے سے روگ دیئے گئے، جو خیال کیا جاتا تھا کہ ملحدانہ مسائل کے متعدی اثرات اپنے اندر رکھتے ہین، بہر حال سچ پوچھیے تو ان شدید تدابیر پر سختی سے عمل نہین کیا گیا، البتہ اتنا ہوا کہ برّاعظم یورپ کے دیگر ممالک کی بہ نسبت ان تدابیر نے سرزمین اندلس کو ویران اور بنجر بنانے مین گہرا اور پائدار اثر ڈالا، اس کے بعد سے اندلس کی تمام اعلیٰ علمی تحریکات اور فلسفیانہ تحقیقات صرف مابعد کی "تحریک اصلاح" Counter-reformation تک محدود رہ گیئن جسکے علمی میدان مین اندلس نے ایسے مشاہیر فلسفہ پیدا کئے جنکے نامون کو شمار کرنا طوالت سے خالی نہ ہوگا، فلسفۂ اندلسی کی تاریخ مین پھر ایک مرتبہ "مذہبی اتحاد" کا مرض عود کر آیا، اور بیرونی خیالات و اثرات کی تقویت بخش ہوا کے سامنے اندلس نے اپنے دروازے بند کرکے واقعی ایک خود کشانہ پالیسی کی حمایت کی، آخر مین ہم ایک تاریخی سند یعنی مورخ منندیزی کے الفاظ کا ترجمہ یہان نقل کرنے کی اجازت چاہتے ہین، جو اندلس کے دو نامور مصنفون کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"جب کچھ عرصہ کے پہلے مین نے فلسفۂ اندلسی کے طبعی اسباب پر غور کرنا شروع کیا تو مجھے اس مین دو برابر کے ممتاز پہلو نظر آئے، یعنی وائوز فلسفہ کے تنقیدی پہلو کا نمائندہ ہے، اور لل اس فلسفہ کے اجزاء متحدہ کا، وائوز فلسفۂ نفسی کو اسکی اختیاری صورت مین پیش کرتا ہے اور لل اسکی مابعد الطبیعی اور ترکیبی حیثیت کو"

لہ (بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) مین تقریباً ایک لاکھ آدمیون کو نہایت بیرحمی اور ذلت کے ساتھ ملک سے نکال دیا گیا، اس طرح اسپین کی اس احسان فراموش سرزمین نے عربی تہذیب و تمدن اور عربی زبان کے آثار مٹا دینے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا۔ اختر

دوآبۂ دریائے جیحون وسیحون کی تاریخ پر ایک نظر[1]

ا۔ زیر بحث مسئلہ

وسط ایشیا کا وہ حصہ جو دریائے جیحون وسیحون سے سیراب ہوتا ہے جغرافیائی اور تاریخی لحاظ سے ایک ہی سمجھا جا سکتا ہے، اس سرزمین نے دنیا کی تاریخ مین متعدد مرتبہ خاص حصہ لیا ہے، چونکہ دریائے تریم کے میدان کے ساتھ یہ ملک متعدد تمدنون کے علاقون مین ذریعۂ آمد ورفت رہا ہے، اور اسی راستے سے وسط مشرق اور اس کے ساتھ ساتھ بحیرۂ روم کے ممالک کا تعلق ہندوستان سے اور خود ہندوستان کا تعلق مشرق بعید کے ممالک یعنی چین جاپان اور کوریا سے ہوا،

اس لحاظ سے جو تشابہ دریائے جیحون وسیحون کے دوآبہ اور شام کی سرزمین مین ہے وہ کسی مورخ کی نظر سے پوشیدہ نہین رہ سکتا، اور تعجب کی بات یہ ہے، کہ جہان تک غور کرتے جاؤ یہ تشابہ زیادہ ہوتا جاتا ہے، شام اور شمال مغربی جزیرہ نے اناطولیہ اور عراق کو ایک دوسرے سے ملادیا، اور پھر ان دونون علاقون کا تعلق مصر سے قائم کیا، اور یہ اس وقت جب کہ یہ تینون علاقے اس زمانہ کی تہذیب وتمدن کا مرکز تھے، اس کے علاوہ ان دونون راستون مین ایک اور مشابہت بھی پائی جاتی ہے، یہ راستے جن علاقون مین سے گذرتے ہین وہ بھی بہ ہیئت مجموعی بالکل ایک ہی قسم کے ہین، دونون راستون کے ایک پہلو پر

---

[1] ترجمہ از:- PROF. ARNOLD J. TOYNBEE: NOTES ON THE HISTORY OF THE ONUS-JAXRES BASIN (BULLETIN OF THE SCHOOL OF ORIENTAL STUDIES, LONDON INSTITUTION VOL III, PART II.

ایک نہایت ہی ناقابل گذار سطح مرتفع ہے، شام کے راستے مین عرب اور دریاے جیحون وسیحون کے راستے مین تبت واقع ہے، عین اس زمانہ مین جب کہ یہ دونون راستے دو عظیم الشان تمدنون مین ذریعۂ آمد و رفت بنے ہوئے تھے، یہ سطحات مرتفع بے کار محض پڑی ہوئی تھین وہ نہ کسی قسم کا معاشرتی اور سیاسی اثر قبول کرتی تھین اور نہ ان کا کوئی اثر ان راستون پر پڑتا تھا، اگرچہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تاریخ عالم کے بعض نازک موقعون پر یہ قاعدہ کلیہ ایکبارگی ٹوٹ بھی گیا ہے، اس کی سب سے بڑی نمایان مثال ۶۳۳ء مین عرب کے مسلمانون کا شام پر اور ۸۰۰ء مین تبت کے بدھ مذہب والون کا وسط ایشیا پر ٹوٹ پڑنا ہے، یہ دونون واقعے در اصل ان واقعات کی ایک کڑی ہین جو (اگرچہ شاذ ہی سہی) تاریخ عالم کے اکثر عہدون مین ان دونون سرزمینون مین واقع ہوتے رہے ہین،

ان دونون علاقون مین ایک مشابہت یہ بھی ہے، کہ اگر ان کے ایک طرف ناقابلِ گذار سطحات مرتفع ہین تو دوسری طرف سمندر کا ساحل ہے یہ سچ ہے کہ دونون کے سمندرون مین بہت فرق ہے، کیونکہ شام کے ساحل پر بحیرۂ روم ہے اور وسط ایشیا کے اس پہلو پر جنگل اور ریت کا ایک دریائے ناپید اکنار واقع ہے، لیکن پھر بھی ایک طرح دیکھا جائے تو ان دونون سمندرون مین بھی مشابہت پائی جاتی ہے، دونون سمندر یعنی بحیرۂ روم اور وسط ایشیا کے جنگل انسان کیلئے کھلے ہوئے ہین، دونون اگرچہ مرور و عبور کے لئے مناسب ہین لیکن انسان ان مین بس نہین سکتا، دونون مین سوا ے چند جزیرون او نخلستانون کے کوئی جگہ ایسی نہین جہان انسان اپنا قدم جما کر تمدنی زندگی اختیار کرسکے، دونون سمندر سیر و سیاحت اور ارسال و انتقال کے لئے ان قطعاتِ ارض سے بھی کہین زیادہ موزون ہین جہان انسان مستقلاً آباد ہو گیا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ دونون مین انسان کو ان شرائط کا پابند ہونا پڑتا ہے کہ "سفر کرتے ہوئے نکل جاؤ، ساحلون پر مناسب جگہ اپنے گھر بنا کر آباد ہو جاؤ، اور ان سمندرون مین قیام و مکان کا ارادہ نہ کرو،" اس نظر سے اگر دیکھا جائے تو ان خانہ بدوش قبائل مین جو ہر سال گرمی اور سردی کے موسمون مین خاص

چراگاہون مین گھومتے پھرتے ہین، اور ماہی گیرون کی ان کشتیون مین جو سمندر مین خاص خاص موسمون مین ایک بندرگاہ سے دوسرے بندرگاہ کا گشت لگایا کرتے ہین، ان تجارتی بیڑون مین جو سمندر کے ایک ساحل سے دوسرے ساحل پر مال پہونچاتے اور بار کرتے ہین، اور اونٹون کے اِن قافلون مین جو اس زمین مین ایک قطعہ کو دوسرے قطعے سے ملاتے ہین، بحری قزاقون اور ریگستانی لٹیرون مین اور ان صلیبی مجاہدون مین جو کشتیون مین سوار ہوکر ٹڈی دل کی طرح شام کے ساحل پر ٹوٹ پڑے تھے، اور سک، یوچی، ترک، اقتالوی، اور مغل اقوام مین جو ان ہی ریگستانون اور جنگلون مین رہتے رہتے ایک مرتبہ اپنا راستہ بدل کر ابروباد کے طوفان کی طرح ماوراء النہر اور دریائے تریم کی سرزمین کے مستقل رہنے والون پر ٹوٹ پڑے تھے، کوئی فرق نہین،

شام کی تاریخ بحیثیت مجموعی اس قدر معروف ہے کہ وہان کے واقعات بیان کرنا تحصیلِ حاصل ہے لیکن اس کے برعکس وسط ایشیا کے راستے سے جو اثرات ایک تمدن کے دوسرے تمدن پر پڑے ہین ان کا ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا، اس وقت قدیم ترین تاریخ کے متعلق ہماری معلومات ان دریافتون تک محدود ہین جو پمپلی کی مہم نے مہیا کی ہین، اس مہم کے ارکین جنھون نے نہایت تندہی سے آناؤ (ANAU) کے نخلستان اور جیحون و سیحون کے دوآبہ کے جنوب مغربی حصہ کو جہان یہ سرزمین ایرانی سطح مرتفع سے ملتی ہے، چھان ڈالا تھا، اس نتیجہ پر پہونچے ہین کہ تاریخی اناؤ اور قبل زمانہ تاریخ کے ایلم (ELAM) مین ایک بیّن تعلق ہے، انھون نے ثابت کیا ہے کہ اناؤ کی تمدنی جدوجہد کا ماحصل نقل مکان کے ذریعہ سے آہستہ آہستہ مغرب کی طرف منتقل ہوا اور وہان سے آگے بڑھ کر اس نے یورپ کو مستفید کیا،

لہ R. PUMPELLY: EXPLORATIONS IN TURKESTAN (PUBLISHED AT WASHINGTON, D.C. BY CARNJIE INSTITUTION, TEXPEDITION 1903 = PUBLICATION 26, 1905; II EXPEDITION OF 1904 = PUBLICATION) 3, 1908, 2 Vols

اس کے بہت بعد اشکانی خاندان کی حکومت کے دوران یعنی چھٹی صدی قبل مسیح کے وسط کے متعلق پروفیسر مائیکل راسٹوٹورڈ (PROF. MICHEAL ROSTOUTZEN) نے دکھایا ہے کہ کس طرح وسط مشرق کے علوم وفنون ماوراء النہر کے راستے سے ان ممالک مین پہونچے تھے جن مین آج کل گزک (KA... ...SAK) قوم اور اس زمانہ مین سرماتی (SARMATIAN) قوم آباد تھی، اور کس طرح سرماتیون نے بعد کے زمانہ مین نقل مکان کے ذریعے سے ان تمام علوم وفنون کو وسط یورپ تک پہونچایا تھا،

مذکورہ بالا دو موقعون کے علاوہ وسط ایشیا کے اس تاریخی راستے نے تیسری مرتبہ اپنا فرض اس وقت ادا کیا جب سکندر نے اشکانی سلطنت کو برباد کیا اور یونانی تہذیب اس کی فوج کے ساتھ ساتھ وسط ایشیا مین داخل ہوئی اور وقتی طور پر وہان کی خاص ملکی تہذیب کو دبا دیا، اس وقت دریائے جیحون وسیحون کا دوآبہ وہ راستہ تھا جس مین سے ہو کر یونانی تہذیب شمال مغربی ہندوستان مین داخل ہوئی، اور کوہستان ہندوکش کے دونون جانب بدھوی اور یونانی تہذیبون کے اتصال وتصادم سے ایک نیا تمدن پیدا ہو گیا، اس کے بعد وسط ایشیا نے پھر ایک مرتبہ اپنا تاریخی فرض انجام دیا اور اسی راستے سے ہوتی ہوئی یہ بدھوی یونانی تہذیب مشرق بعید پہونچی، چنانچہ اسٹین، الاکوق (Le Coq) اور دوسری محققون نے ثابت کیا ہے کہ دریاے ترِم کے علاقہ اور ترفان (Turfan) کی نشیبی زمین کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تہذیب کس طرح رفتہ رفتہ آگے بڑھی اور مشرق بعید مین پھیلی،

یہ موقع بھی آخری موقع نہ تھا جس مین وسط ایشیا نے دنیا کی تاریخ مین ایک فیصلہ کن حصہ لیا ہو، تیسری صدی عیسوی سے جبکہ یونانی تہذیب وسط ایشیا سے رخصت ہونے لگی اور وہان کی تہذیب نے سرے سے تقویت حاصل کی، اس راستے نے یونانی رومی اور ہندوستان کی تہذیب کو مشرق بعید تک پہونچانے

(۱) M. Rostoutzeu: Iranians & Greeks in South Persia Oxford 1922)

کا کام انجام دینا ترک کر دیا، مگر آخر مانوی نسطوری اور اسلام کے مذاہب یکے بعد دیگرے اس سرزمین مین سے گذرے اور سمرقند سے ہوتے ہوئے چین کی شمالی مغربی سرحد تک پہونچے، اور اس کو اپنا گھر بنالیا،

اسی طرح خود ہمارے زمانہ مین بھی گذشتہ پچاس سال سے ماوراء النہر یہی کام انجام دے رہا ہے، اس زمانہ مین یہ ملک سیاسی لحاظ سے روس کے زیر سیادت آگیا، روس سے ہوتے ہوئے یورپ کی تازہ ترین ایجادات اور مصنوعات بلکہ علوم وفنون وہان پہونچے، اور اس راستے کو ان کی وجہ سے ایک خاص اہمیت اور طاقت حاصل ہوگئی، کیونکہ بہرحال گذشتہ تمدنون کے مقابلے مین موجودہ تمدن کہین زیادہ مفید ہے،

چنانچہ اس کا اثر اب تک یہ ہوا ہے کہ قافلون کے تین زبردست راستون کی جگہ ماورائے سائبیریا ٹرانس سائبیرین ریلوی، تاشقند اورنبرگ ریلوی اور ماورائے قزوین ٹرانس کسپین ریلوی نے لی ہے، آج کل افریقہ کے صحرائے اعظم مین جو تجربے اہل فرانس موٹر کارون کے متعلق کر رہے ہین. وہ اگر کامیاب ثابت ہوجائین، اور ان کو اس سرزمین مین استعمال کیا جائے تو بہت سے ایسے ریگستانی علاقے انسان کیلئے قابل آمد ورفت ہوجائینگے جن مین اس وقت اونٹ بھی بدقت سفر کرسکتے ہین، مگر تاریخ عالم کے ڈرامے کا یہ آخری سین اب تک مکمل نہین ہوا چونکہ روسی انقلاب نے اس ملک کے مسائل مین عجیب وغریب مسائل کا اضافہ کیا ہے، لیکن یہ کہنا کچھ بعید از قیاس نہین کہ اگر روسی سیاست، ہتھیار، تجارت اور علوم وفنون، ایران، افغانستان، ہندوستان، چین یا تبت کی تاریخ پر کوئی بین اثر پیدا کرین تو اس اثر مین وسط ایشیا کا وہی حصہ ہوگا جو اس سے قبل تاریخ عالم مین وہ لیتا رہا ہے،

مذکورۂ بالا واقعات غالبًا وہ تمام بڑے بڑے واقعات ہین جنمین شام کے علاقے کی طرح دریائے جیحون وسیحون کے علاقے نے تاریخ عالم پر اپنا اثر ڈالا اور ایک تمدن کو دوسرے تمدن سے ملا دیا لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگرچہ واقعات کے لحاظ سے شام اور وسط ایشیا مین مشابہت ہے، مگر پھر بھی ان مین بے انتہا مغائرت پائی جاتی ہے، شام نے صرف یہی نہین کیا کہ دوسرے تمدنون کے عبور ومرور

کے راستہ صاف کر دئے بلکہ تاریخ عالم مین بعض مرتبہ بجائے محض راستہ کا کام دینے کے اس نے خود اپنا ایک نیا تمدن قائم کیا، مثلاً ۱۲۵ھ ؁۲۲۵۰ ق م کی خانہ بدوشانہ حالت اور اشکانی سلطنت کے قیام کے درمیان جو چھ سو برس کا عرصہ گذرا ہے، اس دَوران مین شام نے حروف تہجی اور بحراوقیانوس دریافت کئے، اور خدائے لایزال کا وہ عظیم الشان تخیل پیدا کیا، جو یہودیت، نصرانیت، اسلام اور پارسی مذہب مین اس وقت تک مشترک طور پر پایا جاتا ہے، اور جو یونانی، مشرق بعید اور ہندوستان کے تخیل سے بالکل جدا ہے، ان اختراعات وایجادات کے مقابلہ مین وسط ایشیا کچھ بھی پیش نہین کرسکتا، اس ملک نے یہ کام تو بخوبی انجام دیا کہ دوسرے تمدنون کے لئے راستہ بن جائے اور ان کو آپس مین ملاتا رہے، مگر وہ خود کبھی اس قابل نہین ہوا کہ خود ایک نیا تمدن قائم کرکے اس کے اثرات کو گردوپیش کے علاقون مین پھیلائے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شام کے مقابلے مین وسط ایشیا کیون ناکامیاب رہا، اس سوال کا جواب دینے کیلئے بہترین بات یہ ہے کہ ان موقعون پر غور کیا جائے جب یہ علاقہ ایسا تمدن پیدا کرتے کرتے ناکامیاب ہوا، تو یہ دیکھا جائے کہ ہر موقع پر اس کی ناکامیابی کے کیا اسباب ہوئے،

ایسے دو موقعے اس سے قبل وسط ایشیا کی تاریخ مین آچکے ہین، پہلا ۶۵۰ء مین پیش آیا، یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان عربون نے ساسانی سلطنت کو برباد کرکے اس کے تمام علاقون پر قبضہ کرلیا تھا، مگر اب تک دریائے جیحون وسیحون کی خودمختار ریاستون پر حملہ کرنے کا ارادہ نہین کیا تھا، اس سرزمین کیلئے یہ نہایت ہی نادر موقع تھا، مگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا گیا اور آخر ۷۴۱ء مین یہ موقع ہمیشہ کیلئے اس وقت رخصت ہوگیا، جب کہ عربون نے طخارستان اور ماوراء النہر کو مستقل طور پر خلافت امویہ کا ایک حصہ بنا دیا، اور وسط ایشیا کی خودمختاری سلب کرلی،

دوسرا موقعہ اس سے بالکل مختلف حالات مین چودھوین صدی عیسوی کے وسط مین پیش آیا جب کہ چنگیز خان کے چغتائی خاندان نے آخر اسلام قبول کرلیا، یہ موقع ان کو ۱۳۱۵ء تک حاصل رہا،

اور اس وقت ہاتھ سے نکلا جب آخر کار بابر نے کوہستان ہندوکش کے شمالی علاقہ کو جو درحقیقت اس کو ملنا چاہئے تھا ازبکون کے قبضہ مین چھوڑ دیا اور اس سے ہمیشہ کیلئے دست بردار ہوگیا، ہمارے لئے بہتر یہ ہوگا کہ ان دونون موقعون پر الگ الگ بحث کرین،

ب ۴۱ھ - ۱۵۱ھ

بنی امیہ کی خلافت کے زمانہ مین عربی حکومت کا مرکزی علاقہ شمال سے ذرا مغرب کی جانب بحر ہند سے کوہستان طارس تک تھا، اور اسی علاقہ مین مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، اور دمشق کے شہر شامل تھے، یہ مرکزی علاقہ تقریباً ۳۶ھ مین انطاکیہ کی فتح کے بعد قائم ہوگیا تھا، اور اسی مرکز سے عربون کی فتوحات دونون سمتون مین بڑھنی شروع ہوئی تھین، چنانچہ ایک طرف کو عرب مصر مین سے ہوتے ہوئے بحیرۂ روم کے مغربی اور جنوبی ساحلون کی سمت کو بڑھے اور دوسری طرف انھون نے عراق مین سے ہوتے ہوے ایران کی سطح مرتفع کو طے کیا اور آخر وسط ایشیا کے جنگلون تک پہونچے، یہ فتوحات بڑھین اور دونون سمتون مین شمال کی طرف مائل ہوتی گئین، یہان تک کہ اگر ایک لکیر کھینچی جائے تو ۱۰۱ھ تک ان فتوحات سے ایک زبردست ہلال بنگیا تھا، جس کے مرکز مین دمشق واقع تھا، اور جسکی ایک شاخ شمال مغرب مین کوہستان پیرینز سے آگے بڑھ گئی تھی، اور دوسری شمال مشرق مین ایرانی سطح مرتفع کی حد سے آگے نکل گئی تھی، ۱۰۱ھ مین دنیا کے سامنے یہ مسئلہ پیش تھا کہ عربون کی فتوحات کا سلسلہ ان دونون اطراف سے آگے بڑھیگا یا یہین رک جائیگا، چونکہ دونون سمتون مین عرب نہ صرف ایک خاص جغرافیائی حد تک پہونچ گئے تھے بلکہ انھون نے اس حد کو عبور کرلیا تھا، اور اسی طرح ان کے سامنے اس وقت دو نئی دنیا فتح کے لئے کھل گئی تھین، ان مین سے ایک دنیا ما ورائے کوہستان پیرینز اور کوہستان الپس واقع تھی، جس مین سات یا آٹھ صدی قبل رومی تہذیب و تمدن کا ایک موہوم سا پرتو پڑا تھا، اور دوسری طرف دریائے جیحون و سیحون کی وادی تھی جسمین اس وقت تک وسط ایشیا کی تہذیب کا تھوڑا بہت وہ اثر باقی

اور نسطوری مذاہب کی شکل مین اب تک موجود تھا جو اس نے گذشتہ پانچ صدیون کے دوران مین اس تہذیب کے وسط ایشیا سے چین کی طرف منتقل کرنے مین حاصل کرلیا تھا، اور اس کے علاوہ ہندی تہذیب کے اثرات بھی اس علاقہ مین باقی تھے، چونکہ یہ تہذیب بھی اس علاقہ مین سے ہو کر بدھ مذہب کی شکل مین چین پہونچی تھی ۱۲۰ھ میں یہ بات بالکل غیر متیقن تھی کہ عرب ان دونون اطراف مین اپنے قدم جما کر ایک یا دونون سمتون مین آگے بڑھنے کی کوشش کرینگے یا دونون یا ایک طرف چند ناکام جارحانہ کارروائیون کے بعد حالت ماسبق پر قانع ہو جائینگے، اور یا بالآخر دونون سمتون مین ہمسایہ دشمن متفق ہو کر عربون کے خلاف جارحانہ کارروائیون مین کامیاب ہو جائینگے، اور اس طرح وہ علاقے بھی ان کے ہاتھ سے نکل جائینگے جو اس سے ذرا قبل خلافت مین شامل کئے گئے تھے،

اس سے قبل کہ ہم یہ ظاہر کرین کہ عربون کو ان دونون اطراف مین کس قدر کامیابی یا ناکامی سے سابقہ پڑا ضروری ہے کہ دونون سمتون کی جغرافیائی مشابہت کو ظاہر کر دیا جائے، بنی امیہ کی خلافت کا اصل مرکز اگرچہ شام مین دمشق کے مقام پر تھا، مگر اس کے علاوہ دو نہایت ہی سرسبز و شاداب زمینون مین ان کے الگ الگ دو ثانوی مرکز بھی قائم تھے، ایک اندلس مین اور دوسرا عراق مین، اور ان دونون مقامات سے فوجون کو بے انتہا کمک اور رسد پہونچ سکتی تھی، ان دونون مرکزون سے چل کر عربون کو دو مقابلۃً غیر آباد اور دشوار گذار سطحات مرتفع مین سے گزرنا پڑتا تھا، ایک طرف کسٹائل کی سطح مرتفع تھی اور دوسری طرف ایران کی، زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان دونون راستون کے دونون جانب ایسے علاقونکی ایک تنگ ناکھی جس کو اب تک فتح نہین کیا گیا تھا، اور اس لئے یہ علاقے عربون کے لئے خطرہ سے خالی نہ تھے، اندلس مین ملک کے قدیم مالک کوہستان اسٹوریا اور خلیج بسکے کے جنوبی ساحل کے درمیانی علاقے مین اب تک برسر پرخاش تھے، اور اسی طرح ایران کے پرانے زردشتی حکمران اسی قسم کے مگر اس سے زیادہ وسیع علاقے یعنی کوہستان البرز اور بحیرۂ خزر کے ساحل کے درمیانی زمین پر اب تک قابض اور عربون

سے برسرپیکار تھے، یہ دونون غیرمفتوحہ علاقے عربون کے لئے تین وجہ سے خاص طور پر خطرناک تھے، ایک تو یہ کہ دونون نہایت طویل اور غیر محفوظ پہلو پر واقع تھے، دوسرے دونون کوہستانی علاقے تھے جن مین جفاکش اور آزادی پسند اقوام آباد تھین، اور اس صورت مین ان کو مکمل طور سے فتح کرنا اور قابو مین رکھنا اگر بالکل ناممکن نہین تو مشکل ضرور تھا، لیکن سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ اگرچہ یہ دونون علاقے ہر طرف سے دوسری طاقتون سے گھرے ہوئے تھے، مگر پھر بھی بآسانی اپنے اِن ہم مذہبون کے ساتھ سمندر کے ذریعے سے رسل ورسائل کا سلسلہ قائم رکھ سکتے تھے، جو ان علاقون کے پار آباد تھے، اب تک بالکل خود مختار تھے اور عربون کو ان پر کسی قسم کی سیادت حاصل نہ تھی،

یہ دونون علاقے ایک طرف شمال مغربی یورپ کے ملک تھے اور دوسری طرف دریاے جیحون وسیحون کا دوآبہ طبعی لحاظ سے اِن دونون پر نہایت آسانی سے قبضہ کیا جاسکتا تھا اور مفتوحہ سطحات مرتفع کی نسبت اِن دونون پر قبضہ کرنا زیادہ مفید بھی تھا چونکہ دونون علاقے نشیب مین واقع تھے، دونون سرسبز تھے اور دونون مین بڑے بڑے شہر آباد تھے، گرد و نواح کے حالات کے علاوہ سیاسی اور معاشرتی حالات نہایت اہمیت رکھتے تھے، اور اِن حالات کے لحاظ سے بھی اِن دونون علاقون مین ایک عجیب وغریب مشابہت پائی جاتی تھی، فرانس کی آبادی رومی تہذیب کے اثرات کانی طور پر قبول کرچکی تھی، اور عیسائی تھی مگر پانچوین صدی عیسوی کے شروع مین شمالی یورپ کی وحشی اقوام یعنی اہل برگنڈی اور فرینگ قوم نے ان کو اور ان کی سرزمین کو بالکل تہ وبالا کر ڈالا تھا، اسی طرح دریاے جیحون وسیحون کے دوآبہ مین ایرانیون یا ایسے لوگون کی آبادی تھی جنھون نے ایرانی تہذیب کے اثرات کو قبول کرلیا تھا، وہان بدھوی نسطوری اور زردشتی مذاہب کے مختلف اثرات پڑے تھے، مگر اس علاقے کو بھی پانچوین صدی عیسوی کے آغاز مین یورپتیائی خانہ بدوش اقوام یعنی افتالویون اور ترکون نے تہ وبالا کرڈالا تھا، اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب بات یہ ہے کہ اِن دونون سرزمینون کے باشندون کے طبقات کی حالت بھی یکسان تھی، دونون علاقون مین

اصلی آبادی نے ایک حد تک اپنے وحشی مالکون کے اثرات کو قبول کر لیا تھا، اور خود بھی تھوڑے بہت وحشی ہو گئے تھے مگر پھر بھی تعداد کی زیادتی اور تہذیب کی خوبی کی وجہ سے یہ وحشی حاکم بھی ان کی طرف مائل ہو کر ان کے شاگرد بن گئے تھے، دونون علاقون مین ایک مشابہت یہ بھی تھی کہ اصلی باشندون نے اپنے وحشی حاکمون کو اپنے مذہب مین داخل کر لیا تھا، اور اس طرح ان کے دل و دماغ کو عرب حملہ آورون کے مقابلے کیلئے بالکل طیار کر رکھا تھا،

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ۱۲۰ء مین عربون کی پیش قدمی کے دونون علاقے ایک دوسرے سے بالکل مشابہ تھے، اور بارہ سال تک دونون جگہ جنگ کی حالت بھی یکسان رہی، دونون مقامات مین عربون کو ایسی اقوام سے سابقہ پڑا جنھون نے ان کا ایسا مقابلہ کیا کہ اب تک کسی نے نہ کیا تھا، ۱۳۱ھ کے شروع مین عربون نے جنگ شعب مین[1] شکست کھائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳۳ھ تک دریاے جیحون کے پار سوائے تین قلعون کے تمام علاقہ ان کے قبضے سے نکل گیا، اور اسی طرح طخارستان مین بھی صرف دو یا تین قلعے ان کے ہاتھ مین رہ گئے، عین اسی زمانہ مین اُنھون نے ٹورس کی جنگ مین شکست کھائی جسکی وجہ سے انھین فرانس چھوڑنا پڑا، باوجود انگستون اور مایوسیون کے یہ یقینی تھا کہ دونون علاقون پر آخر کار قبضہ کیا جا سکتا ہے، مگر ساتھ ہی اس کا بھی یقین ہو چکا ہے کہ جب تک لگاتار اور مستقل کوشش نہ کی جائیگی اور بہت سی جانون کی قربانی نہ ہوگی فتح ناممکن الحصول ہے، دونون علاقون کی حالت یکسان نہ رہی، ایک طرف تو عربون نے جنگ ٹورس کو بالکل فیصلہ کن مان لیا اور اس کے بعد شمال مغربی سرحد پر مزید فتوحات حاصل کرنے کی بجائے وہ برابر کچھ نہ کچھ کھوتے رہے، دوسری طرف یہ ہوا کہ شمال مشرقی سرحد پر اگرچہ حالت بالکل یاس انگیز تھی مگر یکبارگی صورت حالات بدل گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ صرف نو برس کے عرصے مین ۱۴۱ء تک دریاے جیحون و سیحون کی تمام وادی مستقلاً سلطنت اسلام مین شامل کر لی گئی،

---

[1] اس جنگ کے تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہو طبری، جلد سوم صفحہ ۱۵۳۰ الخ (مطبوعہ یورپ) (مترجم)

یہان یہ ضروری نہین کہ دونون سرحدون پر عربون کی فتح و شکست کے نتیجون پر غور کیا جائے، اور یہ دکھایا جائے کہ بنی نوع انسان کی آئندہ تاریخ پر ان کے کیا کیا اثرات واقع ہوئے، بقول گبن شمال مغربی سرحد پر جبل طارق سے لیکر دریائے لائر کے کنارون تک ایک ہزار میل کا علاقہ مسلمانون نے فتح کر لیا تھا، اگر اس کے بعد وہ اتنا ہی وسیع علاقہ اور فتح کر لیتے تو پولینڈ اور سکاٹ لینڈ کی سطحات مرتفع تک پہونچ جاتے، پھر دریائے رائن فرات اور نیل کے مقابلہ مین زیادہ ناقابل عبور نہین اور عربون کے بیڑے اس مین بہ آسانی بلا کسی بحری مزاحمت کے دریائے ٹیمز تک پہونچ جاتے، اگر ایسا ہوتا تو شاید اس وقت آکسفورڈ کے مدرسون اور کالجون مین قرآن کے درس ہوا کرتے اور وہان کے استاد آنحضرت صلعم کی نبوت پر بحث کرنے مین مشغول پائے جاتے، گبن کے اس قول مین اس بات کا اضافہ کیا جا سکتا ہے، کہ ایسی فتوحات کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عرب بلا شرکت غیرے بحر او قیانوس کے مالک ہو جاتے اور اس طرح امریکہ کا براعظم بھی ان کے دست تصرف مین آجاتا، چونکہ شمال مشرق مین عربی فتوحات سے جو نتیجے مرتب ہوئے ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تمام قیاسات محض بے کار نہین، یہ کہنا ہرگز بیجا نہ ہوگا کہ جنگ ٹورس کی شکست کی وجہ سے مسلمانون نے امریکہ کو کھو دیا،

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، کہ نصر بن سیار اور اسد بن عبد اللہ القسری کی معاملہ فہمی اور حکمت عملی نے چند سال کے اندر مسلمانون کیلئے ایسا دروازہ کھول دیا جس سے ہوکر وہ بہت جلد دریائے والگا (The Volga) دریائے ارٹش (The Irtish) اور دریائے ہونگ ہو (The Hoang Ho) کے کنارون پر اپنے قدم جماتے اور مذہب کی تبلیغ کرنے کے قابل ہو گئے، شمال مشرق مین جو واقعات پیش آئے، ان کو دیکھتے ہوئے ہم بآسانی اندازہ کر سکتے ہین کہ اگر سنہ ۳۲ء اور سنہ ۴۱ء کے درمیان مین فرانس کا وہی حشر ہوتا جو اس عرصہ مین ماوراء النہر کا ہو چکا تھا، تو وہان کیا کیا تبدیلیان واقع ہوتین جس طرح بحیرۂ خزر کے زردشتی ماوراء النہر کی فتح کے بعد بلا چون و چرا ہتھیار ڈال کر مسلمانون کے محکوم ہو گئے اسی طرح استوریا کے عیسائی بھی بے دست و پا ہو کر مطیع ہو جاتے، کیونکہ اس حالت مین وہ چارون طرف سے عربی حکومت سے گھر گئے ہوتے اور فرانس کے

عیسائی پارسیوں کی طرح ایک بڑی تعداد مین اسلام قبول کر لیتے، ایسی صورت مین بالکل ظاہر ہے کہ اسٹوریا کی
تمام مقاومت و مزاحمت بالکل بے کار محض ثابت ہوتی، اور وہ بھی دیلم طبرستان اور جرجان کے باشندون کی
طرح نوین اور دسوین صدی عیسوی مین مسلمان ہوجاتے یہ صحیح ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی اسٹوریا کے کوہستانی
دسوین اور گیارھوین صدی مین اپنے پہاڑون سے نکل کر سطح مرتفع کے دامن پر ترک تازیان شروع کر دیتے، مگر یاد
رکھنا چاہئے کہ یہ تحریک حقیقت مین عربی حکومت کی معاشرتی اور سیاسی کمزوری کی وجہ سے پیدا ہوتی اور مذہب
کا اس مین کوئی دخل نہ ہوتا کیونکہ ایران مین دیلم کے مسلمان باشندون نے عرب حکومت کے خلاف عین اسی وقت
شورش برپا کی تھی جب کہ اندلس مین اسٹوریا کے باشندے جرأت کر کے مسلمانون پر حملہ آور ہوئے تھے انجام کار مذہب
نے دونون علاقون کی تاریخ مین ایک مین فرق پیدا کر دیا، بنی بویہ نے جب اسلامی علاقہ فتح کیا تو دارالاسلام کے
رقبہ مین کوئی کمی واقع نہین ہوئی، اسی وجہ سے مسلمانون نے بنی بویہ کا اتنا سخت اور خون ریز مقابلہ بھی نہین کیا جتنا
اہل اسٹوریا کا کیا، اسی وجہ سے بنی بویہ کی فتوحات جلدی مکمل ہوگئین، اور دنیا مین بہت کم عرصہ تک قائم رہین،
اُنھون نے شمال مشرقی سرحد کی طرف اسلام کی روز افزون ترقی مین رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش نہین کی اسی طرح
اہل اسٹوریا اگر مسلمان ہوجاتے تو وہ فرانس اور جرمنی سے سکنڈنیویا، پولینڈ اور ہنگری مین اسلام کے پھیلنے کی کوئی
مدافعت نہ کرتے،

اس کے برعکس، دیکھا جائے تو جو کچھ شمال مغربی سرحد پر ہوا وہی شمال مشرقی سرحد پر ہوتا اگر مسلم بن قتیبہ
کی فتوحات کو اسد بن عبد اللہ القسری اور نصر بن سیار بالکل مستحکم اور مستقل نہ کر دیتے ۷۳۲ء مین فرانس کی تسخیر
کے متعلق عربون نے جو کمزوری دکھائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرینک قوم اہل اسٹوریا سے متحد ہوگئی، اور اس امر کا قطعی
فیصلہ ہوگیا کہ آئندہ عیسائیون کی طرف سے مغرب مین اسٹوریا کو مسلمانون کے خلاف جنگی محاذ قرار دے لیا جائے،
چنانچہ بظاہر شارلیمن کی جنگی مہم جس کا انجام ۷۷۸ء مین رونسس ولاز پر ہوا، کا اصلی مقصد یہی تھا، اور باوجود
اس وقت کی ناکامی کے یہ مقصد ۸۰۱ء تک حاصل کیا جا چکا تھا چونکہ اس سال شارلیمن کی اسپینی سرحد بارسلونہ

سے آگے تک پہونچ چکی تھی، اس کے بعد اسٹوریا کا مقامی فوجی محاذ تمام مغربی عیسائیت کا محاذ بن گیا، اور اسی وقت سے اسپینی سرحد کی سیادت مسلمانون کے ہاتھ سے نکل کر اہل یورپ کے قبضہ مین آگئی، اگر تمام واقعات کو اس نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آئندہ ساڑھے چار صدی کی جنگون مین کوئی بات قابل تعجب نہین رہجاتی، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ جو واقعہ سنہ۱ھ مین شروع ہوا تھا اس کا انجام سنہ۱۲۳۵ء مین قرطبہ کی فتح اور سوائے غرناطہ کے تمام ملک سے مسلمانون کا بے دخل ہوجانا تھا،

اس بات پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کہ اگر مسلمانون کو وہی حالات ایران مین پیش آتے جو ان کو یورپ مین پیش آئے تو اس سے کیا نتائج مرتب ہوتے، اگر اسد بن عبد اللہ القسری اور نصر بن سیار مستقل طور پر ماوراء النہر کے علاقے کو اسلامی سلطنت مین شامل نہ کرلیتے تو مسلمانون کے لئے آخر خراسان کو مدت تک قابو مین رکھنا تقریباً ناممکن ہوجاتا، اور اغلب یہ ہے کہ آئندہ نصف صدی ہی مین سغد اور طخارستان کی خود مختار ریاستین اس طرف کے جنگلون کی دوسری خانہ بدوش اقوام سے مدد حاصل کرکے عربون کو جنوب مغرب کی طرف پیچھے ڈھکیل دیتین، انھین دامغان اور بحیرۂ خزر کے ساحلون کو چھوڑنا پڑتا اور اس وقت دشت لوط دار الاسلام کی شمال مشرقی سرحد قرار پاتا، اگر ایسا ہوتا تو تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ اس وقت ماوراء النہر مختلف تہذیبون اور تمدنون کا محض ایک راستہ رہنے کی بجائے خود ایک نئی تہذیب کا مرکز بن جاتا، یورپ کی نئی تہذیب جو فرانس مین آٹھوین صدی عیسوی مین شروع ہوئی، جو اب تک برابر ترقی کر رہی ہے، اور جس نے اب تقریباً تمام دنیا کو گھیر لیا ہے، اس حالت مین وسط ایشیا کی اس نئی تہذیب کی ہم عصر ہوتی، اور اسلامی سلطنت کی بربادی اور تباہی کے بعد ان دونون کا کہین نہ کہین اتصال و تصادم ضرور ہوتا،

اس وقت اس بات کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے کہ وسط ایشیا کی یہ قرین قیاس تہذیب کیا شکل و صورت اختیار کرتی کیونکہ قبل اس کے کہ وہان کوئی نئی تحریک پیدا ہو، اسلامی فتوحات نے تمام توقعات پر پانی پھیر دیا، ممکن ہے کہ بدھ وی نسطوری اور زردشتی مذاہب مین تصادم ہوتا اور ہر ایک مذہب تبلیغ کی انتہائی کوشش

کرتا، مگر قیاس بھی نہین کیا جاسکتا کہ اس تصادم کا آخری نتیجہ کیا ہوتا، زردشتی مذہب کو بحیرۂ خزر کے صوبجات سے نئے سرے سے تعلقات پیدا ہوجانے اور ایرانی سطح مرتفع کی طرف بڑھنے کی وجہ سے، ضرور کچھ نہ کچھ تقویت حاصل ہوتی، لیکن دوسری طرف، یوریشیا کے میدانون اور دریاے تریم کی وادی مین زردشتیون کے بالمقابل بدھوی اور نسطوری مذاہب کے پیروؤن کا زور تھا، ان اثرات کے علاوہ، جون جون چین اور ہندوستان سے تعلقات بڑھتے جاتے دوسرے اثرات بھی اپنا کام کرتے اور ممکن ہے کہ اس علاقہ مین ایسا ہی ایک ملا جلا مذہب پیدا ہوجاتا جیسا کہ قیصر جولین نے، یونانی رومی سلطنت مین پیدا کرنیکی کوشش کی تھی اور جیسا کہ اسوقت بھی چین اور ہندوستان مین مروج ہے، مذکورۂ بالا بیان سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ایسے مختلف النوع اثرات کے ہوتے ہوئے اس تہذیب کے متعلق کسی قسم کا اندازہ کرنا بالکل بے سود ہے، لیکن یہ بآسانی قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ وسط ایشیا کی اس نئی تہذیب کی جغرافیائی وسعت کی منزلین کیا ہوتین، ہر حال مین یہ بات یقینی ہے کہ دشت لوط اس کی آخری سرحد نہ ہوتا، کیونکہ اس علاقے کے ساتھ ساتھ شمال مین طبرستان اور ویلم کے علاقے موجود ہین اور یہ علاقے جیسا کہ اوپر کے تمام بیان سے ظاہر ہے ضرور وسط ایشیا کی تہذیب مین شامل ہوجاتے، ایسی حالت مین دسوین صدی عیسوی مین جب بنو بویہ ویلم سے ایران کی سطح مرتفع پر حملہ آور ہوتے تو ان کا مذہب بجائے اسلام ہونے کے زردشتی ہوتا، ان کی فتوحات بجاے اسلامی فتوحات ہونے کے مسلمانون کو نقصان پہونچاتین، اور دار الاسلام کا رقبہ کم ہوجاتا، اس کے بعد وسط ایشیا کی توسیع یقینی طور پر جاری رہتی، اور اسلامی سلطنت کو نقصان پہونچاتی، اگر مسلمان عراق اور خصوصاً بغداد کو کافر بنو بویہ سے اس وقت بچا بھی لیتے تو ان کافرون کا کام نسطوری یا زردشتی سلجوق مکمل کردیتے، کیونکہ اس عرصہ مین وسط ایشیا کی تہذیب مستقل طور پر دار الاسلام اور یوریشیا کی سرزمین کے درمیان حائل ہوجاتی اور ۵۰۰ء سنہ ۱۲۰۰ء مین جو خانہ بدوش اقوام نقل مکان کے ذریعے سے وسط ایشیا پر ٹوٹ پڑی تھین، وہ ان کی تہذیب سے متأثر ہوچکی ہوتین اور اس وقت اسلامی سرزمین مین دشمن کی حیثیت سے داخل ہوتین، نہ کہ دوست کی حیثیت سے، یہ سب کچھ "ہوسکتا" تھا، مگر حقیقت مین ہوا یہ کہ سلجوقیون

کو جیحون و سیحون کے میدان ہی مین اسلام سے سابقہ پڑا اور اُنھون نے اس مذہب کو قبول کرلیا اس کے بعد وہ برابر آگے بڑھتے چلے گئے، اسلام کو بجائے نقصان پہونچنے کے ان سے فائدہ پہونچا، اور آخر یہ "طوفان" اناطولیہ کی سرزمین بازنطینی تہذیب کی بربادی اور تباہی کا باعث ہوا، اس کے بجائے اگر ہم یہ تصور کرین کہ سلجوقی ماوراء النہر مین کسی غیر اسلامی مذہب کو قبول کر چکے تھے، تو اس صورت مین ان کے ہاتھون اسلامی تہذیب کا بعینہ وہی حال ہوتا جو بازنطینی تہذیب کا ہوا، قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ ایسی حالت مین مسلمانون پر کیا کچھ مصیبت نہ پڑتی،

(باقی)

سیرۃ النبیؐ

جلد سوم،

جس کے مقدمہ مین اولاً نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیم، علم کلام، فلسفۂ جدید، اور قرآن مجید کے نقطہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول، ملائکہ عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، اور پھر وہ آیات و معجزات مذکور ہین جنکا ذکر قرآن مجید مین ہے، بعد ازین وہ ہین جو مستند روایات سے ثابت ہین، پھر معجزہ کی غیر معتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور آخر مین وہ بشارات نبوی ہین جو صحف سابقہ مین موجود ہین اور جن کے حوالے قرآن مجید و حدیث مین مذکور ہین، اور اخیر مین خصائص محمدی کا باب ہے،

قیمت درجہ اوّل عـــہ، قیمت درجہ دوم سے،

تقطیع کلان تعداد صفحات ۸۱۶،

"مینجر"

تذکرۂ گلزار اعظم فارسی،

اور

جنوبی ہند کے چند فارسی تذکرے

از

مولوی محمد محفوظ الحق صاحب ام اے، لکچرر عربی و فارسی پریسیڈنسی کالج، کلکتہ،

مارچ ۲۵ء کے معارف مین تذکرۂ گلزار اعظم فارسی (مولفہ نواب محمد غوث بہادر اعظم) پر مولوی سید فضل الرحمٰن صاحب کا مضمون نظر سے گذرا، اور گو اس امر کی خوشی ضرور ہوئی کہ جنوبی ہند کے ایک تذکرہ کا حال خود اسی خطہ کے ایک صاحب نے تحریر فرمایا، لیکن افسوس اس امر کا ہوا کہ مضمون نگار صاحب کو چند جگہ سہو ہوا ہے، جس کی اصلاح ضروری ہے، چنانچہ سطور ذیل مین انکی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے، اور ضمن مین جنوبی ہند کے اور تذکرون کا بھی ذکر آگیا ہے، جو مضمون کی مناسبت کے لحاظ سے غالباً ناموزون خیال نہین کیا جائیگا،

مولوی صاحب جنوبی ہند مین فارسی شاعری کی ترقی کا حال بیان کرنے کے بعد تذکرۂ گلزار اعظم کا ذکر ان الفاظ مین فرماتے ہین:-

"خاکسار کے کتب خانہ مین تذکرۂ گلزار اعظم فارسی کا قلمی نسخہ موجود ہے...... ٹائٹل پیج کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ طباعت کے واسطے مسودہ تیار کیا گیا تھا، لیکن کسی خاص نامعلوم وجہ سے طباعت کی نوبت نہین آئی کاتب کا نام عبد الصمد تحریر ہے اور اس نے نہایت عرق ریزی اور جانفشانی سے اپنے کمال کو ظاہر کیا ہے، گویا دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطبع سے ابھی چھپکر شائع ہوئی ہے، کتاب کی تکمیل ۱۲۶۲ھ کے پہلے یا ابتدائے سنہ مین ہوئی ہوگی،

مندرجہ بالا اقتباس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرۂ گلزار اعظم ابھی تک "قلمی" ہے اور طباعت کیلئے

جو نسخہ تیار کیا گیا تھا، وہ چھپا نہین لیکن یہ دونون باتین صحیح نہین، تذکرہ گلزار اعظم چھپ چکا ہے اور نایاب نہین، گو کمیاب ضرور ہے، اور میری بدگمانی معاف ہو تو مین یہی عرض کرونگا کہ مولوی صاحب کا نسخہ بھی "قلمی" نہین، بلکہ "مطبوعہ" ہے، اور اس کے لئے میرے حسب ذیل وجوہ ہین:-

(۱) تذکرہ گلزار اعظم (جو خود مولف تذکرہ کے مطبع مین چھپا ہے) کی طباعت واقعی ایسی ہوئی ہے کہ بادی النظر مین قلمی ہونے کا دھوکا ہوسکتا ہے،

(۲) مطبوعہ تذکرہ مین بھی جس کا ایک نسخہ میرے پیش نظر ہے، کاتب کا نام عبدالصمد تحریر ہے،

(۳) "مطبوعہ" نسخہ اور مولوی صاحب کے "مفروضہ قلمی" نسخہ کے صفحات بالکل ملتے ہین، چنانچہ جن صفحات کا انھون نے اپنے "مفروضہ قلمی" نسخہ سے حوالہ دیا ہے وہ میرے "مطبوعہ" نسخہ سے بالکل متحد ہے،

(۴) مولوی صاحب فرماتے ہین کہ "تذکرہ کی تکمیل ۱۲۷۰ھ کے پہلے یا ابتدا ے سنہ مین ہوئی ہو گی" اس بیان سے غالباً مولوی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ۱۲۷۰ھ مین نسخہ طباعت کے لئے تیار کیا گیا تھا، یہ بیان صحیح ہے، کیونکہ میرے پیش نظر "مطبوعہ" نسخہ کے ٹائٹل پر بھی سنہ طباعت ۱۲۷۰ھ موجود ہے، اور مولوی صاحب کے "مفروضہ قلمی" نسخہ کے ٹائٹل پر بھی یہی سنہ درج ہے،

ان وجوہ کی بنا پر میرا خیال ہے کہ مولوی صاحب کا نسخہ، گویا مطبع سے ابھی چھپکر، شائع نہین ہوا ہے بلکہ واقعی مطبوعہ ہے، کیا مین امید رکھون کہ مولوی صاحب اس امر پر مزید روشنی ڈالین گے؟

اس تمہید کے بعد اب مین ایک دوسرے امر کی تصحیح کی طرف متوجہ ہوتا ہون اور یہان بھی خود مولوی صاحب کی عبارت نقل کرنا مناسب سمجھتا ہون، مولوی صاحب تحریر فرماتے ہین:-

"کتاب کی تصنیف کا کام ۱۲۶۵ھ مین شروع ہوا ہے، ملاحظہ ہو ذیل کی عبارت:-

"در سال یکہزار و دو صد و پنجاہ و ہفت ہجری نبوی تجریۂ تذکرۂ شعراے کرناتک بالتزام تسطیر غزلیات ہر یکی بی انتخاب پرداختہ بودم و شام غربت تمناے الفت پرستان سخن را بصبح وطن مبدل ساختہ ازان باز

متمکن خاطر بود..... کہ اگر زمانہ فرصت دہد...... تذکرۂ تازہ با انتخاب اشعار شعرای مصدرہ بتفصیل

شطری از احوال کسب استعداد و لیاقت ..... تحریر نمایم،

عبارت بالا سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچ گئی ہے کہ ایک تذکرہ شعرائے کرناٹک کے حالات مین لکھنے والے تھے، لیکن افسوس کہ وہ اب تک ہماری نظر سے نہین گذرا، بہرحال یہ تذکرہ گلزار اعظم غالباً سنہ ۱۲۵۷ھ کے بعد ہی شروع کیا گیا اور سنہ ۱۲۶۹ھ مین مکمل ہوگیا،،

مندرجہ بالا اقتباس مین مولوی صاحب کو چند جگہ سہو ہوا ہے،،۔

اوّل تو یہ کہ بقول ان کے تذکرہ گلزار اعظم کی تالیف کا کام سنہ ۱۲۵۷ھ کے بعد ہی شروع ہوا، حالانکہ یہ سنہ تذکرہ گلزار اعظم کی تالیف کا نہین (کیونکہ اس کی تالیف دس سال بعد سنہ ۱۲۶۷ھ مین شروع ہوئی) بلکہ وہ نواب محمد غوث بہادر کے اول الذکر تذکرہ یعنی **تذکرۂ شعرای کرناٹک** کی تالیف کا سنہ ہے چنانچہ خود مؤلف کی منقولہ بالا عبارت اس پر دال ہے،

دوسرے یہ کہ مولوی صاحب فرماتے ہین کہ "ایک اور تذکرہ شعرائے کرناٹک کے حالات مین لکھنے والے تھے،، یہان مولوی صاحب کو خود مولف کی عبارت کے سمجھنے مین سہو ہوا ہے، مولف کے "پرداختہ بودم" سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شعرائے کرناٹک کا تذکرہ "لکھنے والے،، نہین تھے بلکہ گلزار اعظم سے "پہلے،، لکھ چکے" تھے پھر یہ کہ خود منقولہ بالا عبارت مین اس تذکرہ کا نام بھی موجود ہے، چنانچہ اس رنگین عبارت یعنی "وشام غربت تمنای الفت پرستان سخن را بصبح وطن مبدل ساختہ،، کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہین کہ مولف نے اس تذکرۂ شعرائی کرناٹک کا نام "صبح وطن" رکھا تھا،

تذکرہ شعرائے کرناٹک جس کا اصلی نام "صبح وطن،، ہے چھپ کر شایع ہو چکا ہے، اور اس کا مطبوعہ نسخہ اس وقت میرے پیش نظر ہے، چونکہ اس تذکرہ کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے، اس لئے یہ بعض ضروری امور کا بیان غالباً دلچسپی کا باعث ہوگا،

تذکرۂ "صبح وطن" نواب محمد غوث بہادر کا پہلا تذکرہ ہے، ۱۲۵۸ھ مین مرتب ہوا اور ۱۲۵۹ھ مین مدراس سے چھپکر شایع ہوا، اس کی تالیف کا باعث ایک اور تذکرہ ہے جس کا نام "گلدستہ کرناٹک" ہے، اس آخر الذکر تذکرہ کا مولف علی رضا رایق ہے، یہ تذکرہ غالبًا ابھی تک چھپا نہین لیکن اس کا قلمی نسخہ اس وقت میرے سامنے ہے، عبارت رنگین اور پرپیچ ہے، اپنے تذکرہ کی تالیف کے متعلق رایق کا بیان ہے:-

لاجرم در ۱۲۱۶ھ الف و مائتین و عشر از رشحات سحاب سطح ورق رنگین تر از کاغذ ابری گردید و مرقع

صورت این حال از موقلم انکار برنگ آمیزی رسید

اس کے بعد لکھتا ہے:-

"و تاریخ آغاز این گلدستہ از لفظ گلدستہ کرناٹک" برشتہ بندی نظر فکر رسید"

رایق نے یہ تذکرہ نواب محمد غوث بہادر اعظم کے مورث نواب اعظم جاہ بہادر کے حضور مین پیش کرنے کیلئے لکھا تھا لیکن انھون نے ۱۲۴۰ھ مین قضا کی اور نواب محمد غوث بہادر اس وقت بہت کم سن تھے، اس لئے ان کے اتالیق نواب عظیم جاہ بہادر کے حضور مین اس نے یہ تذکرہ گذرانا، رایق نواب اعظم جاہ بہادر کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے عرض مدعا ان الفاظ مین کرتا ہے:-

"بنا بر علیہ این رسالہ از نظر نواب مغفور نگذشت و دامان امید مالامال نگشت ..... امید کہ این نونہالان گلزمین افکار و نورسان بہارستان حسن گفتار از نگاہ بہار پیرای نواب فلک بارگاہ سخن پناہ عظیم جاہ ادام اللہ البقاہ رنگ قبول عنایت شمول و شادابی و سیرابی دلخواہ حاصل گرداند"

معلوم نہین کہ مولف کی مراد بر آئی یا نہین لیکن یہ ضرور ہے کہ خود نواب محمد غوث بہادر نے اس تذکرہ کو اس قدر ناپسند کیا کہ اسی کے جواب مین تذکرہ صبح وطن لکھنے پر مجبور ہوئے، لکھتے ہین،

"درین ہنگام تذکرۂ گلدستۂ کرناٹک رایق بامعان نظر ملاحظہ کردم، احوال بعض سخن سنج را چو گل کاغذی بو با فتم یعنی بپاس قومیت خلاف واقع بتحریر پرداختہ و ذکر برخی از رہگذر ارتباط بطمطراق

قلمی ساختہ لہذا حقیقت حال ہر یک معنی طراز را با یازدہ غزل ادبی انتخاب بقید قلم آوردم ....

دکسانیکہ بعد انتقال رایق قدم بر جادۂ فکر گذاشتند اسامی آنہانیز با چند غزل ساختہ موسوم بصبح وطن گردانید،

تذکرۂ صبح وطن مین کوئی ۹۱ شعراء کا حال اور کلام درج ہے، اور حالات کی تحریر اور غزلون کے اندراج مین مولف نے فراخ دلی سے کام لیا ہے، خاتمہ پر بہت سی تاریخین ہین از آن جملہ ایک یہ ہے:-

چونکہ این نسخہ را نمود تمام	اعظم جملہ سرداران زمین
کرد فکر سنش چنین دا لا	پرتو آفتاب صبح وطن

نواب محمد غوث بہادر کی ولادت ۱۲۳۹ھ مین ہوئی اور یہ تذکرہ انھون نے ۱۲۵۸ھ مین لکھا، اس لئے یہ امر موجب تحسین واستعجاب ہے کہ کل ۱۸ برس کے سن مین وہ ایک ایسے اچھے تذکرہ کے مولف ہوے اور مزید حیرت انکی دلچسپ عبارت آرائی اور پختہ طرز تحریر پر ہوتی ہے،

اب خود تذکرۂ گلزار اعظم کے متعلق چند ضروری باتون کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے،

اوّل یہ ہے کہ صبح وطن اگر رایق کے جواب مین لکھا گیا ہے، تو گلزار اعظم واصف کے تذکرۂ معدن الجواہر کے "جواب" مین لکھا گیا ہے، چنانچہ نواب محمد غوث مرحوم اپنے تذکرہ لکھنے کی خواہش اور قلت وقت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہین:-

"تا این کہ تذکرۂ معدن الجواہر واصف بملاحظہ رسید بوضوح انجامید کہ مومی الیہ در مقامات کثیرہ بغوامض ونکات شعری پی نبردہ با اعتراضات بیجا بر کلام اساتذہ قلم فرسودہ و بدخل ناسزا کار فرمودہ، لہذا بحر طبیعت باز بجوش آمد و دریای خاطر در خروش کہ جوابات رایقہ آن درج تذکرہ سازم و بامتحان مرغ قلم پردازم"

لیکن بعد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ مولف کو مشاعرون مین ایسا انہماک ہوا کہ کچھ عرصہ کیلئے

یہ ارادہ اور ملتوی رہا، بہرحال ۱۲۶۹ھ مین دوسال کی محنت کے بعد یہ تذکرہ مرتب ہوا، مولف کا بیان ہے:-

"در عرصہ دوسال شاہد رابحلیہ انصرام آراستم وبحلیہ اختتام پرداختم"

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ تذکرہ کی تالیف کا کام ۱۲۶۷ھ مین شروع ہوا نہ کہ ۱۲۵۷ھ مین" جیسا کہ مولوی صاحب نے اپنے مضمون مین تحریر فرمایا ہے،

تذکرہ ہذا کی خصوصیت یہ ہے کہ شعراء کے حالات وغیرہ کے لکھنے مین اُنھون نے خاص التزام کیا ہے، کلام کا انتخاب دیا ہے، اور واصف کے مفصل جوابات لکھے ہین؛ چنانچہ صرف اپنے حالات کے ضمن مین کوئی ۳۰ صفحات مین اپنے استاد معنوی سید شاہ ناصر علی کے کلام پر واصف کے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اکثر جگہ تذکرہ مین مناظرانہ شان موجود ہے لیکن بہرحال متانت کو ہاتھ سے جانے نہین دیا ہے، سید شاہ ناصر علی کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ مین کرتے ہین:-

"بہ تقلید کلام سید شاہ ناصر علی قدس سرہ حرف میزنم وایشان را درین فن مقتدی خود میدانم ازآنجا کہ نسبت شاگردی معنوی خود بشاہ مرحوم باثبات داد این حقوق آنجناب بر ذمہ من لازم گردید........ بدفع اعتراضیکہ از واصف بر کلام مرحوم وارد گشتہ می پردازم"

نواب محمد غوث بہادر کو نثر فارسی پر پوری قدرت حاصل تھی لیکن زمانہ کے مذاق کے موافق عبارت آرائی اور رنگین بیانی کا بھی شوق تھا، اس لئے کہین کہین رنگینی کے پھیر مین پڑ گئے ہین، ان کا فارسی کلام بھی میری نظر سے گذرا ہے تذکرون مین جو کچھ ہے، اس کے علاوہ ان کا دیوان بھی سرسری طور پر دیکھ چکا ہون، ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ (واقع کلکتہ) کے کتب خانہ مین ان کا قلمی دیوان موجود ہے جو غالباً چھپا نہین، اس کی ضخامت ۵۰ صفحے ہے، مین اس دیوان سے انتخاب پیش کرتا لیکن یہ مضمون چونکہ کلکتہ سے ۰۰ ہم میل کے فاصلہ پر بیٹھکر لکھ رہا ہون، اس لئے مجبور ہون،

گذشتہ صفحات کے پڑھنے سے معلوم ہوا ہوگا کہ نواب محمد غوث بہادر نہایت باکمال امیر تھے، اور دور آخر کے واقعی مغتنم اصحاب مین تھے، عجب نہین کہ تذکرہ صبح وطن، تذکرہ گلزار اعظم، او ردیوان کے علاوہ انھون نے اور علمی یادگارین بھی چھوڑی ہون، اگر جنوبی ہند کے کوئی صاحب ان کے سوانح زندگی اور علمی کارنامون کا مفصل تذکرہ لکھین، تو بہت خوب ہو، علاوہ برین خود ان دو تذکرون کے مطالعہ سے اُس خطۂ ملک کے دور آخر کی علمی مجلسون اور بزمہائے ادب کا بہت کچھ دلچسپ حال مل سکتا ہے،

اسی امیر باتدبیر کے زیر سرپرستی ایک اور تذکرہ نتائج الافکار نامی چھپکر شایع ہوا جس کا مطبوعہ نسخہ پیش نظر ہے، یہ تذکرہ محمد قدرت اللہ گوپاموی کا مرتب کردہ ہے، محمد قدرت اللہ نے دو اور تذکرے جام جہان نما اور تکملۃ الشعرا نامی لکھے، جنکے قلمی نسخے کمیاب ہین، مولف نے تذکرۂ نتائج الافکار ۱۲۵۸ھ مین مرتب کیا اور نواب محمد غوث بہادر کی سرکار مین پیش کیا، چنانچہ نواب صاحب کے متعلق یون گویا ہے، :-

"امروز کہ آن ورۃ التاج شہامت وبحر مواج سخاوت، حاتم عصر، باذل دہر قدم درعرصۂ نوزدہ سالگی نہادہ ذات والا صفاتش مفتاح کنوز کامرانی ست وکلید گنجینۂ فیض رسانی"

مولف کا بیان ہے، کہ اِس تذکرہ کی ترتیب مین اس نے نہایت کدو کاوش کی ہے، اور حالات وسنون کے متعلق خاص تحقیقات کی ہے، لیکن مجھے اِس تذکرہ مین کوئی نمایان بات نظر نہین آتی، وہی رطب ویابس جو عام تذکرون مین پایا جاتا ہے، اس مین بھی موجود ہے، خاتمہ کی تاریخ ہے سہ

فکر سال نتائج الافکار ۔۔۔ ہر کسی کرد و دُرّ معنی سفت

عقل چون حرف ندید وران ۔۔۔ ہدیۂ بارگاہ اعظم گفت

یہ تذکرہ خود نواب محمد غوث بہادر کے حسب الحکم ۱۲۵۹ھ ۱۸۴۳ء مین مدراس سے شایع ہوا، اور اب ایک حد تک کمیاب ہے،

دکن کے تذکرون مین گل رعنا اور شام غریبان، دو تذکرون کا نام بھولا نہین جاسکتا یہ دونون

تذکرے لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی کی تالیف ہین، آخر الذکر تذکرہ میری نظر سے نہین گذرا اور مؤلف تتائج الافکار بھی اس مضمون سے بے خبر ہے، کہتا ہے "غالبًا محتوی بکلام فصحای اہل ولایت است" لیکن پہلا تذکرہ یعنی گل رعنا (قلمی) البتہ مولوی خدا بخش خان مرحوم کے کتب خانہ مین میری نظر سے گذرا ہے، اس کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین مسلمان شعرا کے حالات ہین، جو ۲۶۱ اوراق پر ختم ہوا ہے، اور دوسرا حصہ ورق ۲۶۱ سے ورق ۲۸۶ تک ہے، اور اس مین ہندو شعرا کے حالات ہین جنھون نے فارسی اشعار کہے ہین، اس تذکرہ کا دوسرا حصہ نہایت قابل قدر ہے، اور اگر چھپوا یا جائے تو واقعی نہایت مفید ثابت ہو،

اسی سلسلہ مین ایک اور تذکرہ کا ذکر غالبًا نامناسب نہ ہوگا جس کا نام تحفۃ الشعرا ہے، اور جسمین آصفجاہ اوّل کے عہد کے شعرا کا حال درج ہے، اس کی تالیف ۱۱۶۵ھ مین ہوئی اور مؤلف کا نام افضل خان اورنگ آبادی ہے، حضور نظام کے کتب خانۂ آصفیہ مین اس کا قلمی نسخہ موجود ہے،

افسوس ہے کہ یہ مضمون اپنے مستقر (کلکتہ) سے باہر بیٹھکر لکھ رہا ہون، اس لئے دکن کے بعض اور تذکرون کا ذکر رہ گیا، بہر حال، یار زندہ صحبت باقی،

مطبع معارف

تلخیص و تبصرہ

روس اور علوم مشرقیہ

یورپ کی اکثر قومین مشرق سے ابتدا صرف تجارتی تعلقات رکھتی تھین لیکن روس کا یہ حال نہ تھا اپنے جغرافی حالات کی بنا پر وہ مغربی یورپ اور ہنگامہ آرا مشرق کے درمیان ایک حد فاصل تھا، روس کی ہزار سالہ تاریخ مین مغربی یورپ سے جنگ کے واقعات شاذونادر ہی ملتے ہین لیکن وہ مشرق سے ہمیشہ برسر پیکار نظر آتا ہے، قرون وسطیٰ مین چونکہ روسی حکومت علی مشرق کی طرف متوجہ تھی مشرقی حکومتون کے سفرا برابر آتے رہے، اور ان سے سلسلہ مراسلت جاری تھا، اس لئے روسی مغربی یورپ سے کہین زیادہ، مشرق کے جغرافی وسیاسی حالات سے واقف تھے، اس کے متعلق محکمۂ خارجیہ مین مخصوص کاغذات رکھے جاتے مشرقی زبانون کے جاننے والون کو ملازم رکھا جاتا، نقشے تیار کئے جاتے تھے، پیٹر اعظم کے وقت مین، اور اس صدی کے اختتام پر یہ سلسلہ اور بڑھ گیا،

۱۷۲۵ء مین روس کی علمی مجلس (ACADEMY OF SCIENCE) قائم کی گئی اور اس وقت سے وہ ابتک نہ صرف مشرقی علوم پر تصانیف شایع کر رہی ہے بلکہ اس نے قلمی نسخون مطبوعہ کتابون نسلیاتی اثریات سکون وغیرہ کا جن سے مشرق کو تعلق ہے ایک بڑا ذخیرہ جمع کر لیا ہے، رفتہ رفتہ یہ چیزین اس قدر بڑھ گئین کہ ان کو مختلف شعبون کے ماتحت مختلف مجالس مین تقسیم کر دینا پڑا، ۱۸۱۸ء مین کتابون قلمی نسخون وغیرہ کو ایک جگہ جمع کر کے اس کا نام ایشیائی عجائب خانہ رکھا گیا، ۱۸۳۶ء مین نسلیات وحیاتیات کا ذخیرہ نسلیاتی عجائب خانہ کے نام سے ایک جگہ رکھا گیا، ۱۸۵۵ء مین اس قسم کا ایک اور

عجائب خانہ قائم کیا گیا ہے جسمین مشرق کے متعلق بہت سی مفید چیزین موجود ہین،

روسی یونیورسٹیون مین دوسرے موضوعون کی طرح مشرقی السنہ کے مطالعہ کا بھی شعبہ قائم کیا گیا لیکن ۱۸۵۵ء مین اس کے لئے ایک خاص محکمہ قائم کیا گیا، اور اس کا نام "محکمۂ مطالعہ علوم تاریخ و السنۂ مشرق" رکھا گیا، اس محکمہ نے متعدد بلند پایہ مستشرق پیدا کئے ہین، اس کے ساتھ ہی روس کے مختلف شہرون مین اثریات وغیرہ کے مطالعہ کے لئے متعدد مجالس قائم ہوئین، ماسکو، سینٹ پٹرس برگ وغیرہ مین کتب خانے، عجائب خانے اور انجمنین عالم وجود مین آئین، ان کامون مین روسی مشرقی مجلس، اور روسی جغرافی مجلس کا بہت بڑا حصہ ہے، اوّل الذکر ۱۸۴۶ء مین قائم ہوئی تھی، اس کے رسالہ "زپسکی" نے مستشرقین کے حلقون مین عام وقعت حاصل کر لی ہے،

روسی شاہی جغرافی انجمن ۱۸۴۵ء مین قائم ہوئی، اگرچہ اوس کا رسالہ مشرق کیلئے مخصوص نہ تھا، لیکن اوس مین ایشیا کے متعلق متعدد اہم مضامین ہوتے تھے، اور روسی سیاح، ومکتشف (کوئی نئی بات دریافت کرنے والا) کی حیثیت سے بہت بلند ہین،

مشرقی تحقیقات مین انھون نے مشرق اقصیٰ، وسط ایشیا اور کوہ قاف کے متعلق بہت کچھ کام کیا ہے، انھون نے سائبریا، منگولیا وغیرہ کی زبانون اور ادبیات کے متعلق سب سے زیادہ خدمت انجام دی ہے، ترکیات مین بھی ان کو اوّلیت کا فخر حاصل ہے، کردی اور ایرانی زبانون کے متعلق بھی انھون نے بہت کچھ کیا ہے، وادی جیحون کی ایرانی آبادی کے متعلق بھی ان کی تحقیقات قابل ذکر ہے،

کوہ قاف کی مختلف پہاڑی زبانون کے متعلق یا جارجیا، آرمینیا کی زبانون کے متعلق ان کی تحقیقات وقیع ہے، اس کے ساتھ ہی ہمکو ان کارنامون کا بھی ذکر کرنا چاہئیے، جو انھون نے وسط ایشیا کی السنہ و اثریات کے متعلق پیش کئے ہین، مضامین بالا کے متعلق روس مین جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ سب کا سب تقریباً ہمیشہ مفید و مستند رہے گا، اور آئندہ نسلین بھی ان سے اُسی طرح مستفید ہون گی،

جس طرح کہ اس وقت تک ہم ان سے متمتع ہوتے رہے ہین،

روس مین ہندوستان کے متعلق بہت کم کام ہوا، کیونکہ اُس کو اس سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا البتہ ان کو سنسکرت اور دوسری ہندوستانی زبانون کا صرف اس لئے مطالعہ کرنا پڑا کہ وہ اس کے ذریعہ بدھ ادبیات پڑھ سکین، روسی حکومت کے ماتحت لاکھون بدھ مذہب والے آباد ہین، ان کے عادات و مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے اس کا مطالعہ شروع کیا گیا، مغلون، چینیون، اور تبتیون کے بدھ ادبیات کے مطالعہ کیلئے روسی محققین کو اکثر سنسکرت و پالی کی طرف متوجہ ہونا پڑتا تھا، ۱۸۹۷ء مین اُنھون نے بدھ مذہب کے متعلق سلسلۂ تصانیف کی اشاعت شروع کی اور اس کا نام "ببلوتھیکا بدھیکا" (BIBLIOTHICA BUDH ICA) رکھا، پالی اور سنسکرت کا مطالعہ ۱۹وین صدی کی ابتدا سے شروع ہوگیا، شاہ الگزنڈر اوّل (المتوفی ۱۸۲۵ء) کے عہد حکومت مین سنیٹ پیٹرس برگ مین وہ پہلا مطبع قائم کیا گیا جسمین ناگری کے حروف موجود تھے۔

اس سلسلہ کا سب سے بڑا کارنامہ پروفیسر بوٹلنگ (PROF. BOHTLING) کا لغت ہے، اس کے بعد متعدد اشخاص نے فلسفۂ السنہ کی حیثیت سے سنسکرت و پالی کا مطالعہ کیا، ان مین قابل ذکر ویسلو (VASILIEV) اور مینایو (MINAYEV) ہین، مؤخر الذکر کے جو پالی کے استاد تھے شاگرد پروفیسر شربز کی (PROFES-SOR, STCHERBATSKI) بدھ فلسفہ کے مستند عالم ہین، اُنھون نے اس فلسفہ کے متعلق مختلف کتابین شایع کی ہین، یہ ایک قابل افسوس سانحہ ہے کہ ان کے ذہین شاگرد او روزن برگ (O. ROSENB-ERG) کا جن سے ہماری بہت سی توقعات وابستہ تھین ۱۹۱۹ء مین انتقال ہوگیا،

ایک دوسرے قابل ذکر ماہر ہندیات او اولڈن برگ (O. OLDENBURG) تھے انکو بدھ فنون سے خاص دلچسپی تھی، اُنھون نے اسی سلسلہ مین وسط ایشیا کے مدفون اور ویران شہرون کی سیاحت کی تھی اور وہان سے بہت قیمتی اشیاء حاصل کرکے اپنے ملک لے گئے تھے، وہ روسی مجلس علمی کے ناظم تھے اس عہدہ نے ان کو تصنیف و تالیف کا بہت کم موقع دیا، ان کے علاوہ سنسکرت و پالی کے

دوسرے متعدد ماہر بھی روس مین ہوئے ہین،

اب ہر شخص یہ جاننا چاہے گا کہ انقلاب کے بعد ان کامون کی کیا حالت ہے، یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اس ہنگامۂ دار وگیر مین مستشرقین اپنا کام بدستور کرتے رہے، نئی کتابون کی اشاعت اور تحقیقات کے کامون مین یقیناً سخت رکاوٹین پیدا ہوئین، انقلاب کے وقت جو کتابین مطبع مین جا چکی تھین، وہ مدت کے بعد شائع ہوئین، موجودہ حالات مین ماہرینِ فن کو سخت دقتون کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اُن کو اپنی زندگی اپنی محنت سے بسر کرنی ہوتی ہے، اگر سینٹ پیٹرس برگ کے حالات سے ہم کسی نتیجہ پر پہونچ سکتے ہین، تو ہم کہہ سکتے ہین کہ وہان ان انجمنون کو نئے نامون سے دوبارہ قائم وجاری کرنے کی کوشش ہورہی ہے، لیکن کام کرنے والون کی تعداد مین کوئی اضافہ نہین ہوا ہے، موت اور دیگر اسباب کی وجہ سے اس مین بہت کمی ہوگئی ہے، جو باقی ہین وہ اپنے اعلیٰ روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کر رہے ہین، اگر روس کی موجودہ حالت باقی رہی تو علمی دنیا کیلئے یہ ایک بڑی مصیبت ہوگی، یہ کام دنون کے نہین بلکہ صدیون کے ہین ان کی بربادی آسان ہے، لیکن ان کا قیام اور احیا مشکل،

(آئی، ایچ، کیو)

ایشیائی فنون

ایم لارنس بنیان نے برطانیہ کے عجائب خانہ مین ایشیائی فنون کے متعلق جو ذخیرہ موجود ہے، اس کو پیش نظر رکھکر اس قدیم برِاعظم کی صنعت وحرفت کے متعلق ایک ضخیم کتاب لکھی ہے، لندن ٹائمس نے اپنے ادبی ضمیمہ مین اس پر ایک مبسوط تقریظ شائع کی ہے، تنقید نگار لکھتا ہے:-

"اس وقت سے کہ وینس، پرتگال، اور ہالینڈ کا مشرق سے اثر غائب ہوگیا ہے، انگلستان نے ان کی جگہ لے رکھی ہے، صدیون تک مشرق کی دولت ایک افسانہ تھی، لیکن گذشتہ سالون مین لوگون نے یہ ثابت کر دیا ہے، کہ یہ افسانہ حقیقت پر مبنی تھا، اور وہان کی ایسی چیزون کا پتہ لگالیا ہے، جو ایک

قدیم ترین تمدن کی یادگار ہین، یورپ ایران کے قالینون اور چین کے ریشمی کپڑون کو حاسدانہ نظر سے دیکھتا تھا لیکن اُسے ہندوستان کی صنعت سنگ تراشی، چین کی نقاشی، اور جاپان کے فنون لطیفہ کی خبر نہ تھی، اب صرف گذشتہ ۵۰ سالون سے محققین کو یہ معلوم ہوا ہے، کہ ان ممالک مین صنعت وحرفت کے ذخائر موجود ہین، اور بدھ مذہب کی ترویج نے یہان کے فنون کو اسی طرح بام ترقی کے بلند ترین زینہ پر چڑھا دیا تھا جس طرح عیسائیت نے یورپ کے فنون کو، لندن مین مختلف مقامات پر مشرقی فنون کے لاتعداد نمونے موجود ہین، دو صدیون کی تلاش وجستجو نے لندن مین چین کے ریشمی کپڑون کے بہترین نمونے، ہندوستان کی بہترین سنگ تراشی کے اعلیٰ نمونے، ایران اور ہندوستان کے جلد سازون کی بہترین جلدین جمع کر دی ہین، لیکن یہ فخر سر سڈنے کالون اور مسٹر بنیان ہی کی قسمت مین تھا، کہ وہ چین اور جاپان کی بہترین نقاشی کے نمونے جمع کرکے دنیا کے سامنے پیش کرین، زیر تنقید کتاب مین جس قدر نمونے پیش کئے گئے ہین وہ سب کے سب برطانی عجائب خانہ سے لئے گئے ہین، ان کی عالمانہ اور دلچسپ کتاب مین عام صفنون کو نظر انداز کر دیا گیا ہے،

اگرچہ ہندوستان اور چین کی دو بڑی قومون کے تمدن کو قدیم ترین کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ سنگ تراشی کے فن کی ابتدا ۳ سنہ عیسوی کے ساتھ ہی ساتھ یا زیادہ سے زیادہ دوسری صدی قبل ولادت مسیح مین ہوئی، ہر قوم مین چوب تراشی کی صنعت اس سے بھی پہلے سے موجود تھی، لیکن وہ ناپید ہو گئی ہے، چین کے تانبے کے مجسمے جنکو محققین اور تاجر دونون قدیم ترین زمانہ کی چیز بتاتے ہین، بہت بہترین ہین، چین کی نقاشی عہد عیسوی کے ساتھ شروع ہوئی اور ان کا فن سنگ تراشی بدھ مذہب سے ارتباط کا نتیجہ ہے، ہندوستان کی ابتدائی کوشش صوری تھی جو بعد مین نہایت واضح اور حسین ثابت ہوئی، قدیم ایرانی اثر نے اسے زیادہ حسین بنایا، اور "ایشیائی، یونانی" تعلقات نے اس مین نزاکت پیدا کر دی، مسٹر بنیان نے اپنی کتاب مین اس موخر الذکر تعلق کے اثر کو تسلیم نہین کیا ہے، اور وہ یونانی بدھی فن کے قائل نہین ہین حالانکہ اسکا فن مستقل اور بانتیجہ رہا ہے، اور اس نے نہ صرف بدھ مذہب کے جنوبی حصہ کو متاثر کیا بلکہ جاوا اور

جاپان مین بھی اس کا اثر موجود ہے، الفنٹا کے برہمنی مجسمون مین بھی اثر کا رنگ نظر آتا ہے........

..... جو اثر اطالیہ نے تمام یورپ پر مذہبی منبع ہونے کی حیثیت سے ڈالا ہے اسی اثر سے ہندوستان نے بدھ مذہب کی وجہ سے تمام مشرق کو متاثر کیا ہے، سانچی اور اجنٹا کے سنگ تراشی کے نمونے وہان کے کمال کے مظہر ہین، سنگالی کے تانبے کا مجسمہ ہندوستان کے اس فن کو بتاتا ہے، جو مشرق کی طرف پھیلا، ان کے علاوہ ہندوستان اور چین کے ان مجسمون کے نمونے ہین جو اپنے کمال فن کی وجہ سے بہت کمیاب ہین، جاپان کی صنعت مین اس قسم کی مثال نظر نہین آتی، اس حیثیت سے اگر کوئی چیز قابل ذکر ہے تو وہ چین اور جاپان کی نقاشی کے نمونے ہین جو بڑی تعداد مین برطانی عجائب خانہ مین موجود ہین، اگرچہ جاپان مین کیفیت کو کمیت پر ترجیح ہے، لیکن پھر بھی نقاشی کے بعض نمونے اپنا جواب نہین رکھتے........

اس کتاب کی قیمت ۴۲ شلنگ ہے، اور ٹائمس کے بک کلب لندن سے مل سکتی ہے،

جس طرح پانی ایک رقیق چیز ہے، اسی طرح ہوا بھی ہے قدرت نے پانی مین رہنے والے جانورون کی خاص شکل وصورت بنائی اس سے ان کو آبی سفر مین کوئی دقت نہین ہوتی اور نہ ان کی قوت مین کمی ہوتی ہے، اسی نظریہ کو سامنے رکھکر جرمنی کے ایک ماہر سائنس نے ایک ایسی موٹر بنائی ہے جسکی شکل بالکل مچھلی کی سی ہے، اور وہ ہوا کی رقیق فضا مین مچھلی کی طرح نہایت تیزی سے سفر کرتی ہے، اس کے ساتھ تیل وغیرہ کے خرچ مین بھی تقریباً ایک ثلث سے بھی زیادہ کی بچت ہوتی ہے،

انگلستان کی عشرت پسند آبادی جس طرح اب آرایش وزیبایش اور اخلاق سوز اعمال مین مبتلا اور مشغول ہے اس کا ثبوت ذیل کے چند واقعات دین گے، لندن کے رقص خانون مین اب تک عام پنکھے استعمال کئے جاتے تھے لیکن اب ان کی جگہ ایسے پنکھے استعمال کئے جاتے ہین، جنکے بازوؤن پر فاسفورس کی پالش ہوتی ہے جب تک تیز روشنی ہوتی ہے، یہ بازو عجیب وغریب رنگون کے مجموعے معلوم ہوتے ہین، لیکن جون ہی روشنیان کم ہوجاتی ہین، وہ اپنی سنہری شعاعون سے تمام کمرہ کو حسین اور حاضرین کے لباسون کو دلکش بنا دیتے ہین،

اندنون آسٹریلیا کی شراب اہل لندن کو بہت مرغوب ہے گذشتہ سال انگلستان مین صرف ۱۵۱۶۰۷۶ گیلن شراب خرچ ہوئی،

پہلی دسمبر ۱۹۲۴ء سے ۲۸ فروری تک انگلستان مین موٹرون کے لائسنس کی فیس سے جو رقم وصول ہوئی اس کی تعداد ۲۰۸۰۰۰ ۱۱۱ پونڈ ہے، اسوقت انگلستان مین ۱۰۶۷۰۰۰ موٹر اور لاریان ہین،

انگلستان کے گذشتہ سال مین اخراجات کا اندازہ ۵۹۷۷۷۰۰۰ پونڈ لگایا گیا تھا لیکن واقعی خرچ اس سے ۸۷۰۰۰ ۱۱ پونڈ زیادہ ہوا، اس سال کے خرچ کا اندازہ ۷۹۹۴۰۰۰۰ پونڈ ہے، انگلستان کے متعدد ذرائع آمدنی کا اساس منبعہ ذیل اندازہ کیا گیا ہے،

چنگی اور منشیات ۲۳۹۲۶۰۰۰ پونڈ، موٹرون کی فیس لائسنس ۱۷۵۰۰۰۰ پونڈ، جائداد وغیرہ ۷۶۵۰۰۰۰ پونڈ، کاغذات عدالت ۴۲۰۰۰۰۰ پونڈ محصول جائداد وغیرہ ۱۱۰۰۰۰ انکم ٹیکس ۲۶۲۰۰۰۰۰ رات کے کھانے کا ٹیکس ۳۰۰۰۰۰ ۲۳ پونڈ، منافع منشیات ۰۰۰۰۰۰ ۴ پونڈ کارپوریشن ۰۰۰۰۰۰ ۹ پونڈ، ڈاکخانہ ۰۰۰۰۰۰ ۷ ۵ پونڈ، شاہی جائداد ۰۰۰۰۰ ۹ پونڈ، سود ۰۰۰۰۰ ۲۶ ۱ پونڈ، متفرقات ۰۰۰۰۰۰ ۴۴ پونڈ، میزان ۰۰۰۰ ۰۶ ۰۱ ۸ پونڈ،

آئندہ سال انگلستان اور نیویارک (امریکہ) کے مابین تار کا ایک جدید ترین سلسلہ کا قیام عمل مین آئیگا اس کے ذریعہ سے ایک منٹ مین ۲۵۰۰ حروف بھیجے جاسکین گے، اِس کے معنی یہ ہوئے کہ حال مین جرمن موجد نے اِس قسم کا جو تار ایجاد کیا تھا، اس سے اس مین ۵۰۰ حروف فی منٹ زیادہ ارسال کرنے کی قوت ہے،

انگلستان مین بیکاری روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اور حکومت کو اس خوف سے کہ یہ مزدور کہین اشتراکیین کے جال مین نہ پھنس جائین، ان کے لئے ایک کثیر رقم خرچ کرنی پڑتی ہے، اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہر سال اس مد مین تقریباً ۵۰۰۰۰۰ پونڈ سالانہ یعنی ۹۵۰۰۰ پونڈ فی ہفتہ خرچ ہوتے ہین،

جہان دنیا مین اب علوم و فنون، مذاہب، معاشرت کی بین الاقوامی مجالس ہوتی ہین، وہین امریکہ نے گذشتہ ماہ مین اشتہار دینے والون کی بین الاقوامی مجلس کا انعقاد کیا، اِس مجلس کی شرکت کے لئے انگلستان سے سر ولیم وینیو تشریف لے گئے تھے،

انسان دنیا مین کسی چیز کو بیکار نہین چھوڑنا چاہتا، مذبح مین خون جمع ہوتا تھا، وہ اب تک صرف کھیتون کے کام آتا تھا، لیکن اب بعض کمپنیون نے اِس سے بٹن گراموفون کے ریکارڈ اور اسی قسم کی دوسری تجارتی چیزین بنانی شروع کر دی ہین،

مسٹر ملکالم کمبل جو انگلستان مین موٹرون کے بڑے استاد تسلیم کیے جاتے ہین اور جو موٹرون کی دوڑ مین بہت زیادہ مشہور ہین، آئندہ دوڑ کیلئے ایک بہت بڑا موٹر تیار کر رہے ہین جسکی مثال اب تک موجود نہین، یہ موٹر فی گھنٹہ ۲۰۰ میل کی رفتار سے سفر کریگا، اس مین ۴۵۰ گھوڑون کی طاقت ہوگی اور اس کے پہئے ہر منٹ مین ۲۵۰۰ چکر پورے کرین گے، اگر یہ موٹر عام طور سے چلنے والی ہوتی تو اس کے مالک کو ۴۰۰ پونڈ فیس دینی ہوتی،

چڑیون، مچھلیون، ٹڈیون کے متعلق تو لوگ عموماً جانتے ہین کہ وہ اکثر ایک ملک سے دوسرے ملک کو ہجرت کرتی رہتی ہین، لیکن اِس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہون گے کہ تتلی جیسی نازک مخلوق بھی چار چار ہزار میل کا سفر کر کے ایشیا سے یورپ پہونچتی ہے، مسٹر سی، بی ولیم جو مصر کے محکمۂ زراعت کے افسر ہین ان کا مطالعہ کیا ہے، وہ رسالہ نیچر مین لکھتے ہین کہ یہ تتلیان جنوبی افریقہ اور ایشیا ئے کوچک کے درمیان والے شمالی مشرقی صحرا کے قریب جو انگلستان سے تقریباً ۲ یا ۳ ہزار میل دور ہے، پیدا ہوتی ہین، ابتدائے

بہار میں وہان سے روانہ ہوکر اپریل مین بحر روم کے جنوبی ساحل پر پہونچتی ہین، وہ فلسطین سے شام اور ترکی ہوتی ہوئی اور بلقانی حکومتون کو عبور کرتی ہوئی مصر طرابلس، اور الجزائر کے راستہ جنوبی یورپ مین پہونچتی ہین، آخرمئی یا ابتداے جون مین انگلستان پہونچتی ہین، اور ایک ہفتہ بعد اسکاٹلینڈ بعض تتلیان آئس لینڈ مین بھی پائی گئی ہین جو تقریباً ۴ ہزار میل ہے،

مسئلہ سود سے دلچسپی رکھنے والون کیلئے یہ خبر یقیناً عجیب ہوگی کہ یہودیون کی آزاد خیال جماعت نے اس بات کی نہایت سختی سے تحریک شروع کی ہے کہ آئندہ سے یہودی قرض دینا بند کر دین، ان کے مذہبی پیشوا اسرائیل منک کا بیان ہے کہ ہم یہ تحریک اس لئے نہین کرتے کہ یہودی اس حیثیت سے بدنام ہین بلکہ اس لئے کہ یہ ہمارے مذہبی احکام کے سراسر منافی ہے،

اس وقت انگلستان کے صرف دار السلطنت لندن مین ٹیلیفون جس کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے اسکا اندازہ صرف اس بات سے ہوسکتا ہے، کہ وہان اس وقت ۲۰۰۰۰۰ کم ۵ ٹیلیفون سے کام لیا جارہا ہے،

حال مین انگلستان کے ایک علاقہ ہینٹس مین وہان کے مقتولین جنگ کی یادگار مین ایک گرجا تعمیر کیا گیا ہے، اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، کہ وہ دنیا کا سب سے چھوٹا گرجا ہے،

لندن کی مجلس حیوانیات نے جو رپورٹ شایع کی ہے، اسمین لکھا ہے کہ اس سال اس کے زندہ عجائب خانہ کو دیکھنے کے لئے ۲۰۵، ۱۴۶ آدمی آئے اور یہ تعداد ہر سال سے زیادہ ہے، ان لوگون سے جو آمدنی ہوئی اس کی تعداد ۲۲۷،۸۰۹ پونڈ ہے،

آثارِ علمیہ ادبیہ

باقیات صالحات ترکان عثمانی

مولانا شبلی مرحوم کا ایک ناتمام غیر مطبوعہ کلام،

اے کہ ...[1] جہان را سر و سودا با تست — اے کہ سرمایۂ صد یاس و تمنا با تست

ساز نیرنگی و صد نغمۂ رنگین داری — لوح ارژنگی و صد پیکر زیبا با تست

زاہد ہستی کہ سر صدق و صفا ہست ترا — شاہد ہستی کہ دلآویز ادا ہا با تست

یادگار حشم دیلم و سلجوق استی — شرح ہنگامۂ بغداد و بخارا با تست

داستانہائے عزیزان ہمہ از بر داری — خبر از قافلۂ یثرب و بطحا با تست

آن پراگندہ نژاد عرب و نسل عجم — یعنی آن مصحف اسلام مجزا با تست

گرچہ شیرازۂ ملت ہمہ ابتر شدہ است — ورقے چند پراگندہ ہمہ جا با تست

گرچہ آن تازہ چمن رفت بہ تاراج خزان — باز ہم بوی خوشے زان گل رعنا با تست

گرچہ زان میکدہ اکنون اثرے نیست بجائے — جرعۂ چند ازان شیشۂ و مینا با تست

بے نوائی و ہمہ با سر و سامان ہستی،

قطرۂ ہستی و آبستنِ طوفان ہستی،

[1] معارف:- یہان پر کوئی پنج حرفی لفظ مسودہ مین مولٰنا کے قلم سے چھوٹ گیا ہے، شاید کہ "نیرنگ" کا لفظ ہو کہ یہ لفظ اس موقع پر مولٰنا کے قلم سے کبھی کبھی ادا ہوا ہے،

ادبیات

غزل

از

سید ماجد علی صاحب ماجد بی، اے، ایل، ایل، بی، الہ آباد،

حقیقت کا پتہ اس کو ملا شوریدہ سر ہو کر
تیرے وحشی نے کھوئے واقعۂ عالم دربدر ہو کر

سر محفل جو اٹھی تھی کسی کی اک نظر ہو کر
وہ پہلو مین ہمارے رہ گئی چاک جگر ہو کر

یہ مانا ہم نے دیوانہ رہے گا در بدر ہو کر
نہ بیٹھو گے مگر ہان تم بھی اس سے بے خبر ہو کر

نہین معلوم کس نے کس نظر سے ہمکو دیکھا تھا
کہ پہلو مین جگر رہنے نہ پایا پھر جگر ہو کر

ابھی ہے شام غم اور درد دل کی حد نہین ملتی
مرے اللہ کیا ہوگا شب غم کی سحر ہو کر

صدا پیدا ہوئی زندان مین جو کروٹ بدلتے تھے
وہ پہونچی خود نگاہ ناز مین درد جگر ہو کر

کسی کو دیکھکر اک آہ کی، پھر بند کین آنکھین
کہانی یون رہی بیمار غم کی مختصر ہو کر

جھکا تھا سر مرا اور ہاتھ دل پر تھے قیامت مین
یہ اپنی عمر بھر کی داستان تھی مختصر ہو کر

کسیکی ایک مشت خاک اپنے دوش پر رکھے
چلی ہے آج صحرا سے صبا یون نامہ بر ہو کر

وطن سے دور اک میت پڑی ہو لو خبر کوئی
زبان حال سے کہتے ہین کانٹے نوحہ گر ہو کر

کہان اور کون اپنے آشیان کو یاد کرتا ہے
کہ اک جانب کو تنکے کچھ اڑے جاتے ہین بکھر کر

چمن والو ذرا پرسش کبھی اسکی بھی لازم ہے
جو تم سے دور بیٹھا ہے کہین بے بال و پر ہو کر

لرزتی ہے زمین حشر اک عبرت کا عالم ہے
شہیدان وفا اٹھتے ہین اپنے خون مین تر ہو کر

مزا دنیا مین جینے کا بقدر درد ہے ماجد
ہلا نالۂ دل کیا کرے گا بااثر ہو کر

غزل

از

سید معشوق حسین صاحب اطہر ہاپوڑی وکیل جےپور

قفس مین دل جو تڑپتا ہے آشیان کیلئے
دعائین منہ سے نکلتی ہین باغبان کیلئے

زبان کھلی نہ مری شکوۂ بتان کیلئے
وفائین مہر ہوئی ہین لب ودہان کیلئے

گلہ کرون گا ترا اس زبان سے کیونکر
کھلی نہ جو گلۂ جورِ آسمان کیلئے

شبِ فراق مقدر مین میرے کیون لکھی
دعائین مانگی تھین کب عمر جاودان کیلئے

سزائے آہ وفغان انتقام مہر ووفا
ہزار حیلے ہین عاشق کے امتحان کیلئے

ہوا ہے عشق مین جی زندگی سے سیر ایسا
کہ مانگتا ہون دعا مرگ ناگہان کیلئے

اسی پہ ٹوٹ کے بجلی گری ہے گلشن مین
جو ہم نے تاکی تھی اک شاخ آشیان کیلئے

ملے جو خواب کہین، دیکھے طالع بیدار
خرید لون اُسے مین انکی پاسبان کیلئے

نہین یہ رشک گوارا کہ دردِ عشق ترا
وہی ہمارے لئے ہو وہی جہان کیلئے

پھپھولے اسمین بھی ہین اسمین بھی تپ غم سے
مزے جو دل کیلئے ہین وہی زبان کیلئے

وفا مین غیر سے میرا مقابلہ ہی سہی
بہانہ چاہئے آخر کچھ امتحان کیلئے

وہی کلیم کے حصہ مین آ گئی اطہر
جو برقِ طور تھی میرے دل تپان کیلئے،

باب التقریظ والانتقاد

جاپان اور اُس کا تعلیمی نظم و نسق

مصنفہ: نواب مسعود جنگ سید راس مسعود ناظم تعلیمات حیدر آباد دکن،

مترجمہ: مولوی عنایت اللہ صاحب بی، اے ناظم شعبۂ ترجمہ و تالیف حیدر آباد

شاید ناظرین کو یاد ہو کہ چند سال ہوئے، کہ سرکار نظام نے جناب سید راس مسعود صاحب کو جاپان بھیجا تھا تاکہ وہ وہان جاکر وہان کے تعلیمی حالات کا مطالعہ کرین اور مملکتِ نظام کی فلاح و بہبودی کے لئے مقابلۃً جو تجویزین مفید نظر آئین، اُن کی رپورٹ پیش کرین، یہ موجودہ تصنیف اسی شاہی فرمان عالی کی تعمیل ہے،

سب سے پہلے ہم اِس بات پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہین، کہ یہ کوشش اردو کیلئے ایک خاص حیثیت سے نہایت حوصلہ افزا ہے، ہماری زبان مین جو کتابین اس وقت لکھی جا رہی ہین، ان مین زیادہ مردہ ہڈیون کے اکھیڑنے کا کام انجام پا رہا ہے، جدید علوم کے جو ترجمے اردو مین کبھی کبھی ہوتے ہین ان مین بھی اگر کسی بوسیدہ لاش کو مومیائی کے ذریعہ سے زندہ دکھانا مقصود نہین، تو کم از کم کسی تازہ لاش پر عمل جراحی سے زیادہ اس کی حیثیت نہین، اردو مین کسی حاضر و موجودہ وقت مسئلہ پر براہ راست تصنیف کا مرحلہ ابھی کوسون دور ہے، اِس بنا پر یہ تصنیف ایک حد تک اردو کیلئے ایک نئے باب کا افتتاح ہے یعنی ایک حاضر الوقت مسئلہ پر تازہ معلومات و ذاتی مشاہدات کا مجموعہ ہے،

مگر چونکہ اِس راہ مین تیز روی اُردو کیلئے زیادہ مناسب نہ تھی اس لئے مسئلہ ارتقاے تدریجی کو ملحوظ

رکھ کر یہ کیا گیا کہ اُردو جامعۂ عثمانیہ کے فائدہ کی غرض سے نیز مملکت نظام مین اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی تحریک کے لئے ہمارے مصنف نے اپنے خیالات رپورٹ کی صورت مین انگریزی مین لکھ کر پیش کئے، اور اردو کے مشہور ماہر ترجمہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب بی، اے (خلف الرشید شمس العلماء مولٰنا ذکاء اللہ مرحوم) جو پریچنگ آف اسلام کے ترجمے کے باعث اپنی طالب العلمی ہی سے ترجمہ کی سلاست وروانی، اور صحت کیلئے مشہور ہین، ان کو اُردو کے قالب مین ڈھالا، جہان تک ترجمہ کا تعلق ہے جناب مترجم کی خوبیان تعریف سے مستغنی ہین،

اصل کتاب ۴۸۲ صفحون پر حسب ذیل ۲۴ بابون مین تمام ہوئی ہے،

پہلا باب، ملک (جاپان) اور ملک کے لوگون کے خصائل،

دوسرا باب، جاپانیون کا مذہب،

تیسرا باب، شوگنون (موروثی وزراے جاپان) کی اصل، پرتگیزون کا جاپان کو دریافت کرنا سینٹ فرانسس زیوئر کا ملک مین وارد ہونا،

چوتھا باب، داعیانِ مذہب عیسوی کے ساتھ نوبوناگا اور ہیدی یوشی کا برتاؤ،

پانچوان باب، داعیان مذہب عیسوی کا ملک سے نکالا جانا، جاپان کا غیر ملکیون سے اپنے تئین علیحدہ کرلینا،

چھٹا باب، شوگنی حکومت، ٹوکوگاوا مین امن وسلامتی کا زمانہ،

ساتوان باب، مغربی علوم کی تحصیل،

آٹھوان باب، شروع کے حامیان تعلیم مین سب سے بڑا شخص،

نوان باب، کوموڈور پیری کا وارد ہونا، سب سے پہلے عہد ناجات پر دستخط،

دسوان باب شوگنی حکومت کا زوال،

گیارہوان باب، ملک مین اتحاد پیدا کیا جانا،

بارہوان باب، جاپان کا دنیا کی ایک بڑی طاقت بن جانا،

تیرہوان باب، دستور جاپان،

چودہوان باب، دستور جاپان کی بعض اہم خصوصیات،

پندرہوان باب، انتظام ملکی کی خلاصہ کیفیت،

سولہوان باب، جاپانی زبان،

سترہوان باب، تعلیم مین مساوات کا قائم کیا جانا،

اٹھارہوان باب، سررشتۂ تعلیم، مقامی حکومت کے اجزاے ترکیبی،

انیسوان باب، تنظیم تعلیم، ابتدائی مدارس،

بیسوان باب، لڑکون کے مدارس وسطانیہ، لڑکیون کے مدارس فوقانیہ، لڑکیون کے لئے مدارسِ خانہ داری،

اکیسوان باب، مدارسِ اعلیٰ لڑکون کے لئے، یونیورسٹیان،

بائیسوان باب، مدارسِ معلمی، اعلیٰ مدارس علمی، مدارسِ خاص، اندھون، بہرون اور گونگون کے مدارس،

تئیسوان باب، تعلیم صنعت وحرفت،

چوبیسوان باب، نتیجہ

مضامین کے ساتھ چند نقشے بھی ہین جنمین صوباتی دصوبون کی حکومتِ کاناگاوا، صوبہ کاناگاوا مین ماتحت صوباتی حکومت صوبہ کاناگاوا مین دیہاتی یا قصباتی حکومت شہر یوکوہاما کی بلدی میونسپل حکومت کے نقشے ہین، دو تعلیمی نقشے ہین جن مین سے ایک مین تعلیمی اداروں کا باہمی تعلق دکھایا گیا ہے، اور دوسرے مین جاپانی

مدارس کی باہمی تنظیم نمایان کی گئی ہے،

اِس تفصیل سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ کتاب کس جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہے، اگرچہ موضوع کی خصوصیت کے لحاظ سے شروع کے چھ باب غیر ضروری معلوم ہوتے ہین، مگر ہندوستان مین جہان لوگ جاپان کے اندرونی خصائص اور تاریخِ ترقیات ہی سے واقف نہین، ان تمہیدی بابون کا بڑھانا زیادہ نامناسب نہین کہا جا سکتا، اسی لئے مصنف نے اس تطویل کے لئے دیباچہ مین اپنی معذرت بھی ظاہر کردی ہے،

شاید ناظرین کو یہ امر تعجب انگیز معلوم ہو کہ ایک ہندوستانی ریاست کو اپنے ملک کے تعلیمی امکانات پر غور وخوض کرنے کے لئے اپنے ایک تعلیمی افسر کو یورپ کے ترقی یافتہ ممالک کو چھوڑ کر جاپان، وہان کے تعلیمی نتائج کے مطالعہ کرنے کی غرض سے کیون بھیجا؟ مگر اس کی مصلحتین بالکل ظاہر ہین، سرکار نظام ہندوستان کی پہلی حکومت ہے جس نے اس راز کو پالیا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی کہ جب تک لڑکون کو تعلیم ان کی ملکی زبان مین نہ دی جائے گی، اور مغربی علوم کے ترجمے خود ان کی زبان مین منتقل نہ ہون گے، اہل ملک مین علمی ذوق اور تعلیمی ترقی پیدا نہین ہو سکتی، اور نہ طلبہ کے دماغ علوم کے زیر پردہ اسرار تک پہونچ سکین گے، اور نہ علم کا اصلی مزہ ان کو آسکتا ہے جب تک ہماری تعلیم غیر ملکی زبان کے ذریعہ سے رہیگی، ہمکو علوم بیگانہ باہر سے آئے ہوئے اور بالکل عاریت اور منگنی کے معلوم ہون گے، اور یہ شئی علم کا اصلی ذوق پیدا ہونے نہین دیتی، ایک غیر زبان مین خواہ کسی قدر آپ کامل ہون مگر جس قدر آپ کو اپنی مادری زبان کی شاعری مین لطف آسکتا ہے دوسری زبان کی شاعری مین نہین آسکتا، یہی حال علوم کے ذوق کا بھی ہے، غیر ملکی زبان کی تعلیم مین دو دقتین ایک ساتھ ہوتی ہین، ایک الفاظ وعبارت اور زبان کی، اور دوسرے مطالب معانی کی، اور اپنی زبان کی تعلیم مین الفاظ وعبارت اور زبان کا بار نہین رہتا، صرف مطلب ومعنی کو سمجھنا اور اس کو تحقیق کرنا رہ جاتا ہے، اس لئے، یہ ترقی کا قریب ترین اور آسان ترین راستہ ہے،

اِس حیثیت سے کہ مشرقی قوم کو مغربی علوم وفنون کو اپنی زبان مین منتقل کرکے، اور اس کو ذریعہ تعلیم

بنانے مین کیا مشکلات ہین، اور ان کے حل کرنے کی کیا تدبیرین ہین؟ اگر کوئی مشرقی ملک اپنے تجربون اور عملی مثالون سے ان کی گرہ کھول سکتا ہے تو وہ **جاپان** ہے جس نے تمام مغربی علوم کو ایک مدت ہوئی کہ اپنی زبان مین منتقل کیا اور اس کو ذریعۂ تعلیم بنا کر اس کے فرضی امکان کو عملی وقوع کی صورت مین پیش کردیا، اس لئے مملکتِ نظام کو اپنے ارادہ کی تکمیل کے لئے اس ملک کے نشانِ قدم کو دیکھنا ضرور تھا جو اسی راستہ سے چل کر مقصود کی منزل تک پہونچا ہے، اور اس کے لئے یقیناً یورپ کا کوئی ملک اس کی دست گیری نہین کرسکتا تھا،

اس کتاب کو پڑھکر جاپان کی تعلیمی کوششون کا جو اندازہ ہوتا ہے وہ عجیب حیرت انگیز ہے، تعلیم کے ہر شعبہ کے نصاب پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جاپانی تعلیم مین سب سے اوّل جس چیز کو جگہ دیگئی ہے وہ جاپان کو ایک مرکزِ اتحاد مین پیوستہ کرنے کا خیال ہے، جو "مقدس شہنشاہِ جاپان" کی ذات ہے، اسلئے اس رشتۂ اتحاد کو جہان جمع ہو کر تمام جاپانی افراد اپنے اِس "مقدس باپ" کے زیر سایہ ایک خاندان کے ارکان بنجاتے ہین، ہر تعلیمی شعبہ مین مضبوط اعتقاد کی ڈوری سے باندھنے کی کوشش کی گئی ہے، یہان تک کہ "حب وطن" کا جذبہ جس کو آج تمام ملکون کے اعتقادیات کا سب سے پہلا اصول سمجھا جارہا ہے اس کو بھی وہان دوم درجہ کی اہمیت ہے، تاہم وہ بھی تعلیم کا ایک ضروری عنصر بتایا گیا ہے،

ذات شاہانہ کی عقیدت کے ساتھ ساتھ جو جاپان کو ایک قوم بناتی ہے، دوسری چیز جو اس کی تعلیم کا مایۂ خمیر ہے اور جو کہین اور کسی شعبہ مین نظر انداز نہین کی گئی ہے، وہ قومی اخلاق اور قومی عنصریت کی نشوونما اور تکمیل ہے، صنعت و حرفت کی تعلیم کو غالبًا اِس قسم کی چیزون سے کوئی تعلق نہین تاہم ہمکو اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فنون کے تعلیمی نصاب مین بھی اِس کو نہین چھوڑا گیا ہے، اور اخلاقیات کو ہمیشہ اولین جگہ دی گئی ہے،

"اخلاقیات" کا مفہوم کیا ہے، اس کی تشریح ہم کو کتاب کے صفحہ ۲۸۴ اور اس کے بعد پر ملتی ہے،

"ادنیٰ خواندگی" کے نصاب مین اخلاقیات کا مفہوم "قومی اخلاقیات" ہین "اعلیٰ خواندگی" کے ذیل مین اس کی تشریح یہ ملتی ہے، "اخلاقیات کا خاکہ، انصاف اور نیکوکاری، ایک ملک کی بنیادی ترقی ہمارا قومی چلن"، بعد تحصیل خواندگی "اخلاقیات یعنی قومی اخلاقیات" کا عنوان نظر آتا ہے، تجارتی تعلیم مین بھی ہم ادنیٰ اور اعلیٰ دونون خواندگیون اخلاقیات کو پہلے درجہ پر پاتے ہین، ادنیٰ خواندگی مین اخلاقیات کے ماتحت "قومی اخلاق کا خاکہ" اور اعلیٰ خواندگی مین اخلاقیات کا مفہوم "ایک شہری کے فرائض" پاتے ہین، کاریگرون کے تعلیمی نصاب مین بھی یہ چیز نظرانداز نہین کی گئی ہے، چنانچہ اس کی ابتدائی خواندگی مین روزمرہ کا اخلاق اور وسطانی مین "ایک قوم کے فرائض" کی تعلیم ملتی ہے، ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے کہ جس قوم کی تعلیم کا بنیادی پتھر اخلاقیات ہون، اس کا قومی کیرکٹر کتنا بلند، پکا اور مضبوط ہوگا،

ہمارے ہان تعلیم کے کسی شعبہ مین داخل ہونے کیلئے جو قید سب سے زیادہ سنگین لگائی جاتی ہے، وہ فیس کی کمی زیادتی ہے، جو لڑکا خواہ وہ کتنا ہی بدتر یا بہتر ہو، مختلف کالجون کی گران قدر فیس ادا کرسکے وہ ان کے لئے ہرطرح موزون ہے، لیکن جاپانی مدارس مین طلبہ کی انتخابی قید کے لئے، جو چیز ہم کو ہر جگہ نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ "طالب علم کی تندرستی اور چال چلن اچھا ہو اور ارادہ کا پکا ہو"

رقبہ مین جاپانِ خاص تقریباً (۱۴۲۰۰۰) مربع میل ہے، اور اخیر مردم شماری مین جو ۱ جولائی ۱۹۲۰ء کو ہوئی اس کی آبادی (۵۵۹۶۱۱۴۰) تھی، اور سلطنت جاپان کی کل آبادی جس مین کوریا، فارموزہ جزائر سگالین وغیرہ شامل ہین (۷۷۰۰۵۵۱۰) تھی، مصنف نے بتایا ہے کہ یہ رقبہ مملکت نظام کے رقبہ سے دوچند سے کچھ کم ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے جاپان چہارچند سے زیادہ ہے، اور اگر آمدنی اور تعلیم کا حساب لگایا جائے، توخدا جانے یہ فرق اور کس قدر زیادہ نمایان ہو، لیکن یہ امر مملکتِ نظام کیلئے اس حالت مین کبھی شرم کا باعث نہین جب ۳۱ کروڑ آبادی والا ہندوستان بھی جاپان کی اس آبادی کے مقابلہ مین تعلیم و آمدنی کے لحاظ سے صفر محض ہو،

"جاپان کا مذہب" کے عنوان سے اس کتاب مین ایک دلچسپ بات ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جاپان کا قدیم مذہب شنٹو مذہب جو خاص جاپان ہی کی پیداوار ہے، اس کے اصول یہ ہین کہ جاپان دیوتاؤن کا جنکو وہ کامی کہتے ہین ملک ہے شہنشاہِ جاپان، کامی کا خاص فرزند ہے، دیگر شرفا اور عام افراد بھی درجہ بدرجہ کامی کی اولاد ہین، ا مردون کو اپنے سے خوش رکھنا چاہئے، اور مختلف رسوم کے ذریعہ سے ان کو خوش رکھنے کی تدبیرین کی جاتی ہین،

صفائی اور پاکیزگی اس مذہب کی بڑی تعلیم ہے، اسی لئے آج بھی اس چیز مین جاپانیون کا کوئی حریف نہین ہوسکتا، ابتدائی عہد عیسوی مین چین کے تمدن کے ساتھ ساتھ چین کا مذہب کنفوشس یہان پھیلنے لگا، قرون وسطی مین بودھ مت نے وہان فروغ حاصل کیا، سترہوین صدی مین طباعت کے رواج کے بعد کنفیوشس لٹریچر کی ترقی نے اس مذہب کو ازسرِنو زندہ کردیا، اس مذہب کے اصل الاصول صرف دو ہین "اخلاق اور نظم حکومت"، ان دونون کے ایسے تفصیلی امور پر یہ مذہب مبنی ہے، جو روزمرہ پیش آتے ہین، اور والدین اور سیاسی حاکمون کی بلاعذر اطاعت ان کا بنیادی پتھر ہین،

چھٹی صدی عیسوی کے وسط مین بودھ مت جاپان پہونچا، بدھ مت کے پروہتون نے یہ کیا کہ شنٹو دھرم کے دیوتاؤن کو قدیم بودھون کا اوتار ظاہر کرکے اپنے معبدون مین انکو جگہ دی، اس تدبیر سے بودھ مذہب نے وہان بڑی ترقی کرلی، اس مذہب کی تعلیم یہ تھی کہ علم یا قلب کی روشنی سے نجات حاصل ہوسکتی ہے، اور خودی کو کمال تک پہونچانا ذریعۂ نجات ہے، بقاے حیات کا حصول، یا دیوتاؤن کے سامنے ان کی ستایش اور منت گزاری مین عمر بسر کرنا آخری مقصد نہین ہے، بلکہ قطعاً زوال (نیستی) مین فنا ہوجانا، روح کی آخری منزل ہے، بودھ مت کی تعلیم نے جاپانیون کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے، اور اب تک ان مین اکثر اسی دھرم پر قائم ہین، سولھوین صدی کے وسط مین عیسائی مذہب جاپان مین داخل ہوا، اور اس کے اخلاقیات نے ایک حد تک قبولیت حاصل کی، اس وقت جاپان کا عمومی مذہب انھین مذہبون

کی ایک مخلوط شکل ہے یعنی مذہبی رسوم شنتو مت کے ہین، عقائد بودھ کے ہین اور اخلاقیات کنفیوشس اور مسیحیت کے ہین، خدا کا تخیل ان مین نہین، لیکن دیوتاؤن کا وجود اب تک جدید تعلیم کے باوجود اس سرزمین مین باقی ہے، اسی بنا پر جاپانی نصاب تعلیم مین مذہبی تعلیم جن معنون مین ہم سمجھتے ہین، موجود نہین، لیکن اخلاقیات کی تعلیم پر پورا زور ہے،

جاپانی نظم تعلیم مین ایک اور بات نمایان ہے کہ اہل جاپان اپنی تعلیم کا زیادہ بار حکومت پر نہین ڈالتے، بلکہ خود اٹھاتے ہین، چنانچہ جاپان مین کنڈر گارٹن مدارس کی تعداد (۶۱۲) ہے، ان مین سے صرف دو سرکاری ہین، باقی (۲۵۲) پبلک (عموم) کے ہین، اور (۳۵۸) نج کے ہین، ابتدائی مدارس وہان (۲۵۶۲۵) ہین جنمین چار سرکاری، (۲۵۴۵۷) پبلک ہین، اور (۱۶۴) ذاتی ہین،

تعلیم اس ملک مین جبری اور لازمی ہے، اس لئے جاپان کا ہر ایک شہر، قصبہ اور گاؤن مجبور ہے کہ اس کے علاقہ مین جس قدر بچے مدرسہ جانے کی عمر رکھتے ہون ان سب کی تعلیم کے لئے اس قدر معمولی ابتدائی مدارس قایم اور جاری کرین جو ان سب کے لئے کافی ہون، ان مدرسون کی تعداد اور ان کے قایم کرنے کے موقعے حکام، مقامی افسرون کے مشورہ سے مقرر کرتے ہین، ان مدرسون مین تعلیم کا وقت عموماً ۸ بجے صبح سے سہ پہر تک ہوتا ہے، ایسے موسمون مین جب کاشت کارون کو بہت کام ہوتا ہے، تمام دیہاتی مدارس ایک دو ہفتہ کیلئے، بند کر دیئے جاتے ہین،

معمولی ابتدائی مدارس مین ذیل کے مضامین پڑھائے جاتے ہین، اخلاقیات، جاپانی زبان، حساب، تاریخ جاپان، جغرافیۂ جاپان، مبادی سائنس، نقشہ کشی، گانا، جسمانی ورزشین، سینا، کوئی دستکاری یا کوئی اور کام،

وسطانی مدارس (مڈل اسکولس) کی تعداد (۳۳۴) ہے، ان مین دو سرکاری (۲۴۵) پبلک اور (۸۱) ذاتی ہین، ان مین حسب ذیل مضامین پڑھائے جاتے ہین، اخلاقیات، جاپانی اور چینی ادبیات،

کوئی غیر زبان جو بالعموم انگریزی ہے تاریخ جاپان اور جغرافیۂ عالم، ریاضی طبعیات، قدرتی اشیاء کی تصویر کشی، گانا، جسمانی ورزشین جن میں، اور پانچوین جماعتوں مین موسیقی کیجگہ کیمیا اور زراعت یا تجارتی کفایت شعاری کی تعلیم دیجاتی ہے،

تمام موجودہ مدارس اعلیٰ کی تعداد (۱۰۷) ہے، اِن کی دو شاخین ہین، ادبیات اور سائنس کی شاخ ادبی شعبہ مین ذیل کے مضامین پڑھائے جاتے ہین، اخلاقیات، جاپانی زبان وجاپانی وچینی ادبیات انگریزی جرمن اور فرانسیسی مین سے کم از کم ایک زبان، تاریخ وجغرافیۂ جاپان، تاریخ وجغرافیۂ عالم، مبادی فلسفہ، نفسیات اور منطق، وضع قوانین اور سیاسی معاشیات، ریاضی علم طبیعی، ورزشہائے جسمانی، سائنس کی شاخ مین یہ چیزین پڑھائی جاتی ہین، اخلاقیات، جاپانی زبان وجاپانی وچینی ادبیات، انگریزی جرمن، فرانسیسی مین سے کم از کم ایک زبان، ریاضی، طبیعیات، کیمیا، نباتیات وحیوانیات، معدنیات طبقات الارض، نفسیات، وضع قوانین ومعاشیات سیاسی، نقشہ کشی، ورزشہائے جسمانی،

جامعات یا یونیورسٹیان جاپان مین سرکاری پانچ ہین، اور یہ کل براہِ راست وزیر تعلیم کے تحت ہین، اور وہ شہنشاہی یونیورسٹیان کہلاتی ہین، پہلا ٹوکیو کا شہنشاہی جامعہ، دوسرا کیوٹو کا، تیسرا ٹوہوکو کا، چوتھا کیوشو کا، پانچوان ہوکیڈو کا ان مین سے ہر جامعہ کی وسعت اور شعبون کی کثرت اس قدر ہے کہ یہ چند صفحے ان کے متحمل نہین ہو سکتے،

اِس موقع پر ایک جملہ معترضہ ہے، جامعہ کا لفظ یونیورسٹی کے لئے اردو مین چل گیا ہے مگر اس لفظ کا مذکر یا مونث ہونا فیصل نہین ہوا ہے، اِس کتاب مین جامعہ کو مونث استعمال کیا گیا، اور شاید جامعہ ملیہ مین بھی اس کو مونث ہی بولتے سنا ہے، اور شاید اِس لئے، کہ یہ یونیورسٹی کے ہم معنی ہے، جو اردو مین مونث ہے، مگر ظاہر ہے اردو کے قاعدہ سے یونیورسٹی کی تانیث کے لئے (ی) کا وجود سفارش کرتا ہے، جامعہ کے لئے یہ صورت نہین ہے، ہم جامعہ کی اصل مدرسہ جامعہ سمجھتے ہین، اس لئے مدرسہ کی طرح اس کو

مذکر بولتے ہین، اور دوسرون کو بولتے سننا چاہتے ہین، اور اگر جامعہ کی عربی تانیث کا خیال ہے تو مدرسہ کو بھی مونث بولئے، یہ ممکن ہے کہ آگے چل کر جامع مسجد کی طرح جامعہ بھی کثرت قبول اور اتفاق عام کی سند سے مونث ہو جائے، اسی طرح صفحہ ۴۴۳ مین شعبہ کی جمع "شوابع" نہ صرف ناگوار بلکہ غلط ہے، اگر ہوتا بھی تو "شواعب" ہوتا نہ کہ "شوابع" اگر عربی کا خیال ہے تو "شُعَب" کہئے، اور اردو مین "شعبے" جمع کیلئے خاصہ لفظ ہے، ایسے ہی "معلمات" کا املا "معلماۃ" بھی قابل گرفت ہے، اسی طرح "صوباتی" کے بجاے "صوبجاتی" یا "صوبہ جاتی" زیادہ عام فہم ہوتا،

ہم نے صنعت و حرفت، اور زنانہ مدارس کی تفصیل چھوڑ دی ہے، یہ ابواب خاص طور سے مطالعہ کے لایق ہین، تمام مضامین نصاب پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی تعلیم کا نصب العین یہ ہے کہ قوم کے ہر فرد کو عملی محنتی، ارادہ کا پکا، اور مستقل بنانا چاہیئے، اسی لئے ہم کو مضامینِ نصاب مین اس نظری بلکہ فرضی دو بھی علم کا پتہ بہت کم چلا جسکو فلسفہ کہتے ہین، ایک جگہ مبادیِ فلسفہ ہمکو لکھا نظر آیا ہے، ورنہ ہر جگہ سائنس اور صنعت اور جاپانیت، اور اخلاقیت ہی کی مختلف ادنی، اوسط اور اعلی شکلین ملتی ہین،

مصنف نے آخر مین نتیجہ کے طور پر مملکت نظام کی ترقی و کامیابی کیلئے کچھ تجویز بھی بطور سفارش کے پیش کی ہین،

اوّل، یہ ہے کہ کل مملکتِ نظام کو جس مین مختلف قومین رہتی ہین، متعدد زبانین بولی جاتی ہین اس مین باہمی ایک واحد جنسیت اِن متحدہ اصولون پر پیدا کی جائے،

الف حضور بندگانِ عالی سلطانِ دکن کے ساتھ دلی خیرخواہی،

ب، حبِّ وطن،

ج، سرکاری زبان (ہندوستانی یا اردو) کا علم،

ان مین ہر دفعہ کی صحت اور ضروری ہونے پر لائق مصنف نے پرزور دلائل دئے ہین،

دوم، ابتدائی تعلیم کے متعلق مصنف کی یہ رائے ہے کہ چونکہ زیادہ تر رعایا کاشتکار ہے، اس لئے دیہاتون کی ابتدائی مدارس مین زراعتی تعلیم کو بنیاد بنانا چاہئے، اور شہرون کے ابتدائی مدرسون مین صنعت وحرفت کو رواج دینا چاہئے،

سوم، مدارس کے مہتمون کو ایسے ذرائع مہیا کئے جائین کہ وہ سال مین ایک دفعہ ایک ہفتہ کے لئے اپنے دائرہ کے معلمین کو جمع کرکے، انکی سال بھر کی مدت مین جو عام نقائص ان کے پڑھانے مین نظر آئے ہین ان کی تصریح کی جائے،

چہارم، یہ بندوبست کیا جائے کہ محکمۂ تعلیم کے بہترین لیاقت رکھنے والے عہدہ دارون کو ترقی یافتہ ممالک غیر مین اس غرض سے بھیجا جائے کہ یہ لوگ وہان کے طرق تعلیم اور تعلیمی انتظامات کا بغور مطالعہ کرین،

پنجم، سلطنت نظام مین صنعت وحرفت کی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ سائنس کی تعلیم کی طرف حتی الامکان توجہ کی جائے، اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپے کے دو وظیفے اس غرض سے جاری کئے جائین کہ سائنس کی اعلیٰ تعلیم کا جہان انتظام ہو جیسے انسٹیٹیوٹ آف سائنس بنگلور وغیرہ وہان جاکر تعلیم حاصل کرین،

ششم، ہر صوبہ کے مرکز مین مقامی صنعت وحرفت کی سالانہ نمایشون کا انتظام ہو اور لائق کاریگرون کی انعامات سے حوصلہ افزائی کی جائے، اور غیر ممالک مین ان مصنوعات کی ترویج کے لئے ایک ایجنسی قائم کی جائے،

ہفتم، بلدۂ حیدرآباد مین جلد ایک مدرسہ تجارتی کاروبار کا قائم کیا جائے،

ہشتم، عام جہالت کو آسانی اور جلدی سے دور کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ "بصری تعلیم" (آنکھ سے

تصویرون کے ذریعہ سے دیکھکر تعلیم کا طریقہ جاری کیا جائے، جس مین سینما کے ذریعہ سے سفر اور دورہ کرکے جابجا لوگون کو ضروری علم سکھایا جائے،

اس مین شک نہین کہ جاپان کے طرقِ تعلیم کو پیش نظر رکھکر یہ کامیاب اور دانشمندانہ تجویزین ہین، اور یہ نہ صرف حیدرآباد کے لئے بلکہ دیگر ریاستون کے لئے بلکہ خود ہندوستان کی دیگر قومی تعلیمگاہون کے لئے مفید ہین، ہم نے سنا ہے کہ اس مفید کتاب کے ہندوستان کی دوسری زبانون مین مثلاً بنگالی گجراتی زبانون مین بھی ترجمے ہو رہے ہین، کہین ایسا نہ ہو کہ ان زبانون کے بولنے والے تو اس کتاب سے پورا فائدہ اٹھائین، اور ہندوستان کی وسیع زبان (اردو) کے جاننے والے خبر بھی نہ ہون،

کتاب انجمن ترقی اردو کے سلسلہ کے پینتیسوین نمبر مین شائع ہوئی ہے اور مطبع مسلم یونیورسٹی مین چھپی ہے، قیمت درج نہین انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے ملے گی،

مقالۂ روسو

فرانس کا مشہور علمی و سیاسی انقلاب جن ارباب دماغ کا نتیجہ ہے ان مین روسو کو خاص اہمیت حاصل ہے، دنیا کی اکثر مہذب زبانون مین اسکی تصنیفات کے ترجمے ہو گئے ہین، صاحبزادہ ظفر حسین خان سب ڈپٹی انسپکٹر تعلیمات پیلی بھیت نے اس کے ایک اہم رسالہ کا ترجمہ کیا اور دار المصنفین نے شائع کیا ہے، اس رسالہ مین روسو نے علوم کی قدر و قیمت پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے، اس لائق ہے کہ اردو دان اصحاب اس کا مطالعہ کرین، قیمت ۸؍

منیجر

مطبوعات جدیدہ

چہار مقالہ چھٹی صدی ہجری کے مشہور شاعر انشا پرداز اور عمر و خیام کے شاگرد اور شاہانِ غور کے مداح نظامی عروضی سمرقندی کی کتاب مجمع النوادر جو چہار مقالہ کے نام سے مشہور ہے، فارسی سلسلۂ ادبیات کی ایک نہایت ممتاز کڑی ہے، یہ کتاب اصل مین عربی علوم کی تقسیم کے لحاظ سے فن محاضرات مین داخل کرنے کے لائق ہے مصنف نے چار مقالون مین چار اصناف علم یا چار اصناف علماء کے متعلق مفید و ضروری ہدایات و معلومات جمع کئے ہین، مقالۂ اوّل در ماہیت علم دبیری وکیفیت دبیر بلیغ کامل، مقالۂ دوم علم شعر وصلاحیت شاعر، مقالۂ سوم در ماہیت علم نجوم و غزارت منجم در آن علم، مقالۂ چہارم در ماہیت علم طب وہدایت طبیب وکیفیت او، یہ چارون علوم ایسے ہین جو قدیم سلاطین کے ہان درباری عالم بننے کے لئے، نہایت ضروری تھے، اس لئے درحقیقت اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ درباری اہل علم کے لئے کس قسم کے معلومات اور واقفیت کی ضرورت ہے، لیکن ان مین سے ہر مقالہ کی تحریر مین مصنف نے نہایت سادگی سے علمی مسائل، ادبی نقد، تاریخی واقعات، سوانح، مشاہدات سفر، ذاتی تجربہ، اس طرح ملا جلا کر لکھے ہین کہ کتاب بیحد دلچسپ ہوگئی ہے، یہ کتاب مدت ہوئی کہ بمبئی مین چھپی تھی مگر نہایت مسخ صورت مین، اس کے بعد چند سال ہوئے کہ لندن کے گب میموریل سیریز مین علامۂ قزوینی کی تصحیح و تحشیہ اور قلمی نسخون کے مقابلہ کے بعد لندن مین شائع ہوئی، اور اس وقت سے ہماری ہندوستانی یونیورسٹیون کی نظر اس کتاب پر پڑی، اور بمبئی کو چھوڑکر ادھر سب سے پہلے پنجاب یونیورسٹی نے اس کو ایم، اے اور منشی فاضل کے نصاب مین داخل کیا، اور یہی تقریب اس وقت اس کتاب کے اس اڈیشن کے وجود کا باعث ہوئی، زیر نظر طبع، لاہور مین شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور کے اہتمام اور مولوی وجاہت حسین صاحب

عندلیب شادانی رام پوری، بی، اے منشی فاضل کی تصحیح سے چھپا ہے چھوٹی تقطیع کے سو صفحون پر کتاب ختم ہوئی ہے، شروع مین جناب مصحح نے ایک مقدمہ کا اضافہ کیا ہے جسمین پہلے نفس کتاب چہار مقالہ پر ریویو کیا ہے اور اس کے محاسن و معائب بتائے ہین، پھر مصنف کتاب یعنی نظامی عروضی کے حالات خود اس کی اس کتاب سے جو کچھ معلوم ہوتے ہین، اور دوسری کتابون سے جو کچھ معلوم ہوئے ہین، ان کو یکجا کیا ہے، اور نہایت ایمانداری کے ساتھ آخر مین لکھدیا ہے، کہ "یہ تمام تر علامۂ قزوینی کی تحقیقات ہین جنکو مین نے اپنی زبان مین ادا کر دیا ہے" کتاب کا یہ نسخہ بہر حال بمبئی کے نسخہ سے تو بہتر ہے چونکہ مدرسی ضرورت سے یہ نسخہ چھاپا گیا اس لئے ارزانی کے خیال سے اس کی طبع مین بیحد کفایت شعاری سے کام لیا گیا ہے چھوٹی تقطیع کے صفحہ پر ہر صفحہ مین ۱۲ باریک سطرین نہایت بار ہین، فہرست کا اضافہ بہت ضروری تھا جو نہین کیا گیا قیمت ۱۲ر پتہ: شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور،

برمی بول چال، برما ہندوستان ہی کا اب گویا ایک ٹکڑا ہے، وہان کی ایک خاص زبان ہے، کئی لاکھ مسلمانون وہان رہتے ہین، ہندوستانی تاجرون کی وہان آمد و رفت ہے، با این ہمہ ہمین نہین معلوم کہ کسی نے برمی زبان کے اصول و قواعد صرف و نحو پر کوئی کتاب اہل ہند کے لئے علمی طریق پر لکھی ہو، مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی پروفیسر السنۂ مشرقیہ مہاودیالے کالج احمد آباد گجرات جنکو ایک خاص تقریب سے اس سے پہلے کئی سال متواتر برما مین رہنے کا اتفاق ہوا ہے، اور غالباً برما مین دعوت اسلام کے امکانات پر غور کرنے کیلئے، اور وہان کے مسلمانون کے تعلیمی نصاب کے بنانے کی غرض سے انھون نے برمی زبان کو محنت سے سیکھا، اور اب انھون نے اردو مین اس زبان کی صرف و نحو پر یہ مفید کتاب لکھکر پبلک مین پیش کی ہے، اس ضروری کوشش کی اس نئی مثال پر ہم مؤلف کو جس قدر مبارکباد دین وہ کم ہے خصوصاً اسلئے کہ یہ مثال علماء کی جماعت کی طرف سے پیش ہوئی ہے جنھون نے اس قسم کے کامون مین اپنے دور انحطاط مین

کبھی دلچسپی نہین لی، اس بنا پر ایک **ندوی عالم** کی اس ہمت کی جو اسلاف کرام کی محنتون کو یاد دلاتی ہو قوم و ملک کو حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے، طرزِ بیان صاف، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۸؍ مصنف سے ملیگی،

الحق الصریح مع جماعۃ التہجد والتراویح، یہ مختصر رسالہ پانچ فقہی سوالون کا جواب ہے جنکا ماحصل منشا یہ ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ دوسرے ایام مین بھی رات کی نماز نفل یا تہجد کو جماعت کیسا ادا کر سکتے ہین ؟ یا نہین، ہمارے قدیم دوست مولنا مفتی ابو الطاہر ظہور احمد صاحب حال مدرس مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ نے شرح و بسط کے ساتھ تمام معتبر کتب حدیث و فقہ کے حوالون سے انکا جواب دیا ہے، اور اس کا جواز ثابت کیا ہے، ایک خالص فقہی مسئلہ کی تحریر و توضیح مین جس مین قدم قدم پر فقہ کی عربی عبارتین ہین، مولف نے زبان کی سلاست اور روانی مین کوئی فرق نہین آنے دیا ہے، مقدمات کی ترتیب اور استنباط اور نتیجون کے نکالنے مین اچھا سلیقۂ تحریر دکھایا ہے، کتابون اور حوالون کے پیش کرنے مین دور تک نظر ڈالی ہے، ہم اپنے دوست کو یقین دلاتے ہین کہ اگر دار العلوم ندوہ کی متوسطات کی تعلیم انکی رہبر نہ ہوتی، تو کم از کم اس سلیقۂ تحریر کے بجائے، مولویانہ طرز بیان کی ژولیدگی ان کے حصہ مین ہوتی، جہان تک مسئلہ کا تعلق ہے، انکی تحقیق نے ہر شق کو آئینہ کر دیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعض مسائل مین انکے حنفیانہ غلو، کا ہم باسانی ساتھ نہ دے سکین، قیمت ۳؍، رسالہ مصنف سے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے پتہ سے ملے گا،

نور البصر فی الکبریت الاحمر، کبریت احمر کسی درود کا نام ہے جو حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی طرف منسوب ہے، اس کی یہ اردو مین شرح علامہ ابو البرکات محمد عبد المالک صاحب سابق مشیر مال بھاولپور نے تصنیف فرمائی ہے، ہمارے مشیر مال صاحب کو یہ گنج بے بہا کشمیر کی ایک خانقاہ سے ہاتھ لگا ہے اور جسکو انھون نے اپنی فیاضی کی بنا پر وقف عام کیا ہے، اس درود کی زبان اور ترکیب و بیان کی بنا پر ہم ہرگز تیار نہین کہ اس کو شیخ کی طرف منسوب کرین شرح کے اثنا مین قصیدہ غوثیہ کے اشعار بھی لائے گئے ہین جو عوام مین شیخ کیطرف منسوب ہے حالانکہ وہ تمام تر جعلی ہے، قیمت ۳؍ دفتر صوفی پنڈی بہاؤ الدین پنجاب،

عدد دوم	ماہ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۲۵ء	مجلد شانزدہم

مضامین

دار العلوم ندوہ کے تعلیم یافتہ علماء مین مولانا مفتی **محمد یوسف** صاحب بہاری ایک لائق فاضل تھے افسوس کہ انھون نے ۲۵ اگست ۱۹۲۵ء بعارضۂ فالج لکھنؤ مین انتقال کیا، وہ ندوی علماء مین فنون ادب عربی مین کامل دستگاہ رکھتے تھے، فراغت کے بعد اپنی زندگی دار العلوم پر وقف کردی تھی، اور اس وقت وہان وہ ادیب اول کے عہدہ پر ممتاز تھے، باوجود اس کے کہ ان کو دوسری جگہ بیش قرار تنخواہین ملتی تھین تاہم انھون نے جس خلوص اور ایثار سے تقریباً دس برس مدرسہ کی خدمت کی وہ تعریف وستائش کی مستحق ہے، وہ نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے خدمات ادا کر رہے تھے، عربی رسائل مین ان کے مضامین شائع ہوتے تھے، عربی خوان طلبہ کی سہولت کے لیے شبلی بکڈپو کے نام مصری مطبوعات کی بہم رسانی کا کام بھی انجام دیتے تھے، افسوس کہ انکی جوانامرگی نے ہماری صف مین ایک ماتم برپا کردیا، اور مدرسہ نے اپنے ایک لائق فرزند کے ساتھ اپنے ایک فاضل مدرس کو کھو دیا، خدا مرحوم کو جوار رحمت مین جگہ دے، مولوی ابو الحسنات ندوی مرحوم کی وفات کے بعد ہماری برادری مین یہ دوسرا صبر آزما سانحہ پیش آیا ہے، مسلمانون مین جو قحط رجال ہے اس کو دیکھتے ہوئے، ان نونہالان چمن کی بے وقت پژمردگی کس قدر پُرحسرت ہے،

حسرت ان غنچون پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

دار الاقامۂ ندوۃ العلماء کی تعمیر کے لیے فراہمی سرمایہ کی جو اپیل ہمنے قوم کے سامنے پیش کی تھی، خدا کا شکر ہے کہ اس نے دردمند دلون کو اس سے متاثر کیا، اور باوجود اس کے کہ اب تک صوبون مین کام کرنے والے پیدا نہین ہوئے ہین، لوگون نے خود اپنی طرف سے پیش قدمی شروع کردی ہے دروازے پر

جو سائل آجا وے اسکو روٹی کا ٹکڑا تو ہر شخص دیکر ٹالنا چاہتا ہے مگر ایسے سخی داتا کم ملین گے جو خود سائلون کی تلاش مین گھر سے نکل پڑین، اور انکو ڈھونڈھ کر خیرات دین، اس سلسلہ مین سندھ کے سیٹھ عبداللہ ہارون کے ڈھائی سو روپیون کے بعد بلوچستان کے خوست کولری کے مسلمان کارکنون کی ہمت قابل صد ستائش ہے جنھون نے بلا سوال اس دور دراز علاقہ سے پانچ سو تیس روپیے کی رقم خود بخود ہمارے پاس بھیجدی، اسی طرح ڈیرہ غازی خان سے احسان الحق صاحب ڈسٹرکٹ جج نے ۵۰ روپیے بھیجے ہین، شیخ قیصر علی صاحب ایک بزرگ نے ۵۰ رنگون سے بھیجے، خدا ان مخلصین کو جزائے خیر دے،

صوبہ بہار مین مین نے خود دو تین شہرون کا دورہ کیا، بہار شریف، پٹنہ، چھپرا، موتیہاری بتیا، الحمد للہ کہ ہر جگہ ندوہ کے مداحون اور ہمارے قدر دانون کی کافی جماعت ملی، خلافت کی تحریک کے باعث ہر جگہ چند مخلص خادمان اسلام پیدا ہوگئے ہین، جو ہر مفید مذہبی و قومی تحریک کو کامیاب بنانا اپنا فرض جانتے ہین، ان افراد سے ہر جگہ ہمکو گرانقدر مدد ملی، اس سفر کا نتیجہ ۵ ہزار سرمایہ کی فراہمی ہے، جن مین سے دو ہزار نقد وصول ہو چکے ہین، بقیہ رقم بھی انشاء اللہ جلد وصول ہو گی، چونکہ میرا عزم ایک علمی و دینی خدمت کی غرض سے ستمبر و اکتوبر مین مدراس کے قیام کا ہے، اسلیے یہ دورہ بالفعل ملتوی کردیا ہے، جاڑون مین عنقریب صوبہ بہار کا بقیہ دورہ انشاء اللہ ختم ہوگا، امید ہے کہ دردمند اصحاب اوس وقت ہماری مدد سے دریغ نہ فرمائین گے، کہ یہ مدد ہماری نہین بلکہ خود اونکی آپ مدد ہے،

احاطۂ بمبئی مین ہمارے دوست مولنا **مسعود علی** صاحب ندوی، مولنا **شوکت علی** صاحب کی معیت و رفاقت مین دار العلوم کے لیے فراہمی سرمایہ کا کام انجام دے رہے ہین، یہ دونون قوم کے مشہور **بھکاری** ہین، دوران تحریک خلافت مین بھی ان دونون نے ملکر یکجا وصولی چندہ کا کام

نہین کیا، اور دونون اپنی اپنی جگہ پر اپنے اپنے مرتبہ اور منصب کے مطابق کامیاب رہے اب جبکہ اس موقع پر یہ دونون مشہور قومی سائل ایک صف اور دوش بدوش ہو کر قوم پر حملہ آور ہون تو خدا ہی کے دولتمند مسلمانون کے آہنی صندوقون کو امان مین رکھے، ہمکو امید ہے کہ احاطۂ بمبئی مین ۱۵ ہزار کی خفیف رقم جو وہان کا ایک ادنی مسلمان سوداگر اپنی طرف سے ادا کر سکتا ہے، اوسکی فراہمی مین وہان کچھ زیادہ دقت پیش نہین آئے گی،

مسلمان حیلہ جو چندون کے بھرمار کے شاکی ہین لیکن ذرا اپنے ہمسایون اور ہموطنون کی طرف ایک نظر ڈال لین، وہ کونسا کام ہے جس پر مسلمان خرچ کر رہے ہین، اور اسی قسم کے کامون پر وہ ان سے زیادہ نہین خرچ کر رہے ہین، آپکی یونیورسٹی ہے، تو اونکی بھی ہے، آپ کے ایک کالج ہین تو اُنکے دس پانچ ہین، آپ کے چند اسکول ہین، تو ان کے بیسیون ہین، آپ کے صدہا مذہبی مدرسے ہین تو ان کے بھی سینکڑون پاٹ شالے اور گروکل ہین، آپکی تبلیغی انجمنین ہین، تو انکی بھی شدھی سبھائین ہین، اس کے علاوہ گئو رکھشا، عقد بیوگان سیوا سمیتی، ہندی سمیلن وغیرہ بیسیون ایسی انجمنین ہین، جنکے ماہوار و سالانہ اخراجات ہندو قوم پورے کر رہی ہے، گروکل مین ایک ایک سال کا چندہ ایک ایک لاکھ ہو گیا ہے، کیا کسی اسلامی مذہبی مدرسہ کو یہ دن نصیب ہوا ہے، ہندی سمیلن کے متعلق سنا ہے کہ چار پانچہزار ماہوار اوسکا خرچ ہے کیا انجمن ترقی اردو اور دار المصنفین کو اس گرانقدر رقم کا تخیل بھی ہو سکتا ہے، بنارس کے صرف ایک دولتمند ہندو نے دس لاکھ کی رقم اس کے لیے علیحدہ کر دی ہے، ہمارا **جامعہ ملیہ** کوڑیون کو محتاج ہے، مگر ودیا پیٹھ بنارس صرف ایک ہندو رئیس کی فیاضی اسکی بقا کی ضمانت کر رہی ہے،

کہتے ہین کہ مسلمان اپنے اسلاف کی قدر دانی مین سب سے آگے ہین، مگر اس کا عملی ثبوت کیا ہے؟ سرسید کی یادگار مین کے لاکھ وصول ہوئے، اور کتنے سال مین ہوئے، محسن الملک، وقار الملک، حالی،

شبلی کی یادگاروں کے لیے قوم نے کام کرنے والوں کی اپیلوں کا کیا جواب دیا؟ مگر ادھر دیکھو داس کو مرے ہوئے دو مہینے بھی نہین گذرے، مگر انکی یادگار کے دس لاکھ روپئے کے مطالبہ مین سے سات لاکھ اس عرصہ مین جمع ہو چکے،

چندون اور قومی سرمایون مین تصرف کا اعتراض اکثر اٹھایا جاتا ہے، عارضی اور ہنگامی اور عمومی غیر ذمہ دارانہ کامون مین یقیناً یہ بے احتیاطیان ہوئی ہین، ہوتی ہین اور ہونگی، اور اس مین ہندو مسلمان دونون یکسان ہین، مگر ایک کا ظرف یہ ہو کہ اخبارات، قومی مجلسون اور انجمنون مین بھی اونکے تذکرے نہین آنے دیتے، دوسرے کا حال یہ ہے کہ واقعہ کسی قدر اتفاقی ہو، مگر اسکی تشہیر گھر گھر اور در در کیجاتی ہے، اور اس طرح بیسیون قومی کامون کو صدمہ پہنچ رہا ہے، ہماری مذہبی، قومی، تعلیمی انجمنین اور درسگاہین جو سالہا سال سے کام کر رہی ہین بحمد للہ کہ اس خردہ گیری سے پاک ہین، لیکن بایںہمہ اُن کی ایمانداری کی قدر نہین کیجاتی،

دوسرا جواب اس موقع پر یہ دیا جاتا ہو کہ مسلمانون کی قوم غریب ہو، ہم اس کو تسلیم کرتے ہین مگر اے کاش انکی اس غربت کا اظہار انکی غم و مسرت کی تقریبون پر بھی ہوتا، شادی بیاہ کے موقعون پر بھی ہوتا، روزانہ زندگی کے مصارف مین بھی ہوتا، رہنے سہنے کے اخراجات مین بھی ہوتا، اس کو چھوڑ کر نسبت دونون قومونکی کوتونکی کی بیشی مین ہو وہ نسبت تو اُنکے دولتمندونکے چندون اور عطیون مین ہوتی، فرض کرو کہ نئی سیاسی اور اسلامی تحریکین جن سے ہمارے دولتمند امرا، گھبراتے ہین اگر وہ ان کے نزدیک خطرناک ہین تو تعلیم، تبلیغ، اشاعت تعلیم کے مقاصد تو ایسے خطرناک نہین، اگر گورنمنٹ کے گوشۂ التفات کا خیال ہے تو جامعہ ملیہ نہی، مسلم یونیورسٹی تو مستغنی و بے نیاز ہو جاتی مگر یہان تو دونون کو برابر کا شکوہ ہو،

مسلمانون کو اگر ہندوؤن کا مقابلہ کرنا ہے اور کرنا چاہیئے، اور کرنا پڑیگا، تو وہ شور وغل، گالی گلوج، مارپیٹ، دنگا فساد، لعن طعن، زور ظلم، اور زبردستی مین نہین کہ ان سے قوم نہین بنتی، بلکہ متانت سنجیدگی وقار، خاموش کام، پرسکون عمل، صبر و استقلال، قومی فیاضی، قومی خصائل کی حفاظت، قومی کامونکی سچائی اور ذاتی کفایت شعاری، اخلاص کے ساتھ مدد سچے قومی و مذہبی خادمون کی عزت و احترام اور ان کے آواز پر جلد از جلد مستعدی مین، کہ ان سے قوم بنتی ہے،

آج ٹھنڈے دل سے سوچکر بتاؤ کہ مسلمانون مین کوئی ایک ایسا مرکز ہے جسکی پکار پر مسلمانون کا سواد اعظم لبیک کہنے کو تیار ہو، پہلے علیگڈھ کا تبخانہ تھا، وہ لوٹا تو خیال ہوا کہ اب اسکی جگہ ایک متحدہ قبلہ تیار ہوگا، کچھ دنون تک یہ امید قائم رہی، مگر پردہ اٹھا تو نظر آیا کہ اب ایک تبخانہ کی جگہ سینکڑون تبخانے ایک خود مختار شہنشاہی کی جگہ بیسیون طوائف الملوکیان، الگ الگ پیدا ہوگئی ہین، ان کو جس قدر ملانے کی کوشش کیجاتی ہے اتنا ہی افتراق اور پیدا ہوجاتا ہے،"آل پارٹیز کانفرنس" سے امید اتفاق کی تھی تو وہ نفاق کی صورت بنگئی، جمعیتہ العلما الگ ہوگئی اور مجلس خلافت نا طرفدار بنگئی جمعیتہ تنظیم نام ایک اور عالمگیر انجمن وجود پذیر ہوگئی، کیا عالمگیر مذہب کے ماننے والون کو عالمگیری کے سوا اور دوسرا کوئی خواب دکھائی نہین دیتا، اوران کا کوئی کام اس سے کم مرتبہ سے شروع نہین ہوسکتا، ابھی ہماری انجمنون کا وجود بھی نہین ہوتا کہ وہ سارے عالم کو اپنے اندر گھیر لینا چاہتی ہین، اور سعدی کے مشہور مقولہ کی بنا پر" دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند" فوراً کامون اور کام کرنے والون مین تصادم شروع ہوجاتا ہی، ورنہ اگر اپنی اپنی حد کے اندر لوگ کام کرین تو وہ "درویش بگلیمے بخسپند" والسلام و مسلمانان بیاسائند،

دائرۃ المعارف حیدرآباد سے علمی حلقون کے لیے ایک دل خوش کن بشارت کی اطلاع ملی ہی

یعنی یہ کہ امام رازی کی سب سے اہم فلسفیانہ تصنیف "**مباحث مشرقیہ**" کی جلد اول چھپکر تیار ہوگئی
مصنف نے تو ایک ہی جلد مین کتاب لکھی ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ دائرہ نے ضخامت کے خیال سے
دو حصون مین منقسم کر دیا ہے، یہ کتاب جب پوری چھپ جائے تو ہم عربی مدارس سے توقع کرینگے کہ
وہ متاخرین ہند کی عقلی تصنیفات و تعلیقات کے بجائے اس کو اپنے نصاب تعلیم مین داخل کرینگے،

یاد ہوگا کہ **ندوۃ العلما** کی تجویز کے مطابق، مولانا **شبلی** مرحوم کی تحریک سے جناب
نواب عماد الملک بلگرامی نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ شروع کیا تھا، ادھر مولانا کا انتقال ہوگیا،
اور ادھر سالہا سال سے نواب صاحب ممدوح کی صحت جواب دے چکی ہے، اس لیے یہ کام رک
گیا، ہم کو یہ خیال آیا کہ اس کام کو پھر اٹھایا جائے، مترجم ممدوح نے ۱۴ پارہ تک کا ترجمہ کیا ہے،
سورہ نحل تک مبیضہ مکمل ہے، ترجمہ کی انگریزی زبان کا کیا کہنا، مگر ضرورت ہے کہ لائق انگریزی دان
علما، اس کی معنوی صحت وسقم کو دیکھ لین، پھر مشورہ طلب یہ امر ہے کہ یہ سادہ ترجمہ ہے، آیا
اس کو اسی طرح چھاپا جائے یا اس مین حواشی کا اضافہ کیا جائے، موصوف نے ازراہ عنایت اپنا
مبیضہ ہماری طلب پر ہمکو بھیجدیا ہے،

سیچ کے نام سے جو ہفتہ وار اصلاحی صحیفہ لکھنؤ سے نکل رہا ہے اور جس نے تھوڑی ہی مدت مین اپنی
سچائی، اعتدال، ناطرفداری، سچی مذہبی اسپرٹ کی بدولت خواص مین غیر معمولی ہردلعزیزی حاصل کرلی ہے اور جس مین زیادہ تر
ہمارے فاضل دوست مولوی عبدالماجد صاحب بی اے اور مولانا عبدالرحمن صاحب نگرامی ندوی اپنے فاضلانہ خیالات
سیدھی سادھی عبارت مین ادا کیا کرتے ہین اور مسلمانون کو اعتدال کے ساتھ مصلحانہ خیالات سے آشنا کیا کرتے ہین، اس
لائق ہے کہ مسلمان اس صحیفہ کی پوری قدر کرین، اور خریداری سے اسکی حوصلہ افزائی کرین، اسکی سالانہ قیمت تین روپیہ ہے؛

مقالات

عالم اسلامی کی تنظیم کا مسئلہ
اور
مسلمانون کا انتشار خیال،

مسلمانون کے روز افزون انحطاط، پراگندگی، اور انتشار کا سلسلہ صدیون سے قائم تھا، مگر چونکہ دولت عثمانیہ کا سایہ بہت حد تک دنیا کے مسلمانون کی تشفی کا باعث تھا، اور خالص اسلامی ممالک ایک زنجیر مین گو وہ کسی قدر کمزور ہو وابستہ نظر آتے تھے، اسلیے عام مسلمانون کو اپنی اس کمزوری اور ضعف کا احساس نہ تھا اور وہ اپنے کو ایک رشتہ مین منسلک سمجھتے تھے، اس جنگ عظیم کی بدولت اس سایہ کا ہٹنا اور اس زنجیر کا ٹوٹنا تھا کہ اس فریب کی حقیقت واضح ہوگئی، اور معلوم ہوگیا کہ مسلمان ایک بڑے دھوکے مین مبتلا تھے، ترکی کے انقلاب اور جمہوریت کے قیام اور لفظی خلافت کے عزل نے اس دھوکے کا دھوکا ہونا اس طرح آشکارا کر دیا کہ کسی سمجھدار مسلمان کو اس مین شک نہین رہا،

اب روئے زمین کے کسی مسلمان کو اس امر مین کوئی شک نہین ہے کہ مسلمانون کی شیرازہ بندی کا قصہ خواب و خیال ہے اور انکی باہمی وابستگی، ہم رشتگی، اور جامعیت کا وجود سراب سے بھی زیادہ بے حقیقت ہے اسی کے ساتھ اس کا بھی سب کو یقین ہے کہ اسلام کی فطرت مقتضی ہے کہ اس رشتہ کا وجود قائم اور اسلامی برادری و اخوت کی شیرازہ بندی باقی رہے، مذہبی ہدایتون کے علاوہ

دنیاوی سیاستون اور مصلحتون کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مسلمان قومون کو بحیثیت مسلمان کے دنیا کی قومون کے سامنے زندہ اور باقی رہنے کے لیے مسلمانون کا متحدہ محاذ اور انکی برادرانہ جمعیت قائم رہے،

اسلام کا اصول اس کا بھی مقتضی ہے کہ تمام دنیاے اسلام مین مسلمانون کا ایک مذہبی پیشوا اور امام ہو، اس کا واحد وجود تمام دنیا کی مسلمان قومون کے لیے رشتۂ اتحاد اور رابطۂ وحدت کا کام دے، اور مذہبی شعائر واحکام کی نگہداشت اور اجرار کا فرض انجام دے، اس کا نام خواہ تم خلیفہ رکھو، امام رکھو، یا امیرالمومنین رکھو،

اس حقیقت سے کون بخیر انکار کرسکتا ہے کہ یہ خلافت وامامت اپنے اصلی مناہج اور شرائط وآداب سے بہت جلد ہٹ گئی، تاہم بغداد کی تباہی تک کچھ نہ کچھ اسکی حیثیت تھی، اور قاہرہ مین جاکر اسکی حیثیت گو خود دارالخلافہ مین کچھ نہ رہی، تاہم دور دراز کے اسلامی ملکون مین خلیفۂ عباسی کی یہ مصری خانقاہ بھی عقیدت عامہ کا مرکز تھی، ان گذشتہ چند صدیون مین جب دولتِ عثمانیہ کے سوا کوئی آزاد اسلامی حکومت باقی نہین رہی تو لامحالہ یہ عقیدت کی کشش، قاہرہ سے قسطنطنیہ کو منتقل ہوگئی، کون نہین جانتا کہ اسلام وہ مذہب ہے جو مذہب اور سلطنت ساتھ ساتھ بنا، اس کا امام ہی اسکا بادشاہ تھا، اسکی ایک ہی عبادتگاہ کی چہار دیواری اسکی مسجد بھی تھی اور اسکی عدالتگاہ اور دربار بھی، اسکی ایک ہی چند زینون کی لکڑی اسکا منبر بھی تھا اور تخت حکومت بھی، اوس کے وہی جان نثار اس کے داعی اور مبلغ بھی تھے، اور مجاہد اور سپاہی بھی، اس کے وہی عہدہ دار حکام اور امرا بھی تھے، اور قاضی، اور امام بھی، اس دینی اور دنیوی اقتدار وتنظیم کی وحدت کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانون کی دینی ودنیوی تنظیم کے الگ الگ عہدے اور دائرے نہ تھے،

اس بنا پر یہ بالکل ظاہر ہے کہ مسلمانون کی مذہبی تنظیم، انکی سیاسی تنظیم سے الگ کوئی شی نہ تھی، ایسی حالت مین مسلمانون کی سیاسی تباہی انکی مذہبی بے ترتیبی کے ہم معنی ہے، جب کسی ملک مین مسلمانون کی سلطنت نہ رہی، انکی ہر قسم کی تنظیم بھی رخصت ہوگئی نہ کوئی ان کا امام رہا نہ کوئی مذہبی صیغہ رہا، نہ اوقاف کا انتظام رہا، نہ مسجدون کی نگرانی رہی نہ مدرسون کی دیکھ بھال رہی، نہ تبلیغ واشاعت کا سامان

رہا، نہ مسلمانون کے مذہبی مقدمات اور فیصلون کی کوئی صورت رہی، نسل آدم اور اولاد ابراہیم کی یہ منظم باقاعدہ صف جانورون کے گلّے بن گئی،

جن ملکون مین اچھی یا بری اسلامی حکومتین قائم ہین، یورپ کے دیکھا دیکھی وہان کے زعمأ ارکان سیاست اور ارباب فکر مین یہ خیال قائم ہوتا جاتا ہے کہ دینی و دنیاوی طاقتون کی یکجائی، اور مذہبی وسیاسی تنظیمون کی وحدت اونکی ترقی کی راہ مین حائل ہے، یہی خیال ہے جس نے ٹرکی کے مجاہد اعظم مصطفے کمال اور ان کے رفقائے کار کو عزل خلافت پر امادہ کر دیا، اور اسی کی نقل اور آواز بازگشت دوسرے اسلامی ملکون مین بھی سنائی دیتی ہے،

یورپ کو جب سے ہوش آیا ہے، اور سمجھا ہے کہ **اتحاد اسلامی** ہی کی قوت ہے جو اسکی طاقت کا مقابلہ کر سکتی ہے، مسلمانون کو بغاوت پر آمادہ کر سکتی ہے، اور ان کو دوبارہ مضبوط اور زندہ بنا سکتی ہے، اور اس اتحاد اسلامی کی بنیاد **خلافت** کا وجود ہے، مختلف طریقون سے اسکی قوت کو توڑنے کی کوششین کیجا رہی ہین، یورپ کے تیغ زن سپاہیون نے اپنی تلوارون سے اور مصنفین نے اپنے قلم سے اس کے مٹانے کی پوری کوشش کی، یونان وروم کی جنگ پہلا موقع ہے، جب یورپین طاقتون کی متفقہ خواہش کے خلاف دنیائے اسلام مین خلیفۂ عثمانی کی ہمدردی و مالی اعانت کے غیر معمولی جذبات نے یورپ کے کانون مین خطرہ کی گھنٹی بجا کر اسکو متنبہ کیا،

بعض یورپین اہل قلم نے یہ کیا کہ خلافت اسلامیہ کو اصول اسلام کی حیثیت سے تو تسلیم کر لیا، مگر مجدد اسلام بنکر انھون نے پوری قوت کے ساتھ مسلمانون کو اونکی ایک عظیم الشان غلطی پر متنبہ کیا کہ الائمۃ من قریش ترک اس کے مستحق نہین، ان کو مٹا کر مکہ معظمہ کی چار دیواری مین عربی ہاشمی خلافت قائم کرو، اس جماعت کے سرگروہ مشہور ہمدرد اسلام بلنٹ تھے، دوسرون نے ترکون کے شرعی خلیفہ ہونے سے بحیثیت مفتی اسلام کے انکار کیا، یہ سب کچھ ہو رہا تھا، اور ہم کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے،

اس جنگ عظیم مین منصب خلافت کی اہمیت کم کرنے بلکہ اس کے مٹا دینے کی سب سے زیادہ ضرورت پیش آئی، وفد خلافت کی حیثیت سے جس ہفتہ ہم انگلستان پہنچے ہین، سب سے پہلے ایک اطالین مستشرق کا جو روم یونیورسٹی مین تاریخ اسلام کے پروفیسر تھے، رسالہ "دی نیچر آف دی خلافت" کا انگریزی خلاصہ نظر سے گذرا اور جسکو اٹلی کی حکومت مین یہ اہتمام حاصل تھا کہ اٹلی کی وزارت خارجہ نے اوسکو اپنی طرف سے شائع کیا اور اس کے بعد سلطان ایذاء "خلیفہ" کا دوسرا مسلکا نہ مضمون ایک انگریزی اہل قلم نے لکھا، اسکے بعد تیسرا مضمون پروفیسر مارگیولیوتھ نے ادنبرر ورلندن مین مسئلۂ خلافت کی تاریخی کمزوری پر لکھا،

ہندوستان مین خلافت کی تحریک نے جو زور شور اور ہل چل پیدا کی، اسکی سیاسی اہمیت نے یورپ کو اور زیادہ ڈرا دیا، تلوار کا وقت نکل چکا تھا، اس لیے سپاہیون نے ہٹکر اہل قلم حضرات کے لیے جگہ خالی کردی، اور انھون نے اس وقت سے برابر مسئلۂ خلافت کی تحقیق وکاوش، اسکی شکست اور ریخت، یورپ سے متاثر دماغون مین اسکی مذہبی نامعتبری، تاریخی کم اہمیتی اور اس کے سیاسی نقصانات، اور تمدنی خرابیان اس طرح آشکارا کین کہ خود مسلمانون مین بہتدن بعض افراد کو اس کا یقین آنے لگا جو یورپ کے مصنفین کو بنایت معصوم، مخلصانہ اور ہر قسم کے سیاسیات سے بلند جانتے ہین،

قاصد رقیب بود و من غافل از فریب
بیدرد مدعائے خود اندر میانہ ساخت

نتیجہ یہ ہوا کہ جنکی خلافت کے لیے دنیا لڑ رہی تھی، انھین نے خود اپنے ہاتھ سے اوسکو دفن کردیا اور اس کو مٹا کر وہ سمجھے کہ انھون نے اپنی قومی حکومت کے سامنے سے سارے عوائق ہٹا دے، اور تسلیم کرلیا کہ دین و دنیا کا اختلاط اور مذہب و سیاست کی آمیزش اسلاف کی سب سے بڑی غلطی تھی جسکو انھون نے دور کردیا، اور یہ فعل بعینہٖ اصول اسلام کے مطابق ہے، ترکون کے اس عمل نے گویا یورپین پروپگنڈے کو جو مدتون سے خلافت کے متعلق مسلمانون مین جاری تھا، دفعتہً کامیاب کردیا، اس پر بھی ہمارے

دشمنون کو چین نہین آیا اور اب ترکون کے اس فعل کی تحسین کا پروپگنڈا جاری ہے لندن یونیورسٹی مین مسئلہ خلافت کی تاریخی اسناد پر بحث کرنے کے لیے ہمارے مشہور پروفیسر آرنلڈ کو مقرر کیا گیا، ڈاکٹر آرنلڈ نے اس بحث پر ایک مبسوط لکچر دیا، اور گذشتہ سال ۱۹۲۴ء مین دی خلافت کے نام سے دو سو صفحون مین انھون نے اس مسئلہ کے تاریخی پہلو پر ۱۸ بابون مین مفصل بحث کی،

اس کتاب مین نہایت کاوش اور محنت سے ڈاکٹر آرنلڈ نے اس منصب خلافت کے آغاز سے اور اخیر ترکی عہد تک کے ہر قسم کے واقعات کو یکجا کیا ہے، اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے، کہ اس منصب کے ضروری اور اصول اسلام مین سے ہونے پر قرآن وحدیث سے کوئی استدلال موجود نہین ہے، نیز تاریخ اسلام بھی اسکی تائید نہین کرتی نہ خلافت راشدہ کے بعد اس منصب کو مسلمانون نے عملاً تسلیم کیا اور خصوصاً ترک سلاطین تو اس حیثیت سے کبھی مسلم ہوے ہی نہین،

اغیار جو کچھ کر رہے ہین اور کہہ رہے ہین، اس ذکر کو جانے ہی دیجئے، یہ دیکھئے کہ خود اپنون کا اس مسئلہ کے متعلق کیا خیال ہے، اب اصل مسئلہ قابل غور یہ ہے کہ مسلمانون کی تنظیم اور وحدت کا فرض کس طرح انجام دینا چاہیئے، کہ مسلمانون مین ازسرنو طاقت وقوت اور نظام واتحاد پیدا ہو،

ٹرکی مین عزل خلافت کے موقع پر جو تقریر کیگئی، اور اسی کے ساتھ ٹرکی زبان مین مسئلہ خلافت پر جو کتاب "خلافت وحاکمیت ملیہ" لکھوا کر عام طور سے شائع کیگئی، اس مین یہ قرار دیا گیا ہے کہ خلافت کوئی مذہبی اور روحانی منصب نہین، نیز خلافت کے لیے وجود شخصی ضروری نہین، خود حکومت المجلس خلافت جمہوری ہے اور اسی سے مسلمانون مین تازہ قوت اور نئی طاقت پیدا ہوگی،

علمائے مصر مین سے سید رشید رضا نے الخلافۃ والامامۃ الکبری ایک خاص کتاب ۱۳۴۱ھ مین لکھکر شائع کی ہے، جس مین انھون نے خلافت اسلامیہ کے آداب، شروط، مصالح اور فوائد بتائے ہین، اور جدید ٹرکی اور تعلیم یافتہ مسلمانان مصر وہندوستان کو یہ بتایا ہے کہ خلافت اسلامیہ کو جدید قالب

مین شرع صحیح کے اصلی مقصود کے مطابق از سر نو ملک عرب مین قائم کرنا چاہیئے، اور اسی سے دنیائے اسلام مین نئی زندگی پیدا ہوگی، خلیفہ انتخاب سے منتخب ہو اور اس کے ساتھ ایک مجلس شوری ہو، جسکی اعانت اور مشورہ سے وہ تعلیمی، تبلیغی، تشریعی احکام و مصالح تمام اسلامی ملکون مین پھیلائے اور ہر اسلامی ملک مین اس کے باقاعدہ نائبین ہون،

اس مسئلہ کے متعلق حسب ذیل انکی تجاویز ہین،

۱- ایک عظیم الشان اسلامی مذہبی درسگاہ کا قیام جس مین مجتہدین اور مذہبی مقننین پیدا ہون، جو ضروریات زمانہ اور اصول اسلام کے مطابق نئے احکام استنباط کرین، اور اسلام و تمدن مین باہمی آویزش کے بجائے آمیزش پیدا کرین،

۲- خلیفہ کا انتخاب،

۳- خلافت کے انتظامی اور مالی صیغے اور اسکی حسب ذیل ماتحت مجلسین،

ا- مجلس شوریٰ

ب- مجلس افتاء، تصنیف و نگرانی مولفات دینی،

ج- مجلس جو حکام، قاضیون، اور مفتیون کو احکام دے،

د- مجلس جو حکومت کی عام نگرانی کرے،

ہ- مجلس اشاعت اسلام،

و- مجلس جو مساجد کے خطیبون، اامون، اور واعظون کی نگرانی کرے،

ز- مجلس زکوۃ،

ح مجلس حجاج و خدمت حرمین شریفین،

ط مجلس مراسلات،

سید رشید رضا صاحب کا میلان خاطر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک خلیفہ دینی اور دنیاوی اقتدار کے ساتھ عرب مین قائم کیا جائے، جہانتک اس کے حدود حکومت کا تعلق ہے وہ خلافت کے ساتھ دنیاوی حکمران بھی ہو، اور دوسرے اسلامی ممالک مین اس کو صرف روحانی خلیفہ تسلیم کرکے اوسکی اطاعت مذہبی احکام مین کیجائے،

مصر مین ازہری علما و مشائخ کا بھی یہی خیال ہے لیکن وہ خلافت کے مرکز کو عرب کی جگہ مصر مین دیکھنا چاہتے ہین، اور عجب نہین کہ ان کے دل کے اندر کی یہ خواہش ہو کہ مصر کی سلطنت پچھلے زمانہ کی طرح پھر شام و عرب پر محیط ہو جائے اور اس طرح مقامات مقدسہ کی حفاظت و حمایت کا شرف بھی مصر کو منتقل ہو جائے، اس تحریک کی تبلیغ اونکی طرف سے تقریباً دو سال سے جاری ہے، تمام سرکاری علما اسمین پوری دلچسپی لے رہے ہین، موتمر خلافت، جامع ازہر کی دفتری عمارت مین قائم ہے، ایک ماہوار رسالہ اس مقصد کی اشاعت کے لیے جاری ہے، اور وہ تمام اسلامی ممالک مین مفت تقسیم ہوتا ہے، اس مصری تبلیغ کا اثر تمام اسلامی ممالک مین سے جاوا مین زیادہ پڑرہا ہے،

ابھی حال مین مشہور اسلامی مبلغ اور اتحاد اسلامی کے واعظ مولوی برکت اللہ صاحب بھوپالی نے جنھون نے اب مشرق کو چھوڑ کر پھر مغرب کو اپنا مرکز بنایا ہے، خلافت نام ایک کتاب انگریزی زبان مین لکھی ہے، جس مین اس مسئلہ پر اپنے خیال کے مطابق ہر حیثیت سے بحث کی ہے، اور اس منصب کے قیام اور فرائض کے متعلق پورا خاکہ اور نقشۂ عمل پیش کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ خلافت اسلام کا نہایت ضروری اصول ہے، لیکن ضرور ہے کہ آیندہ خلیفہ صرف دینی و روحانی امام ہو، اور اس کو سیاست و حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو، اس کا کام صرف یہ ہو کہ وہ روئے زمین پر پراگندہ مسلمانون کو ایک تعلیمی نصاب مین منسلک کرے، اور اسلامی مبلغین دنیا کے گوشون مین بھیجے اور جو لوگون کو انسانی اخوت اور دینی برادری کی دعوت دے اور ایسی تاریخی کتابون کی تصنیف کے لیے ایک مجلس قائم کرے

جن سے اسلامی فرقون کے باہمی اختلافات اور غلط فہمیان دور ہون ؛

"اس خلیفہ کے ماتحت، اسلامی جماعتون کے ایسے نمایندون کی ایک مجلس شوری ہو جو اپنی اپنی جماعت کی طرف سے منتخب ہو کر دار الخلافہ مین بھیجے جائین، خلیفہ اس مجلس کا صدر ہو اور یہ مجلس شوری مسلمانون کے مذہبی معاملات اور روحانی ریاست کے احکام انتظامی کے فیصلہ کے لیے آخری عدالت ہو،

ہر محلہ کی مسجد اوس محلہ کا صدر دفتر ہو، اس محلہ کے صدقات اور اوقاف وغیرہ کا انتظام اوس محلہ کے مسلمانون کی منتخبہ جماعت کے ہاتھ مین ہو، اور یہ محلون کی مجلسین، پورے دیہات یا شہر کی اسلامی مجلس کے ماتحت ہون، صدقات و اوقاف کے علاوہ دیگر مالی انتظامات سلطنت کے فرائض ہونگے،

خلیفہ کے انتخاب کے بعد، دنیائے اسلام کے تمام شہرون اور گاؤن کے صدقات اور اوقاف کی آمدنیان خلیفہ کے پاس بھیجی جائینگی، اور وہان سے وہ پھر حسب ضرورت سورہ توبہ کی اوس آیت کے مطابق جس مین صدقات وزکوٰۃ کے مستحقین کی تفصیل ہے وہ رقم خرچ ہوگی،

مولوی برکت اللہ صاحب بالفعل سویزرلینڈ مین مقیم ہین، وہان سے اپنے ان مقاصد کی اشاعت اور مسئلہ خلافت کے متعلق اپنی تجاویز کی تبلیغ کے لیے عربی زبان مین الاصلاح نام ایک عربی رسالہ انھون نے ذوالقعدہ ۱۳۴۳ھ مطابق جون ۱۹۲۵ء سے شائع کرنا شروع کیا ہے، مولوی صاحب کی کتاب خلافت انگریزی سے فرانسیسی مین ترجمہ ہو چکی ہے، اب عربی اور ترکی مین اس کے ترجمہ کی کوششین ہین، اور تجویز ہے کہ اوسکا ترکی ترجمہ تمام ترکی مین تقسیم کیا جائے، ممکن ہے کہ مولوی برکت اللہ صاحب کے ساتھ سویزرلینڈ کے دیگر پرجوش احرار مسلمان بھی ہون جو وہان بے خانمان ہو کر مدت سے مقیم ہین،

ابھی پچھلے مہینہ کی ڈاک سے مصر سے ایک نئی تصنیف، ایک مصنف نے ہدیۃً بھیجی ہے، کتاب کا نام "الاسلام واصول الحکم" (اسلام اور اصول سلطنت) ہے جس کے نیچے یہ لکھا ہے کہ "اسلام مین خلافت وحکومت کے نظریہ پر ایک بحث"، اس کتاب کے مصنف جامع ازہر کے ایک تعلیم یافتہ اور محکمہ شرعیہ کے

ایک قاضی شیخ علی عبدالرزاق ہین، ابھی اسی سال ۱۹۲۵ء مین یہ کتاب شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے مصنف نے تمام مذکورہ بالاکتابون کو جو مسئلۂ خلافت کے متعلق لکھی گئی ہین پیش نظر رکھا ہے، یعنی الخلافۃ والامامۃ العظمیٰ، مصنفہ سید رشید رضا، خلافت وحاکیت ملیہ تعریب عبدالغنی سنی بک، دی خلافت ڈاکٹر آرنلڈ اور دی خلافت مولوی برکت اللہ بھوپالی،

قاضی صاحب نے بالکل نئی بات پیدا کی ہے، ان کا دعویٰ یہ ہے کہ "خلافت" یعنی جانشینیِ رسولؐ کے منصب کا قرآن وسنت سے کوئی ثبوت نہین بہم پہنچتا، اور نہ اس معنی مین خلفائے راشدین خلفاء تھے، اور نہ انکی اطاعت اس حیثیت سے واجب تھی، آنحضرت صلعم کا منصب محض روحانی اور دینی تھا، وہ صرف رسول اور نبی تھے، کوئی حکمران یا فرمانروا نہ تھے، نہ آپ نے کوئی نظام سلطنت قائم کیا اور نہ اسلام کسی اصول سلطنت کا واضع ہے، خلفائے راشدین کوئی دینی منصب نہین رکھتے تھے، بلکہ وہ محض دنیاوی حکمران اور فرمانروا تھے، گو انھون نے اپنے فرائض کو پوری خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا، اس بنا پر خلافت کا تخیل مذہبی اور دینی حیثیت سے تمامتر لغو ہے اور مسلمان اصول سلطنت اور نظام حکومت کے وضع کرنے مین پوری طرح آزاد ہین

قاضی صاحب چونکہ پڑھے لکھے آدمی ہین، اسلئے اپنے دعوٰون کے ثبوت مین قرآن کی آیتون اور احادیث وسیر کے واقعات کی پوری جانچ کی ہے، اور اپنے خلاف ہر قسم کی شہادت کو توڑنے کی خاصی کوشش کی ہے، مگر کامیابی معلوم، ان کوششون کا منشا صرف یہ ہو کہ وہ غالباً یہ سمجھتے ہین کہ اگر اسلام کا کوئی اپنا نظام حکومت ثابت ہو جائیگا تو موجودہ طرز حکومت جسکو یورپ نے صدہا تجربون کے بعد قائم کیا ہی اور جو انکے نزدیک ہر قسم کی انسانی سعادتون اور الٰہی برکتون کا مرکز ہے، اُس سے مسلمان ہمیشہ محروم رہ جائینگے،

جو مسلمان قومین ابھی تک پرانے طرز پر شخصی خلافت کی معترف اور خواہان ہین انکا بھی کسی ایک شخصیت پر اتفاق نہین، کچھ پرانے ترک اور سائپرس (قبرص) کے مسلمان وحیدالدین کے طرفدار ہین، نوجوان ترکون مین جو خلافت کے حامی ہین اور شاید ہندوستان کے بھی بعض رہنما اور عام مسلمان عبدالمجید آفندی

کی امامت کے حامی ہین، علمائے ازہر نے باقاعدہ عبدالمجید کی معزولی کی تصدیق کی، اور سلطان فواد شاہ مصر کی امامت کے لیے کوشان ہین، عرب مین دو قوتین ہین، امام یحییٰ کی یمن مین اور سلطان عبدالعزیز کی نجد مین، یہ دونون اپنی اپنی مستقل امامت کے مدعی ہین، امام یحییٰ تو زیدی ہین شاید اونکو اہلسنت تسلیم نہ کرین، لیکن اگر سلطان عبدالعزیز حجاز مین کامیاب ہوجائین اور اپنی شدت و عصبیت مین کچھ نرمی اور رواداری پیدا کرین تو شاید اصلاح طلب مسلمانون کا بڑا حصہ انکی امامت کو تسلیم کرلے،

بہرحال گذشتہ تفصیلات سے یہ ظاہر ہوگا کہ اس وقت امامت اسلامیہ یا مسلمانانِ عالم کی تنظیم کا مسئلہ تمام اربابِ فکر مسلمانون کے سامنے سب سے زیادہ اہم اور قابل غور بن گیا ہے، یہ تمام خیالات تین مختلف صورتون کے اندر محدود ہین

۱- امامت عامہ، اور عالمگیر اسلامی خلافت کی نہ ضرورت ہے اور نہ ممکن ہے،

۲- امامت عامہ اور عالمگیر اسلامی خلافت کو سیاست و حکومت سے الگ کرکے صرف روحانی و مذہبی پیشوائی کی حیثیت سے قائم کرنا چاہیے، امامت و خلافت کی مسلمان قومون کی تنظیم کے لیے ضرورت ہے، اور اس طرح اس کا قیام ممکن ہے،

۳- عرب مین یا ٹرکی مین ایک با اقتدار شخصی امامت و خلافت مجلس و ارکان شوری کی قید اور دینی و دنیادی دونون طاقتون کیساتھ قائم کرنا چاہیے، اوسکی حکومت کے دائرہ سے باہر دوسرے اسلامی ملکون مین اوسکا اقتدار صرف مذہبی و دینی ہوگا، (باقی)

سیر الصحابیات

جس مین نہایت مستند حوالون سے ازواج مطہراتؓ بنات طاہراتؓ اور عام صحابیات کے سوانح اور ان کے اخلاقی و مذہبی علمی کارنامے درج ہین، لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ ضخامت ۲۲۵ قیمت ۱۲؍

"منیجر"

مشہور عرب ماہر کیمیا جابر بن حیان

(ماخوذ از سائنس پروگریس جنوری ۱۹۲۵ء)

نوشتہ ای، جے، ہولم یارڈ، ایم اے، الیف آئی سی،

افسر اعلیٰ شعبۂ سائنس کلفٹن کالج، برسٹل،

مترجمہ جناب سردار محمد صاحب ایم ایس سی، پی اے ایس، زراعتی کالج لائلپور،

گزشتہ دو تین سال مین انگلستان اور جرمنی مین گیبر (Geber) کے متعلق بہت سی تحقیقات ہوئی ہے، اور اب ہم اس قابل ہین کہ اس مسئلے کے متعلق جو علم کیمیا کی ابتدائی تاریخ مین ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، کسی خاص نتیجہ پر پہنچ سکین، مختصراً مسئلہ یہ ہے، کہ علم کیمیا کے متعلق لاطینی زبان مین چند کتابین ہین، جو صدہا سال سے گیبر Geber سے منسوب کیجاتی رہی ہین، ان مین علم کیمیا کے متعلق بہت سی معلومات موجود ہین، اور وہ ایسی زبان مین لکھی ہوئی ہین، جو بلحاظ اپنے زمانہ اور نوعیت مضمون کے غیر معمولی طور پر صاف اور واضح ہے، لیکن یہ امر کہ وہ کتابین کب اور کہان تصنیف ہوئین، اور ان کا مصنف کون تھا، ابھی تک راز سربستہ ہی رہا ہے، اور کوئی شخص مندرجہ ذیل سوالون کا جواب تسلی بخش طور پر نہین دے سکا:-

1-Summa 2 Perfections 3 De-Investigatione Perfections 4 De-Inventione veritalis 5 Testa mention Geberis.

۱۔ کیا ان کتابون کا مصنف درحقیقت گیبر (Geber) ہی تھا،

۲۔ اگر سوال نمبر ۱ کا جواب اثبات مین ہو، تو گیبر (Geber) کون تھا، اور اگر جواب نفی مین ہو، تو پھر ان کا مصنف کون تھا؟

۳۔ کیا یہ کتابین یورپ مین تصنیف ہوئین اگر وہان تصنیف ہوئین تو کب، اور اگر وہ یورپ مین تصنیف نہین ہوئین، تو کیا وہ علم کیمیا کے متعلق عربی تصانیف سے اخذ کیگئی ہین؟

اس وقت تک مندرجہ بالا امور پر جو شہادت مل سکتی تھی، اس پر مجموعی طور پر غور نہین کیا گیا، گو سب بحث کو ایک مضمون کی حدود مین لانا مشکل ہے، لیکن اس کے ضروری حصون کا خلاصہ پیش کیا جائیگا، اس طرح سے یہ ظاہر کرنا ممکن ہو جائیگا، کہ جو مختلف نتائج اخذ کئے جاچکے ہین، ان پر کہان تک اعتماد کیا جاسکتا ہے،

گیبر (Geber) کی شخصیت پیشتر اس کے کہ سما (Summa) وغیرہ کی اصل کے متعلق بحث کیجائے، ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ گیبر (Geber) کی شخصیت کے متعلق فیصلہ کیا جائے، سما (Summa) کی کئی ایک طبع شدہ (ایڈیشنون مین گیبر (Geber) کو عرب کہا گیا ہے، گو یہ بات کسی قلمی نسخے مین نہین ملتی، چنانچہ رسل (Russell) کے انگریزی ترجمہ مین اسے ایک مشہور عربی شہزادہ اور منطقی کہا گیا ہے، ۱۵۴۱ء کی نورن برگ (Nurenberg) کی ایڈیشن مین وہ صرف عرب ہے، ۱۶۸۲ء کی ڈان زگ (Danzig) کی ایڈیشن مین اسے عربون کے بادشاہ کے نام سے نامزد کیا گیا ہے، اور ایڈیشنون مین بھی اسے عرب ہی کہا گیا ہے، لیکن بوڈلین (Bodleian) کتب خانہ کے ایک قلمی نسخہ Liber practicus Geberis مین جو غالباً پندرہوین صدی کی تصنیف ہے، Investigation perfecta magisterii اسے ایرانیون کے بادشاہ کا خطاب دیا گیا ہے، ۱۶۷۲ء کی طبع شدہ ایک کتاب (LIMEIR— —GUI FLOS NATURARUNE VOCATIVE.

گیبر (Geber) شاہ ہند کی تصنیف خیال کیجاتی ہے، مندرجہ بالا مختلف آرار سے یہ صاف ظاہر ہے، کہ گیبر (Geber) کو کسی نہ کسی طرح کا ایشیائی خیال کیا جاتا تھا، اور کثرت رائے اس کے عربی النسل ہونے کے حق مین تھی،

علم کیمیا کے متعلق زمانہ وسطے کی اکثر ایسی تصانیف ملتی ہین، جن مین گیبر کا ذکر آتا ہے، اور عام طور پر گیبر ابن حیّن (Geber ebn Haen) اور بعض دفعہ گیبر کے بجائے جیبر (Jeber) بھی دیکھا گیا ہے، اور گیبر (Geber) یا جیبر (Jebber) دراصل جابر (Jaber) ہی ہے، چنانچہ جہان کہین بھی لاطینی کتب مین گیبر کا ذکر آتا ہے، وہان مراد عربی ماہر کیمیا جابر بن حیان (Jaber ebn Hayyan) سے ہی ہے، جے (J) کے بجائے جی (G) کا آجانا آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے، لاطینی مین جے (J) کے مترادف کوئی آواز نہین، اور بعض علاقون مثلاً مصر وغیرہ مین جے (J) کو اب بھی بطور سخت جی (G) یعنی گ استعمال کیا جاتا ہے،

دوسرا امر دریافت طلب یہ ہے، کہ آیا اس نام یعنی جابر بن حیان (Jabir ibn Hayyan) کا کوئی عربی ماہر کیمیا ہوا بھی ہے، خوش قسمتی سے اس مین کوئی دقت پیش نہین آتی، آٹھوین صدی کے آخری حصہ مین خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ مین ابوموسیٰ جابر بن حیان ایک مشہور عالم کیمیا اور طبیب گذرا ہے، اس کی زندگی کے متعلق کچھ حالات پروفیسر رُسکا (Ruska) اور موجودہ مضمون نویس کے مضامین سے مل سکتے ہین، تیرھوین صدی کا مسلمان مورخ ابن القفطی (Ibn al-Qifti) اپنی کتاب تاریخ الحکمار مین لکھتا ہے، کہ جابر علوم طبیعی اور خاص طور پر علم کیمیا کا بڑا جید عالم تھا، کئی ایک کتابون کا مصنف، مشہور فلسفی، علوم خفیہ کا ماہر اور اچھے اعلیٰ پایہ کا صوفی تھا، بعض مصنف اس کے علاوہ اور تفصیل بھی دیتے ہین، جس کا ذکر بعد مین کیا جائے گا، بعد کے تمام مسلمان علمائے کیمیا جابر کا بڑی عزت سے ذکر کرتے ہین، اور ان مین سے اکثر اس کی تصانیف کے حوالے بھی دیتے ہین

القصہ اس کی شہرت مسلمان علمائے کیمیا مین سب سے زیادہ تھی،

لاطینی تصانیف جو جابر کی طرف منسوب کیجاتی ہین؛ اگر لاطینی تصانیف جنکا ذکر اوپر آچکا ہے، غلطی سے جابر کی طرف منسوب کیجاتی ہین، تو اسکی شخصیت یعنی گیبر (Geber) کا جابر بن حیان (Jabir ibn Hayyan) ثابت ہو جانا کوئی خاص معنی نہین رکھتا، لیکن اس کی شخصیت کے متعلق فیصلہ مندرجہ بالا کتب کی اصل کی تحقیقات مین کسی حد تک مدد دیتا ہے، ان کے عربی الاصل ہونے کے متعلق ان کے اندر جو نشانات پائے جاتے ہین، انھین بغور مطالعہ کرنے کی طرف راغب کرتا ہے، جابر بن حیان کی ان تصنیفات کے مطالعہ کو جو اس وقت دستیاب ہو سکتی ہین، ضروری قرار دیتا ہے، اور ان لاطینی تصانیف متعلق علم کیمیا کے مطالعہ کو جو سما (Summa) وغیرہ مین شامل نہین، لیکن جابر کے ساتھ ان کا تعلق خیال کیا جاتا ہے، اس مسئلہ کے حل کا ایک حصہ قرار دیتا ہے، اور یہ امر دریافت کرنا بھی کہ عربی علم کیمیا یورپ مین کس طرح گیا، ضروری ہو جاتا ہے،

اس مشکل مسئلہ کے حل کرنے مین برتولے (Berthelot) نے انیسوین صدی کے آخری عشرہ مین بڑی مستعدی سے کوشش کی، اور بہت سے مواد کو ایسی صورت دی، کہ عوام کیلئے اس کا مطالعہ آسان ہوگیا، لیکن اس نے نتائج اخذ کرنے مین بہت جلدی کی، کئی مصنفون نے اس کے کام پر تنقید کی ہے، اور اب یہ تسلیم کیا جاتا ہے، کہ برتولے کے اخذ کردہ نتائج ترمیم کے محتاج ہین، چند عربی نسخے جنکو جابر بن حیان سے منسوب کیا جاتا ہے BIBLEOTHEQUE NATIONALE اور لیڈن (Leyden) مین موجود ہین، برتولے نے ان مین سے ایک درجن کتابون کی اصل متن کو پروفیسر او، ہڈاس (O. Houdas) کے ترجمہ کے ساتھ شائع کیا، ان کتابون پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے فوراً معلوم ہوجاتا ہے، کہ ابتدءً وہ لاطینی مین تصنیف نہین ہوئین، برتولے نے اس سے یہ نتیجہ نکالا، کہ ابتدا مین وہ لاطینی کے بجائے

کسی اور یورپی زبان مین لکھی گئی ہونگی، اور جابر کے ساتھ ان کے تعلق کو غلط خیال کیا، برٹوے کے نتائج پر دو اعتراض ہوسکتے ہین:-

(۱) کیا یہ یقینی امر ہے، کہ عربی تصانیف جو اس وقت معرض بحث مین ہین، اصلی ہین۔

(۲) متنازعہ فیہ لاطینی کتب جابر کی اور تصانیف کا ترجمہ کیون نہین ہوسکتین،

ان دونون اعتراضون مین سے پہلے کے متعلق کہا جاسکتا ہے، کہ پروفیسر رُسکا (Ruska) نے قطعی طور پر ثابت کردیا ہے، کہ برٹوے کے شائع کردہ عربی نسخون مین سے دو بالکل جعلی ہین، اور تیسرے مین مصنف صاف طور پر اپنے آپ کو دو دفعہ "ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ" کہتا ہے، اس لئے باقی نسخون کو ہم مشتبہ خیال کرنے مین حق بجانب ہین، اور ان کو شہادت مین پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے، کہ ان کا بڑی احتیاط سے امتحان کرلیا جائے، جابر کی بہت سی تصانیف اب تک ملتی ہین، جن کے متعلق شبہہ کی گنجائش نہین، ان مین سے بعض مین سے ہم قیمتی معلومات حاصل کرسکتے ہین،

دوسرے اعتراض کے متعلق یہ ظاہر کردینا ضروری ہے کہ وِیڈمین (Wiedmann) رُسکا (Ruska) اور سٹین شنائڈر (Stein Schneider) علم تاریخ السند کی بنا پر متفق ہین، کہ لاطینی کتب اپنی موجودہ شکل مین عربی نسخون سے ترجمہ شدہ خیال نہین کیجاسکتین، اس رائے سے مجھے بھی اتفاق ہے، لیکن اتفاق کرتے ہوئے بھی تھوڑا سا اختلاف رائے رکھتا ہون، اور وہ یہ ہے کہ لاطینی کتب مین بعض حصے صاف طور پر عربی سے ترجمہ شدہ معلوم ہوتے ہین، کیونکہ ان مین عربی جملے اور عربی نحوی ساخت اکثر پائی جاتی ہے، یہ صاف ظاہر ہے، کہ مسئلہ کے حل کا صرف یہی ایک طریقہ ہے، کہ ہم جابر کی ان تصانیف کا جو معتبر خیال کیجاتی ہین، بغور مطالعہ کرین، اور لاطینی کتب سے ان کی مشابہت ثابت کرنے کی کوشش کرین، اس طریقہ پر عمل کرکے چند امید افزا نتائج حاصل ہوئے ہین، جنکا بعد مین ذکر کیا جائے گا، ابتدا مین یہ ضروری معلوم ہوتا ہے،

کہ عربی نسخون کے لاطینی مین ترجمہ ہونے کے متعلق چند امور پر مختصرا غور کیا جاے اس کام مین محنت بہت درکار ہے، لیکن باوجود اس کے بارہوین اور تیرھوین صدی کے بہت سے علماے سائنس اس کام مین مصروف رہے،

علم کیمیا پر عربی تصانیف کے لاطینی مین ابتدائی تراجم

سب سے پہلے اندلس مین مسلمان اور یورپی علما کا آپس مین میل جول ہوا، یورپ کے مختلف حصون سے نوجوان طالبان علم نے مسلمان علمار کے پاس جمع ہوکر زانوے شاگردی تہ کیا، اور ایک قلیل عرصہ مین ان کا نئے علم کا شوق بہت ترقی کر گیا، عربی تصانیف کا لاطینی مین ترجمہ اتنا ضروری ہوگیا، کہ طلبہ کا ایک خاصہ گروہ اس مین لگا تار مصروف رہتا تھا، مترجمون مین سے چند مثلاً ایڈلارڈ آف باتھ (Adelard of Bath) ہرمین آف ڈال میٹکا (Hermann of Dalmatica) اور گیراڈ آف سیریمونا (GERAUD of Cremona) اچھی خاصی شہرت رکھتے ہین، چونکہ علوم طبیعی، جن مین کیمیا بھی شامل ہے، مسلمانون مین خاص طور پر عام تھے، اس لئے تراجم مین کتب طبیعیات اور ریاضی کی زیادتی باعث تعجب نہین، روبرٹ آف چسٹر (Robert of Chester) نے بارہوین صدی مین الخوارزمی کا الجبرا انگریزی مین ترجمہ کیا، چنانچہ اس کا ذکر مچیگن یونیورسٹی (Michigan) کے پروفیسر کارپنسکی (Karpensky) کے مضامین مین پایا جاتا ہے، روبرٹ آف چسٹر نے اور کتابون کا بھی ترجمہ کیا ہے، جن مین سے قرآن کا ترجمہ خاص طور پر قابل ذکر ہے (De compositione Alchemiae) مصنفہ مورنیس رومنس (Morienus Romanus) کا بھی اس نے ترجمہ کیا، رسکا کا خیال ہے، کہ روبرٹ نے یہ کام ۱۱ فروری ۱۱۴۴ء کو ختم کیا، اور لاطینی مین علم کیمیا پر یہ پہلی کتاب تھی، اگرچہ کوئی عربی نسخہ ایسا نہین ملتا، جو تمامہ اسکی اصل کہلا سکے، لیکن مختلف عربی کتب مین بعض چھوٹے اور بعض بڑے حصے

پائے جاتے ہین، جو یقیناً اس کتاب کے ماخذ ہین، اور اس مین ذرا بھی شبہ نہین کہ (De Compositione Alchemiae) اگر کسی عربی کتاب کا لفظی ترجمہ نہین، تو اس کے مضمون کو مدنظر رکھ کر ضرور لکھی گئی ہو، اُسکا کاخیال ہو کہ یہ ترجمہ رو برٹ آف چسٹر نے نہین کیا، کیونکہ مترجم اپنے آپ کو نوجوان ظاہر کرتا ہو اور لاطینی سے کسی قدر ناواقفیت کا اظہار کرتا ہے، لیکن ہمین اچھی طرح معلوم ہے، کہ سنہ ۱۱۴۳ء مین رو برٹ نے قرآن کا لاطینی ترجمہ ختم کر دیا تھا، جو کہ سنہ ۱۵۵۰ء مین بمقام بیسل (Basel) مع ملنکتھن (Melancthon) کے دیباچہ کے شائع ہوا، اُسکو ترجمہ کی صداقت مین کچھ کلام ہے، اور اس کا خیال ہے، کہ یہ کتاب دراصل ترجمہ نہین، بلکہ عربی کتب کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اوسے مندرجہ بالا حصص کے عربی اصل سے واقفیت نہین، چنانچہ وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہو کہ مجموعی طور پر (Compositione Alchemiae) غلط بیانی پر مبنی ہے، اور غلط بیانیون کے ایک سلسلہ مین سے ایک کڑی ہے جنکی ابتدا ساتوین یا آٹھوین صدی مین ہوئی،

اس مین شبہہ نہین، کہ عربی کتب کیمیا کے ترجمے ہوئے، اور بعض صورتون مین اصل کتاب اور اس کا ترجمہ دونون ہمارے سامنے موجود ہین، چنانچہ رازی (ابو بکر محمد بن زکریا الرازی) کی کتاب الاسرار اور رسالہ "الطمس علی الھلال" مثال کے طور پر پیش کیجا سکتی ہین، یہ بات آسانی سے سمجھ مین آسکتی ہے، کہ چونکہ عربی اور لاطینی مین بہت زیادہ فرق ہے، اس لئے اصل کا صرف مطلب ادا کر دینا ترجمہ کرنے کی نسبت بہت آسان تھا، اور عام طور پر یہی آسان طریقہ استعمال کیا گیا، کسی ترجمہ کے متعلق رائے زنی کرتے وقت ہمین اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے، اور ان کتب کو جو لفظی ترجمے نہین، لاطینی الاصل کہکر ردی نہین کر دینا چاہیئے، یہ سخت غلطی ہوگی، کہ صرف سلیس زبان کی بنا پر کسی کتاب کو یورپی الاصل قرار دیا جائے، عام طور پر مندرجہ بالا اصول کو مدنظر نہین رکھا گیا، اور بہت سی کتابون

FALSIFICATION ے

کو بجائے ترجمہ کہنے کے جعلی قرار دیا گیا ہے، اس قسم کے فیصلہ مین بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، اور طرز بیان کی نسبت نفسِ مضمون بہتر راہبر ہو سکتا ہے، لیکن افسوس ہی کہ یہ راہبر اس وقت تک مدد نہین دیسکتا جب تک عربی کتب کا وسیع پیمانے پر مطالعہ نہ کیا جائے، بہت ضروری ہی کہ شائقانِ تحقیقات اس میدان مین نکلین، بہت سا مواد تحقیقات کے نتائج کا منتظر ہے،

اصلی گیبر اب ہم ایسے مقام پر پہنچ گئے ہین، جہان یہ کہا جا سکتا ہی، کہ (۱) گیبر (Geber) سے مراد دراصل جابر (Jaber) ہی ہے (۲) ایک مسلمان عالم کیمیائے ایسا گذرا ہے جس کا نام جابر بن حیان تھا، (۳) عربی کتب کیمیا کے ترجمے لاطینی مین بارہوین اور تیرہوین صدی مین ہوئے، (۴) اکثر دفعہ ایسا ہوا ہوگا، کہ یورپی علما نے لفظی ترجمہ کرنیکی بجائے صرف عربی نسخہ کے مضمون کو ہی ادا کیا، اور آخر مین (۵) یہ ضروری ہے، کہ کسی کتاب کے اصل کے متعلق فیصلہ کرتے وقت نفسِ مضمون کا سب سے پہلے لحاظ رکھا جائے، اور طرز تحریر کا بعد مین،

اب ہم گیبر (Geber) یا جابر (Jaber) کی زندگی اور اسکی تصانیف کے متعلق کچھ اور واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہین، لیکن اس مین دو دقتون کا سامنا ہے پہلے تو اس مضمون مین ہمارے پاس گنجائش ہی نہین، دوسرے ان کتابون مین سے جو جابر کی تصانیف خیال کیجاتی ہین، بہت تھوڑی ایسی ہین جنھین علمائے یورپ نے پڑھا ہو، باوجود ان دقتون کے ہم جابر کی قابلیت کے متعلق کچھ نہ کچھ اندازہ لگا سکتے ہین، اور سما (Summa) اور دوسری لاطینی کتب کی اصل کے متعلق جو جابر سے منسوب کیجاتی ہین، کچھ رائے قائم کر سکتے ہین، لیکن یہ ضروری ہے، کہ ابتدا مین یہ امر واضح کردیا جائے، کہ اس راستہ مین غیر معمولی دشواریون کا سامنا ہوگا، کیونکہ بہت سی عربی تصانیف ہین جنکی صداقت بذات خود مشتبہ ہے، لیکن اس پر آیندہ بحث کیجائیگی،

جابر کے متعلق درحقیقت ہمارے معلومات اتنے زیادہ ہین کہ پرانے زمانہ کے حکمار مین سے

کسی اور کے متعلق استنے نہین، گو اس کی جائے ولادت کے متعلق قابل اعتبار شہادت نہین ملتی لیکن
اکثر مصنف اس بات پر متفق ہین کہ یا تو وہ طوس واقع خراسان، یا حران واقع عراق عرب کا رہنے
والا تھا، ان دونون مقامون مین سے پہلا زیادہ اغلب معلوم ہوتا ہے، اور اگر ہم جابر کو مشہور فارسی
شاعر فردوسی کا ہموطن خیال کرین، تو غالباً بڑی غلطی نہین ہو گی، سب مصنفون کا اتفاق ہے کہ اس نے اپنی
زندگی کا اکثر حصہ کوفہ مین صرف کیا، اور اس کا معمل (دار التجارب) کوئی دو سو سال کا عرصہ ہوا، کچھ پرانے
مکانون کو گراتے وقت ملا تھا، ہارون الرشید کے مشہور خاندان وزرا البرامکہ اس کے دوست تھے،
چنانچہ اس نے اپنی کئی تصانیف انھی سے نامزد کین، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ کچھ دن وہ دار السلطنت بغداد
مین بھی رہا، یہ قصہ کہ وہ سیول (Seville) کا رہنے والا تھا، بالکل بیہودہ ہے، ہان وہان ایک
اور عالم اس کا ہمنام جابر بن افلاح اشبیلی گیارھوین صدی کا مشہور منجم ہوا ہے،

کہا جاتا ہے، کہ جابر چھٹے امام (۷۰۰ء سے ۷۶۵ء) جعفر صادق کا شاگرد تھا، اور یہ خیال
درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جابر نے غالباً ۷۳۰ء سے ۸۱۰ء تک کا زمانہ پایا جاتا ہے، لیکن یہ
امر غور طلب ہے، کہ آیا امام جعفر نے خود علم کیمیا کا مطالعہ کیا ہے یا نہین، اس مضمون پر پروفیسر رسکا
(Ruska) نے حال ہی مین ایک رسالہ شائع کیا ہے، جس سے ایک اہم سوال پیدا
ہوتا ہے، مسلمانون مین شیعہ اور سنی دو مشہور فرقے ہین، شیعہ عام طور پر زیادہ تعداد مین ایران مین
پائے جاتے ہین، اور وہ پیغمبر اسلام کے چچیرے بھائی علی بن ابی طالب کی باقی تین خلفاء کی نسبت
زیادہ عزت کرتے ہین، اور سنیون کی نسبت تصوف کی طرف زیادہ مائل ہین، امام جعفر صادق
بہ حیثیت اولادِ علی شیعون مین خاص عزت رکھتے تھے، اور جابر چونکہ فارسی تھا، اور صوفی بھی،
اس لئے دونون کا تعلق غیر اغلب نہین، لیکن اس مین کوئی شبہ نہین کہ علم کیمیا کے متعلق جن

---

[1] کیا یہ صحیح ہے؟ معارف،

کتب کا تعلق جعفر صادق کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، وہ سب جعلی ہین، اور رسکا اس نتیجہ پر پہنچتا ہی کہ یہ بالکل غیر اغلب ہے، کہ جعفر نے کیمیا کا مطالعہ کیا ہو، رسکا جو دلائل پیش کرتا ہے، وہ زیادہ طویل اور پیچیدہ ہین، اور ان کا یہان دہرانا غیر ضروری ہے، لیکن اسکی ایک زبردست دلیل یہ ہے، کہ گو دمشق بغداد اور اسکندریہ مین کیمیا کی تعلیم عام تھی، لیکن یہ امید نہین کیجا سکتی، کہ پیغمبر اسلام کے اپنے شہر مدینہ مین اس کی سرپرستی ہورہی ہو، اور یہ بالکل غیر اغلب ہے، کہ جعفر صادق کی حیثیت کا امام پارے، گندھک، کٹھائی اور بھکنی کے استعمال مین مصروف ہو کر جابر کو کیمیا کی تعلیم دے رہا ہو، چنانچہ رسکا اس بات سے بالکل انکاری ہے، کہ جعفر صادق کا کیمیا گری سے کوئی بھی تعلق تھا، اور وہ اس پر ہی اکتفا نہین کرتا، بلکہ یہ بھی کہتا ہے، کہ وہ تمام کتب جنکو جابر سے منسوب کیا جاتا ہے، اور ان مین جعفر صادق کو جابر کا استاد بیان کیا گیا ہے، زمانۂ بعد کی جعلی تصانیف ہین،

میرا اپنا خیال ہے کہ مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر مندرجہ بالا نتائج پر پہنچنے مین ہم حق بجانب نہین ہین، (۱) جہان تک میرا علم ہے، یہ بات ثابت نہین ہوتی، کہ جعفر صادق نے اپنا تمام زمانہ مدینہ ہی مین گزارا ہو، گو مجھے رسکا سے یہان تک اتفاق ہے، کہ اس زمانہ مین شہر مدینہ مین کیمیا کا کھلم کھلا شغل اور تعلیم قرین قیاس نہین، لیکن یہ امر تسلیم کرنے مین کوئی خاص اعتراض معلوم نہین ہوتا، کہ جعفر صادق نے کسی اور مقام پر یہ شغل اختیار کیا ہو،

(۲) رسکا کو خوب علم ہے، کہ ایرانی اس وقت اور اس کے بعد بھی کیمیا کے بڑے شائق رہے ہین، عام علم ادب مین کیمیا گر ہمیشہ ایرانی ہی خیال کیا جاتا ہے، اور صوفی بھی اپنی نظمون مین کیمیائی اصطلاحات استعمال کرتے ہین، القصہ یہ خیال کرکے کہ جعفر صادق کا ایرانی شیعون کے ساتھ بڑا گہرا تعلق تھا، یہ مان لینا کہ وہ کیمیا گری سے اصولاً واقف تھے، گو عملی طور پر وہ کیمیا گر نہ ہون، چندان مشکل نہین، (۳) جابر اور جعفر کا تعلق جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے، بہت اغلب

معلوم ہوتا ہے، اور رسکا اس سے صرف اس وجہ سے انکار کرتا ہے، کہ اس کے خیال مین جعفر صادق کیمیا گر نہین ہو سکتے تھے، لیکن مین اس امر کو ثابت شدہ تسلیم نہین کرتا،

سب مصنف جابر کو صوفی مانتے ہین اور اس گروہ مین عام دستور ہے، کہ طالب کسی نہ کسی مرشد سے تعلق پیدا کرتا ہے، میرے خیال مین ممکن ہے، کہ جابر جعفر کا صوفیانہ طریقہ مین شاگرد ہو، نہ کہ کیمیا گری مین، اگر یہ درست تسلیم کر لیا جائے، تو ممکن ہے، کہ جابر نے تھوڑی بہت کیمیا گری بھی سیکھ لی ہو، مین ثابت یہ کرنا چاہتا ہون، کہ جعفر صادق کیمیا گر نہ بھی ہون، تو بھی یہ امر جابر اور جعفر کے مابین تعلق کے منافی نہین، اور اس سے یہ بھی نتیجہ نہین نکل سکتا، کہ جعفر کیمیا گرون کی اصطلاحات اور مقاصد سے بے خبر تھے یہ نکتہ مجھے زیادہ طوالت سے بیان کرنا پڑا ہے، کیونکہ اگر رسکا کی کسوٹی کو درست مان لیا جائے، یعنی ان تمام کتابون کو جن مین جعفر کو جابر کا استاد بیان کیا گیا ہے، جعلی تصور کیا جائے، تو بہت سی کتابون کو جو اصلی معلوم ہوتی ہین، جعلی خیال کرنا پڑے گا، اس مین شبہ نہین، کہ ابتدائی کیمیائی تصانیف کو ہمیشہ مشتبہ نگاہون سے دیکھنا پڑتا ہے، لیکن کتابون کی ایک بڑی تعداد کو سرسری تحقیقات کے بعد جعلی قرار دیدینا بالکل نامناسب ہے، پروفیسر رُسکا کی نہایت محتاط اور عالمانہ تحقیقات نے اسلامی علم کیمیا کی تاریخ کی گران بہا خدمات کی ہین، اور اس کے نتائج سے مجھے کلی اتفاق ہے، لیکن مضمون زیر بحث مین مجھے اس کی کسوٹی کے ساتھ اتفاق نہین، ممکن ہو کہ وہ صحت پر ہو، اسکی رائے قابل قدر ہے، لیکن شہادت کافی نہین، اور جو تھوڑی بہت ہے اس کے برخلاف بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے،

جابر کی زندگی کے متعلق جو حالات مجھے مسلمان مورخون کی تصنیفات سے ملے، وہ مین نے رویداد رائل سوسائٹی آف میڈیسن (Royal society of medicine) مین نمبر ۱، سنہ ۱۹۲۳ء مین شائع کئے تھے، اس کے بعد مجھے ایک اور مضمون الجلدکی کا لکھا ہوا ملا، جلدکی سنہ ۱۳۶۰ء کے قریب فوت ہوا

اور اسلامی کیمیائی دائرۃ المعارف کا مشہور مصنف تھا، رسالہ موسومہ کتاب البرہان فی اسرار علم المیزان
مین وہ یون لکھتا ہے، "استاد اعظم جابر بن حیان بن عبد اللہ کوفہ مین پیدا ہوا، وہ طوسی النسل تھا، اور
ازاد نامی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، خیالات مین صوفی، اور مین کے رہنے والے، حربی الحمیری کا شاگرد
تھا، حربی معمرین مین سے ایک تھا"، جابر نے لفظ معمرین کی تشریح کی ہے اور کہتا ہے، کہ حربی
نے چار سو سال کی عمر پائی، چنانچہ ہجرت سے دو سو سال پہلے پیدا ہوا، اور ہارون الرشید کے
زمانہ یعنی ہجرت سے ۲۰۰ سال بعد تک زندہ رہا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے، جابر نے جب حربی
سے اوائل عمر مین علوم طبعیات کی تعلیم اچھی طرح حاصل کر لی، تو وہ امام جعفر صادق بن محمد الباقر
بن علی بن حسین کے پاس گیا، اور ان کی صحبت مین وہ بھی امام بن گیا، اس کے بعد وہ البرامکہ کے ساتھ
شامل ہوا، اور ان کی صحبت مین اس نے بہت سا علمی کام کیا، اسی کے طفیل برامکہ فہم و فراست
سے بہرہ اندوز ہوئے، ان کا جاہ و منصب بڑھا، سلطنت مین انھین بہت زیادہ طاقت حاصل
ہوئی، اور وہ بڑے سخی مشہور ہوئے، الغرض برامکہ کا نام یہانتک روشن ہوا کہ ان مین سے
جعفر (برمکی) کے نام کے دینار شاہی دینار رون کے نمونہ پر ضرب ہوئے، وزیر جعفر کے توسل سے
جابر کا خلیفہ ہارون الرشید کے دربار مین آنا جانا شروع ہو گیا، چنانچہ خلیفہ کے نام سے نامزد کر کے
اس نے علم کیمیا پر ایک کتاب لکھی، جس کا نام کتاب شگوفہ رکھا (THE BOOK of Blossom)
اس کتاب مین اس نے علم کیمیا کے جلی و خفی پہلوؤن کے متعلق نہایت مختصر طریقے، نہایت ستھرا
طریق عمل، اور عجیب و غریب تجربات بیان کئے، جابر کی وجہ سے ہی قسطنطنیہ سے دوسری دفعہ
یونانی کتب بڑی تعداد مین لائی گئین، منطق مین وہ علامۂ دہر مشہور ہو گیا، اور نوے سال سے
کچھ زائد عمر مین اس نے تین ہزار کتابین لکھین، اللہ اسے مغفرت دے،

۱؎ Encyclopaedia of Islamic Chemistry ۲؎ معارف:- آزاد یا عرب کا قبیلہ اُزد؟

الجلدکی اسلامی علمائے کیمیا کے متعلق لاثانی واقفیت رکھتا تھا، اسکی معلومات کے ماخذون مین سے اکثر آج ناپید ہین، جابر کے متعلق مندرجہ بالا بیان باوجود اس کے کہ اس کا اکثر حصہ فسانہ نما ہے، دلچسپی سے خالی نہین، کیونکہ استاد اعظم کی زندگی، جائے پیدائش وغیرہ کے متعلق جو مشکلات تھین ان مین سے اکثر کا حل اس مضمون مین ملتا ہے، اگر وہ کوفہ مین پیدا ہوا، اور طوس کے کسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، تو کوفی اور طوسی دونون نسبتین درست ہین، خراسان سے کوفہ، بصرہ اور نئی اسلامی سلطنت کے اور شہرون کی طرف ایرانیون کا بہت زیادہ تعداد مین خروج ہوا، اور کسی کو اس امر سے انکار نہین،

ایک اور بات جو خاص دلچسپی کا باعث ہو، یہ ہے، کہ جابر ہی کی وجہ سے دوسری دفعہ یونانی کتب قسطنطنیہ سے منگوائی گئین، یونانی کتب پہلی دفعہ غالباً خلفائے بنوامیہ مین سے خالد بن یزید نے منگوائین اور یہی واقعہ الجلدکی کے ذہن مین معلوم ہوتا ہے، خلیفہ المامون کے عہد حکومت (۸۱۳ء تا ۸۳۳ء) سے پہلے یونانی کتب کے ترجمہ کا کام اپنے معراج تک نہین پہنچا تھا، چنانچہ اس خلیفہ نے شہنشاہ لیو (LEO) ارمنی کے پاس ایک وفد کتب یونانی کے ترجمہ کی غرض سے بھیجا، اور شہر بغداد مین بیت الحکمۃ کے نام سے ایک عالیشان عمارت تعمیر کی، جس مین مترجم، منجم اور دوسرے علمائے سائنس اپنا اپنا کام کرتے تھے،

ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ گو جابر کو زیادہ دلچسپی علم کیمیا کے مطالعہ مین تھی، لیکن وہ اور علوم کا بھی بڑا علامہ تھا، غالباً اسے یونانی زبان سے بھی واقفیت تھی، اسکی تصنیفات کی اپنی طیار کردہ فہرست "کتاب الفہرست" کے مصنف نے نقل کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ علم کیمیا کے علاوہ اس نے اور مختلف مضامین پر بھی بہت کچھ لکھا ہے، اور یہ امر تعجب انگیز بھی نہین، جب ہم ان علمی خزائن پر نظر ڈالتے ہین، جو جندیسا پور، حران، اسکندریہ اور دوسرے علوم یونان کے مرکزون سے مسلمانون کے پاس پہنچ رہے تھے، ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے، جابر صوفی بھی تھا،

اور ماہر کیمیا بھی، یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ تصانیف متعلقہ تصوف مین کیمیائی اصطلاحات، اور طرز بیان استعمال کرے، اس لیے ہمین محتاط رہنا چاہیئے، کہ ہم کہین ان رسالون کو جو کیمیائی زبان مین علم تصوف پر لکھے گئے ہین، علم کیمیا ہی تصور نہ کرین، خوش قسمتی سے جابر کی بہت سی تصنیفات مین کیمیائی عمل اور تراکیب کا حال نہایت واضح اور صاف زبان مین ملتا ہے، مرکبات اور آلات کے نام ایسے طرز مین لکھے ہوئے ہین، کہ ان سے جابر کی قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، لاطینی کتب پر غور کرنے سے یہ مضمون اور بھی واضح ہو جانا چاہیے کیونکہ ان کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا، کہ عربی اصل کی نسبت ان مین کوئی کمی یا بیشی تو نہین،

عربی کے مقابلہ مین لاطینی کتب کا نفس مضمون | مندرجہ ذیل سطور مین ان انگریزی کتب کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہین، جو رسل (Russell) نے لاطینی سے تیار کی ہین، صرف چند ضروری باتون پر بحث کیجائے گی :-

الف، کتاب الاستتمام، اس نام کی ایک کتاب، کتاب الفہرست مین جابر کی تصانیف کی ذیل مین پائی جاتی ہے، لاطینی نسخے مین دھاتون کا ذکر ہے، اور ان کو مکمل کرنے کے متعلق تعلیم دیگئی ہے، چنانچہ اس مین لکھا ہے، کہ تمام دھاتین خالص یا غیر خالص چاندی اور گندھک سے مرکب ہین، اور ان دونون کا خالص یا غیر خالص ہونا محض اتفاقی بات ہے؛ جابر کی کتاب الاداۃ (Kitab al-Adwiya?) کے قاہرے والے نسخے مین لکھا ہے" سب دھاتین چاندی اور گندھک کی باہم ملاوٹ سے پیدا ہوتی ہین، اور مختلف دھاتون کا باہمی فرق اس لئے ہے، کہ چاندی اور گندھک کبھی خالص اور کبھی غیر خالص ہوتے ہین" یہ یاد رکھنا چاہیے، کہ لاطینی کتب کی صداقت کے برخلاف برتھولے کی ایک دلیل یہ تھی، کہ ان مین دھاتون کے چاندی اور گندھک سے مل کر بننے کا مسئلہ پایا جاتا ہے، اور اس کے خیال مین جابر عربی کی تصانیف مین اسکا

ذکر نہین،

کتاب الاستتمام مین مندرجہ ذیل اشیا کا دھاتون کی تیاری کے سلسلہ مین ذکر ہے، نمک، پھٹکری (Attramentis) شیشہ، سہاگہ، سرکہ، جابر کو ان سب اشیا کا علم تھا، اور یہ قرین قیاس ہے، لفظ (Yamenons alum) جو لاطینی کتب مین پایا جاتا ہے، قابل غور ہے، کیونکہ اس کے معنی مین کی پھٹکری ہے علاوہ ازین کئی موقعون پر جابر سرکہ کی صفائی بذریعہ عمل کشید بتاتا ہے اور "تعجیل کار شیطان است" مسلمانون مین ایک عام ضرب المثل ہے، لاطینی کتابون مین جو جو طریقے دھاتون کی تیاری کے بتائے گئے ہین، سب کے سب عربی نسخون مین ملتے ہین، ہان اتنا فرق ضرور ہے کہ عربی نسخون مین ایک ہی کتاب مین نہین ملتے،

(ب) مجموعۂ کمال (The sum of perfection) اس کتاب کا دیباچہ یقیناً عربی سے ترجمہ ہے، یہ فقرہ "ہماری اور تصانیف مین جو کمی ہے وہ ہمنے اس کتاب مین پوری کردی ہے"

جابر کے اس بیان سے بالکل ملتا ہے" ہم نے اپنی معلومات کو کئی کتابون مین رکھا ہے"

گیبر (Geber) کہتا ہے:"ایسے ذرائع معلوم کرنے چاہئین، جن سے قدرت کا مقابلہ ہوسکے، جابر (Jaber) کہتا ہے:" ماہرانِ کیمیا مصنوعی طریقون سے قدرت کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہین"

گیبر (Geber)" مصور یا معار بہت محنتی ہونا چاہئے، جس وقت تک کام ختم نہ ہوجائے، اسے ہمت نہ ہارنی چاہئے"

جابر (Jaber)" علم کیمیا کا مطالعہ کرنے والا ثابت قدم ہونا چاہئے، اور اسے ظاہری مشکلات سے ڈر کر تجربون کو چھوڑنا نہین چاہئے"

جو لوگ کیمیا گری کی اصلیت سے منکر تھے، ان کے برخلاف لاطینی کتب کی دلائل میں

یاد دلاتی ہین، کہ تیرہوین صدی مین رتبات الحکیم کے مصنف کے قول کے مطابق جابر کو بد اعتقادون کے برخلاف بڑی جد وجہد کرنی پڑی تھی، عربی کتب مین بھی یہی صورت پائی جاتی ہے، لیکن ان مین سوال وجواب کا طریقہ ایسا سخت نہین، جیسا کہ لاطینی کتب مین، آلات کی ساخت اور استعمال کے متعلق جو ہدایات گیبر ( ) دیتا ہے، وہی جابر کی تصنیف "کتاب الخواص" مین ملتی ہین، سما کا چودھوان باب کشتہ سازی کے بیان مین ہے، جابر نے اسی مضمون پر ایک کتاب لکھی ہے، اور خوش قسمتی سے اس کا ایک حصہ اب بھی ملتا ہے، دونون کی عبارت ملاحظہ ہو:-

لاطینی نسخہ - کشتہ سازی ست مراد کسی چیز کا بذریعہ آگ سفوف بنانا ہے، اس عمل مین رطوبت جو شئے مذکور کے ذرات کی پیوستگی کا باعث ہوتی ہے، ضائع کیجاتی ہے اور ترکیب اشیا مین گندھک کی وجہ سے جو غلاظت اور خرابی واقع ہو جاتی ہے اسے آگ کے ذریعے تلف کیا جاتا ہے، اسکا طریقۂ عمل مختلف اشیار کی صورت مین مختلف ہے، ٹھوس اشیار کا کشتہ بنایا جاتا ہے، مائع اسیال کا بھی، اور ان اشیار کا بھی جوان ہر دو ضمون مین نہین آتین، ہر حالت مین مقصد اور طریقہ مختلف ہے،

عربی نسخہ کتاب التخلیص کی عبارت حسب ذیل ہے: "کشتہ سازی سے مراد یہ ہے، کہ دھاتون کو گرم کرکے ان مین سے غیر ضروری ملاوٹ نکالی جائے، اور ان کو صاف کیا جائے، طریقۂ عمل ہر دھات کی صورت مین مختلف ہے، وجہ یہ ہے کہ بعض دھاتین قدرۃً خالص واقع ہوئی ہین اور ان مین کشتہ سازی سے مراد صرف باریک سفوف تیار کرنا ہے"،

اس امر کو کہ چاندی گندھک کے جل جانے کے بعد اپنی اصلی حالت مین آجاتی ہے، جابر کتاب الخواص کے ضمن ۳ مین مندرجہ ذیل الفاظ مین بیان کرتا ہے "اگر چاندی کو کوٹ کر اس پر گندھک چڑھائی جائے، اور بعد مین مناسب درجہ حرارت تک گرم کیا جائے، تو باہر نکالنے پر یہ شیشہ کی طرح باریک پس سکتی ہے، اگر اس کے بعد اسے پھر آگ مین رکھین اور سہاگہ کی موجودگی

مین گرم کرین، تو یہ اپنی اصلی حالت مین آجاتی ہے "

شورے کے تیزاب کی تیاری کا بیان جو سما باب نمبر۱۳ مین پایا جاتا ہی، مین نے ایک کتاب کے قلمی نسخہ مین جو کہ قاہرہ مین موجود ہے، حال ہی مین دیکھا ہے، یہ کتاب بھی جابر کی تصنیف خیال کیجاتی ہے،

ان چند مثالون سے یہ ظاہر ہوگیا ہوگا، کہ لاطینی اور عربی کتب کے نفس مضمون مین بہت حد تک مشابہت ہے، مقامات مشابہت کی تعداد مین اضافہ ہوسکتا ہے، اور کوئی شبہہ نہین کہ آیندہ تحقیقات کے بعد ضرور اور اضافہ ہوگا،

نتیجہ یہ ہے کہ مسئلہ گیبر کی موجودہ صورت بمقابلہ اس صورت کے جو چند سال پہلے تھی، بالکل مختلف ہے، اور مندرجہ ذیل نتائج کسی حد تک مسلمہ خیال کئے جا سکتے ہین:-

(۱) **گیبر** درحقیقت **جابر بن حیان** ہی ہی،

(۲) جابر کی یہ شہرت کہ وہ مسلمانون مین سب سے مشہور ماہر کیمیا ہوا ہے، اس کی تصانیف سے ثابت ہے،

(۳) لاطینی تصانیف جو جابر سے منسوب کیجاتی ہین، عربی سے لفظی ترجمے نہین بلکہ عربی کتب کے نفس مضمون کو مدنظر رکھ کر لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہین،

(۴) لاطینی کتب اور جابر کی عربی تصانیف کے مضمون مین غیر معمولی مشابہت پائی جاتی ہی، ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ آیا یہ مشابہت لاطینی کتب کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہوگی یا نہین، اس امر کا فیصلہ وقت اور تجربہ کرے گا،

دوآبۂ دریاے جیحون وسیحون کی تاریخ پر ایک نظر

۲- زیر بحث مسئلہ

از

پروفیسر جمیل الرحمن ایم اے جامعۂ عثمانیہ

جو کچھ اوپر بیان ہوا وہ محض قیاسات پر ہی مبنی نہین، چونکہ ۱۲۱۵–۱۲۹۹ء کے نقل مکان کے آخری دور مین اسی قسم کا حادثہ پیش آیا اور مسلمان نیست ونابود ہوجانے سے بالکل بال بال بچ سکے، قاعدہ ہے کہ کسی قومی نقل مکان کے موقع پر سب سے زیادہ ہل چل اس وقت ہوتی ہے جب کہ یہ ہنگامے قریب الختم ہوتے ہین، اور ساتھ ساتھ جون جون یہ بے چینی انتہائی حد کو پہونچتی جاتی ہے، تو بے شمار انسان اس مین شامل ہونے کیلئے اپنے وطن سے نکل کھڑے ہوتے ہین، اس وقت بھی یہی ہوا، بے چینی کا اصل مرکز یوریشیا کے جنگل تھے، اور اس علاقے کے وہ لوگ جو سب سے پہلے اسلامی ممالک پر حملہ آور ہوئے وہ تھے جو ان جنگلون کے بالکل کنارون پر رہتے تھے ان مین سلجوقی بھی شامل تھے، کیونکہ نقل مکان سے ایک مدت پہلے وہ ماوراء النہر کی تہذیب سے متاثر ہوچکے تھے، اور چونکہ ۱۲۲۱ء کے فیصلہ کے مطابق یہ تہذیب خالص وسط ایشیا کی تہذیب ہونے کے بجائے، اسلام کی فاتحانہ تہذیب تھی، اس لئے قبل اس کے کہ وہ ابروباد کے طوفان کی طرح اپنے اصلی وطن کو چھوڑکر اسلامی ممالک پر حملہ آور ہون سلجوقیون نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اسی وجہ سے جیساکہ اوپر لکھا جاچکا ہے ان کا یہ حملہ اسلامی تہذیب ومعاشرت کے لئے بالکل خطرناک ثابت نہ ہوا، بلکہ اس سے مسلمانون کو تقویت حاصل ہوگئی لیکن نقل مکان کے سلسلہ کے آخری اور سب سے زیادہ تباہ کن دور مین مسلمان بالکل امن مین نہ رہ سکے اور ان کو سخت نقصان اُٹھانا پڑا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مرتبہ یہ خانہ بدوش حملہ آور وسط ایشیا کے ایسے گہرے جنگلون

سے نکل کر آئے تھے جن پر ابتک اسلام کا مذہبی اور تمدنی اثر نہین پڑا تھا، حالانکہ اس وقت ماوراء النہر کی اسلامی فتح کو پانچ سو برس کا عرصہ گذر چکا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ یہ سرزمین جسمین منگولیا اور زنگیریا کے علاقے شامل تھے دوسرے مذاہب کے اثرات سے بالکل بے بہرہ رہی ہو، اسلامی فتح کی وجہ سے ماوراءالنہر کا علاقہ بدھوی یا نسطوری، یا مانی تہذیب کا مرکز نہ بن سکا تھا، اور جہان تک وسط ایشیا کا تعلق تھا اب ان مذاہب کا اثر اور رسوخ ختم ہوچکا تھا، مگر مسلمان ان مذاہب کو مشرق کی طرف بڑھنے سے نہ روک سکے اور ترقی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھون نے اوگر اور دیگر قومین اقوام پر ایک عجیب وغریب چند روزہ اور دیرپا کامیاب غلبہ حاصل کر لیا، بلکہ کہا جا سکتا ہے، کہ سغد اور فرغانہ کی اسلامی فتح نے شمال مشرق کے دور افتادہ علاقون مین مانوی نسطوری مذاہب کے بسرعت پھیلنے مین مدد دی تھی کیونکہ اس فتح کی وجہ سے ماوراءالنہر کے بچے کھچے لوگ ان لامذہب خانہ بدوش اقوام مین پناہ گزین ہوئے تھے، اگر یہ صحیح ہے تو وسط ایشیا کی موہوم اور قیاسی تہذیب نے "پریسٹر جان" (Prester John) کی شکل مین ایک چیز باقی چھوڑی تھی اور یہ پریسٹر جان ان مسلمان فاتحین کی اولاد سے بدلا لینے مین تقریبًا کامیاب ہوگیا تھا جنھون نے پانچ صدی قبل اس تہذیب کو نیست ونابود کیا تھا، یہ امر مشکوک ہے کہ آیا چنگیز خان کی خانہ بدوش حکومت کے ابتدائی اصولون مین نسطوری اور بدھوی اثرات پائے جاتے تھے یا نہین، کہا جاسکتا ہے کہ اس کی حکومت کے مغرب مین، جو خانہ بدوش اقوام آباد تھین، ان مین بھی یہ اثرات بالکل نامعلوم تھے، لیکن باوجود اس کے ان مین قوت تھی کہ وہ اس علاقے مین تمام علوم وفنون کے واحد اجارہ دار بن گئے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ جن قبائل مین یہ اثرات موجود تھے ان کو بالکل مساوی حقوق دے کر منگولی برادری مین شامل کر لیا گیا تھا، حالانکہ دوسرے دور افتادہ قبائل کو جنمین یہ اثرات موجود نہ تھے اور جن کو چنگیز خان نے بعد مین فتح کیا یہ حقوق نہین دیئے گئے تھے، اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے، کہ ان کو اُس وقت منگولی برادری مین شامل کیا گیا تھا جب کہ چنگیز خان کی سلطنت اس قدر وسیع ہوگئی تھی کہ محض خانہ بدوشانہ زندگی سے

کام نہ چل سکتا تھا، اور کسی نہ کسی قسم کے تمدنی اصولوں کی اشد ضرورت تھی، اس طرح پر اس مردہ معاشرت کے چند گمنام اور پریشان حال افراد کو ایک ایسی سلطنت مین عزت و احتشام حاصل ہوگیا جو اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ دونون براعظمون مین پھیل جائیگی۔

سنہ ۷۳۲ء مین عرب فاتح یورپ مین ٹورس کی شکست کو بالکل فیصلہ کن مان کر آگے بڑھنے سے قطعی طور پر مایوس ہوگئے تھے، اور ان کی اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ مغرب بعید کی عیسائیت برابر ترقی کرتی جاری تھی اور اس وقت نہ صرف شباب پر پہنچ چکی تھی بلکہ مسلمانون سے دست وگریبان ہونے کے لئے تیار تھی، اگر اس وقت مشرق بعید اور مغرب بعید کی عیسائیت مین اتحاد پیدا ہوجاتا تو بالکل ناممکن تھا کہ اس کے بعد مسلمانون کی کوئی سیاسی اہمیت دنیا مین باقی رہجاتی، اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اکثر بھول جاتے ہین کہ ان دونون فریقون نے جنکو ایک مدت تک ہلال کی دوشاخون نے الگ کر رکھا تھا کس طرح تیرھوین صدی عیسوی مین اتحاد پیدا کرنے کی یکے بعد دیگرے کوشش کی تھی، اور ایک حد تک اس مین کامیاب بھی ہوگئے تھے سنہ ۱۲۲۰ء مین خوارزم شاہ کی بربادی کے وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس ایک واقعہ نے ماوراءالنہر مین پانچ صدیون کی تمام اسلامی جدوجہد کو خاک مین ملادیا ہے، اور اسی طرح سنہ ۱۲۵۸ء مین بغداد کی تباہی اور اس کے ساتھ عراق کی افسوسناک بربادی سے مسلمانون کے سیاسی اور معاشی مرکز کو ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ اس کی تلافی ناممکن تھی، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جس نے خاقان منگو کو ہلاکو خان کی فوجی مہم بھیجنے پر آمادہ کیا تھا آرمینیہ کوچک کا عیسائی بادشاہ ہیثن (Hayton) تھا اور ممکن ہے کہ خود ہلاکو خان کی نسطوری بیوی نے اپنے خاوند کو اس بات پر آمادہ کیا ہو کہ وہ اپنا مقدمۃ الجیش دریائے فرات کے پار مسلمانون کے آخر ملجاء و ماوی یعنی مصر پر حملہ کرنے کے لئے نسطوری سپہ سالار کت بغا کی سرکردگی مین بھیج دے، اسنہ ۱۲۶۰ء مین کت بغا نے دمشق پر قبضہ کرکے تھوڑی دیر کے لئے مانوفیسائٹ اور آرتھوڈاکس عیسائیون کو مسلمانون کا حاکم بنادیا، اسی وقت یورپ کے صلیبی مجاہدین عکہ اور شامی

ساحل کے قلعون پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے آخری اور انتہائی کوشش کر رہے تھے، اور ان کو اس بات کا احساس تھا کہ اس نازک موقع پر "پریسٹر جان" کی مدد سے ان کو کیا کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہین، چنانچہ اس سے قبل بھی پوپ انوسنٹ چہارم نے ۱۲۴۶ء مین فرائر گووانی ڈی پیانو کرپنی (Friar Giovanni di Pian Carpini) کو قراقرم مین خاقان کے پاس بھیجا تھا، اور اسی طرح ۱۲۵۳ء مین سینٹ لوئی نے فرائر ولیم آف روبرک (Friar William of Rubruck) کو بطور ایلچی روانہ کیا تھا، ۱۲۶۰ء-۱۲۶۹ء مین مارکو پولو کا باپ اور چچا محض تاجرانہ حیثیت سے وہان پہونچے اور پوپ کے نام خاقان کا ایک خط لے کر واپس آئے، ۱۲۷۱ء مین وہ پوپ کا جواب لے کر عکہ کے قراقرم روانہ ہوئے اور آخر ۱۲۹۵ء مین بحر ہند کے راستہ سے وینس واپس آئے، علاوہ ازین ۱۲۹۵ء مین ایلخان ارغون نے ایک خط فرانس کے بادشاہ کو لکھا، اور اس کے بعد ۱۳۰۵ء مین ایسا ہی ایک خط اس کے بیٹے الجیتو (AULJAYTO) نے فرانس بھیجا، ان تمام واقعات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تیرھوین صدی عیسوی کے نصف آخر مین مسلمانون کے دو سب سے بڑے دشمنون مین اتحاد ہو جانا قرین قیاس معلوم ہوتا تھا، آخر ۱۲۹۱ء مین عکہ کی فتح اور ۱۲۸۱ء اور ۱۳۰۳ء مین شام پر منگولی حملون کی ناکامی کی وجہ سے اس اتحاد کی امیدون پر بھی پانی پھر گیا،

۱۲۲۰ء-۱۲۵۰ء کے درمیان خانہ بدوش قبائل کے آخری نقل مکان کے موقع پر اسلامی سلطنت اور تہذیب تقریباً بالکل تباہ و برباد ہو گئی، اور یہ حالت اس وقت ہوئی جب کہ ۱۲۲۰ء تک ماوراء النہر مین اسلام سیاسی اور تمدنی لحاظ سے برسر حکومت تھا، برخلاف اس کے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس سے پانچ صدی قبل اس علاقے کو عرب فتح کرکے اپنی سلطنت مین شامل کرنے سے قاصر رہتے، اور وہان عربون کے علی الرغم ایک ایسی نئی اور طاقتور سلطنت اور تہذیب قائم ہو جاتی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تو ۱۲۲۰ء کے واقعات جو محض بگولہ کی طرح اٹھ کر غائب ہو گئے مستقل طور پر تاریخ مین ثبت ہو جاتے، اسی طرح اگر یہ

فرض کرلیا جائے کہ ۱۲۲۰ء سے قبل دریائے فرات کے مغرب سے مسلمان نکال دیئے جاتے، اور وسط ایشیا کی نئی تہذیب اس دریا کے کنارے سے لے کر چنگیز خان کی سلطنت کے جنوب مغربی کنارے تک پھیل جاتی تو اغلب یہ ہے کہ بدھوی نسطوری تہذیب جس نے بارھوین اور تیرہوین صدی مین ہی اپنی موہوم ہستی کے باوجود منگولون پر اس قدر گہرا اثر کیا تھا اُس وقت اِن کو بالکل اپنے مین ضم کرلیتی اور اس کے بعد یہ لوگ اس کے نمائندے بن کر تمام دنیا کو فتح کرنے کے لئے آگے بڑھتے، ایسی حالت مین دریائے فرات کا مغربی کنارہ اسلامی سلطنت کی آخری سرحد قرار پاتا، اور اس مین ذرا بھی شک نہین کہ اس صورت مین یہ سرحد بھی بہت کم مدت تک قائم رہ سکتی، اگر ایسا ہوتا تو تیرہوین صدی عیسوی مین اسلامی تہذیب کا وہی حشر ہوتا جو گیارہوین صدی عیسوی مین بازنطینی تہذیب کا ہوچکا تھا، مشرق بعید اور مغرب بعید کی دونون دشمن اسلام مل کر مسلمانون کے آخری ملجا و ماویٰ یعنی مصر پر حملہ آور ہوتے اور اسے برباد کردیتے، مسلمان ایک محض گذشتہ اور مردہ تہذیب کے تبرک کے طور پر رہ جاتے، اور بیسوین صدی عیسوی مین ان کی وہی حالت ہوتی جو اس وقت آرمینیہ اور شام کے مانوفیسائٹ اور نسطوری فرقون کی ہے،

مذکورہ بالا وہ چند نتائج اور اثرات تھے جو ۱۲۰۰ء اور ۱۴۰۰ء کے درمیان ماوراءالنہر اور فرانس کے عرب فاتحون کی کامیابی اور ناکامیابی سے وابستہ تھے، اب اگر ممکن ہو تو یہ دیکھنا باقی ہے کہ عربون کو ایک جگہ کامیابی اور دوسری جگہ ناکامیابی کیون ہوئی جسکی وجہ سے یہ عظیم الشان نتائج مرتب ہوئے عرب آخر فرانس کو فتح کرنے مین کیون ناکامیاب رہے حالانکہ اسی زمانہ مین انھون نے ماوراءالنہر کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک زیر و زبر کر ڈالا، حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ایسے اسباب موجود تھے جنکی بنا پر یہ قیاس ہوسکتا ہے، کہ اس وقت ماوراءالنہر کی فتح فرانس کی تسخیر سے زیادہ مشکل تھی، اس سے قبل

سلہ بعینہ جس طرح کہ گیارہوین صدی مین سلجوقیون اور نارمنون نے ایک ہی زمانہ مین بازنطینی سلطنت پر حملہ کیا تھا،

بھی دریائے جیحون و سیحون کی وادی کو فتح کرنا آسان کام نہ سمجھا جاتا تھا چنانچہ اسکندر رومی نے وہان دو برس خرچ کئے، اور آخر کار صرف صلح و آشتی کی حکمت سے اس کو اپنا بنا سکا حالانکہ اس کے مقابلے مین صرف پانچ برس کے اندر اندر وہ غیر مشروط طور پر درۂ دانیال اور لیبیا (LIBYA) کے نخلستانون سے لے کر ایرانی سطح مرتفع کے شمال مشرقی کنارے تک تمام سرزمین کا مالک کل بن گیا تھا، ان دونون فتوحات کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جس وقت اسکندر اعظم نے ماوراء النہر پر حملہ کیا ہے، اس سے کم و بیش دو صدی قبل باختر اور سغد کا علاقہ مستقل طور پر اشکانی سلطنت کا حصہ قرار دیا جا چکا تھا، اور اس لئے ہونا یہ چاہئے تھا کہ ایران کے دوسرے صوبون کی فتح کے ساتھ ساتھ اس صوبہ کی خود مختاری بھی ختم ہو جاتی، یہی فرق ہے کہ جو اس علاقے کو اشکانی حکومت کے دوسرے صوبون سے ممیز کرتا ہے،

جب عربون نے اس علاقہ کو فتح کرنے کی کوشش شروع کی ہے تو اس وقت اس کی تسخیر مین اور بہت سی رکاوٹین حائل تھین، عرب ۱۵ھ مین سب سے پہلے اس ملک کی سرحد کے قریب پہونچے اس وقت کم و بیش نو سو برس گذر چکے تھے کہ ماوراء النہر ایرانی سطح مرتفع سے نہ صرف آزادی حاصل کر چکا تھا بلکہ ہمیشہ اس کے ساتھ برسر پرخاش رہتا تھا، مسٹر گب نے اپنی کتاب[1] مین نہایت وضاحت سے ساسانی ایران اور ماوراء النہر اور طخارستان کے اس وقت کے سیاسی اور معاشرتی حالات کا مقابلہ کیا ہے جب کہ موخر الذکر علاقے کشان، افتالوی اور ترکی قبائل کے زیر سیادت تھے، زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ ایران سے ان علاقون کی اسی علیحدگی کی وجہ سے عربون کو اس امر مین وقت واقع ہوئی کہ ماوراء النہر اور ایران کو ایک دوسرے مین ضم کر دین، مسٹر گب کا خیال یہ ہے کہ دعوئ عباسیہ کے دوران مین بھی ماوراء النہر ابو مسلم اور خراسانیون سے بالکل الگ رہا تھا اگر یہ خیال صحیح ہو تو اس سے بخوبی ظاہر

[1] The Arab Conquest of Central Asia by Gibb

ہو جائے گا کہ اس وقت بھی جبکہ ماورار النہر عربی سلطنت کا ایک مستقل حصہ ہوگیا تھا اس نے اپنی خاص انفرادی حیثیت کو برقرار رکھا تھا، اور اپنے آپ کو دوسرے صوبون کے ساتھ ضم ہونے سے بچایا تھا، دوسری طرف، اگر غور سے دیکھا جائے تو یورپ کے مختلف ممالک مین اس سے کہین زیادہ گہرا تعلق موجود تھا، ساتوین اور آٹھوین صدی عیسوی مین مغربی عیسائیت، لاطینی زبان اور رومتہ الکبریٰ کے باقی ماندہ آثار کی وجہ سے فرانس، اسپین اور شمال مغربی افریقہ کے ممالک ایک رشتہ مین منسلک سمجھے جا سکتے ہین، اور بآسانی تصور کیا جاسکتا ہے کہ موخرالذکر دو علاقون کی فتح سے ہی فرانس بھی ایک ہی یورش مین عربون کے قدمون کے نیچے آجاتا، ۷۲۱ء مین کوہستان پیرنیز کسی طرح بھی سیاسی یا تمدنی لحاظ سے ایرانی سطح مرتفع کے مقابلہ کچھ زیادہ ناقابل گذار نہ تھے،

فرانس کے مقابلے مین ماورارالنہر کو اور بھی بہت سے فائدے حاصل تھے، ممکن ہے کہ فوجی نقطۂ نگاہ سے تانگ کی سلطنت محض بے کار ثابت ہوئی ہو، مگر ماورارالنہر اور طخارستان کی خودمختار ریاستون کو جو سیاسی مدد لگاتار چینگ رنگن کے دربار سے مل رہی تھی وہ ہی ان کی ہمتون کو بڑھانے کے لئے کافی تھی، خصوصاً اس حالت مین جبکہ عرب اس کی قدر وقیمت سے بالکل بے خبر تھے، اور اس لیے اس کو اس کے مرتبہ سے بڑھا ہوا سمجھا کرتے تھے، اس کے برخلاف ۷۳۲ء کے نازک زمانہ مین نیوسٹریا اکیوٹین، اور آسٹریشیا کے باشندون کو نہ تو بحیرۂ روم مین کوئی مدد اور نہ کسی قسم کی سیاسی تائید قسطنطنیہ کے قیصر کی طرف سے حاصل تھی، اور اس لیے ان کو جنگ اور شکست کا خمیازہ خود ہی اٹھانا پڑتا تھا، جغرافیہ اور آب وہوا کے لحاظ سے بھی ماورارالنہر فرانس کی نسبت حملہ آورون کے لئے زیادہ دشواریون سے گھرا ہوا تھا، ماورارالنہر مین سرسبز وشاداب زرعی قطعات کا ایک غیرمتناہی سلسلہ نہ تھا، بلکہ جابجا ریگستان اور جنگل راستہ مین حائل تھے، اس کے علاوہ یہان ایسے زبردست اور ناقابل گذار دریا تھے جنکا مقابلہ گرون، لائر، اور سین

کسی طرح نہ کر سکتے تھے، اور ترمذ کے مقام پر دریائے جیحون کو عبور کرنے کے بعد ماوراء النہر کے دار السلطنت سمرقند تک راستے میں زبردست پہاڑ دن کو طے کرنا پڑتا تھا، اس کے مقابلے میں ناربون سے تورس تک کوئی ایسا دشوار گذار راستہ نہ تھا، جہان تک سیاسی اتحاد کا تعلق ہے اس کا یہ حال تھا کہ فرنیگ قوم میں یہ اتحاد محض نام نہاد کے لئے تھا، اور فوجی ضروریات کے لحاظ سے اس کا عدم اور وجود دونوں برابر تھے۔ اس طرح پر اس میں اور ماوراء النہر میں کوئی فرق نہ تھا، بلکہ ماوراء النہر کو اپنی مقابلۃً بہتر تہذیب اور باشندون کی قوت مقاتلہ کی برتری کی وجہ سے فرانس پر کچھ نہ کچھ فوقیت ہی حاصل تھی،

مذکورہ بالا بیانات سے مسئلہ زیر بحث کے حل کرنے میں مدد ملنے کے بجائے اور زیادہ دقت پیدا ہو جاتی ہے، سوائے اسکے کہ ہم یہ مان لین کہ اس وقت ماوراء النہر کی تمدنی حالت فرانس کے مقابلے میں بہت بہتر تھی اور اس کو اس مسئلہ کا حل قرار دے لین، لیکن اس وقت یہ سوال پیدا ہوگا کہ ماوراء النہر میں کیا کیا خوبیاں تھین جو اس زمانہ میں فرانس کو حاصل نہ تھین؟ اسکا جواب شائد اس کے سوا اک

ف یہان پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مسئلہ کا حقیقی حل یہ ہے کہ فرانس بنی امیہ کے دار الخلافہ یعنی دمشق سے ماوراء النہر کے مقابلہ میں بہت دور واقع تھا، اور اسی وجہ سے عرب اس کو فتح نہ کر سکے، یہ صحیح ہے کہ دمشق سے ناربون تک فاصلہ خشکی کے راستہ سے براہ شمالی افریقیہ اور جبل الطارق مرو کے فاصلے کے مقابلہ میں تقریباً دگنا ہے، لیکن دو وجوہ کی بنا پر اس واقعہ کی اہمیت بالکل جاتی رہتی ہے، اول، خلافت کے مرکز سے خشکی کے راستہ کے علاوہ شمالی و مغربی محاذ کو ایک بحری راستہ بھی جاتا تھا، یعنی بحیرۂ روم کے ساحل پر اسکندریہ سے بارسلونہ کو، حالانکہ ایسا کوئی راستہ شمال مشرقی محاذ کو نصیب نہ تھا، یہان یہ دریافت کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس نازک وقت میں قسطنطنیہ نے اپنی بحری فوقیت کو کہان تک اہل فرانس کی مدد میں استعمال کیا تھا، بحیرہ روم میں عربون کی نقل و حرکت کو کہان تک روکنے کی کوشش کی تھی، جہان تک ہم کو معلوم ہے اس امر کے متعلق اس وقت کوئی خاص شہادت

کچھ نہین ہو سکتا کہ اس سے قبل اور اس وقت بھی ماوراء النہر بین الاقوامی تجارت اور آمد و رفت کا راستہ تھا

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ ؛ محفوظ نہین ، لیکن اگر بازنطینی اور عربی بحری قوتون کے توازن کو خیال مین رکھین تو بھی یہ باور نہین کیا جا سکتا کہ قسطنطنیہ نے اس راستہ کی بالکل ناکہ بندی کر دی تھی ، اور جہان تک اس راستہ کا تعلق تھا یہ راستہ خشکی کے راستہ کے مقابلہ مین زیادہ آسان اور مختصر تھا ، بہ نسبت اس راستہ کے جو براہ خشکی شام سے خراسان جاتا تھا ، دوسرے یہ امر بہت مشکوک ہے کہ شام سے سرحد کے جنگی محاذون کا قرب یا بعد جنگ پر کوئی اثر بھی پیدا کرتا تھا یا نہین ، کیونکہ تاریخی شہادتون سے اس کا کافی ثبوت مل سکتا ہو کہ بنی امیہ اور ان سے قبل اشکانی بادشاہون کے زمانہ مین مرکزی حکومت کی شاہی فوجین شاذ و نادر ہی سرحدی جنگون وغیرہ مین حصہ لیتی تھین ، یہ جنگین خواہ کتنے ہی بڑے پیمانہ پر کیون نہ شروع کیجائین محض مقامی فوجون کے زور پر لڑی جاتی تھین ، اور بنی امیہ کے زمانہ مین ان مین اکثر وہ عرب شامل ہوئے تھے جنکو اسی قسم کے جنگی کامون کے لئے ان صوبون مین بسایا جاتا تھا ، ان کے بعد اگر ضرورت پڑی تو خود اس صوبے کے وفادار باشندون کو بھرتی کر لیا جاتا تھا ، یہ یقینی ہے کہ صوبون مین عربی فوجی عنصر بہت محدود تھا اور جب کبھی سپہ سالارون کو مزید کمک کی ضرورت ہوتی تھی تو بجائے اس کے کہ وہ دمشق سے عربی فوج طلب کرین وہ خود اسی صوبے کے وفادار اور قابل اعتماد باشندون کو فوراً فوج مین بھرتی کر کے اپنی ضرورت پوری کر لیا کرتے تھے ، چنانچہ جب قتیبہ بن مسلم نے ماوراء النہر پر اور عبدالرحمن الغافقی نے فرانس پر حملہ کیا ہے تو ان دونون کی فوجون مین عرب خال خال ہی دکھائی دیتے تھے ، اور قوت کا زیادہ تر انحصار خراسان کے ایرانیون اور شمالی افریقہ کے بربریون پر تھا ، ان وجوہ کو خیال مین رکھتے ہوئے یہ کہنا از ابعد از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی مرکز سے ماوراء النہر کا قرب اور فرانس کا بُعد عربون کی کامیابی اور ناکامی کا اصل راز ہے ،

مسٹر ایچ ، اے ، آر ، گب سے مصنف نے مذکورہ بالا باتون کا ذکر کیا تو انھون نے یہ رائے ظاہر کی ، دونون وجہون کو حد سے زیادہ اہمیت دینا درست نہین ، اور یہ ممکن ہے کہ محاذون کے بعد مسافت نے حقیقت مین عربون کی جنگی حالت پر اثر ڈالا ہو ، مسٹر گب نے اس نوع کی تمام شہادتون پر تفصیل کے ساتھ غور

حالانکہ فرانس اس وقت ایک نیم متمدن ملک ہونے کے علاوہ تمام مہذب دنیا سے بالکل الگ ایک کونے مین پڑا ہوا تھا، اور اس پر کسی قسم کا بیرونی اثر نہین پڑا تھا، اس فرق کو مسئلہ زیر بحث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہین کیا، مگر ان کا خیال ہے کہ ہم کو بمشکل ایسی کوئی شہادت دستیاب ہوگی جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ عربون نے شام اور اندلس کے درمیان آمدورفت کے لیے کبھی بحری راستہ اختیار کیا تھا، اس کے برعکس اس امر کی بے شمار شہادتین موجود ہین کہ وہ شمالی افریقہ کا خشکی کا راستہ استعمال کیا کرتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ عربون نے قسطنطنیہ کے مقابلے کے لیے بحیرۂ روم مین ایک جنگی بیڑا تیار کر لیا تھا، لیکن انھون نے اس بیڑے کو فرانس پر حملہ کرنے کے لئے کبھی استعمال نہین کیا، دوسری مشکل یہ تھی کہ خشکی کے راستہ مین ہمیشہ شمالی افریقہ کے بربریون کی طرف سے خدشہ رہتا تھا، اور مزید بران اندلس مین بربری فوجون اور نوآباد کارون کی وجہ سے ہر وقت امن مین خلل پڑنے کا اندیشہ تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اندلس کو بعض اوقات اپنے حال مین چھوڑ دینا پڑتا تھا چنانچہ جنگ ٹورس کے بعد کے نازک موقع پر سنہ ۷۳۲ء مین ایسا ہی کرنا پڑا تھا، اس کے مقابلے مین اگرچہ جنگ شعب ٹورس کے نسبت زیادہ خطرناک تھی مگر خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے عراق کی فوجین بھیج کر خراسان کو مستحکم کر دیا اور شاید شام سے بھی فوجین بھیجین اور اس طرح پر خطرہ کو زائل کر دیا، یہی حالت حارث کی بغاوت کے وقت ہوئی، یہ صحیح ہے کہ سنہ ۷۴۰-۴۱ء مین شامی فوجین مصری کمک کے ساتھ افریقہ بھیجی گئی تھین مگر ان کا مقصد اندلس کو تقویت پہنچانا نہ تھا، بلکہ محض بربریون کی بغاوت کو فرو کرنا تھا، بہرکیف اس فوج کو مراکش مین بربریون نے ایسی سخت شکست دی کہ اس کا نام ونشان تک مٹ گیا، مسٹر گب کا یہ بھی خیال ہے کہ ماوراء النہر مین عربون کی تندھی اور لگاتار کوشش کی وجہ سے زیادہ کامیابی ہوئی، ایک طرف تو وہ ایرانی سطح مرتفع مین سے ہوتے ہوئے ماوراء النہر کی طرف بڑھ رہے تھے، اور دوسری طرف خلیج فارس کے راستہ سے انھون نے دریائے سندھ کے میدان پر حملے شروع کر دیئے تھے جس وقت قتیبہ بن مسلم وسط ایشیا مین فتوحات حاصل کر رہا تھا اسی زمانہ مین سندھ مین بھی عرب

مین بہت اہمیت حاصل ہے، چونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آٹھوین صدی عیسوی مین فرانس کی آبادی کے لیے کوئی خاص تجارتی دلچسپی ایسی نہ تھی جس پر عربون کے ساتھ ان کے تعلقات کا برا یا بھلا اثر پڑتا اس زمانہ مین ان کا کام صرف زراعت تھا، اور جو کچھ تھوڑی بہت تجارت فرانس اور دنیا کے دوسرے ملکون مین تھی وہ سب کی سب اطالویون، شامیون یا دوسرے غیر ملکیون کے ہاتھ مین تھی، اس کے بالکل برعکس جیسا کہ مسٹر گب نے ظاہر کیا ہے ماوراء النہر کی دولت کا تمام تر دار و مدار تجارت پر تھا وہان کے بیشمار اور معمور شہر محض نخلستانون کی پیداوار پر زندگی بسر نہ کر سکتے تھے، کیونکہ خواہ آب پاشی کا طریقہ کتنا ہی اعلیٰ درجے کا کیون نہ ہو نخلستانون کی وسعت پانی کی کمی کی وجہ سے محدود تھی، ایسے ملک کے لیے بین الاقوامی تجارت نہ صرف مزید دولت پیدا کرنے کا ایک مشغلہ تھی، بلکہ اسی تجارت پر وہان کے باشندون کی زندگی کا دار و مدار تھا، اس لیے جون جون عربون کی ترکتازیان بڑھتی جاتی تھین ان کی تجارت کو نقصان پہنچتا تھا اور اسباب معیشت کم ہوتے جاتے تھے،

جنگ کا ابتدائی زمانہ قتیبہ بن مسلم کی فوجی مہم کے آغاز یعنی ۷۰۵ء سے شروع ہوتا ہے، اس وقت سے لیکر ۷۱۹ء تک بظاہر کوئی نقصان تجارت کو نہین پہنچا تھا۔ اور ماوراء النہر کی خود مختار ریاستون نے اس عربی حملہ کو اس وجہ سے اُس وقت زیادہ اہمیت نہین دی تھی کہ عرب ساسانیون کے جانشین تھے اور ماوراء النہر اور ساسانیون کی تقریباً ہر وقت جنگ چھڑی رہتی تھی، ساسانی جنگون کے دوران مین مدائن کی حکومت نے ایک سے زیادہ موقعون پر ماوراء النہر کی تجارت کو قید و بند لگا کر نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ اُسے کوئی مہلک صدمہ نہ پہنچا سکے تھے،

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آگے بڑھ رہے تھے، اس کے برخلاف جنید کے خراسان مین تبدیل ہونے کے بعد عربون نے صرف یہی کوشش کی کہ کسی طرح اپنے قدم سندھ مین جمائے رکھین، اور انھون نے اپنی تمام فوجی قوت ماوراء النہر پر ختم کردی ۱۲۱۔ (مصنف)

چونکہ سغدی تاجرون نے انتہائی جرأت اور عقلمندی سے کام لیکر دوسرے راستے معلوم کر لیے تھے جن کے ذریعہ سے وہ اپنا مال بحیرۂ روم کے خریدارون تک پہنچا دیا کرتے تھے، مثلاً ۵۶۸ء مین خانہ بدوش ترکون کے خاقان کی طرف سے ایک سفارت قسطنطنیہ کے دربار مین آئی تھی، اس مین ماوراء النہر کا ایک بادشاہ بھی شامل تھا، سفارت کا مقصد یہ تھا کہ بحیرۂ خزر کے شمال کا تجارتی راستہ ان کے لئے کھول دیا جائے تاکہ اس پر ایرانی سلطنت کا کوئی دباؤ نہ پڑ سکے، اگرچہ بظاہر اس سفارت کا افسر خاقان کا ایک نمائندہ تھا، لیکن ممکن ہے کہ وہ ماوراء النہر کے تاجرون کی طرف بھیجی گئی ہو، اس کے علاوہ مشرق وسطیٰ اور مشرق قریب سے ان کی تجارت تھوڑی مدت کے لیے بند بھی کر دی جائے تو بھی مشرق بعید اور ہندوستان کی تمام تجارت کا اجارہ ان کے پاس رہ جاتا تھا اور یہ تجارت اس قدر وسیع تھی کہ اس کے ہوتے ہوئے وہ ہر قسم کی معاشی مصیبتون سے محفوظ رہ سکتے تھے، ۷۱۹ء تک تو یہی حالت تھی، لیکن اس کے بعد اس مین اچانک تبدیلی واقع ہوئی، اور اس تبدیلی کی وجہ سے ماوراء النہر کی تجارت کو نقصان پہنچا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ۷۲۰ء مین ترکون کے خانہ بدوش قبیلے ترگیش نے عربون اور ماوراء النہر کی ریاستون کی جنگون مین دخل دینا شروع کیا انھون نے ان جھگڑون مین دو وجہون سے دخل دیا، اول چنگ نگن کے نمایندون کی حیثیت سے اور دوسرے خود ماوراء النہر کے مددگارون کے طور پر، اور جہان تک عربون سے لڑنے کا کا تعلق تھا انھون نے اس کا پورا حق ادا کیا، سترہ برس تک انھون نے عربون کو محض مدافعت پر مجبور کئے رکھا، ان کو شکستین دین اور آخر کار ان کو رفتہ رفتہ دریائے جیحون کے پار تمام علاقون کو چھوڑنا پڑا، مگر ماوراء النہر کے باشندون کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ حقیقت مین خود ترک انکے لیے آخر ایک لازوال مصیبت ثابت ہونگے، ترگیش برائے نام چین کی مہذب حکومت کے ماتحت تھے، مگر ان پر کسی قسم کی نگرانی چین کی حکومت کی نہ تھی، اور معلوم یہ ہوتا کہ اس موقع پر ترگیش نے

بالکل بن سرے ہوکرایسی ابتری پھیلائی تھی جو خانہ بدوش اقوام کے متمدن اقوام پر قابو پالینے کے بعد اکثر پھیل جایا کرتی ہے، مشرقی تجارت کے راستے پہلے مسدود ہو چکے تھے، اور جب ترگیش نے بالائی جیحون کو عبور کرکے عربون کو طخارستان سے باہر نکالنا شروع کیا تو تجارتی معاملات مین اور زیادہ ابتری پھیلی، اور ماوراء النہر اور ہندوستان کے درمیان تجارت کے راستے بالکل غیر محفوظ ہوگیے اسی اثنا مین ترگیش کے بالادست چینی حکام اپنے ان مفسد باجگزارون سے اس قدر تنگ آگیے تھے کہ جب اسد بن عبداللہ القسری نے ۱۲۰ء کے آخر مین ترگیش کے خاقان کو جوزجان اور خراسان مین شکست دی تو چینیون نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ترگیش کی جمعیت کا خاتمہ کر کے تمام قبیلہ کو پراگندہ کردیا، قرین قیاس بات یہ ہے کہ چونکہ ماوراء النہر کی تجارتی جماعتون نے ترگیش کی وجہ سے نقصان اٹھایا تھا اس لیے چینی حکومت کی نسبت ان کو ان ترکون سے نفرت تھی، اور یہی وجہ تھی کہ اسد اور اس کے جانشین نصر کی صلح و آشتی کی حکمت نے فوراً اپنا اثر پیدا کرنا شروع کیا، اور عربون کو بہت جلد اس مین کامیابی حاصل ہوگئی،

۱۳۶ء مین معلوم ہوتا ہے کہ طخارستان کے ایرانی امراء کے ساتھ سمجھوتا ہو چکا تھا، بلخ جو اس سے قبل کی جنگون مین تباہ و برباد ہوگیا تھا اب خود اسد کی نگرانی مین نئے سرے سے تعمیر کیا گیا، تاکہ عربی نظم و نسق کے مرکز کے طور پر مرو کا جانشین ہوسکے، یہ اسد کے ترگیش کو شکست دینے سے ایک سال قبل کا واقعہ ہے، اور اس جنگ کے دوسرے سال یعنی ۱۳۸ء مین نصر بن سیار نے ایک اعلان کے ذریعہ سے عام معافی اور تمام حقوق دے کر اسد کا کام بالکل مستحکم اور مستقل کردیا، اس سے قبل بھی عربی حکومت نے غیر عرب اقوام اور غیر اسلام مذاہب کے ساتھ ایک قسم کی خاص مسامحت برتی تھی، مگر اس موقع پر نصر کا یہ اعلان خصوصیت کے ساتھ عربون کی حکمت سے بالکل مستثنیٰ معلوم ہوتا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو نصر نے بالکل نادانستہ طور پر اسکندر رومی

کی پیروی کی تھی جس نے خود، جہان تک ہم کو علم ہے، اس اشکانی بادشاہ کی حکمت عملی پر عمل کیا تھا جس نے سب سے پہلے ماورا النہر کے علاقہ کو ایرانی حکومت مین ضم کیا تھا، بہرحال ۷۳۸ء مین نصر بن سیار نے ماورا النہر کے باشندون کے سامنے سیاسی غلامی، یا معاشی بربادی سے بچنے کے لیے ایک عزت آمیز طریقہ پیش کیا، ان سے یہ کہا کہ اگر وہ عربون کی سیادت چند قابل برداشت شرائط کے ساتھ قبول کر لین تو نہ صرف ان کی تجارت حسب سابق بحال ہو جائے گی بلکہ ان کو ایسی خوش حالی نصیب ہو گی جو شاید گذشتہ ہزار سال سے ان کو میسر نہین آئی، اگر ایک مرتبہ وہ سیاسی اعتراضات جو اس علاقے کو عربی حکومت مین ضم کر دینے کے متعلق کئے جا سکتے تھے حل کر دیئے جائین تو کوئی شبہہ نہ تھا کہ اس انتظام سے ماورا النہر کے لوگون کو بہت سے معاشی فائدے حاصل ہو جائین گے، کیونکہ ان کی جنوب مشرقی سرحد پر ایک مستقل فوجی محاذ کے بجائے ماورا النہر کے تاجرون کے لیے ایک ایسا علاقہ تجارت کے لیے کھل جاتا جو خراسان سے لیکر بحیرۂ روم تک اور بحیرۂ روم سے بحر اوقیانوس تک پھیلا ہوا تھا، اس کے علاوہ عرب کے سیاسی مدبرون نے فوراً ان تجارتی علاقون کو دوبارہ کھول دینے کی کوشش شروع کر دی جو وسط ایشیا سے ہوتے ہوئے مشرق بعید کو جاتے تھے، چنانچہ "سمرقند کو دوبارہ فتح کرنے کے بعد" (غالباً ۷۳۹ء مین) نصر نے ایک سفارت چین بھیجی اور اس کے بعد ۷۴۴ء مین اس سے بھی ایک زیادہ شاندار سفارت چین گئی، جسکا بظاہر مقصد یہ تھا کہ جہان تک ممکن ہو تجارتی تعلقات کو باضابطہ طور پر مکمل کر دیا جائے، اس سفارت مین عربون کے ساتھ نہ صرف سغد اور طخارستان کے ایلچی تھے بلکہ زابلستان ششش اور ترگیش تک کے سفیر شامل تھے، ان کے علاوہ ۷۴۵ء اور ۷۴۶ء مین دو اور سفارتون کو پتہ چلا[1] ہے۔" زابلستان کے سفیرون کی موجودگی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی بری تجارت

---

[1] مسٹر گب کی کتاب مذکورہ بالا۔ صفحہ ۹۲۔

کے راستہ کو کھول دینے کی تدابیر اس سے پہلے عمل مین آچکی تھین،

یہ تمام واقعات، جن پر مسٹر گب نے نہایت وضاحت اور تفصیل سے بحث کی ہے، اس امر کے ظاہر کر دینے کے لیے کافی ہین کہ عربون کو سنہ ۱۲۱ھ – ۷۳۱ء مین ماوراء النہر کی تسخیر مین اس قدر آسانی کیون ہوئی، اور یہی اسباب ہین جنکی بنا پر ہم بآسانی سمجھ سکتے ہین کہ عربون کو فرانس کی فتح مین کیون اس قدر تکلیفین برداشت کرنی پڑین اور آخر ان کی تمام کوششین رائیگان گیئن، اکوئٹین اور نیوسٹریا کے باشندون کے سامنے کوئی ایسا تجارتی مسئلہ نہ تھا جسکی وجہ سے ماوراء النہر کے باشندون کو مصیبتین اُٹھانی پڑین، فرانس مین بیرونی تجارت کا تقریبًا نام ونشان تک نہ تھا، اور اس لیے کسی بیرونی طاقت سے جنگ کے موقع پر وہان کے رہنے والے اس قسم کے نقصان سے بالکل بے فکر تھے، وہ اپنی سیاسی آزادی کو قائم رکھنے کے لیے لڑتے وقت اس آزادی کے ساتھ ساتھ اپنے کھیتون کی بھی حفاظت کرتے تھے، اور یہی کھیت تھے جن مین ان کی تمام دولت مخفی تھی، چونکہ جیسا کہ اس سے قبل ظاہر کر دیا گیا ہے کہ یہ لوگ زراعت پیشہ تھے، اس کے علاوہ جب انھون نے اپنی بالادست حکومت یعنی اہل آسٹریشیا کو اپنی مدد کے لیے بلایا تو ان کو کسی ایسے حادثہ کا خطرہ نہ تھا جو ماوراء النہر کے باشندون کو ترگیش کی مدد کی وجہ سے برداشت کرنا پڑا،

اگر یہ تمام دلائل صحیح مان لیے جائین تو آٹھوین صدی عیسوی مین ماوراء النہر کی اعلیٰ درجے کی تمدنی حالت یا بالفاظ دیگر وہان کی تجارتی ترقی مین عربی فتح کا راز مضمر ہے، اور اسی وجہ سے اہل ماوراء النہر نے وہ نہایت قیمتی اور پہلا موقع ایک نئی اور بالکل اچھوتی تہذیب قائم کرنے کا کھو دیا، اس کے برعکس فرانس کیونکہ نیم وحشی تھا اور کوئی تجارتی فوائد اس کو حاصل نہ تھے اس لیے اس نے اپنی خودمختاری کو قائم رکھا، اور ایک ایسی تہذیب دنیا کو دی جس کی ترقی اس وقت تک جاری ہے اور جس سے اس وقت ہم مستفید ہو رہے ہین

ڈنمارک مین علوم مشرقیہ کی تاریخ

از

مترجمہ مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین،

ڈنمارک مین مشرقی علوم کی تاریخ پر نظر ڈالنے کے لئے اس زمانہ کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا، جبکہ وہان اصلاحات مذہبی کی ابتدا ہو کر پروٹسٹنٹ مذہب کی بنیاد پڑی تھی، اس مذہبی تحریک نے فطرۃً طبیعتون کو توراۃ کی جانب متوجہ کر دیا تھا، اسلئے عبرانی زبان کی تحصیل ضروری ہو گئی تھی،

شروع شروع ۱۵۵۰ء مین عبرانی زبان کی تعلیم کے لئے یہان ایک پروفیسر کا تقرر عمل مین آیا، پھر سترھوین صدی کے آغاز مین دیگر مشرقی علوم کے لئے ایک دوسرے ماہر کا اضافہ کیا گیا،

ڈنمارک نے مشرقی علوم کے لحاظ سے سولھوین صدی مین کوئی نمایان کارنامہ انجام نہین دیا، معمولی طریقہ پر کچھ ادبی آثار پیدا ہوئے، تقریبًا یہی حال سترھوین صدی کا ہے اس صدی کی سب سے امتیازی خصوصیت یہی ہو سکتی ہے کہ ڈنمارک کا ایک باشندہ تھیوڈ ورپٹراس نامی ۱۶۵۵ء یا ۱۶۵۶ء مین حکومت کی طرف سے مشرقی ممالک مین علمی سیاحت کے لئے بھیجا گیا، اس نے اجنبی ممالک اور بالخصوص ہالینڈ مین جاکر عربی، حبشی، قبطی اور خصوصًا ارمنی زبان سیکھی، توراۃ کے چند اجزا حبشی زبان مین شائع کئے اور ۱۶۶۶ء مین توراۃ کا جو ترجمہ شہر امسٹرڈام مین ارمنی زبان مین کیا جا رہا تھا، اس نے اوس ترجمہ مین بھی ہات بٹایا،

اٹھارہوین صدی مین مشرقی علوم کا یہ امتیازی رنگ پیدا ہوا کہ ان سے یورپ کے ملکون مین اور خصوصًا جرمنی مین دیگر علوم کے پہلو بہ پہلو دلچسپی لیجانے لگی، چنانچہ اسی صدی مین دو مستشرق اوجاہارڈ ٹائشن اور تھامس کریسچن ٹائشن، اسی سرزمین سے پیدا ہوئے، یہ دونون خاص ڈنمارک کے باشندے تھے،

ان کا مولد صوبہ سلشویق ہے انھون نے جرمنی مین تحصیل علوم کے بعد وہین تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا،

اسی صدی مین پروفیسر کال نے کوپنہاگ یونیورسٹی مین قرآن مجید اور دیگر عربی علوم کا درس جاری کیا، ۱۶۷۰ء مین عربی نحو مین ایک کتاب شائع کی (۱۶۷۰-۱۶۷۵) مین پروفیسر رستگار دنے عربی ضرب الامثال کا ایک مجموعہ تیار کرکے شائع کیا،

اٹھارہوین صدی ڈنمارک مین علوم مشرقیہ کے لحاظ سے علمی سفرون کی صدی ہے، ۱۷۳۷ء مین ایک بحری افسر فریڈریک لاڈنگ نارڈن نے مصر کی جانب کوچ کیا، اور وہان جاکر وہان کے مشہور مقامات، عمارات، اور قدیم یادگارون کا نقشہ کھینچا، لیکن افسوس کہ اسکی حیات مین اس کے سفرنامہ اور ان نقشون کے شائع ہونے کی توبت نہ آئی، اسکی وفات کے زمانۂ دراز کے بعد ۱۷۵۵ء مین وہ سفرنامہ "مصر و نوبہ" کے نام سے شائع ہوا، پھر اسکے دو ترجمے انگریزی مین ہوئے انگریزی سے وہ فرانسیسی زبان مین منتقل ہوا، اس سفرنامہ مین سب سے اہم ان مصری عمارتون کا حال تھا جو وہان نپولین بوناپارٹ کے حملہ سے پہلے موجود تھین،

اسی طرح ڈنمارک کا ایک دوسرا شخص جارج ہیرسٹج ہوسٹ نامی آٹھ برس مراکش مین مقیم رہا اس نے وہان متعدد قابل قدر قلمی کتابون کے نسخے حاصل کئے اور ۱۷۸۱ء مین اپنی دیسی ڈنمارک کی زبان مین "حالات مراکش اور فارس" ایک کتاب شائع کی اس کے ترجمے فرانسیسی اور جرمنی زبان مین ہوتے گئے، پھر ۱۷۹۱ء مین شاہ مراکش محمد بن عبداللہ کی سوانح حیات مرتب کرکے شائع کی،

اس صدی کی سب سے عظیم الشان نمایان خصوصیت یہ ہے کہ ۱۷۶۱ء مین شاہ ڈنمارک نے ملک عرب کی جغرافی تحقیقات کے لئے ایک وفد جو پانچ آدمیون پر مشتمل تھا مرتب کیا، ارکان وفد مین الیف، اس، ہاون، یو، فورسکل (فنلینڈ) اور دی سی، نیوبر (جرمن) تھے، چونکہ اس وفد کے تمام اخراجات شاہ ڈنمارک نے ادا کئے تھے، اس لیے یہ کارنامہ خاص حکومت ڈنمارک کی طرف منسوب

کیا جائے گا، اسکی مفصل رپورٹ ۱۸۲۲ء مین جرمن اور فرانسیسی زبان مین شائع ہو چکی ہے،

علوم عربیہ کے لیے اٹھارہوین صدی کا نصف آخر کامیاب ثابت ہوا ہے، جی، سی، اڈلر (۱۷۵۶ء - ۱۸۳۴ء) نے شاہی کتب خانہ کی قلمی کتابون کا ایک ملخص مجموعہ کی صورت مین تیار کیا اور ۱۷۸۰ء مین بعض کتابون کے متعلق مفصل معلومات شائع کین، وہ ان کوفی کتبون سے جو ان کے زیر تحقیق تھے گہری دلچسپی رکھتے تھے ان کی چند تصانیف "سکے اور ان کے کتبون" پر شائع ہوئین، اور نقود عربیہ کی تاریخ کا نقشہ بھی تیار کیا،

ان کے اہم کارنامون مین (۱۷۸۹ء ۱۷۹۴ء) تاریخ ابی الفدا کا پانچ جلدون مین لاطینی ترجمہ اور اسکی اشاعت ہی، لیکن یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس کتاب کے اصل ناشر مستشرق ریسکی ہین، اڈلر نے طباعت کے وقت قلمی نسخہ پر محض نظر ثانی کی تھی، جس زمانہ مین اڈلر کے اہالیان مشرق سے ذاتی تعلقات تھے، انھین ایام مین تاریخ و روز پر چند مباحث اس نے شائع کئے تھے،

(۱۷۸۵ء، ۱۸۳۲ء) مین مستشرق جے این راسموسین نے تاریخ عرب پر توجہ مبذول کی ۱۸۱۴ء مین روس اور سویڈن، ناروے سے عربون اور ایرانیون کے تعلقات" پر ایک نادر کتاب شائع کی پھر اس کا ترجمہ انگریزی، فرانسیسی اور لاطینی زبان مین ہوتا گیا،

۱۸۱۷ء مین، تاریخ عرب قبل الاسلام لکھی جس کے آخر مین ایک مفید ضمیمہ بھی تھا،

(۱۸۲۱ء ۱۸۲۵ء) مین اسلامی تاریخ اور کوپنہاگ کے شاہی کتب خانہ کی قلمی کتابون کے چند متعلقہ اقتباسات شائع کئے، آخر مین اس نے الف لیلہ کا ترجمہ شروع کیا تھا، لیکن دست اجل نے فرصت نہ دی، انھی دنون دو ڈنمارکیون نے علم آثار اور تاریخ مشرق کا مطالعہ شروع کیا، ان مین سے ایک مسٹر جی، زدیگا نے رومیون کے زمانہ کے مصری حالات" پر کچھ کام کیا، اور (۱۸۱۴ء ۱۷۹۶ء) مین مصر کی بعض عمارتون پر ایک کتاب لکھی اور ۱۸۱۰ء مین اٹلی مین قبطی قلمی کتابون کی فہرست کے ضمن مین

قبطی زبان کی بعض عبارتین ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئین اوران پر حواشی لکھے، یہی وہ تصنیف ہےجس کے متعلق علماء کا خیال ہے کہ یہ کتاب قبطی زبان کی تعلیم پر پہلی علمی تنقید ہے۔

دوسرا شخص مسٹرالیف مونٹر ہے جس نے قدیم یونانی اور سامی عمارات، سکے، مذاہب، اورکتبون پر کافی مباحث شائع کئے، اسکی دو کتابین ہمیشہ یادگار رہینگی ایک اس نے کارتھجون کے مذہب پر لکھی ہے، اور دوسری قدیم فارسی خط مسماری پر ہے، اس خط کی طرف اون کتبون نے توجہ کو طلب کیا جنکو نیوبر نے اصطخر (پرسوپولس) سے نقل کیا تھا، چنانچہ ونسٹر نے مسماری کتبون پر ایک فاضلانہ تنقید لکھی، اسی تنقید نے ان کتبون کی تشریح و توضیح کا ایک راستہ پیدا کردیا، ماہر لغات مسٹرسی، راسک نے جو السنہ کے تقابل مین کافی مہارت رکھتے تھے، صرف زبان کی اوسکے حسب مناسب ترتیب پر قناعت نہین کی بلکہ خاص خاص زبانون کو معراج ترقی پر پہنچانے مین انھون نے کافی جدوجہد کی،

فارسی اور ہندوستانی زبان کی تحصیل کے لیے فارس و ہند کا سفر کیا، وہان بیش قیمت قلمی کتابین حاصل کین جو آج تک کوپنہاگ مین محفوظ ہین، لیکن افسوس کہ ان کے قویٰ نے جواب دیدیا اوران کو اپنے جمع کردہ مواد سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ مل سکا، ۱۸۲۶ء مین ژندی زبان (قدیم فارسی) پرایک رسالہ لکھا اور قدیم فارسی زبان کو جدید اسلوب پر تعلیم دینے کی بنیاد ڈالی، اور اپنے دوران سفر مین اصطخر کے مساری کتبون کی بھی توضیح کرنے کی کوشش کی،

راسک کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انڈویورپین (سنسکرت اور یورپ کی زبانون) پر کافی توجہ کی، عربی کے سلسلہ مین اس کے معمولی کامون مین یہ ہے کہ اس نے حکایات لقمان کو ایک تنقیدی تبصرہ کے ساتھ شائع کیا،

علمی مطالعہ و تحقیقات کے وہ تمام کام جنکی ابتدا مسٹر راسک سے ہو چکی تھی وہ این، ولیسٹر گارڈ (۱۸۱۵ء - ۱۸۶۸ء) کے ہاتھون تکمیل کو پہنچے کیونکہ اس نے بھی ہندوستان اور ایران کا سفر کیا اور قلمی

کتابون کے وہ تمام نسخے جو راسک سے نامکمل رہ گئے تھے انھین مکمل کرلیا، اور فارسی مسماری کتبون کی از سر نو نقلین لین اس کے منقولہ مسماری کتبے جدید مباحث کے لئے بے انتہا مفید ہوئے، اور اس نے خود ان کتبون کے حل کرنے مین پوری کوشش کی،

اس نے ایران اور ہندوستان کی قدیم زبانون کی جو خدمتین کین ان مین سے ایک یہ ہے کہ (پارسیون کی مذہبی کتاب) ژنداوستا کو اس نے چھاپکر شائع کیا ہے اور سنسکرت زبان کے افعال کا ایک لغت اور اس زبان کی نحو پر ایک رسالہ لکھا، اس کے بعد ایک اور ماہر الیف، فاسبل (۱۸۲۱ء-۱۹۰۸ء) پیدا ہوا، جس نے اپنی عنان توجہ پہلوی زبان کی طرف منعطف کی، کیونکہ ٹرنکر المتوفی ۱۸۹۱ء نے پہلوی زبان کی چند عبارتین، شائع کین تھین اس لئے فاسبل نے بھی اس زبان کے چند اقتباسات بہم پہنچائے تاکہ پہلوی زبان کے لغت کی تالیف کے لئے ایک ذخیرہ موجود ہوجائے، چنانچہ ہمارے موجودہ زمانہ کے پروفیسر انڈرسن بھی اسی جدوجہد مین مصروف ہین، امید ہے کہ عنقریب ان کے اعلیٰ خدمات کے نتائج منفعۃ شہود پر آجائین گے،

سورنسن (۱۹۰۲-۱۸۴۸) ہندوستانی زبانون اور خصوصاً سنسکرت زبان سے دلچسپی رکھتا تھا، مہابھارت کے اشعار پر مختلف اہم مباحث شائع کرچکا ہے،

مسٹر ایچ راسموسن نے ڈنمارک کی زبان مین ہندی اور فارسی لٹریچر کے متعلق چند مضامین شائع کئے، انھین فارسی کا مطالعہ کرتے کرتے اسلامی تصوف کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوگیا ۱۸۹۲ء مین حافظ شیرازیؒ کے متعلق ڈنمارک کی زبان مین چند مباحث لکھے، مسٹر بی ٹاکسن نے جو فلسفۂ ہند اور اس کے مذاہب کے ماہر تھے فلسفیانہ ہندو مذاہب مین سے ایک مذہب پر جسکو جینی کہتے ہین ایک کتاب تالیف کی، نیز دوسرے مذاہب پر جنکی تعلیمات مختلف اسلوب سے نہایت دقیق ہین، کتابین لکھین،

اڈورڈ لہمان نے اصول مزدیہ (مجوسی) کا مطالعہ کیا اور مستند صحیح حوالون سے زردشت کی سوانح حیات مرتب کی،

ار، کرسٹینس ماہر فارسیات نے ساسانیون کی تاریخ کی ترتیب دی، اور خاص طور پر بلاد فارس کے اسلامی عہد کے حالات کا مطالعہ کیا، عمر خیام اور دیگر حکما، پر متعدد مباحث سپرد قلم کئے اور مشرق کے علم الاصنام اور کہانیون کے مطالعہ کا مشغلہ جاری کیا،

الیف، ایم، خان مہرین (۱۸۲۰ء-۱۹۰۱ء) مدت سے سامی زبان کے مطالعہ مین مصروف ہین، علوم اسلامیہ مین کافی شہرت حاصل کر چکے ہین، ۱۸۵۳ء مین انکی ایک کتاب "عربی علم معانی و بیان" پر جرمن زبان مین چھپی ہے، ان کے شغف علمی کے ثمرات عرب کے جغرافیہ دانون کی کتابین ہین ۱۸۶۶ء مین شمس الدین دمشقی کی ایک جغرافیہ کی کتاب شائع کی، (یہ اس کتاب کے علاوہ ہے، جو پروفیسر موصوف کی ڈنمارک کی زبان مین طبع ہوئی ہے) ۱۸۷۴ء مین اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان مین ہوا،

پروفیسر موصوف فلسفۂ اسلامیہ کے محقق شمار کئے جاتے ہین، اسکی شہادت ان مباحث سے ملتی ہے، جو موصوف نے ۱۸۷۷ء مین ابو الحسن اشعری پر لکھے ہین، ابن سینا پر بھی مختلف رسائل ڈنمارک اور فرانس کی زبان مین لکھے، خصوصًا، رسائل ابی علی بن سینا" جو (۱۸۸۹ء-۱۸۹۳ء) مین لیڈن مین طبع ہوئے اپنے دوران قیام مصر (۱۸۶۷ء-۱۸۶۸ء) مین عربی کتبون کو نقل کرایا، پھر ۱۸۷۰ء مین اس کا مجموعہ وضاحت اور ترجمہ کے ساتھ ڈنمارک کی زبان مین شائع کیا پھر مدت کے بعد فرانسیسی زبان مین آیا، علاوہ ازین مصر کی عامی زبان پر ایک تبصرہ شائع کیا،

ان کے شاگرد مسٹر اویسٹروپ (المولود ۱۸۶۷ء) نے موجودہ مشرقی علوم سے گہری دلچسپی پیدا کی، الف لیلہ پر چند مباحث لکھنے کے بعد دو سال مشرقی ممالک مین گذارے، موصوف نے اپنی اس سیاحت کا ایک دلچسپ سفرنامہ لکھا ہے، اور ممالک زیر سیاحت کا جغرافیہ لکھا ہے، اور ملک

کی عامی زبان مین حکایات دمشق، (۱۸۹۶ء مین) شائع کی، مذہب اسلام کی تاریخ پر اپنی یادداشت شائع کی، اور اسلام پر ایک کتاب لکھی، اور عربی قصص وحکایات کے ترجمے چھاپے، اوران کے علاوہ اہل ڈنمارک کی معلومات کے لئے، وقتاً فوقتاً وہ مشرق حالات پر رسائل اور اخبارات مین مضامین لکھا کرتے ہین،

مہرین کے جانشین مسٹر کے، بول نے سامیون کی تاریخ اور زبان کے متعلق بیش بہا خدمات انجام دی ہین، وہ خصوصیت کے ساتھ عبرانی اور عربی زبان سے دلچسپی رکھتے ہین، توراۃ پر ان کی متعدد شرحین ہین، علم نحو، تاریخ یہود اوران کے ملک کے جغرافیہ پر بھی کئی تصانیف ہین، اُنکی مشہور تصانیف مین عربی اور عبرانی زبان کا لغت ہے، انکی ایک تالیف "سیرت محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، جو براہ راست عربی کتابون اور محدثین (کرام) کی تصنیفات سے ماخوذ ہے، اور جو ۱۹۰۳ء مین ڈنمارک کی زبان مین شائع ہوئی ہے، حضرت علیؓ کی بھی سوانح حیات لکھی، اور قرآن (شریف) کے متعدد پارون کا ترجمہ ڈنمارک کی زبان مین کیا،

پروفیسر ڈبلو ایم شمیٹ اشور (اسیریا) اور مصر کے قدیم آثار پر کامل عبور رکھتے تھے، انھون نے اشور اور مصر کی تاریخ کے ساتھ چند کتبے شائع کئے جو آج تک ہمارے یہان عجائب خانہ مین محفوظ ہین، اور قدیم عمارات کے حالات لکھے،

ایچ او، لانگ نے مصری علم آثار پر چند ایسے مضامین لکھے جن سے مشکلات کا حل ہوتا ہے،

بہتر ہے کہ ہم مشہور ماہر لغت ڈبلو تھامسن کے خدمات کو بھی نظرانداز نہ کرین جنھون نے قدیم ترکی کتبون کو حل کر کے ترکی لٹریچر مین کافی ترقی دی، ڈبلو، گرونبیچ نے چند مباحث ترکی تلفظ اور لہجون پر شائع کئے، آج کل پروفیسر اسٹروپ ہماری یونیورسٹی مین ترکی زبان کی تعلیم دیتے ہین،

ہمارے یہان جس ہمت وحوصلہ کے ساتھ مشرقی زبان کی تعلیم کا انتظام ہے اس کا پتہ ہمارے یہان سے پروفیسرون کی تعداد سے لگایا جاسکتا ہے ان دو پروفیسرون کے علاوہ جو قدیم عبرانی

زبان پر درس دیتے ہین، یونیورسٹی مین اس وقت پروفیسر اندرسن، ہندوستانی زبانون کی تعلیم مین مصروف ہین، اور پروفیسر آسٹروپ اسلامی تمدن کے لئے اور تیسرے پروفیسر (اس مقالہ کا مؤلف) سامی زبان کی تعلیم کے لئے ہین، امید ہے کہ عنقریب کوئی پروفیسر اشوری زبان کے لئے پروفیسر شمیٹ کی قائم مقامی کرے گا،

(مجلۃ المجمع العلمی العربی نیسان ۱۹۲۵ء)

جلد سوم

جس کے مقدمہ مین اولاً نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطۂ نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمہ الٰہی، وحی، نزول ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات و معجزات مذکور ہین جنکا ذکر قرآن مجید مین مذکور ہے، بعد ازین وہ ہین جو مستند روایات سے ثابت ہین، پھر معجزون کی غیر معتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور آخر مین وہ بشارات نبوی ہین جو صحف سابقہ مین موجود ہین اور جن کے حوالے قرآن مجید و حدیث مین مذکور ہین، اور آخر مین خصائص محمدیؐ کا باب ہے،

قیمت درجہ اول ؎۶ روپے، درجہ دوم عہ۵ روپے

تقطیع کلان تعداد صفحات ۶۱۸،

"منیجر"

سُلیمان بُستانی

ماہ گذشتہ مین مشہور ادیب سلیمان بستانی کے انتقال سے دنیائے علم وادب مین ایک بہت عظیم سانحہ وقوع پذیر ہوا ہے، مرحوم حکومت عثمانیہ کے دستوری اعلان کے بعد بیروت سے مجلس مبعوثین ترکی کے نمایندہ منتخب ہوئے، پھر بعد ترقی کرکے وزارت کے عہدے پر سرفراز ہوئے، اسی اثنا مین جنگ عظیم چھڑ گئی چونکہ مرحوم جنگ مین ترکون کے داخلہ کے مخالف تھے اس لیے اوھنین اپنے عہدہ سے دست بردار ہونا پڑا پھر ترکی کی نشاۃ جدیدہ کے بعد انگورہ تشریف لے گئے لیکن نوجوانان ترک کے اصرار کے باوجود ضعیفی کی بنا پر سیاسی میدان مین قدم رکھنے سے محترز رہے، پھر اپنے آخری وقت امریکہ کے شامی دوستون کی دعوت پر امریکہ تشریف لیگئے وہان کچھ دن بھی نہ گذرے تھے کہ پیام اجل کو لبیک کہا،

مرحوم چار قدیم اور چھ موجودہ زبانون کے ماہر تھے، اپنے عالم شباب مین بطرس بستانی اور سلیم بستانی کے ساتھ صحافت کی لائن مین کام کرتے تھے پھر ان دونون کی وفات کے بعد دائرۃ المعارف کے اتمام مین مصروف ہوگئے، لیکن صرف چند اجزاء لکھے، مرحوم کا سب سے نمایان علمی کارنامہ مشہور یونانی شاعر ہومر کی "الیڈ" کا عربی نظم مین ترجمہ ہے جو ۱۲۶۰ صفحون مین تمام ہوا ہے، اور شروع مین ۲۰۰ صفحے کا ایک مقدمہ ہے جس مین تاریخ الیڈ، "الیڈ" کا عربون کے ہاتھ آنا اور عربی اور یونانی شاعری کا موازنہ وغیرہ جیسے مباحث سپرد قلم کئے ہین،

ترجمہ کے دوران مین مصر، عراق، ہندوستان، قسطنطنیہ، یونان اور دیگر ممالک یورپ اور امریکہ وغیرہ کی سیاحت مین مصروف تھے، اس سلسلہ مین مختلف ممالک خصوصاً یونان اور قسطنطنیہ کے ادبا رد

علما رکی خدمت مین البدء کا ترجمہ پیش کرکے تبادلۂ خیالات کرتے رہے،

(الہلال مصر)

جامع عمرو بن العاص

مصر کے اس سب سے قدیم جامع مسجد کی تعمیر ۲۱ھ (۶۴۲ء) مین حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر کی نگرانی مین انجام پائی، اس کا سنگ بنیاد چار صحابہ حضرت ابوذر غفاری حضرت ابو بصرہ، حضرت محمد بن جزئی زبیدی اور منبہ بن صواب مہری کے مقدس ہاتھون سے رکھا گیا،

اس کی تعمیر اوّل کے وقت اس کا طول ۵۰ اور عرض ۳۰ گز تھا پھر ۲۱۲ھ مین اس کی وسعت ۱۹۲ اور ۱۵۰ گز ہوگئی اور اب ۱۸۰ اور ۱۲۰ میٹر ہے (ایک میٹر ایک گز ۳ گرہ کا ہوتا ہے)

امیر اسامہ بن یزید نے جامع مسجد کے اندر بیت المال کا دفتر قایم کیا اور ۳۰۳ھ مین وزیر ابو الفرج یعقوب بن کلس نے بیت المال کی عمارت کے سامنے ایک فوارہ بنوا دیا، پانی پینے کیلئے رخام کے مٹکے بھی نصب کئے،

آٹھوین صدی ہجری مین جامع مین ۳۷۰ ستون تھے جن مین سے "عمود مسجون" اور محراب کے دو ستون، اور مغربی دروازے کے ستونون کے متعلق عامۃ الناس مین عجیب و غریب خرافات پھیل گئے تھے جنکی بنا پر وہ لوگ ان کے ساتھ طرح طرح کی حرکتین کرتے تھے، وزارت اور دیوان اوقاف نے ان حرکات کے سدباب کیلئے مختلف زمانون مین ان ستونون کو لوہے کی چادر سے گھیر دیا،

۱۲۱۲ھ مین امیر مراد بک نے زر کثیر صرف کرکے اس مسجد کی دوبارہ تعمیر کی اس کے بعد فرانسیسیون نے مصر پر حملہ کیا اور اس سلسلہ مین جامع عمرو کی تخریب و انہدام کے جو جو واقعات رونما ہوئے وہ ارباب تاریخ سے پوشیدہ نہین، ۱۲۹۲ھ مین دیوان اوقاف نے اس کی تھوڑی بہت دوبارہ

مرمت کی، پھر ۱۹۲۳ء میں ایک انجمن "لجنۃ حفظ الآثار العربیہ" کے نام سے قائم ہوئی جو جامع عمرو کی تجدید و مرمت کی طرف متوجہ ہوئی لیکن اپنی مالی مجبوریوں کی بنا پر کوئی نمایان خدمت انجام نہ دے سکی،

اب شاہ مصر نے اس طرف توجہ کی ہے، اور ان کا قصد مصمم ہے کہ اس مسجد کو اس کی اصلی شان و شوکت پر دوبارہ لے آئین، بلکہ ان کا یہ قصد ہے، کہ اس کی قدیم تعمیر مین بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے بعینہ قدیم عمارت دوبارہ قائم ہو جائے، تاکہ اس طرح مسلمانون کی ایک قدیم یادگار بھی باقی رہ سکے، چنانچہ شاہ مصر نے ان معمارون کے لئے تین انعامات کا اعلان کیا ہے، جو ایسی تعمیر کرین کہ قدیم عمارت کا نقشہ دوبارہ قائم ہو جائے، پہلا انعام ۲۵۰۰ پونڈ دوسرا ۱۰۰۰ پونڈ اور تیسرا انعام ۵۰۰ پونڈ کا ہے،

جامع عمرو سے صرف ادائے نماز کا کام نہین لیا گیا بلکہ یہ علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت کا ایک مرکز بھی تھی، اس مین سب سے پیشتر ۳۸ھ (۶۵۸ء) مین سلیم بن عنزت تجیبی وعظ کہا کرتے تھے پھر ۱۹۲ھ (۸۰۹ء) مین جب امام شافعی مصر پہونچے تو انھین اس مین درس و تدریس کے ۱۰۰ زاویے ملے امام شافعی نے بھی انھی مین سے ایک زاویہ منتخب کر لیا، مقریزی کا بیان ہے کہ عبد الرحمٰن ابن الصائب نے جامع مین درس و تدریس کے چالیس سے زیادہ حلقے پائے، یہ نظام مصر کی عام وبا ۷۴۹ھ (۱۳۴۸ء) تک قائم رہا

جب مصر مین حکومت فاطمیہ کا دور آیا تو خلیفہ فاطمی رمضان کے جمعون کی نماز چار مسجدون مین اس بنا پر پڑھنے لگا کہ جس مسجد مین خلیفہ نماز پڑھتا لوگ اسی مین دور دور سے آکر شریک ہوتے تھے، اس لئے اس نے رمضان کے پہلے جمعہ کی نماز مسجد قاہرہ دوسرے جمعہ کی جامع حاکم تیسرے کی جامع ابن طولون اور آخری جمعہ کی جامع عمرو بن العاص مین پڑھتا، اس کی اس تقسیم سے

جامع عمرو کی رونق مین کمی آگئی،

پھر شہر فسطاط کے برباد ہو جانے کے بعد جامع عمرو ایک صدی تک خالی پڑی رہی صرف رمضان کے آخری جمعہ کی نماز لوگ اسی مین پڑھا کرتے تھے،

جب محمد علی پاشا مصر پر حاکم ہوئے، تو انھون نے جمعہ کی نماز مثل سابق جامع عمرو مین پڑھنی شروع کر دی اور اس پر ایک وقف بھی کر دیا جس سے خطیب اور موذن کی تنخواہین وغیرہ نکلتی تھین،

اور اب چند دنون سے خود شاہ مصر جامع عمرو کی طرف متوجہ ہوئے ہین، جس سے اس کی رونق مین اور زیادہ اضافہ ہو گیا ہے، کیونکہ شاہ مصر کے ساتھ قاضی القضاۃ، شیخ الازہر، مفتی، علماء، وزراء اور دیگر اعیان مصر و عامۃ الناس سب کے سب اسی مین نماز پڑھتے ہین،

امید ہے کہ شاہ مصر کی اس عنان توجہ سے مسلمانون کی ایک قدیم مقدس یادگار کا احیا ہو جائیگا

"الہلال مصر"

مدرسہ طبیہ مصر

جب محمد علی پاشا کے زمانہ مین مصری فوج جدید طریقون پر آراستہ ہو گئی تو انھون نے فوج مین ایک طبی جماعت کی ضرورت محسوس کی جو فوجی ضروریات مین کام آسکے،

اس مقصد کے حصول کے لئے یورپ سے چند ڈاکٹر طلب کئے گئے، سب سے پہلے ڈاکٹر کلاٹ بک فرانس سے ۱۸۲۵ء مین مصر پہونچے، ڈاکٹر محمد علی اور فوجی جراحون کے علی افسر کے ساتھ کام کرنے لگے، لیکن اس طریقہ کار سے حالات سدھر نہ سکے اس لئے ڈاکٹر کلاٹ بک نے نظارت حربیہ کے سامنے فرانسیسی طرز عمل پر ایک طبی مجلس بنانے کی تحریک پیش کی جو فوجی شفاخانون کو بحسن و خوبی چلاسکے چنانچہ پانچ اشخاص کی ایک مجلس طبی مرتب ہوئی جو ڈاکٹر، جراحون اور کمپونڈرون

پر مشتمل تھی، اور اس مجلس کی اعانت کیلئے چند دیگر فرانسیسی ڈاکٹرون سے استدعا کی گئی، پھر فوجی شفاخانون کا ایک نظام مرتب کیا گیا جسمین مقامی اور منتقل ہونے والے دونون طرح کے ہسپتال تھے، اس تیسرے نظام کے بعد "شفاخانہ ابی زعبل" مقامی ہسپتال کے نمونہ کی حیثیت سے قائم کیا گیا،

ڈاکٹر گلاٹ کا بیان ہے کہ اس کے بعد انھون نے ایک طبی مدرسہ کی بنا ڈالنے کی تحریک پیش کی تاکہ اس مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ کی ایک کافی تعداد فوجی خدمات انجام دے سکے، محمد علی پاشا نے ڈاکٹر گلاٹ کی تحریک پر فروری ۱۸۲۶ء مین "شفاخانہ ابی زعبل" مین ایک مدرسہ طبیہ کے افتتاح کا حکم صادر کیا، اس کے ساتھ کمپونڈری کی تعلیم کے لئے ایک اور مدرسہ کا الحاق کیا گیا، پھر دایہ کی تعلیم کے لئے دس سوڈانی عورتون کا داخلہ بھی عمل مین آیا، اور ان کے ساتھ دو حرم کی دائیان بھی داخل کی گئین تاکہ وہ دونون اس خاص درجہ مین فن ڈاکٹری اور سرجری کی تعلیم حاصل کرسکین، جو ۱۸۳۱ء مین کھولا گیا تھا،

مدرسہ مین سو از ہری طالب علمون کا داخلہ ہوا اور ان طالب علمون کی تمام ضروریات زندگی کی کفالت وسیع پیمانہ پر منظور کی گئی، ان کے طریقۂ تعلیم کا ایک نہایت مکمل پروگرام تیار کیا گیا، دس دس طالب علمون کی ایک جماعت بنائی گئی جو ایک ایک پروفیسر کے سپرد ہوئی،

اسی طرح کمپونڈری کے اسکول کیلئے چودہ پندرہ سال کے بچون کا داخلہ منظور کیا گیا، انھین پہلے مبادی حساب ہندسہ ہیئت اور تاریخ کی تعلیم دیجاتی اس کے بعد کمپونڈری پڑھائی جاتی،

پھر کالج پانچ برس کے بعد اس شفاخانہ سے منتقل ہو کر "قصر عیسی" مین آگیا اور آج تک اسی مین قائم ہے، آج سے کچھ دن پیشتر حکومت نے اسے "جزیرۃ الروضہ" مین منتقل کرنے کا اعلان کیا تھا، اور اس کیلئے کچھ ضروری سامان بھی کر لئے گئے تھے کہ یکایک یہ ارادہ فسخ کر دیا گیا، پھر یہ تجویز

پاس ہوئی ہے کہ اس کے لئے "عباسیہ" مین عمارت تعمیر کی جائے، قیام مدرسہ کے بعد اس کے سامنے دو اہم مسئلے پیش ہوئے ایک زبان کا مسئلہ اور دوسرا تشریح اجسام کا، ڈاکٹر گلاٹ نے نہایت ہوشمندی سے یہ دونون مسائل طے کر دئیے، زبان کا مسئلہ یون حل ہوا کہ ہر یورپین پروفیسر کے لئے ایک ایک مترجم مقرر ہوا، پروفیسر پہلے اس مترجم کو اپنا لکچر سناتا اور سمجھاتا، پھر دونون طلبہ کے سامنے آتے اور مترجمین ایک ایک جملہ کا ترجمہ عربی مین کرتے جاتے جسے طلبہ اپنی اپنی کاپیون پر نقل کرتے جاتے،

پھر تشریح اجسام کا مسئلہ علمارِ کبار کے فتویٰ جواز سے حل ہوا، ابتدار مین تشریح کی تعلیم خفیہ طریقون سے دیجاتی رہی، جب ان طلبہ کو مذہبی حیثیت سے کامل اطمینان ہوگیا تو اس کی تعلیم کھلے بندون جاری ہوگئی،

ڈاکٹر گلاٹ کے عہد مین کالج کا نصاب تعلیم یہ تھا،

(۱) طبعیات، کیمسٹری اور نباتات کے اصول، (۲) علم التشریح، (۳) آپریشن، (۴) پتھالوجی یعنی علم ترکیب الادویہ، وطریقہ مطب (۵) مادہ طبیہ (۶) حفظان صحت وطب شرعی، (۷) کمپونڈری،

دایہ کے زیر درس ذیل کے علوم تھے،

(۱) قواعد زبان عربی، (۲) فن تولید، (۳) حاملہ، زچہ اور چھوٹے بچون کی نگہبانی کے طریقے (۴) مخصوص امراض نسوانی کا علاج (۵) اپریشن کے مبادی (۶) پچھنا لگانا اور چیچک کے ٹیکے لگانا، (۷) اُن دوائیون کا علم جو روزمرہ استعمال مین رہتی ہین،

مدرسہ کے بجٹ اور طلبہ کی تعداد کی تفصیل یہ ہے:-

۱۸۳۹ء مین (محمد علی پاشا کا آخری زمانہ) مدرسہ کا بجٹ ۶۰۲۴ پونڈ تھا، طلبہ ۲۹۷، اساتذہ ۲۴،

اور خدام ۱۰۱ تھے،

عباس اوّل کے زمانہ مین بجٹ ۳۸۱۰ پونڈ اور طلبہ ۱۲۷ تھے، سعید پاشا کے زمانہ مین طلبہ کی تعداد گھٹ کر ۶۹ ہو گئی، پھر ۱۸۶۳ء سے ۱۹۱۴ء تک طلبہ کی تعداد ۵۰ سے ۱۰۰ اور ۱۰۰ سے ۲۷۰ تک گھٹتی بڑھتی رہی،

ذیل مین ایک نقشہ دیا جاتا ہے جس سے ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۲ء تک کے ہر سال کے طلبہ اور فارغ التحصیل کی مجموعی تعداد معلوم ہو گی،

سنہ	ڈاکٹری		کمپونڈری	
	طلبہ	فارغ التحصیل	طلبہ	فارغ التحصیل
۱۹۱۳	۲۴۴	۲۶	۱۴	۰
۱۹۱۴	۲۳۸	۳۱	۲۰	۲۰
۱۹۱۵	۲۳۷	۲۶	۲۴	۲
۱۹۱۶	۲۶۶	۲۷	۳۱	۵
۱۹۱۷	۲۷۱	۳۹	۳۱	۹
۱۹۱۸	۲۳۷	۲۴	۳۰	۱۰
۱۹۱۹	۲۳۶	۴۲	۳۶	۶
۱۹۲۰	۲۳۴	۶	۳۲	۱۱
۱۹۲۱	۲۶۸	۵۰	۳۹	۰
۱۹۲۲	۳۲۹	۰	۰	۰

خدیو اسمٰعیل کے زمانہ سے ۱۹۲۰ء تک دایہ کی تعلیم حاصل کرنے والی عورتوں کی تعداد ۲۰-۳۵ کے درمیان رہی

اخبارِ علمیہ

ڈاک خانے کے ٹکٹ اس محکمہ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہین اور عام اشخاص کا خیال ہے کہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ محکمہ کو بتا دیا جائے کہ مکتوب کا خرچ ادا کر دیا گیا ہے، لیکن گذشتہ صدی کے آخری حصہ سے ان ٹکٹون سے دوسرے کام بھی لئے جانے لگے ہین اور ان سے اس محکمہ اور حکومت کو بہت زیادہ فوائد حاصل ہوئے ہین، بعض ٹکٹون مین قدیم تصاویر، بہترین مضمون کی تصاویر شائع کرکے ان کو عام ہاتھون تک پہنچا دیا، فرانس نے اپنے یہان کے سالانہ کھیلون کو مقبول عام بنانے کے لئے ان کے مناظر کے ٹکٹ شائع کئے، لیکن ان سب سے بڑھکر ان ٹکٹون سے جو فائدہ اٹھایا جا رہا ہے وہ اشتہار کا ہے، سب سے پہلے امریکہ نے اسکی ابتدا کی اور سوئیزرلینڈ نے اپنے ٹکٹون مین اپنے حسین ملک کے مختلف مناظر کو ٹکٹون کے ذریعہ تمام دنیا مین پھیلا کر اس کو ایک بین الاقوامی آرام و آسائش گاہ بنا دیا، اب اس محکمہ نے کارخانون سے بھی ٹکٹ کے لئے اشتہارات لینا شروع کئے ہین اور اس طرح ہزارون روپئے مفت مین آجاتے ہین،

انگلستان کی مردم شماری کے متعلق بعض نہایت دلچسپ اعداد و شمار شائع ہوئے ہین، اور ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بے جوڑ شادیان صرف ہندوستان ہی کے لیے لعنت نہین ہین بلکہ متمدن یورپ بھی اس مین گرفتار ہے،

سب سے زیادہ معمر جوڑے تین ہین، (۱) ۹۸ سال کا شوہر اور ۹۵ سال کی بیوی ہے اور دونون کی عمر کا مجموعہ ۱۹۳ ہے، (۲) شوہر ۹۰ سال اور بیوی ۹۵ سال، (۳) شوہر ۹۹ سال بیوی

۹۳ سال،

(۲) سب سے کمسن جوڑے بھی تین ہین، ان مین شوہر اور بیوی دونون ۱۶، ۱۶ سال کے ہین، سب سے معمر شوہر کی عمر ۹۹ سال ہے اور بیوی کی ۹۰ سال ہے، سب سے کمسن شوہر کا سن ۱۵ سال ہے اور سب سے کمسن بیوی کی عمر بھی ۱۵ سال ہے، لیکن ان سب سے زیادہ دلچسپ وہ شادیان ہین جو عمرون کی تفاوت کو ظاہر کرتی ہین،

شوہر	بیوی	شوہر	بیوی
۲۰ سال	۹۰ سال	۲۰ سال	۹۵ سال،
″ ۶۸ ″	″ ۱۵ ″	″ ۸۱ ″	″ ۱۸ ″
″ ۸۳ ″	″ ۲۰ ″	″ ۸۸ ″	″ ۲۲ ″

یورپین خواتین کا ذوق سیاحت اور شوق تحقیق ہمارے مردون کے لئے قابل عبرت ہے،

حال ہی مین لارڈ اورفورڈ کی صاحبزادی ڈارتھی ملزنے کردستان، عراق، وغیرہ کا طویل سفر صرف اس لئے اختیار کیا تھا کہ وہ وہان جاکر یزیدی فرقہ کے حالات کا مطالعہ کرین، یزیدی حلب سے پانچ سومیل فاصلہ پر رہتے ہین ان کے اعتقادات مین عہدنامۂ قدیم کی اکثر باتین موجود ہین، یزیدی مور کی مورت کی پرستش کرتے ہین، ان کا خیال ہے کہ شیطان جب جنت سے نکالا گیا تو اس نے مور کی صورت اختیار کرلی تھی،

انسان کے تجربات جیسے جیسے بڑھتے جاتے ہین، اوس کے خیالات مین بھی تبدیلی ہوتی جاتی ہے، ڈاکٹرون کا عام خیال یہ تھا کہ ایک مرض کا بہترین علاج وہی شخص کرسکتا ہے جو اس مرض کا مخصوص ماہر ہو، لیکن اب یہ نظریہ باقی رہتا نظر نہین آتا، امریکہ کے ڈاکٹرون کی رائے ہے،

کہ ایک عضو کی بیماری کے معنی یہ ہین کہ تمام دوسرے اعضا بھی اس سے کم و بیش متاثر ہوتے ہین، اسلئے ایک مریض کے لیے ضروری ہے کہ اوسے ہر مرض وہر عضو کے ماہر خصوصی کی توجہ حاصل ہو، چنانچہ انھون نے اسی خیال کو مدنظر رکھکر یہ طے کیا ہے کہ اب ہر مرض کا شفاخانہ الگ الگ نہ ہو بلکہ ایک ہی جگہ ہو، تاکہ مریض کو تمام ماہرین کی متفقہ مدد مل سکے، اس لئے انھون نے واشنگٹن مین ایک نیا عظیم الشان اسپتال بنایا ہے، اس مین ان کا کالج بھی ہے اور ہر مرض کے تحقیقات کا کام بھی ہوتا ہے،

متمدن مغرب مین امریکہ کو دولت، علم، تجارت، تہذیب، وغیرہ کے لئے خاص امتیاز حاصل ہے، یورپ کا شاید ہی کوئی ملک ہوگا جسکی گردن اس کے بار قرض سے جھکی ہوئی نہ ہو لیکن وہان کی اخلاقی حالت تمام دنیا سے بدتر ہے، اس کا ثبوت وہان کے ایک ذمہ دار انشاپرداز کے قلم کی چند سطرین دینگی وہ لکھتا ہے کہ "ہم اہل امریکہ اپنی زندگی کے چند حالات سے صحیح طور پر خائف ہین جہان ایک طرف ہماری دولت اور ہمارا اطمینان تمام دنیا سے بڑھا ہوا ہے وہین ہمارے جرائم کی تعداد متمدن دنیا کی تاریخ مین اپنی مثال نہین رکھتی، اور عہد موجودہ کے ہر ملک سے بہت زیادہ ہے، سنہ ۱۹۲۱ء مین تمام انگلستان مین، ۹ قتل ہوئے لیکن امریکہ کے صرف ایک شہر نیویارک مین انکی تعداد، ۲۷ تھی اسی طرح گذشتہ سال لندن مین، ۲ قتل ہوئے اور ان کے مقابلہ مین نیویارک کی تعداد ۲۷۲ ہے۔ . . . . . "

کیا اب بھی ہم اس تمدن کے برکات کی بارش کے متمنی رہین گے،

ہوائی جہازون کے ذریعہ جو تصاویر لیجاتی تھین وہ صاف نہین ہوتی تھین اور نہ ان سے نقشہ صحیح طور سے بنایا جاسکتا تھا لیکن اب بعض موجدین نے اس مشکل کو بھی حل کر لیا ہے اور ہر قسم کی

صحیح تصاویر لیجا سکتی ہین،

ماہرین ارضیات کا خیال تھا کہ جس وقت چٹانین ابتداءً بننا شروع ہوئی ہین، اس وقت دنیا مین کوئی جاندار شے موجود نہ تھی، مگراب ڈاکٹر جان ڈبلو، گروزنے دعویٰ کیا ہے کہ اس وقت بھی جاندار مخلوق تھی، انھون نے تجربہ اور مشاہدہ سے بتادیا کہ قدیم ترین پتھرون مین وہ جراثیم موجود ہین جو حیاتی مخلوق کی ابتدائی صورت تھی،

انسان اندنون کیڑون کی دنیا مین رہتا ہے کہ اس وقت اُنکی کم ازکم ۳ لاکھ قسمین موجود ہین، جب انسان نے کھیتی شروع کی تو اسے ٹڈیون سے واسطہ پڑا، وہ اتنی بڑی فوج کے ساتھ آتی ہین کہ آفتاب چھپ جاتا ہے اور سرزمین سے اُگی ہوئی چیز اس طرح تباہ کرتی ہین کہ گویا کسی نے ایک بڑی مشعل سے سب کو جھلسا دیا ہی، جمہوریہ ارجنٹائن مین تو ہر وقت ان کے حملہ کا خطرہ رہتا ہے اسی لیے وہان ایک خاص محکمہ انکی مدافعت کے لیے قائم ہے، گذشتہ سال اس محکمہ نے ... ۵۰۳ ٹن ٹڈیون کا شکار کیا تھا، لیکن قدرت اس سے بھی بڑی مہربان ہے اور اب ایک ایسے کیڑے کا پتہ چلایا ہے جو اڑکر ٹڈیون تک پہنچتا ہے اس کے پرون کے اندر انڈے دیتا ہے اس سے جو بچے نکلتے ہین ان مین اتنا زہر ہوتا ہے کہ ان کے کاٹنے سے ہی ٹڈی فوراً مرجاتی ہے اور اس طرح ان کا خاتمہ ہوجاتا ہی،

امریکہ مین آتشزدگی سے نقصانات کا سلسلہ برابر بڑھ رہا ہی اور ۲۰ سال کے اندر تقریباً تگنا ہوگیا ہی،

سنہ ۱۹۰۳ء ۱۴۵۳۰۲۱۵۵ ڈالر، سنہ ۱۹۱۳ء ۲۰۳۷۶۳۵۵۰ ڈالر، سنہ ۱۹۲۳ء ۵۰۳۵۳۷۶۷۸۲ ڈالر

خیالاتِ عزیز

(جناب عزیز لکھنوی)

دیکھنا اوس کی طرف بیسود ہے ۔ رنگ رخسار آفتاب آلود ہے

تاب کس کو داستانِ دل سنے ۔ حرف حرف عشق خون آلود ہے

ایک اک ذرہ پہ عبرت کی نظر ۔ یہ نشانِ ہستی بے بود ہے

بوئے خون آتی ہے نالوں سے مرے ۔ گفتگوئے دل جگر آلود ہے

انحصار سر زمین کعبہ کیا ۔ ایک اک ذرہ یہان مسجود ہے

کوچۂ قاتل مین اللہ رے ہجوم ۔ ہر طرف سے راستہ مسدود ہے

حسن ہی اک شعلۂ پر پیچ و خم ۔ میری ہستی ایک موج دود ہے

ظلم اتنے انتہا جس کی نہین ۔ پھر بھی اوس سے دل مرا خوشنود ہے

خاکِ ارباب وفا سے محترز ۔ دیکھ لے دامن غبار آلود ہے

بے مدد دل سے دماغی کام مین ۔ بیخبر دنیا تری محدود ہے

محفل دنیائے فانی رات دن ۔ زمزمہ سنج ہو الموجود ہے

سانس کا باقی ہے جبتک سلسلہ ۔ عافیت دل کے لیے مفقود ہے

تو ملجائے تو پھر کیا چاہیئے ۔ اور کیا تیرے سوا مقصود ہے

تنگ ہے ملنا ترا کیا قبل موت　　　خلقتِ دنیا مگر بے سود ہے؟

کشتۂ صد تیغ ناکامی عزیز　　　شکر ہے حاسد نہین محسود ہے

جذباتِ ہادی،

جناب سید محمد ہادی مچھلی شہری وکیل علی گڈھ،

ہو بھلا کیونکر زبان کو حوصلہ تقریر کا　　　زندگی میری ہے نقشہ عالمِ تصویر کا

رائیگان ثابت ہوئی فرہاد کی ہر جد و جہد　　　اک پیامِ مرگ ہر قطرہ تھا جوئے شیر کا

ایک دنیائے فراغت ہو وہی میرے لیے　　　لوگ کہتے ہین جسے حلقہ مری زنجیر کا

خونِ دل ٹپکے نہ کیون بنکے اشکِ انبساط　　　زخم نے مدت مین منھ دیکھا ہی اسکے تیر کا

اعتبارِ جذبِ دل کے حوصلے تو دیکھیے　　　دیکھتا ہون نقشِ پا اٹھ اٹھ کے ہر رہگیر کا

میرا ہر انداز ہے افسانۂ رنجِ فراق　　　میری خاموشی مین بھی اک لطف ہی تقریر کا

اعتبارِ کاوشِ غم کا تماشا دیکھیے　　　ہر نظر پر اسکی دھوکا تھا مجھے اک تیر کا

ابتو ہے ہر اشک سے ظاہر شکستِ دل کا رنگ　　　ابتو ہے ہر آہ اک شکوہ مری تقدیر کا

رسمِ پابندی رہائی مین بھی کرتا ہون ادا　　　خواب اکثر دیکھتا ہون خانۂ زنجیر کا

کون ہے میرے سوا دنیا مین ناکامِ حیات　　　غم مجھی کو دیدیا اورون کی بھی تقدیر کا

نیش و نوشِ زندگی دونون ہین اسکی آنکھ مین　　　مل رہیگا خیر جو کچھ ہے مری تقدیر کا

خوفِ رسوائی مجھے رہنے نہ دیتا چین سے　　　خیر پورا ہو گیا لکھا مری تقدیر کا

ہے مری افتادگی کی بھی عجب مشکل مین جان　　　دیکھتا رہتا ہون منھ مڑ مڑ کے ہر رہگیر کا

غم نصیبی کے تقاضون کا نتیجہ یہ ہوا　　　وہ بھی آخر کر اٹھے شکوہ مری تقدیر کا

مین تو ہادؔی لیکے آیا تھا ازل سے عمرِ شمع　　　میرا جینا بھی ہے اک دھوکا مری تقدیر کا

اوراقِ پارینہ

صمدنیات

از

مولوی سید مقبول احمد صاحب رضوی، ایم آر اے ایس، ایف ار ایس اے

(۹)

دیوانِ آفتاب، یا نوائے بے نوا

ظہیر الدین بابر سے لیکر ابو ظفر بہادر شاہ تک تمام مغل سلاطین صاحب سیف و قلم رہے ہین جنکی جنگ آزمائی و ملک گیری و معدلت گستری کی شاندار یادگارون کے ساتھ ساتھ، ان کی انشا پردازی، معجز نگاری و تاریخ نویسی کے لازوال کارنامون سے صفحات عالم مالامال ہین،

ابو المظفر مجاہد الدین محمد شاہ عالم بادشاہ اس زینہ کی سولھوین سیڑھی پر تھا، جس قطعۂ خاک پر بیٹھ کر ذیل کی غزل اس نے لکھی تھی اسی کے ایک گوشہ (صمدن ضلع فرخ آباد) مین وہ آج تک محفوظ ہے، اس کا کلام کچھ تو شعرا کے بعض تذکرون مین پایا جاتا ہے اور کچھ اشعار پرانے لوگون کی زبان پر باقی ہین، لیکن کتب خانہ صمدن کو ان بہت سے (فارسی و ریختہ کے) کلمات خسروانہ کی نگہداشت و حضانت کا فخر و شرف حاصل ہے جو طبع و اشاعت کی گرانباری سے اب تک آزاد و محفوظ چلے آتے ہین،

کہتے ہین کہ انسان کی زبان دل کا آئینہ ہے اور رازہائے فطرت کی بہترین ترجمان، شاہ عالم کی اکثر غزلین اسکی سرگذشت مظلومی اور پرمصائب سوانح حیات[۱] کی بولتی ہوئی تصویرین ہین، اسکی یہ رباعی زمانۂ شہزادگی

[۱] بعض ضروری تاریخین اور واقعات ۔ ولادت ۱۷ ذیقعدہ ۱۱۴۰ھ (۱۵ جون ۱۷۲۸ء) ۔ دہلی سے نکلنا ۱۱۷۲ھ ۱۷۵۸ء

کی مشہور ہے ؎

صبح اٹھ جام سے گذرتی ہے ، شب دلآرام سے گذرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے ، اب تو آرام سے گذرتی ہے

انحطاط شباب تھا کہ اسکو اپنے باپ (عزیزالدین عالمگیر ابن جہاندار شاہ) کے سایۂ شفقت اور ماے زینت محل (رانی بلال کنور) کی آغوش عاطفت سے جدا اور شاہ جہان آباد کیسے مہد عیش وعشرت سے دور ہونا پڑا، سہارن پور، فرخ آباد، بدایون، بریلی، لکھنؤ کی سرزمین نے اسکی آوارہ گردی وخاک بیزی کے لیے دامن پھیلا دیئے، عظیم آباد (پٹنہ) مین میر جعفر کے غاشیۂ دولت یا خوانِ نعمت سے زلہ ربائی کر رہا تھا کہ یکایک تقدیر الٰہی نے پلٹا کھایا، اور ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ء) مین عالمگیر ثانی نے اپنے وزیر عماد الملک کے ہاتھون دلی مین جامۂ خونین زیب تن کیا، شاہزادہ نے جواب تک عالی گوہر تھا، مین (عظیم آباد مین) اپنے بادشاہ ہونے اور شاہ عالم لقب اختیار کرنے کا اعلان کیا، پھر عمداً یا بادل ناخواستہ نواب شجاع الدولہ وزیر کی قیادت وسرکردگی مین ایسٹ انڈیا کمپنی سے بکسر مین معرکہ آرائی کی اور شکست کھائی، اس پر شبیت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ بیچارے کو اپنے فریق مقابل کے ایک رکن یعنی مظفر ومنصور میجر منرو کو شقہ تہنیت قلم خاص سے لکھنا پڑا، اوسی فتحمند فوج کے پیچھے پیچھے وہ کمال الحاح والتیام کے ساتھ الٰہ آباد آیا اور دس گیارہ سال تک کمپنی کا (جو بیس لاکھ سالانہ کا) پنشن خوار بلکہ (حقیقتاً) کرنل اسمتھ کی قید وبند مین (قلعہ الٰہ آباد مین) گرفتار رہا، تین سرسبز وسیر حاصل صوبے (بنگال، بہار،

---

۴ اعلان تخت نشینی ۵ جمادی الاول ۱۱۷۳ھ (۲۵ دسمبر ۱۷۵۹ء) جنگ بکسر ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۷۸ھ (۲۳ اکتوبر ۱۷۶۴ء)۔ عطائے سند دیوانی بنگال وبہار واڑیسہ ۱۳ صفر ۱۱۷۹ھ (۱۲ اگست ۱۷۶۵ء) قیام الٰہ آباد تا ۱۱۸۵ھ۔ داخلہ دہلی عید رمضان ۱۱۸۵ھ (۶ جنوری ۱۷۷۲ء)؛ گرفتاری بدست غلام قادر خان ومعزولی شاہ عالم وتخت نشینی شاہزادہ بیدار بخت ابن احمد شاہ ۲۲ شوال ۱۲۰۲ھ (۲۶ جولائی ۱۷۸۸ء)؛ کور شدن شاہ عالم، ۷ ذیقعدہ ۱۲۰۲ھ (۱۰ اگست ۱۷۸۸ء)؛ باز تخت نشینی بامداد مرہٹہ ذیحجہ ۱۲۰۲ھ (ستمبر ۱۷۸۸ء)

اڈیسہ) جنکی آبادی تین کرور نفوس اور سالانہ آمدنی چار کرور روپیہ تھی ۱۱۷۹ھ (۱۷۶۵ء) مین انگریزون کے نذر کئے
تو اسیر و حبس سے برائے نام آزادی مرحمت ہوئی، سلطنت کے بارھوین سال یعنی ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ء) مین اس نے ہولکر
کی دستگیری و مساعدت سے خود کو تخت پر متمکن پایا، اس خواب مسرت سے آنکھ بھی کھلنے نہین پائی تھی کہ
وہ مرہٹون کے سخت گیر و استخوان شکن پنجہ مین اسیر ہو گیا جنکی ترکتاز کا اس زمانہ مین تقریبا سارا ہندوستان
جولانگاہ بنا ہوا تھا اور تیمور صاحب قِران کے کم ہمت و کوتاہ عقل اخلاف کے تاج و سریر جنکی دستبرد سے
پامال ہو رہے تھے شامت زدہ زندگی کی یہ منزل کسی نہ کسی طرح ختم پر آئی تو بد نصیب پر ایک اور طاقتور اور
غارتگر گروہ نے دست بیداد دراز کیا، یہ افاغنہ و ابدالی تھے جو بیگمات عُلیا اور مخدرات عظمی کے زیور اور
قیمتی ملبوسات اور لعل قلعہ کا تمام بچا کھچا نقرئی و طلائی ساز و سامان بھی لوٹ لے گئے، خود بادشاہ کے سامنے
جوان بخت جہاندار شاہ ولیعہد، مرزا سلیمان شکوہ اور مرزا اکبر شاہزادون کو لاٹھیون سے زدو کوب کرکے
قریب ہلاکت پہنچا دیا، ایک سو اسّی (۱۸۰) محلات کی نہایت بیرحمی و بے دردی کے ساتھ بے حرمتی اور
مار پیٹ کی، بیدار بخت کو شاہجہان کے تخت پر بٹھایا، چلتے چلاتے ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۸ء) مین غلام قادر خان روہیلہ کی
خنجر سے معمر و خزان رسیدہ بادشاہ کو بصارت کی دولت سے بھی محروم کرتا گیا، شاہ عالم کی زار نالیان اور اپنے
اعوان و انصار (انگریزون، مرہٹون وغیرہما) کی طرف دست تظلم بڑھا کر فریاد رسی کے لئے بلانا اوس کی
درد انگیز شاعری کا زندہ جادو ثابت ہوئین، خدا خدا کرکے مرہٹون نے بادشاہ کو اس کنج قفس سے جس مین
نابینا کرنے کے بعد غلام قادر نے بند کر دیا تھا رہائی دی، پھر جب انگریزون نے مرہٹون کی بڑھتی ہوئی طاقت
کو روکا اور انکی ملک گیری کی ہوس کو ستمبر ۱۸۰۳ء مین ختم کیا، تو جنرل لارڈ لیک کے ایک گوشۂ چشم مہر و التفات
سے دلی کے تخت پر شاہ عالم پھر ایک بار بٹھا دیا گیا، لیکن کیفیت یہ تھی کہ وہ بادشاہ جس کے پردادا کے قبضہ
مین صوبجات بنگ و دکن و قندھار وغیرہ ملا کر بیس صوبے اور ایک سو نوے سرکارین تھین اس کے
نسبت یہ مشہور تھا کہ "عملداری شاہ عالم از دہلی تا پالم" حویلی پالم دہلی سے پہلا اسٹیشن ہے،

اس کے گذارے کے لیے کسی وقت چھبیس لاکھ سالانہ ملتا تھا معقول ملک بھی چھوڑ دیا گیا تھا جس کو وہ اپنی ناعاقبت اندیشی یا سوء تدبیر سے کھو چکا تھا، ۱۸۰۶ء مین شاہی خاندان مین رشاہ عالم کے ۱۱ ودن لڑکے لڑکیان شمار وقلمبند ہوئے جنکی تنخواہ پندرہ روپیہ ماہوار فی کس مرہٹون نے مقرر کی اور خود بدولت واقبال کے اخراجات کے لئے سترہ ہزار ماہانہ، مرہٹون کے دست اقتدار سے نکالنے کے بعد سرکار انگریزی نے بارہ لاکھ سالانہ پنشن مقرر کردی تھی،

۷ رمضان المبارک ۱۲۲۱ھ (۱۹ نومبر ۱۸۰۶ء) کو اسی سال نو ماہ بیس یوم کی عمر مین اڑتالیس برس سلطنت کرنے کے بعد شاہ عالم نے اس دنیائے دنی کو خیرباد کہا اور عالم آشوب انقلابات وصعوبات سے ہمیشہ کے لیے رستگاری پائی، دہلی مین موتی مسجد کے پاس شاہ عالم بہادر شاہ کے مجرکے متصل جوار مزار خواجہ قطب الدین بختیار مین پیوند خاک ہوا،

یہ بھی خیال رکھنے کی بات ہے کہ اس کے زمانہ مین انگریزون نے انتظامات جہانبانی وامور عدالت مین اہم وقابل یادگار اصلاحات کی تھین، ناک، کان، ہاتھ کاٹنے کا دستور جو مرہٹون کے وقت مین تھا یک قلم بند کردیا گیا، قید وجرمانہ کی سزائین اس کے بجائے قائم ہوئین، ایک عضو کاٹنے کے بدلے سات برس اور دونون ہاتھ کاٹے جانے کے عوض چودہ سال کی قید مقرر کی،

شاہ عالم کو سخن اور اہل سخن سے بنہایت الفت تھی، تاج وتخت پانے کے ساتھ ہی تمام شعرائے دہلی اس کے گرد مجتمع ہوگئے تھے، مرزا جعفر علی حسرت[1] اس گروہ کے چشم ودماغ تھے، انھون نے افاغنہ کے حملہ اور پائے تخت کے تاخت وتاراج ہونے کے تمام واقعات کو اپنی آنکھون سے دیکھا اور اس کا پردرد مرثیہ نظم کیا تھا، خیرالدین الہ آبادی نے بھی انہی مصائب وآلام سے متاثر ہوکر خاندان تیموریہ کے عبرت خیز حالات کو

---

[1] لکھنوی تھے، حکیم ابوالخیر دہلوی کے خلف رشید، اور سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد. شیخ قلندر بخش جرأت، انکے خواجہ تاش تھے، بالآخر دنیا ترک کردی تھی،

" عبرت نامہ" کے نام سے قلمبند کیا ہے،

زیب دہ اورنگ و دیہیم ہونے کے بعد عالی گوہر نے "آفتاب" تخلص اختیار کیا اور اقلیم سخن پر مہر نیم روز ہو کر چمکا تھا،

از واست

کہو بلبل کو لیجاوے چمن سے آشیان اپنا	پڑھے گر صد ہزار افسون، نہ ہوگا باغبان اپنا
اُٹھا کر لیچلی بلبل چمن سے آشیان اپنا	کہا گل سے کہ ملے یہ بے وفا ہے مکان اپنا"
ہوئی جب باغ سے رخصت، کہا رو رو کے قسمت	لکھا تھا یون کہ فصل گل مین چھوڑین خانمان اپنا
ارے صیاد! یون چاہا تو جی اور جان سے حاضر	و لیکن طوق قمری کی طرح کر کے نشان اپنا
مرا جلتا ہو جی اس بلبل بیکس کی غربت پہ	کہ گل کے آسرے پر یون لٹایا خانمان اپنا
چلی جب باغ سے بلبل لٹا کر خانمان اپنا	نچھوڑا ہائے بلبل نے چمن مین کچھ نشان اپنا
نہ تو نے گل کیا اپنا نہ بلبل! باغبان اپنا	چمن مین کس طرح سیتی بنایا خانمان اپنا
یہ حسرت رہ گئی، کس کس مزے سے زندگی کرتے	اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغبان اپنا
الم کر، اس طرح روئی کہ رسوا ہو گئی بلبل	ڈوبایا ہائے آنکھون نے تمامی خانمان اپنا

مگر دل سے بنا رکھنا علی گوہر سے پیارے کو

وہ حکم شاہی رکھتا تھا، دلے تھا مہربان اپنا

یہ دو غزلین زمانہ بادشاہی کی ہین

(۱)

عاجز ہون ترے ہاتھ سے کیا کام کرون مین	کو چاک گریبان، تجھے بدنام کرون مین
رم رکھتا ہی اے تند خو! اب گو کہ تو مجھ سے	پر دیکھ تو کیسا ہی تجھے رام کرون مین

ہے دورِ جہان مین مجھے سب شکوہ تجھی سے کیون کچھ گلۂ گردشِ ایّام کرون مین،

حیران ہون، ترے ہجر مین کس طرح سے پیارے! شب روز کو اور صبح کتین شام کرون مین

آدے جو تصرف مین مرے میکدہ ساقی اک دم مین خم و خون کے خمین انعام کرون مین

مجھ کو شہ عالم کیا اس ربنے، نہ کیونکر

اللہ کا شکرانہ، اکرام کرون مین

(۲)

آنکھون مین ہر تصور صورت کا، دلربا کی دل مین ادا کبھی ہے اس نازنین ادا کی

غنچہ دہن وہ میرا بولے ہے کب کسی سے اُنّے جو ہین اشارت ہونٹھون مین مسکرا کی

آئینہ پانی پانی کیونکر نہ شرم سے ہو.. دیکھی ہے اُنّے خوبی تجھ حُسن باصفا کی

تیرے لب و دہن کی حسرت سے ہوئے اگر دو غنچے کو دلفگاری، گل کو یہ سینہ چا کی

کرتے ہین کیا قیامت شاعر جو دے ہین نسبت تجھ خوشخرام قد سے سروِ شکستہ پا کی

باندھا جو بند تم نے مین اے نگار! سمجھا کر کے بہانہ بر پا بندش لگی حنا کی

غارت کیا دل و دین، چشم سیہ نے اُنکی ہے تو تیا جو کہئے تقصیر تو تیا کی

مین چاہون تمکو پیارے تم اور سے لگاؤ عہدہ برآئی کس سے، ہو ایسے افترا کی

روشن جہان نت رہ، اے آفتاب عالم!

عالم کی جان! مین نے تجھکو یہی دعا کی

ذیل کے اشعار وہ اشک خونین ہین جو شاعر کی چشمان کو رکے بجاے اسکے دل سے لہو کے قطرے بنکر ٹپکے تھے، ایسی ہی ایک نظم اردو مین بھی ہے،

صرصرِ حادثہ برخاست پے خواریِ ما داد برباد سر و برگ جہانداریِ ما

آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم، برد در شام زوال آہ سیہ کاری ما

چشم ما کندہ شد از دست فلک بہتر شد تا نہ بینیم کہ کند غیر جہان داری ما

داد افغان بچۂ شوکت شاہی برباد کیست جز ذات مبرا کہ کند یاری ما

بود جان کاہ زر و مال جہان ہچو مرض و فع از فضل الٰہی شدہ بیماری ما

کردہ بودیم گناہے کہ سزایش دیدیم ہست مصروف کہ بخشند گنہ گاری ما

کردہ سی سال نظارت کہ مراد او بباد زود تریافتہ پاداش ستمگاری ما

عہد و پیمان بہ میان داد و نمودند دغا مخلصان خوب نمودند وفاداری ما

شیر دادم افعی بچۂ را پروردم عاقبت گشت مجوز بگرفتاری ما

حق طفلان کہ بہ سی سال فراہم کردیم کردہ تاراج و نمودند سبکساری ما

قوم مغلیہ و افغان ہمہ بازی دادند بلکہ گشتند مجوز بہ گرفتاری ما

این گدا زادۂ ہمدان کہ بہ دوزخ برود بانی جور و ستم شد بدل افگاری ما

گل محمد کہ ز مردان بہ شرارت کم نیست چہ قدر کرد وکالت پئے آزاری ما

نامراد و سلیمان و بدل بیگ لعین ہر سہ بستند کمر بہر گرفتاری ما

شاہ تیمور کہ دارد سر نسبت بامن زود باشد کہ بیاید بہ مددگاری ما

مادھوجی سیندھیہ فرزند جگر بند من است ہست مصروف تلافی ستمگاری ما

آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند چہ عجب گر بنمایند مددگاری ما

راجہ و راؤ و زمیندار امیر و چہ فقیر حیف باشد کہ نسازند بہ غمخواری ما

نازنینان پری چہرہ کہ ہمدم بودند نیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما

گرچہ ما از فلک امروز حوادث دیدیم باز فردا و ہد ایزد و سر سرداری ما

مطبوعات جدیدہ

زینت آسمان، مؤلفہ پروفیسر برکت علی صاحب ایم اے بی ایس سی و پروفیسر منہاج الدین صاحب بی اے ایم اس سی، یہ فن ہیئت مین ہے اس مین خطہ پنجاب وشمال ہند کو ملحوظ رکھکر انگریزی مہینون کی ترتیب پر ستارون کے بارہ نقشے دیئے گئے ہین، جنکے ذریعہ سے ہرماہ مین نظر آنے والے ستارے پہچانے جا سکتے ہین، اور نصف النہار کے اردگرد جو مجمع النجوم ہین انکی ہر نقشہ کے مقابل کے صفون پر تشریح وتوضیح بھی کیگئی ہے یہ امر قابل مسرت ہے کہ ستارون کے لیے وہی نام منتخب کئے گئے ہین جو عربی علم ہیئت مین ہین، عبارت صاف اور طرزبیان سلجھا ہے، ان علوم پر ہماری زبان مین شاذونادر ہی کتابین لکھی جاتی ہین، اسلیے مؤلفین ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، اور ہمدردان اردو کو انکی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے، تقطیع کلان حجم ۴۲ صفحے، کتابت وطباعت اچھی ہے، کاغذ متوسط درجہ کا ہے مؤلفین سے اسلامیہ کالج پشاور کے پتہ سے مل سکتی ہے،

سبزی ترکاری، مصنفہ جناب غلام محمد خانصاحب ایل اے جی لکچرر اگریکلچرل کالج لائل پور، جناب مصنف نے فن زراعت پر اپنی تصنیفات کا سلسلہ جاری کیا ہے یہ اس سلسلہ کا دوسرا نمبر ہے، اس مین مختلف ترکاریون مین سے ہر ترکاری کے متعلق مستقل باب قائم کرکے ہر ایک کے متعلق نوعیت زمین، دقت کاشت، طریقۂ کاشت وغیرہ بتائے ہین، جناب مصنف ادائے مفہوم مین ایک حد تک کامیاب ہوئے ہین، لیکن کتاب کے اکثر مقامات پر فن زراعت کی ہندوستانی یا پنجابی بہت سی اصطلاحین آگئی ہین، ضرورت تھی کہ ان کی توسین مین یا حاشیہ پر تشریح کردیجاتی، یا آخرمین تشریحی فہرست بڑھائی جاتی، تاکہ عام لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے، چھوٹی تقطیع حجم ۸۰ صفحے، کاغذ معمولی ہے مصنف سے پنجاب

اگریکلچرل کالج لائل پور کے پتہ سے طلب کیجا سکتی ہے،

نالۂ مشیر و کلام مشیر، یہ دونون جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر کے کلام کے مجموعے ہین، نالۂ مشیر کی اکثر غزلین خطۂ کشمیر کی سیر و تفریح کے وقت قلم سے نکلی ہین، اس لیے ان مین قدرتی مناظر اوران سے لطف اندوزی کی جھلک فطری طور پر بہت زیادہ نمایان ہے، ابتدا مین جناب قدوائی صاحب کا اڈیٹر صاحب الناظر کے نام بھیجا ہوا ایک طویل خط بھی منسلک ہے، جس مین کشمیر کے فطری مناظر کا خاکہ کھینچا گیا ہے اور دوسرے مجموعہ "کلام مشیر" کی اکثر غزلین وطن سے دور افتادہ سرزمین یورپ مین بیٹھکر لکھی گئی ہین، اسلیے وطنیت کے جذبات نمایان ہین، اور چونکہ اسکی اکثر غزلین اس وقت کی ہین جب کہ دنیا مین ہنگامہ دار و گیر جنگ برپا تھا، اسلئے محبت اسلام و خدمت اسلام کی امنگین بھی نظر آتی ہین، شیخ صاحب "اتحاد اسلامی" تحریک کے مشہور مبلغ ہین اسلیے بھی یہ چیزین ان کے کلام مین ہونی چاہئے، شیخ صاحب طبعًا شاعر نہین ہین، اس لیے شاعری کے محاسن و معائب سے قطع نظر کرکے ان کے خیالات سے فائدہ اٹھانا چاہیے ضخامت علی الترتیب ۲۰ و ۱۹۰، تقطیع چھوٹی کاغذ معمولی اور کتابت و طباعت متوسط درجہ کی ہے پتہ:- جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لاگدیہ ضلع بارہ نبکی،

پیمان وفا، جناب ایم اسلم صاحب نے تاریخی واقعات بچون کے پڑھنے کے لائق قصہ کے پیرایہ مین لکھنا شروع کیا ہے یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، پیمان وفا کا قصہ سبق آموز اور دلچسپ ہے، طرز ادا بھی صاف ہے، لیکن جناب مولف کو زبان کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے، جیساکہ "ساربان" پر تبصرہ کرتے ہوئے توجہ دلائی جاچکی ہے، خصوصًا "نے" کا استعمال بہت زیادہ قابل لحاظ ہے، مثلًا "عالیشان مکان اس نے" "رہائش کے لیے بنوائے" "ہوئے" "تھے" "جن مین لوگون نے ان کھیلون مین خاص طور پر شریک ہوکر حصہ لینا ہوتا" "بادشاہ نے" "درباری سفید لباس" "پہنا ہوا تھا"؛

حجم ۱۹۸ صفحے کاغذ اچھا ہے، کتابت و طباعت متوسط ہے، قیمت ۸ر پتہ:- نسیم بک ڈپو بازار بارود خانہ لاہور

روزنامچہ، یہ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کے روزنامچہ کا گویا دوسرا حصہ ہے، دسمبر ۱۹۲۲ء سے دسمبر ۱۹۲۴ء تک کے سوانح وحالات پر مشتمل ہے، جنمین زیادہ تر خانگی اور پرائیوٹ حالات ہین، تاہم اس سے خواجہ صاحب کی پبلک لائف کا بھی تھوڑا سا خاکہ کھنچتا ہے اور ان کے مذہبی معتقدات کا بھی اظہار ہوتا ہے، اس سلسلہ مین خواجہ صاحب کے خواب جنمین سے اکثر "مذہبی" اثر مین ڈوبے ہوتے ہین، وہ بہت زیادہ دلچسپ ہین، روزانہ حالات کے بیان مین بہت سے اشخاص کے تذکرے بھی آگئے ہین، جو آیندہ تاریخ نویس کو مدد دینگے، ضخامت ۴۴۴ معارف سائز کاغذ معمولی، سرورق بیل بوٹیون سے آراستہ ہے قیمت عہ پتہ حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی

سفرنامہ مظہری، جناب مظہر علیم صاحب انصاری رودولوی مرحوم چودہ برس تک آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور انجمن ترقی اردو کے عہدۂ سفارت پر مامور رہ چکے تھے، اس تقریب سے ان کو تمام ہندوستان کے دورہ کا موقع ملا تھا اور مسلمان شرفا، اور قصبات کو انھون نے دیکھا تھا، وہ اپنی یادداشت لکھتے جاتے تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کے برادر کرم جناب مولوی محمد حلیم صاحب انصاری مترجم تاریخ عرب نے ان کے روزنامچون کو منتخب کرکے "سفرنامہ مظہری" کے نام سے شائع کیا ہے، اس سفرنامہ مین حیدرآباد، اودھ، بہار اور صوبہ بنگال کے سفر کے حالات ہین، سفرنامہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مرحوم جن جن شہر اور قصبون مین گئے ان کی طویل فہرست، معززین سے ملاقات اور مہمان نوازی کے حالات پر اکتفا کرنے کی بجائے اس مین وہان کی جغرافی، تاریخی، علمی، اقتصادی، تعلیمی اور معاشرتی حالات پر گہری نظر ڈالی ہے، اور ہر شہر و قصبہ کے ممتاز اشخاص کے حالات بھی قلمبند کئے ہین اسلئے اس سفرنامہ مین موجودہ اسلامی ہندوستان کے اکثر صوبون کی ہوبہو تصویر نظر آتی ہے، آئندہ مورخ کے لیے یہ کتاب بیش قیمت امداد ہوگی، آج بھی اسلامی ہندوستان کو جاننے کے لئے یہ عجیب سرمایہ ہے، ضخامت ۴۷۶ صفحے، معارف سائز، کاغذ معمولی اور کتابت و طباعت متوسط ہے، قیمت عہ پتہ جناب مولوی محمد حلیم صاحب انصاری ناظم دینیات مسلم ہوسٹل یونیورسٹی الہ آباد،

دود آتشہ اس پرچہ کے معارف مین تبصرہ کیا جاچکا ہے، پتہ کا اندراج باقی رہگیا تھا، وہ یہ ہے، پتہ:- پروفیسر شیخ محمد

مجلد شانزدہم | ماہ شعبان ۱۳۴۳ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۲۵ء | عدد سوم

مضامین

گذشتہ ملکی تحریک کے سرد پڑ جانے کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک مین پھر انھین فرقہ آرائیون اور ہنگامہ زائیون کی گرم بازی ہو رہی ہے، خصوصاً مسلمانون کے لئے تو گویا نجد و حجاز کی جنگ خود ہندوستان ہی مین ہو رہی ہے، وہان اگر تیغ و تفنگ کی لڑائی ہے تو یہان حلق و زبان، اور دست و قلم کی معرکہ آرائیان ہین، وہان اگر یہ مسئلہ سیاسی اور وطنی حیثیت رکھتا ہے تو یہان دین و مذہب کی، مگر اے کاش یہ ہماری قوم کو معلوم ہو سکتا کہ ہم جنکی تائید مین مذہبی دلیلون اور حجتون سے جو جذبات ابھار رہے ہین ان کی نگاہ مین ان کی کیا وقعت ہے؟ حکومت حجاز کی دلیل دین مذہب کے ستون پر اگر قائم ہوتی تو کون مسلمان ان کی اس دلیل کو تسلیم نہین کرتا، مگر ہندوستان مین اس کے ہمدرد جانتے ہین کہ ہم عجمیون کے مقابلہ مین ان کا دعویٰ کیا ہے؟ "حجاز" حجازیون کا ہے۔ اور غیر حجازیون کو اس مین دخل کی حاجت نہین" بریدالحجاز" جو حکومت حجاز کا ارگن ہے، اس کا سرنامہ حب الوطن من الایمان ہے، کیا اگر یہ حدیث صحیح ہے تو ان کے ہندوستانی ہمدرد بھی اسکو صحیح سمجھتے ہین؟

اللہ اکبر! وہ دین جو دنیا مین قومی عصبیتون، نسلی امتیازون، اور ملکی تفرقون کو مٹانے آیا تھا اب اس کے پیرو خود ان عصبیتون، امتیازون اور تفرقون کو ذریعہ نجات، اور طریق حیات جانتے ہین، اور ہماری شامتِ اعمال اب اس حد کو پہنچی ہے کہ قلب اسلام (حجاز الاسلام) تک اب یہ عقیدہ سرایت کر چکا ہے، اور اسپر فخر ہے، لوگ چاہتے ہین کہ سرزمین عرب کو یورپ کی سیاسی غلامی سے

آزاد کیا جائے، لیکن ہم یہ خیال لیکر لوٹے ہین کہ اسکو یورپ کی دماغی اور ذہنی غلامی سے ازاد کرنا ہمارا پہلا فرض ہے، طوطون کی طرح بعض وزرائے حجاز کی زبانون سے یورپ کے ان پڑھائے ہوئے سبقون کو سننا، کچھ نہین سکتا کہ کس درجہ سوہان روح کا باعث ہوتا تھا، ترکون کی وطن پرستی کا افسانہ تو پرانا ہو چکا، لیکن خبر لیجئے کہ اگر یہ بدمذہبی ہے تو اس بدمذہبی کی بلا کہان تک پہنچ چکی،

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

وہ سرزمین حجاز جہان کا ذرّہ ذرّہ کبھی علم کا آفتاب تھا، جہان دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ سے تشنگان علم کھنچے چلے آتے تھے، جہان کی مسجد حرم اور مسجد نبوی کی در و دیوار کبھی قال اللہ اور قال الرسول صلعم کے آواز سے معمور تھی آج وہ درس کی مقدس مسندین خالی پڑی ہین وہ پاک چشمے خشک پڑے ہین، فتن و حوادث کے باد صرصر نے ان مرغان حرم کے اشیانے بکھیر دیئے، رسول عربی کے شہر (مدینہ طیبہ) کی آبادی، ۱۰۰ ہزار سے گھٹکر ۱۰ ہزار رہ گئی، مسلمانان ہند سوچین کہ جنگ عظیم کے کن اثرات نے ان کے گھرون کو ویران کیا ہے؟

امتے نماند خلوتیان حجاز را
دیدی تطاول خم زلف دراز را

۹-۱۰-۱۱ فروری ۱۹۲۵ء کو ندوۃ العلما کا نیسوان سالانہ جلسہ لکھنؤ مین منعقد ہوا اخبارات مین آپ نے روداد ین پڑھی ہونگی، عام سامعین کے اجتماع کے لحاظ سے توہم اسکو کامیاب نہین کہہ سکتے لیکن علما، خواص اور اصحاب درد حضرات کے شرکت کے لحاظ سے یقیناً یہ ایک کامیاب

کوشش رہی، قوم نے اپنے چند مخلصون کی کوشش کے نتائج دیکھے اور ان پر اطمینان ظاہر کیا، اور امداد کا وعدہ کیا یہ سب سے بڑی کامیابی تھی جو اس اجلاس عام کو حاصل ہوئی،

ندوۃ العلماء کی اس وقت سب سے بڑی ضرورت دار الاقامہ کی تعمیر ہے، یہ قرار پایا ہے کہ ہندوستان کے ہر صوبہ کی طرف سے دس دس کمرون کا ایک بلاک تیار کیا جائے جن مین سے ہر کمرہ پر ڈیڑھ ہزار کی لاگت آئے گی، اور اس طرح ہر صوبہ سے ۱۵ ہزار کا مطالبہ ہر صوبہ کے مسلمانون سے کیا جائے، جائے شکر ہے کہ یہ آواز بے اثر نہ رہی، اور ہر صوبہ کی طرف سے صوبہ کے متعدد اکابر نے اس پر پر جوش آمادگی ظاہر کی، بمبی کی طرف سے مولانا شوکت علی صاحب نے، پنجاب سے مولانا عبد القادر صاحب قصوری اور سید غلام بھیک صاحب نیرنگ نے، بہار سے مولوی محمد شفیع صاحب داؤدی، اور مولوی لطف اللہ صاحب خلف شیخ الوقت حضرت مولٰنا محمد علی صاحب مونگیر سابق ناظم ندوۃ العلماء نے، مدراس سے مولوی سید مرتضٰی صاحب نے، صوبہ متحدہ سے جناب حافظ محمد حلیم صاحب تاجر کانپور نے اودھ کی طرف سے جناب منشی محمد احتشام علی صاحب نے ایک سال کے اندر اس رقم کے پورا کر دینے کا وعدہ کیا، علاوہ برین جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے دس ہزار کی رقم جمع کر کے دینے کا وعدہ فرمایا،

ہم نے اب تک قوم سے کوئی عام چندہ نہین مانگا ہے، لیکن اب خود قوم کی ضرورتین مجبور کرتی ہین کہ ہم بھی کاسۂ گدائی لے کر نکلین، دار العلوم ندوہ کے طلبہ جس تکلیف و مصیبت کے ساتھ دار الاقامہ کے نہ ہونے سے زندگی دار العلوم مین بسر کر رہے ہین، شاید انگریزی اسکول کا ایک طالب علم بھی نہ رہتا ہوگا، اگر ہم کو اپنی دنیاوی تعلیم کا بشدت احساس ہے تو کیا اپنی دینی

تعلیم کا اتنا احساس بھی نہین کہ اس تعلیم کے طلبگارون کے رہنے کے لئے ایک جھونپڑا بھی نہ بنا سکین
مسلمانون نے اپنے جوش وخروش کے عالم مین لاکھون روپئے دیدیئے ہین، لیکن کیا ٹھنڈے
دل سے سوچ سمجھکر چند ہزار کا سرمایہ بھی بہم نہین پہنچا سکتے؟ عنقریب اس رقم کی فراہمی
کے لئے ہر صوبہ مین تحریک شروع کیجائے گی، امید ہے کہ ہمدرد اصحاب اپنی عملی توجہ سے ایک
ایسی دینی درسگاہ کو بیجانی سے بچائین گے جس سے ملک وملت کی بہت سے توقعات وابستہ ہین

امسال ۲۱-۲۲ر مارچ ۱۹۲۵ء کو انجمن اردو کے جلسہ کی تقریب سے امیرالدولہ لائبریری مین حامیان اردو
اور انشاپردازان ملک کا ایک قابل یادگار اجتماع ہوا، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی
نے جلسہ کی پہلی نشست کی صدارت فرمائی اور ایک پرمغز خطبہ صدارت دیا جس مین اردو کی ہمہ گیری
اور قوت نشو ونما پر مدلل بحث کی اور آخیر مین اردو کے سرمایہ ادبی کی فراہمی وتحفظ پر حضار جلسہ وکارکنان
انجمن کو توجہ دلائی، اس کے بعد بعض نظمین اور بعض مضامین پڑھے گئے،

دوسرے دن جلسہ کی کاروائی کا آغاز ادبی نمائش کے شاندار افتتاح سے ہوا اور مرزا محمد عسکری
بی، اے معتمد انجمن نے ایک مفصل تقریر کے ذریعہ سے آنریبل راجہ راجیشور بلی وزیر تعلیم صوبجات متحدہ
سے افتتاح نمائش کی درخواست کی اور انھون نے ایک مختصر تقریر کے بعد نمائش کا افتتاح کیا اور تمام
حاضرین نے ان کے ساتھ نہایت شوق کے ساتھ نمائش کی سیر کی اور ہر چیز کو بغور دیکھتے رہے اس کے بعد
مولانا عبدالحلیم صاحب شرر نے جلسہ کی صدارت فرمائی اور اس تقریب سے زبان اردو پر ایک مفصل مضمون پڑھا، پھر دو رزولیوشن پیش کئے گئے
جن مین ایک کا مضمون یہ تھا کہ اس صوبہ کی ٹکسٹ بک کمیٹی سے درخواست کیجائے کہ وہ اردو کی بہترین تصنیفات پر انعام دینے کیلئے ایک معقول رقم مخصوص کرے
دوسرے رزولیوشن مین لکھنؤ یونیورسٹی کو توجہ دلائی گئی کہ وہ معقول معاوضہ کے ساتھ اردو کے بہترین انشاپردازون کے
ذریعہ سے ادب اردو پر تقریرون کا ایک سلسلہ جاری کرے، ہمین امید ہے کہ اگر اس انجمن کو مستعدی کے ساتھ چلایا
گیا تو اس سے اس صوبہ کی علمی اور ادبی ترقی پر ایک پائدار اثر پڑے گا،

مقالات

تمدن اسلام کا آغاز،

وادیٔ عقیق،

از

مولانا عبد السّلام ندوی،

یورپ کا دعویٰ ہے کہ اسلام نے اپنی زندگی کے ابتدائی دورمین تعمیر کے بجائے زیادہ تر تخریبی کام کئے ہین، اور تمدن کی جگہ زیادہ تر وحشت و بربریت پھیلائی ہے، لیکن واقعہ یہ ہو کہ اسلام نے ابتدائی ہی سے ایک تعمیری اور تمدنی نظام قائم کیا، اور اسی کے مطابق سادہ طور پر تمام اہم تمدنی ضروریات پوری کین، مثلاً موجودہ تمدنی برکات مین ایجادات و اکتشافات کے علاوہ شہرون اور ویرانون کی آبادی اوس کے لئے موزون مقامات کا انتخاب، اور اصول حفظان صحت کی مراعات بھی نہایت اہمیت رکھتی ہین، اور اس لحاظ سے اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہو جس نے اپنی زندگی کے نہایت ابتدائی زمانہ مین تمدن و تہذیب کی سطح کو ہموار کیا، اور آیندہ نسلون نے اوسی پر عالیشان عمارتین قائم کین،

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی قوم کو آباد شہر سے نکل کر ایک مدت تک وادی تیہ مین خانہ بدوش رہنا پڑا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہمیشہ بے خانمان رہے، لیکن ہجرت کے بعد وحشت کدۂ مکہ سے نکل کر جب رسول اللہ صلعم نے مدینہ کی سرزمین مین قدم رکھا، تو اوس وقت وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق وبائی بخار (ملیریا) کا مرکز تھا، اور وہان کی متعفن رطوبات نے اونکو

اس قدر وبا خیز بنا دیا تھا، چنانچہ وہ خود اسکی وجہ یہ بیان فرماتی ہین،

فکان بطحان یجری نجلا یعنی — کیونکہ وہان کے نالون سے نہایت گندا

ماء آجنا، — پانی بہتا تھا،

نتیجہ یہ ہوا کہ یہان آنے کے ساتھ ہی صحابہ کرام سخت بخار مین مبتلا ہوگئے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بخار آتا تھا، تو یہ شعر پڑھتے تھے،

کل امرء مصبح فی اہلہ — والموت ادنی من شراک نعلہ

اور ہر شخص پر اس کے اہل وعیال کے درمیان خانگری کیجاتی ہے — اور موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی قریب تر ہے

اور حضرت بلالؓ کا بخار اتر جاتا تھا، تو ان اشعار کے ذریعے سے مکہ کے صحت بخش مقامات کو یاد کرتے تھے،

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ — بواد وحولی اذخر وجلیل،

کیا مین کوئی رات ایسی وادی مین بھی بسر کرون گا؟ — جس مین میرے گرد اذخر اور جلیل ہون گے (مکہ کے دو گھاسون کے نام)

وھل اردن یوما میاہ مجنۃ — وھل یبدون لی شامۃ وطفیل

اور کیا مین کسی دن مجنۃ کے چشمہ پہ آؤن گا ؟ — اور کیا میرے سامنے شامہ اور طفیل نمایان ہون گے (مکہ کی دو پہاڑیون کے نام)

اس کے بعد دشمنان اسلام کو ان الفاظ مین بد دعا دیتے تھے،

اللھم لعن شیبۃ بن ربیعہ وعتبہ بن ربیعہ — خداوندا! شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف

وامیۃ بن خلف کما اخرجونا — پر لعنت بھیج کہ ہم کو ہمارے شہر سے انھین لوگون نے

من ارضنا الی ارض الوباء، — وبائی سرزمین مین نکال دیا ہے،

صحابہ کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلعم نے بارگاہ الٰہی مین یہ دعا فرمائی،

اللھم حبب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ — خداوندا! مکہ کی طرح مدینہ کو بھی یا اس سے بھی

او اشد اللھم بارک لنا — زیادہ ہمارے لئے محبوب بنا، ہمارے صاع

فی صاعنا و فی مدنا و صححها لنا وانقل	اور ہمارے مد مین برکت دے اور اس کو ہمارے
حماها الی الجحفة،	لئے صحت بخش بنا اور اس کے بخار کو جحفہ کی طرف
" " "	منتقل کردے (یہودیون کی ایک بستی جو مدینہ کے
" " "	قریب تھی)

اس کے بعد بھی مدتون صحابہ مدینہ کے وبائی بخار مین مبتلا ہوتے رہے، چنانچہ اسی حالت مین جب صحابہ کرام رسول اللہ صلعم کے ساتھ حج کو آئے، اور کفار نے طنزاً یہ کہنا شروع کیا،

یقدم علیکم غداً قوم وھنتھم	تمھارے یہان کل ایک ایسی قوم آئے گی جس
الحمی و القوا منها شدة	کو بخار نے کمزور کردیا ہے، اور اس سے انھون نے
" " " "	سخت تکلیف اٹھائی ہے،

تو رسول اللہ صلعم نے شماتت کے اثر کو کم کرنے کے لئے صحابہ کرام کو طواف کے تین چکر مین اکڑ کر چلنے کا حکم دیا۔ اور اس وقت سے آج تک یہ طریقہ بطور سنت یا استحباب کے قائم ہے، اور مسلمانون کی اطاعت شعاری، خودداری، اور پابندی نظام (ڈسپلن) کی ایک بہترین یادگار ہے،

اس وبائی بخار کا یقینی سبب جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہوتا ہے یہ تھا کہ مدینہ کے اردگرد پانی نہایت گندہ بہتا تھا، اس کے علاوہ شہر ہی کے اندر قبرستان اور نخلستان بھی تھے، جو موجودہ زمانہ مین رطوبت اور تعفن کا سبب اور اصول حفظان صحت کے منافی خیال کئے جاتے ہین، لیکن روایات سے یہ پتہ نہین چلتا، کہ رسول اللہ صلعم نے روحانی طاقت کے علاوہ مادی طور پر آب و ہوا کی صفائی کا کیا انتظام کیا؟ تاہم یہ یقینی ہے کہ ہجرت کے بعد اس حالت مین ضرور تغیر پیدا ہوا، اور مسلمانون کی طہارت و نظافت کا اقتضا بھی یہی تھا خود حضرت عائشہ رض فرماتی ہین، کہ "اس وقت نالون سے پانی نہایت گندا بہتا تھا" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعد کو یہ حالت باقی نہین رہی

اور اس کا اثر یقیناً اس سمیت آمیز بخار پر بھی پڑا ہوگا،

قبرستانون اور نخلستانون کے متعلق تو اس قدر صحیح طور پر معلوم ہے، کہ بعض مذہبی ضرورتون سے بعض قبرستان کھودے اور بعض نخلستان کاٹے گئے، چنانچہ رسول اللہ صلعم کو مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے بنو نجار نے جو قطعہ زمین دیا، اس مین مشرکین کی قبرین اور کھجور کے درخت تھے، اسلئے رسول اللہ صلعم کے حکم سے مشرکین کی قبرین اوکھیڑ دی گئین، ناہموار زمینین مسطح کر دی گئین، اور کھجور کے درخت کاٹ ڈالے گئے، اور مسجد نبوی کا سنگ بنیاد رکھا گیا، مسجد قبار کے بعد یہ دوسری مقدس عمارت تھی جو اسلام نے مدینہ کی سرزمین مین تعمیر کی؛ اگرچہ ابتداءً اس مسجد کی حیثیت ایک چھپر سے زیادہ نہین ہونے پائی، تاہم یہ صرف اسلام کی سادگی کا اثر تھا ورنہ صحابہ کرام کے حوصلے اس سے بہت زیادہ بلند تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت ابو درداءؓ مسجد کی پیمائش کر رہے تھے، رسول اللہ صلعم کا گذر ہوا اور آپ نے اسکی وجہ دریافت فرمائی تو بولے "کہ ہم اس کو بیت المقدس کے نمونے پر تعمیر کرین گے اور اس کام کو انصار پر تقسیم کر دین گے" لیکن آپ نے فرمایا کہ "صرف ایک چار دیواری، اور چند لکڑیان اور موسیٰ کی بیت کی سی چھت کی ضرورت ہے" اور مسجد کی یہ حیثیت قائم ہو چکی ہے، صحابہ نے دریافت کیا کہ موسیٰ کی چھت کیسی تھی؟ ارشاد ہوا کہ جب کھڑے ہوتے تھے تو ان کا سر اس سے لگ جاتا تھا[1]، مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد آپ نے مدینہ کی آبادی کی طرف توجہ مبذول فرمائی، اور متعدد خاندانون اور لوگون مثلاً بنو زہرہ حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت خالدؓ، وغیرہ کو مکانات بنانے کے لیے زمینین عنایت فرمائین[2]، اور مدینہ کی رونق، آبادی، اور امن وسکون کے لئے،

(۱) مکہ کی طرح مدینہ کا ایک محفوظ حرم قرار دیا، جس کا رقبہ بارہ میل تھا، اور مدینہ کی آبادی کو اس کے اندر محدود کر دیا،

[1] کتاب الاعلاق النفیسیہ لابن رستہ جلد، صفحہ ۶۶ [2] کتاب البلدان ابن فقیہ صفحہ ۲۲،

(۲) جو شخص باوجود تکالیف و مصائب کے مدینہ مین قیام کرے قیامت کے دن اوس کی شفاعت کا وعدہ فرمایا،

(۳) جو اہل مدینہ کو کسی قسم کا گزند پہنچائے، اس کی نسبت ارشاد ہوا کہ "وہ خود تباہ ہوجائے گا"،

(۴) مدینہ کی رفاہیت کے لئے اس کے وزن، پیمانے اور پھل مین برکت کی دعا فرمائی،

(۵) طاعون اور دجّال سے اس کے محفوظ رہنے کی پیشین گوئی کی،

(۶) اوسکی حیثیت ایک فاتحانہ شہر کی قائم کی، اور تمام شہرون کو اس کا مفتوح قرار دیا،

(۷) اس کو ایمان کا آخری مرکز قرار دیا،

اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا، کہ مدینہ کی رونق، آبادی، اور امن و سکون مین ان کو بہت بڑا دخل تھا، چنانچہ حرم مدینہ کے احترام کے احکام لکھ لئے گئے، اور صحابہ نے ہر موقع پر اس کی پابندی کی، مثلاً ایک بار حضرت سعدؓ اپنے محل واقع عقیق کی طرف جا رہے تھے، کہ ایک غلام حرم مدینہ کے حدود مین کسی درخت کو کاٹ رہا تھا، یا اس کے پھل کو گرا رہا تھا، انھون نے اس کے تمام کپڑے وغیرہ چھین لئے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ اگر مین مدینہ مین ہرنون کو چرتا ہوا دیکھون تو ان کو بدکا نہین سکتا، کیونکہ رسول اللہ صلعم نے اس کو حرم قرار دیا ہے" ایک بار ایک شخص کو مدینہ مین عُسرت کا سامنا کرنا پڑا، وہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی خدمت مین آیا، اور کہا، "کہ مین کثیر العیال آدمی ہون، اور انکی زندگی اس وقت عسرت کے ساتھ بسر ہو رہی ہے، اس لئے چاہتا ہون کہ ان کو کسی شاداب مقام مین منتقل کر دون" لیکن انھون نے اسی فرمان نبوی کی بنا پر اُس کو اسکی اجازت نہین دی، ایک بار شورش و بدامنی کے زمانہ مین حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی لونڈی نے تنگ آکر مدینہ سے نکلنا چاہا، لیکن انھون نے اس کو روک دیا، اور فرمایا کہ "رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے، کہ جو شخص مدینہ کی سختیون پر صبر کرے گا، مین قیامت کے دن اس کا شفیع ہون گا،

ان مواعید کے ساتھ عملی طور پر بھی آپ کو مدینہ کی آبادی کا خاص خیال تھا، ہمیشہ اوس کی نگرانی فرماتے رہتے تھے، اور اسکی آبادی کی معمولی سی معمولی بے ترتیبی، اور ویرانی کو گوارا نہین فرماتے تھے، چنانچہ ایک بار آپ قبیلہ بنو حارثہ کے پاس آئے، اور فرمایا کہ "مجھے نظر آتا ہے، کہ تم حرم کے حدود سے باہر نکل گئے ہو، پھر ادھر ادھر دیکھکر فرمایا کہ نہین تم حرم ہی کے اندر ہو، ایک بار قبیلہ بنو سلمہ کے لوگون نے اپنے محلہ سے نکل کر مسجد نبوی کے پاس آباد ہونا چاہا، یہ اگرچہ ایک مذہبی جذبہ کا نتیجہ تھا تاہم آپ نے اس کو بھی گوارا نہین کیا، اور ارشاد فرمایا کہ "تم لوگ مسجد تک آنے مین اپنے نقش قدم کا حساب نہین کرتے" یعنی تم کو اس مسافت کے طے کرنے مین ہر نقش قدم پر ثواب ملے گا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگون کو اس ارادہ سے باز آنا پڑا،

بخاری مین جہان یہ روایت مذکور ہے، بہ تصریح یہ الفاظ موجود ہین

فکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تعری المدینہ[1]

یعنی رسول اللہ صلعم نے یہ پسند نہین فرمایا کہ مدینہ ویران ہو جائے،

زمانۂ جاہلیت مین انصار نے فوجی ضروریات کے لئے مدینہ مین بہت سے قلعے بنا لئے تھے، جن کو زمانۂ اسلام مین منہدم کرنا چاہا لیکن آپ نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا اور فرمایا

انہا زینۃ المدینہ[2]

وہ مدینہ کی زینت ہین،

مدینہ کے متصل جو وادی ہین ان مین تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چند وادی ہین جنکو وادی عقیق کہتے ہین اور وہ اس قدر سرسبز و شاداب ہین کہ ایک بار آپ وہان سے چلے تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ "ہم اُس وادی سے آرہے ہین، اوسکی زمین کس قدر نرم اور اُس کا پانی کس قدر شیرین ہے" حضرت عائشہؓ نے فرمایا "تو پھر ہم لوگ وہین کیون نہین منتقل ہو جاتے؟" ارشاد ہوا کہ "اب تو لوگون

---

[1] یہ تمام واقعات و روایات بخاری اور مسلم ابواب فضائل مدینہ مین مذکور ہین ان کے علاوہ جو واقعات ہین انکا حوالہ دیا گیا ہے [2] کتاب الاخلاق

نے مکانات بنالئے (یعنی مدینہ مین) آپنے ان کی آبادی کی طرف بھی توجہ فرمائی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو زرعی مقاصد کے لئے پورا وادی عقیق عنایت فرمایا، لیکن اون کو اس کے آباد کرنے کا موقع نہین ملا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک وہ یونہین غیر آباد رہا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے مین تمدن اسلام کے ترقی کی، تو لوگون نے پہلے سے زیادہ بلند عمارتین بنانی شروع کین، چنانچہ مسند دارمی مین ہے

تطاول الناس فی البناء فی زمن عمر،	لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے مین بلند عمارتین بنانے لگے،

بلند عمارتون کی تعمیر کے ساتھ ان کے زمانے مین مدینہ کی آبادی مین بھی معتدبہ اضافہ ہوا، اور اوسکی تمدنی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے مدینہ کے بیرونی مقامات کے آباد کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اور اس کے لئے وادی عقیق سے بہتر اور موزون کوئی دوسرا مقام نظر نہین آیا، جسکا انتخاب خود رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک مین ہو چکا تھا، اس لئے اس ضرورت کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ انتخاب بھی اس قطعہ پر پڑی، اور انھون نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلاکر فرمایا،

قد علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یمنع شیئا سئلہ وانک سالتہ ان یعطیک العقیق فاعطاکہ فالناس یومئذ قلیل لاحاجۃ لھم وقد کثر اھل الاسلام واحتاجوا الیہ	تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلعم سے جو چیز مانگی جاتی تھی، آپ اس سے انکار نہین فرماتے تھے اس لئے تم نے آپ سے وادی عقیق کو مانگا، تو آپنے تم کو عنایت فرمایا، لیکن اس وقت آدمی کم تھے ان کو اسکی ضرورت نہ تھی، اب مسلمان بہت زیادہ ہو گئے، اور وہ اس کے محتاج ہین،

لہ وفاء الوفاء جلد ثانی صفحہ ۲۰۰

فانظر ما ظننت انک تقوی	اس لئے تم جس قدر آباد کر سکو، اس کو روک لو
علیہ فامسکہ واردد الینا	بقیہ کو ہمین واپس کرو، کہ ہم لوگون کو دے دین
ما بقی نقطعہ فابی بلال	حضرت بلالؓ نے انکار کیا، تو حضرت عمرؓ نے اونکے
فترک عمر بید بلال	قبضہ مین اس کا بعض حصہ رہنے دیا، اور بقیہ
بعضہ واقطع ما بقی للناس[1]	لوگون پر تقسیم کر دیا،

لیکن روایات سے یہ پتہ نہین چلتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے زمانے مین لوگون نے اوس مین کیا کیا تصرفات کئے، اس کے کتنے حصے کو مزروعہ بنایا؟ اور کتنے حصے مین عمارتین تعمیر کین، تاہم بعض روایتون مین ہے کہ حضرت عمرؓ نے اوس کا جو حصہ لیا تھا وہ مدینہ کے متصل تھا، اس لیئے ظن غالب یہ ہو کہ وہ زیادہ تر عمارتون کے کام مین آیا ہوگا، بہرحال یہ یقینی ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین وادی عقیق کی حیثیت پہلے سے زیادہ نمایان ہوگئی، اور اسکی آبادی کا وسیع سلسلہ قائم ہوا،

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت مین مسلمانون کے مال و دولت مین اور بھی اضافہ ہوا اور لوگون نے نہایت کثرت سے جائدادین اور زمینین خریدین، خود حضرت عثمانؓ نے جس روز شہادت پائی ہے انکے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار تھے، اور وادی قری اور حنین مین ان کی جو جائدادین اور زمینین تھین، انکی قیمت دو لاکھ دینار تھی، اس کے علاوہ بہ کثرت درہم، اونٹ اور گھوڑے تھے، حضرت زبیرؓ کی وفات کے بعد اون کے متروکات مین صرف ایک حصے کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی، اور اس کے علاوہ انھون نے ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار لونڈیان چھوڑ کر وفات پائی تھی، حضرت طلحہؓ کو عراق کی جائدادون سے روزانہ ایکہزار دینار منافع ملتا تھا، اور ناحیہ سراۃ سے اس سے زیادہ آمدنی ہوتی تھی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے اصطبل مین ہزار گھوڑے تھے، اور اونٹون کی تعداد بھی اسی قدر تھی، بکریان دس ہزار تھین اور

[1] وفاء الوفا، جلد دوم ص۱۹۱ [2] وفاء الوفا، جلد دوم صفحہ ۱۹۹،

ان کی وفات کے بعد ان کے متروکات کے چوتھائی حصہ کی قیمت چوراسی ہزار تھی، حضرت زید بن ثابت رض نے باغات اور اراضیات کے علاوہ جنکی قیمت ایک لاکھ دینار تھی، اس قدر سونے اور چاندی کے ڈلے چھوڑکر وفات پائی، کہ وہ پھاوڑون سے، توڑے جاتے تھے، ممکن ہے کہ یہ روایتین محدثانہ تنقید کے معیار پر پوری نہ اترین لیکن تاہم اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ خلافت عثمانی مین مسلمانون کی مالی حالت مین نمایان ترقی ہوئی اور اس ترقی کا اثر عمارات پر بھی پڑا، اور اس زمانے مین بہ کثرت شاندار عمارتین تعمیر ہوئین، مثلاً حضرت زبیر رض نے بصرہ، کوفہ اور اسکندریہ مین مکانات بنوائے، حضرت طلحہ رض نے مدینہ مین پختہ مکان بنوایا، اور اس مین ساکھو کی لکڑیان لگوائین، حضرت مقداد رض نے مدینہ مین ایک مکان بنوایا، جو اندر اور باہر دونون طرف پختہ تھا، اسی زمانہ مین وادی عقیق کی حیثیت بھی پہلے سے زیادہ نمایان ہوئی، اور حضرت سعد بن ابی وقاص رض نے اس مین ایک نہایت بلند، پرفضا اور شاندار محل تعمیر کروایا جس کے اوپر کنگرے بنوائے[1]،

خلفائے بنوامیہ کے زمانہ مین اہل عرب کی دولت و ثروت مین اور بھی اضافہ ہوا، اور انھون نے سیاسی مصالح کی بنا پر مدینہ مین اکابر قریش اور رؤسائے مہاجرین و انصار کے اوپر سیم و زر کی موسلادھار بارش شروع کردی، اس لئے ان لوگون نے کھانے، پہننے اور رہنے سہنے مین بالکل خلفائے بنوامیہ کی روش اختیار کرلی، اور مدینہ کے آس پاس کی افتادہ زمینون کو قصر و محل چشمہ و مرغزار، اور باغ و جوئبار کا مرقع بنادیا، بالخصوص وادی عقیق نے بالکل کشمیر کا قالب اختیار کرلیا، اور امرار و سلاطین کا صدر مقام بنگیا[2]، چنانچہ حال کے ایک سفرنامہ مین جو بالکل مورخانہ تحقیق و تنقید کے ساتھ لکھا گیا ہے، وادی عقیق کی اس حیثیت کو ان الفاظ مین نمایان کیا گیا ہے،

> ہجرت کی ابتدائی تین صدیون مین مدینہ روحانی اور مادی دونون حیثیتون سے نہایت ترقی یافتہ شہر تھا اور اس کے ارد گرد کی فضا کو اس کے باغات نے بالکل گھیر لیا تھا، بالخصوص

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۲۵، [2] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم صفحہ ۸۲

اس کے شمالی، اور مشرقی اور جنوبی حصے ان باغات سے بہت زیادہ گھرے ہوئے تھے، اور وادی عقیق مین لوگون کے نہایت سرسبز باغات اور عمدہ محلات تھے، جہان بکثرت چشمے بہتے تھے، تروتازگی نمایان تھی، اس کے اطراف وجوانب شاداب تھے، بکثرت پھول کھلتے تھے، اونکی خوشبو پھیلتی تھی، ان کے پھل چنے جاتے تھے، اوران مین اکثر رسول اللہ صلعم کی ازدواج مطہرات کے باغات تھے،

ان محلون مین جو محل زیادہ تر مشہور ہین اون کے نام یہ ہین، قصر عاصم، قصر محمد بن عیسیٰ قصر یزید بن عبدالملک، قصر جعفر بن سلیمان، قصر ابی ہاشم، قصر عنبسہ بن عمرو بن عثمان بن عفان قصر عبداللہ بن ابی بکر بن عثمان بن عفان، قصر عنبسہ بن سعید بن العاص، قصر خارجہ، قصر عبداللہ بن عامر، قصر مروان ابن حکم، اوران کے آثار اب تک موجود ہین[1]،

اورعرفی کے قافئے کو بدل کر اپنی خاموش زبان سے وادی عقیق کی گذشتہ عظمت کا ترانہ اس طرح گاتے ہین،

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ　　　آثار پدیداست صنادید عرب را

سمہودی نے وفاء الوفا مین ان مین بعض محلون کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

قصر عروہ بن زبیرؓ: حضرت عروہ ابن زبیرؓ نے وادی عقیق مین جس قطعہ زمین پر اپنا محل تعمیر کیا تھا، وہ ابتدا ہی سے اس کے لئے نہایت موزون تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگون پر وادی عقیق کو تقسیم کرنا چاہا، تو اسی جگہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ کون لوگ اس مین زمین لینا چاہتے ہین؟ غالبًا لوگون نے موزون قطعات کے لئے ادھر ادھر گردش کرنا شروع کردی تھی، جن مین حضرت زبیرؓ بھی تھے،

[1] الرحلۃ الحجازیہ ملتقطا از صفحہ ۶۳ ۲ - ۲۷۱-۲۷۲،

اونھون نے ادھر ادھر گھومنے پھرنے کے بعد اسی قطعہ کو سب سے زیادہ پسند کیا تھا چنانچہ وہ خود فرماتے ہین کہ "مین نے اس قطعہ کا مثل کوئی دوسرا قطعہ نہین دیکھا، لیکن یہ قطعہ حضرت خوات بن جبیر انصاری کے حصے مین آیا، اور اس کے بعد ۱۴۵ھ مین مروان ابن حکم نے عبد اللہ بن عیاش کو دیدیا اور حضرت عروہ بن زبیر نے اوسکو عیاش سے خرید کر محل تعمیر کیا، اور اس پر سات گنبد بنوائے جنکو حضرت عمر بن عبد العزیز نے چند وجوہ سے گروادیا، لیکن بعد کو ولید بن عبد الملک کے حکم سے ان کو دوبارہ تعمیر کی اجازت ملگئی، اور انھون نے اپنے پوتے عمر بن عبد اللہ کو اس کام پر مامور کیا، اور انھون نے کثیر مصارف کے ساتھ اس کام کو شروع کیا، اثنائے تعمیر مین عمر بن عبد اللہ کے چچا یحیی نے ان سے مصارف کی تفصیل پوچھی، اور اونھون نے تفصیل بتائی، تو بولے، کہ "اگر میرے باپ (حضرت عروہؓ) کو یہ معلوم ہوتا تو وہ کفایت شعاری سے کام لیتے، اس لئے اون کو اس کی اطلاع دیدو" اونھون نے حضرت عروہؓ کو اسکی اطلاع دی تو فرمایا، کہ "یحیی اس عمارت کی تعمیر مین رکاوٹ ڈالنا چاہتا ہے، تم بلا حساب روپیہ صرف کرو" اب انھون نے بیدریغ روپیہ صرف کرنا شروع کیا اور محل کے ساتھ متعدد کنوئین مثلاً بئر السقایہ، بئر العسیلہ، اور بئر القصر وغیرہ بھی کھدوائے، جنکا پانی اس قدر خوشگوار تھا کہ مسافر جو پہلے مروان کے کنوئین پر پانی پینے کے لئے اترتے تھے، اونھون نے اسکو چھوڑ دیا، اور ان کنوؤن پر اترنے لگے، اور صرف پانی پینے ہی پر اکتفا نہین کیا بلکہ اس کو اپنے گھرون پر تحفۃً لیجانے لگے، بعض لوگ شیشون مین بھر کر اس کو خلفار کی خدمت مین ہدیۃً پیش کرتے تھے، چنانچہ زبیر بن بکار کہتے ہین، کہ میرے باپ نے اس پانی کو پہلے جوش دلوایا، پھر شیشون مین بھر کر ہارون رشید کی خدمت مین ہدیۃً پیش کیا، نوفل بن عمارہ سے روایت ہے کہ جب انکی والدہ نے وادی عقیق مین اپنا محل تعمیر کر دیا تو انکی خدمت مین ہشام بن عروہ نے کہلا بھیجا کہ تم دو پاک چیزون یعنی بئر عروہ، اور بئر مغیرہ بن الاخنس کے درمیان مقیم ہو اس لئے پانی تو بئر عروہ کا پیو اور وضو بئر مغیرہ سے کرو، چنانچہ اونھون نے تادم مرگ اسکی پابندی کی، بعض شعرار نے بھی اس کنوئین

کی مدح کی ہے، چنانچہ سری بن عبدالرحمن انصاری کہتا ہے،

کفنونی ان مت فی درع اروی (معنوقہا ہے) واستقوالی من بئر عروۃ مائی

اگر مین مرون تو مجھکو اروی کے کرتے کا کفن دو اور مجھکو عروہ کے کنوئین کا پانی پلا دو

سخنۃ فی الشتاء باردۃ فی الصیف سراج فی اللیلۃ الظلماء

جو جاڑے مین گرم اور گرمی مین سرد رہتا ہے اور اندھیری رات مین چراغ کی طرح جھلکتا ہے

یہ محل اگرچہ اس قدر عظیم الشان تھا، کہ قلعہ معلوم ہوتا تھا، چنانچہ اثنائے تعمیر مین اس کو دیکھ کر ایک شخص نے حضرت عروہ سے کہا، "کیا تم جنگ کا سامان کر رہے ہو؟" لیکن درحقیقت حضرت عروہؓ نے اس کو صرف اس لئے تعمیر کیا تھا، کہ تمدن کے مضر اثرات و نتائج سے بچنے کے لیے مدینہ سے الگ ہو جائین یہی وجہ ہے کہ اونھون نے اس کو تمام مسلمانون پر وقف کر دیا اور ولید بن عبدالملک کو اسکی وصیت کر دی، اور ولید نے ان کے دونون بیٹون یعنی یحییٰ اور عبداللہ کو اس کا متولی بنا دیا، اور اس کے بعد اسکی تولیت نسلاً بعد نسلٍ ان کے خاندان مین منتقل ہوتی رہی، لیکن بعد کو جب ہشام بن عبدالملک کی طرف سے ابراہیم بن ہشام مدینہ کا گورنر مقرر ہوا، تو اس نے آل عروہ کے بعض حقوق مین مداخلت کرنی چاہی، جسکی بنا پر ان کے درمیان نزاع پیدا ہوئی، اور ابراہیم نے اس محل کو گروا دیا، اور اس کے کنوے مین روغن قطران لگوا کر اونٹ ڈلوا دئے، عبداللہ نے ہشام بن عبدالملک سے اسکی شکایت کی تو اس نے اس کا تاوان دلوا دیا،

قصر عاصم | یہ محل بھی حضرت عروہ بن زبیرؓ کے محل کے متصل و مقابل تھا، اور غالباً اسی بنا پر دونون مین رقیبانہ حیثیت پیدا ہو گئی تھی، اور عبداللہ جعفری اور عمر بن عبداللہ بن عروہ نے مل کر اسکی ہجو لکھی تھی، جس مین خود محل کی طرف خطاب کر کے کہتے ہین،

بنیت علی طریق الناس طرا لیسبک کل ذی حسب و دین

تو تمام لوگون کے راستے پر بنایا گیا ہے، اس لئے تجھ کو ہر شریف آدمی برا کہتا ہے،

یری فیک الدخان بغیر شیٔ فقد سمیت خداع العیون

تیرے اندر کسی دوسری غرض سے دھوان نظر آتا ہی (یعنی کھانا نہین پکتا، یا پکا ہوا کھانا لوگون کو کھلایا نہین جاتا)

یہی وجہ ہے کہ تیرا نام، فریب دہ نظر، رکھا گیا ہے،

اور عاصم نے بھی اس کا طنز آمیز جواب دیا ہے،

قصر ابی ہاشم المغیرۃ بن العاص | ابو ہاشم نے جب اس محل کو تعمیر کرنا چاہا، تو انکی ایک لونڈی نے یہ کہکر تائید کی، کہ اس محل کو ضرور تعمیر کرو، کیونکہ اب تک کسی مغیری نے وادی عقیق مین محل تعمیر نہین کیا ہی، چنانچہ انھون نے مصارف کثیرہ سے اس محل کو تعمیر کر دیا اور اس مین ایک کنوان بھی کھدوایا، چنانچہ جو لوگ وادی عقیق مین مروان بن حکم اور مغیرہ کے کنوین کی خدمات انجام دیتے تھے، یعنی لوگون کے پانی پلانے کا سامان مثلاً ڈول وغیرہ مہیا رکھتے تھے ان کو خلفائے بنو امیہ کے خزانے سے مالی امداد ملتی تھی،

قصر عنبسہ بن عمرو | یہ محل ایک چشمہ کے متصل تھا، اور اس قابل تھا کہ شعراء اسکی مدح مین شعر کہتے تھے، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے،

یا قصر عنبسۃ الذی بالرابع لازلت توصل بالحیا المتتابع

اے عنبسہ کے محل جو مقام رابع مین واقع ہو ہمیشہ تجھ پر متصل بارش ہوتی رہے،

فلقد بنیت علی الوطاء وبنیت تلک القصور علی رباوۃ فائع

کیونکہ تو نشیب مین تعمیر کیا گیا ہے، اور دوسرے محل بلند مقامات پر بنائے گئے ہین

قصر عنبسہ بن سعید | ایک بار ہشام بن عبد الملک سوار ہو کر نکلا عنبسہ بن سعید بھی ساتھ تھے، ہشام ایک جگہ سے گذرا تو بولا کہ یہ قطعہ محل کے لئے کس قدر موزون ہے مین نے تم کو عطا کیا عنبسہ نے

کہا کہ "مجھ مین اس کی استطاعت کہان ؟" بولا "۲۰ ہزار دینار سے مین تمھاری اعانت کرون گا، چنانچہ انھون نے یہ رقم اپنے بیٹے عبداللہ کے حوالے کی، اور انھون نے اوسکو تعمیر کرایا، بعد کو جعفر بن سلیمان مدینہ کا گورنر مقرر ہوا، تو اس نے بعض عمارتون کا اور اضافہ کیا، جس مین اس کے نوکر چاکر رہتے تھے،

قصر ابوبکر بن عبداللہ　پہلے اس محل کی جگہ صرف دو ایک گھر تھے، جنکو خرید کر ابوبکر نے منہدم کر وا دیا، اور انکی جگہ عظیم الشان محل تعمیر کروایا، جو بعد کو ان کے ترکہ مین فروخت کر دیا گیا، چنانچہ ایک شاعر اسکا مرثیہ کہتا ہے،

اوحش المستقر بعد ابی بکر	فاضحی ینوح فی علحین
یہ محل ابوبکر کے بعد ویران ہو گیا	اب وہ ہر وقت ماتم کرتا ہے،
لبعد عز و بھجۃ و بھاء	تاہ بہ علی الثقلین
یہ ماتم عزت، رونق و شان کے بعد ہے	جسکی بناء پر وہ جن و انس سے مفاخرت کرتا تھا
فاعذروا ذا یا ھولاء ان ذا شجن	یجری دموعہ من معین
لوگو اس کو معذور رکھو کیونکہ	غم زدہ شخص کے آنسو چشمے سے بہتے ہین

قصر عبداللہ بن ابی بکر　یہ ایک عظیم الشان محل تھا جو ویران ہونے کے بعد لوگون کے لئے سرمایۂ عبرت و بصیرت بنا، چنانچہ ایک بار محمد بن عبداللہ البکری قاضی مدینہ وادی عقیق مین سیر و تفریح کے لیے نکلے اور اس محل سے گذرے تو دیوار پر یہ اشعار لکھدیئے،

این اھل العقیق این قریش	این عبد العزیز و ابن بکیر
اب کہان ہین اہل عقیق ! اور کہان ہین قریش !	اور کہان ہین عبد العزیز اور ابن بکیر
و لو ان الزمان خلد حیا	
اگر زمانہ کسی کو زندہ رکھتا،	

اور اس مصرع کے نیچے یہ لکھدیا کہ "جو شخص اس کو پورا کریگا، اوس کو انعام ملے گا" چنانچہ ایک بار

عمر بن عبد اللہ بن نافع ارسُل کی سیر کو گئے اور اس تحریر کو پڑھا تو اس مصرع کو اس طرح پورا کیا، ؎ ولوان الزمان خلد حیا
کان فیہ مخلداً بن الزبیر ،"اگر زمانہ کسی کو زندہ چھوڑتا تو ابن زبیر ہمیشہ زندہ رہتے،" اس کے بعد محمد بن عبد اللہ دوبارہ اسکی
سیر کو گئے تو بولے کہ اگر مجھ عمر بن عبد اللہ سے گفتگو کرنے کا موقع ملتا تو مین انکو انعام دیتا، بہت خوب کہا اور سچ کہا"
ان محلون کے علاوہ سمہودی نے اور بھی بہت محلون اور کنوؤن کے نام لکھے ہین، اور اخیر مین تصریح کی ہے کہ

و قصور کثیرۃ یمنۃ ویسرۃ — اور دائین بائین اور بھی بہت سے محل ہین

پانی کے چشمے اور حوض وتالاب ان سے الگ تھے جنکا ذکر سمہودی نے مستقل فصلون مین
کیا ہے۔ اور ایک موقع پر کسیقدر انشاپردازانہ الفاظ مین وادی عقیق کی رونق وآبادی کی قدیم
داستان اس طرح سنائی ہے،

فاثار ابنیۃ مکان العقیق موجودۃ	عقیق کے کھنڈر اب تک موجود ہین جن سے ان
الی الیوم دھی دالۃ علی ما عان	بہترین محلات، خوشگوار مناظر اور عمدہ کنوؤن
بہ من القصور الفائقۃ والمناظر	اور گنجان باغون کا پتہ چلتا ہے، جو وہان
الرائقۃ والآبار العذبۃ الحسان	موجود تھے، اور طول زمانہ اور حوادث روزگار
والحدائق الملتفۃ الاغصان	کے بار بار آنیسے مٹ گئے بعض کنوئین اور
اندرست علی طول الزمان	بعض کھنڈر اب تک موجود ہین جنکو دیکھکر
وتکرر الحدثان وبقی ھناک	دل مین جذبہ مسرت پیدا ہوتا ہے اور
بعض الآبار وبقایا الآثار	اسکی نسیم کے جھونکون سے روح مین بالیدگی
فترتاح النفوس برؤیتھا	ہوتی ہے،
وتنتعش الارواح بانتشاق	
نسیمھا،	

شعرا نے بھی ان مناظر رائقہ کی تعریف و توصیف مین قصائد لکھے ہین، جن مین صرف تخیل کی رنگ آمیزی نہین پائی جاتی بلکہ ان مین زیادہ تر واقعات کا حصہ شامل ہے، مثلاً سعید بن سلیمان المساحقی دوست و احباب سے الگ ہو کر بغداد مین تنہا مقیم ہین، اور احباب کے لطف گفتگو کے بجائے ان کو مجبوراً اپنے غلام کی باتون سے دل بہلانا پڑا ہے، اس حالت مین اونکو عقیق کی پر لطف صحبتین یاد آتی ہین، اور کہتے ہین،

اری زاهرا لما رانی مسهدا	وان لیس لی من اهل بغداد زائر

زاہر نے جب مجھکو بیدار دیکھا، اور اس کو نظر آیا کہ اہل بغداد مین میرا کوئی ملاقاتی نہین،

اقام یعاطینی الحدیث وانما	لمختلقات یوم تبلی السرائر

تو مجھ سے باتین کرنے لگا، حالانکہ مجھ مین اور اس مین کوئی مناسبت نہین

یحدثنی مما یجمع عقله	احادیث منها مستقیم وحائر

وہ اپنی عقل کے مطابق مجھ سے باتین کرتا ہے اوسکی بعض باتین باموقع ہوتی ہین اور بعض بے محل

وما کنت اخشی ان اری لی مضیا	لیعللنی بعد الاحبة زاهر

مجھے کبھی یہ خوف نہ تھا کہ مین خوش رہون گا کہ احباب

ولعد المصلی والبلاط واهله	ولعد العقیق حیث یحلو التزاور

مصلی بلاط، اُس کے رہنے والون اور عقیق کے بعد جہان کی ملاقات پر لطف ہوتی ہے زاہر میرا دل بہلاتا ہے

اذا اعشبت قرفانه وتزینت	عراص بها بنت انیق وزاهر

جب اوسکی گھاس سرسبز ہوتی ہے، اور عمدہ روئیدگی میدانون کو زینت دیتی ہے،

وغنی بها الذبان تغن دنباتها	کما واقعت ایدی القیان المزاهر

اور شہد کی مکھیان جو وہان کی روئیدگی سے جہاد کرتے ہین، گاتی ہین، تو معلوم ہوتا ہے کہ مغنی عورتین ستار بجا رہی ہین

ایک عرب عورت جو وادی عقیق کی رہنے والی ہے، نجد مین بیاہ کر جاتی ہے، لیکن عرار نجد کی خوشبو سونگھنے کے بعد بھی وادی عقیق کی دلچسپیون کو نہین بھولتی اور کہتی ہے،

اذا الریح من نحو العقیق تنسمت　　تجدد لی شوق یضاعف من وجدی

جب عقیق کی طرف سے ہوا آتی ہے تو میرا شوق از سر نو زندہ ہو جاتا ہے جس سے میرا غم بڑھ جاتا ہے

یاقوت نے اور شعراء کے اشعار بھی نقل کئے ہین، اور اخیر مین لکھا ہے کہ

وقد اکثر الشعراء من ذکر العقیق	شعراء نے بکثرت عقیق کا ذکر کیا ہے، لیکن
ذکروہ مطلقا ویصعب تمیز کل	اس کا نام غیر متعین طور پر لیا ہے، اس لئے
ما قیل فی العقیق[1]،	عقیق کے متعلق جو اشعار کہے گئے ہین ان
	کی تمیز مشکل ہے،

جس کا مطلب یہ ہے کہ عرب مین متعدد وادی عقیق ہین، اس لئے جبتک اشعار مین تعین نہ کیجائے، یہ معلوم نہین ہو سکتا کہ ان مین ان اشعار کا تعلق کس سے ہے؟ تاہم تاریخ اسلام مین جو شہرت عقیق مدینہ نے حاصل کی ہے وہ کسی دوسرے وادی عقیق کو حاصل نہین، اس لئے قیاس یہ ہے، کہ ان اشعار کا تعلق زیادہ تر عقیق مدینہ ہی کے ساتھ ہوگا،

ان تاریخی واقعات، ان الشاپرہ وازانہ الفاظ، اور ان پُر از جذبات اشعار کے علاوہ مذہبی حیثیت سے بھی وادی عقیق کا شرف ثابت ہوتا ہے، چنانچہ بعض روایات مین ہے، کہ ایک بار رسول اللہ صلعم نے وادی عقیق مین رات بسر کی، اور صبح کو اٹھکر فرمایا کہ "رات میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ اس وادی مبارک مین نماز پڑھ" یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسکو وادی مبارک[2] کے لقب سے یاد کرتے تھے، اس بنا پر اگر اسکی مادی رونق وتنادابی کیساتھ

[1] معجم البلدان جلد ۶ ذکر عقیق۔ [2] وفاء الوفار جلد دوم صفحہ ۱۸۷،

اس روحانی شرف کو بھی ملا لیا جائے تو اسکی حیثیت "وادی مقدس طوی" سے بھی بڑھ جاتی ہے، کیونکہ "وادی مقدس طوے" صرف روحانیت کا مرکز تھا، مادی حیثیت سے وادی عقیق کی طرح آباد اور شاداب نہ تھا،

اعلان

براہ عنایت خریداران معارف خط وکتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر کرین، نمبر ۱۸۷ رجسٹرڈ نمبر ہے خریداری کا نمبر نہین، ہر خریدار کا نمبر سیاہی سے فیدک پر نام سے پہلے لکھا رہتا ہے،

"منیجر"

روح ایران کی جلوہ انگیزیان،

(۲)

از مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب مترجم اخبار الاندلس

،،روح ایران کی یہ عجیب خصلت ہو کہ وہ باوجود تھور وغیرہ وغیرہ کے تلوار سے ڈرتی ہے اور جس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اس کو اپنی نژاد مین شامل کرلیتی ہے، اسکی تجلی ابھی آگے نظر آئیگی،

سکندر کا قصہ تو بہت پرانا ہے، اس پر تو صبر آچکا تھا غضب یہ ہوا کہ ایک اور غیر ملکی تلوار بدقسمت ایران پر چمکی یعنی عرب بلائے بے درمان کی طرح اس پر مستولی ہوگئے، چونکہ ہمین اسی زمانہ سے زیادہ تعلق ہے اس لئے اگر ہم نے کوئی مسلمان تفصیلی نظر ڈالے تو قابل معافی ہے،

"وقتیکہ شمشیر اعراب ایرانیان را مجبور بقبول اسلام کرد (شاید اس فقرہ پر مورخ اپنا سر پیٹ لیگا)

ویزدگرد سیم آخرین پادشاہ ساسانی کشتہ گردید، ایرانیان از نگہداری آئین وسلطنت دیرین خود بکلی بریدہ شد، لہذا اکثریت مردم ایران پیرو دین نو گشتہ و اداب و رسوم دین زرتشت را ترک نمودند"

آج جناب مصنف اور ان کے رفقا، اگر کسی چیز پر نوحہ کنان ہین تو اس پر کہ "اداب و رسوم دین زرتشت" کو تو ترک کرنا پڑا، جن لوگون کو یہ گوارا نہ ہوا وہ اپنے شیر خوار بچون کو لیکر نکل پڑے، اور ہندوستان آکر "پارسی" کہلائے، یہ لوگ اپنے دین پر قائم ہین، ایرن کی جدائی پر بے تاب ہین اور اس تاک مین لگے ہوئے ہین کہ کسی طرح پر ایران پہنچین

گروہ دیگر از پارسیان کہ تغیر دین ندادہ در وطن خود شان جائے گیر اندند ناچار ہدف رفتارہا زشت وناشائست گردیدہ ہمہ جا گرفتار حقارت وخواری وبلکہ مجبور بہ نہفتن عقاید و آئین اجدادی خود گشتند"

شاید میرا یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ محکومیت اسی کے معنی ہین، اور یہ لازمہ نتیجہ ہوتا ہے، اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو دین مین تغیر ہو یا نہ ہو، جو کچھ ہوا (اگر صحیح ہو) اس کا ہونا لازمی تھا، کیا اندلس مین بھی یہ سلوک نومسلمون کے ساتھ

نہین، اور کیا زمانۂ حال مین تو عیسائیون کے ساتھ ساتھ ہندوستان مین نہین ہورہا ہی، مگر کیا فرمائین گے جناب مصنف عیسائیون کے حق مین جو باوجود نژادِ ایران ہونے کے ہر طرح کے مظالم مثل قتل و غارت برداشت کررہے ہین، اب تو تمیز اعراب نہین ہی،

"اما ایرانے کہ بدین اسلام در آمدند در ظاہر از نعمت آزادی و برابری و برادری، (سب سے بڑا غضب تو یہ ہوا کہ) "نفوذ اسلام و عقائد آن طورے در ذہنہائے ایران ریشہ دوانید کہ خط قدیم خود را نیز ترک کردہ خط عربی را یاد گرفتند" - کہ میوہ ہائے شیرین اسلامیت بود (الحمد للہ کہ یک کلمۂ حق بر زبان جاری است) بہرہ ور بودند، و بے ہمین کہ حرارت انقلاب رو بخاموشی گزاشت، و دورۂ خلفاء چہارگانہ منقضی شدہ خلافت بدست بنی امیہ افتادہ آن را قوام باسلطنت کردند و بنا بر فرعونی گذاشتند، و ہمین کہ کم کم پیشوایان قوم از خواب بے ہوشی و بے ادراکی، کہ ہر ملت در نتیجۂ انقلاب سیاسی مدتے دچار آن می شود، بیدار شدند انگاہ آن وقت تاثیرات استیلار و فرمان روائی خارجی را درک نمودند، و آن وقت حقیقت بندگی و زیر دستی را دریافتہ بمعنی آزادی پے بردند"

یہین سے انتقام لینے کا خیال ہوتا ہے، اور یہین سے جذبات انتقام کی تلوار کو صیقل ہوتا ہے ہی! پہلی صدی ہین مین جنگہائے داخلی اور پریشانی احوال رہی کہ ایرانیون کو فرصت نہ ملی۔

روح ایرانی مانند یک مرغ دام افتادہ خود را اسیر صیاد بے رحم دید .... در یک تنگنائے تیرہ و تاریک و در یک قفس بے روزن دوسے زاد اسیر افتادہ بود"

شاید اس وقت اتنی بھی فرصت نہ تھی کہ اعراب کو نژاد ایران مین شمار کرلیا جائے، گو بعد کو اس ترکیب پر عمل کرکے دھوکا دیا گیا،

"سلے از یک طرف اعرابے کہ این مملکت را بزرگ و خزاین و ثروتہائے ہنگفت آنہا را تصرف در آوردند از علوم و فنون و صنائع گوناگون بے خبر بودہ اہمیت و قیمت آنہا را درک نمی کردند، سہل است کہ بتخریب ہمہ گونہ آثار تمدن و صنعت و معرفت می کوشیدند"

یہ فقرہ تمہید ہے اعراب کو سب وشتم کرنے کی، وہ وحشی تھے، جانور تھے، چیزون کی قدر وقیمت نہ جانتے تھے دنیا کے عجائبات مین سے نوشیروان کا ایک قالین[1] ابریشمی، مطلّا و مرصع تھا، اس کو پھاڑ کر خراب کیا، ریشمین کپڑون کو ضائع کیا، سونا پھینک دیا، چاندی لے لی، جواہرات کو کوڑیون کے دام بیچ لیا، کتابون کو جلا دیا، اوستا کو کھو دیا وغیرہ وغیرہ، اس پر ابن الطقطقی، خان کارا باسیک، براؤن، مالکم وغیرہ کو شہادت مین پیش کر کے قیامت کی شکایت تو یہ کی گئی ہے کہ

"دروا قع جائے افسوس است کہ تقریباً دو ثلث کتابہائے کہ در ایران و از طرف ایرانیان برائے یک ملت فارسی زبان نوشتہ شدہ بزبان عربی است، و ہنوز بسیاری از علما و مؤلفین تالیفات خود را بزبان عربی می نویسند"

مجھے افسوس ہے کہ حضرت مصنف علام اپنے جوش گریہ مین اس اصول کو بھول گئے کہ مہذب و متمدن ممالک پر حملہ کرنے اور فتح کرنے والے ہمیشہ وہ ہوتے ہین جو اس ملک سے کم مہذب اور کم متمدن ہوتے ہین، وفور الم نے اس کو بھی بھلا دیا کہ ایران کے فتح کرنے کی یہ لم ہے کہ کسی طرح حجاز، بالخصوص کعبہ، ایران کے دست برد سے محفوظ ہو جائے جس پر حملہ کرنے کی مدتون سے دھمکیان ہوتی چلی آتی تھین، اُن کا مقصود جلب منفعت دنیوی نہ تھا، کیا یہ قیاس مین آسکتا ہے کہ وہ قوم اور اس کے افراد جو روم، ایران، ہندوستان، چین وغیرہ ممالک کے ساتھ تجارت کرتے ہون نہ جانتے ہونگے کہ چاندی قیمتی ہوتی ہے یا سونا، در و جواہر کی قیمت زیادہ ہوتی ہے، یا کنکر پتھر کی،

صرف یہی صدمات نہ تھے کہ ایران پر پڑے، عربونکی یہ کیفیت ہوئی کہ وہ ایرانیون کو ذلیل سمجھنے لگے، اعراب نے

"تکبر و خود فروشی و انخوت و غرور را بجا رسانده بودند کہ نام پادشاہان نیک نام و باعدل و داد ایران را نیز

---

[1] اس قالین کے مرثیہ مین دو صفحات سیاہ کئے گئے ہین، اس کا ٹکڑا دانا کے ایک تاجر کے پاس ہے، اس کی تصویر چھاپی ہو مجھے اپنے گنوارپن کا اعتراف ہے، شاید اسی وجہ سے اس تصویر کو دیکھکر مین یہ کہتا ہون کہ یہ کوئی عجوبہ نہین معلوم ہوتا، نہ اس قابل ہو کہ اس پر اتنا نالہ و بکا کیا جائے، منہ۔

بز شتی و حقارت بر دند"

بلاشبہہ یہ اچھا نہ تھا، مگر اس سے بھی چشم پوشی نہ کرنا چاہئے کہ مفتوح "صد عیب چنین گفتہ اند"

یہ کیفیت دیکھ کر ایرانیون مین انقلاب عظیم پیدا ہوا، اور انھون نے جد و جہد شروع کی، نان کو ایرانیشن نہین بلکہ

"از این تاریخ ببعد صفحات ایران یک میدان جنگ و جدال برائے اعادۂ موجودیت سیاسی و آزادی معنوی

می گردد"

مگر جب اس سے چندان فائدہ نہ دیکھا تو روح ایرانی اپنی اصلی تجلی مین جلوہ گر ہوئی، یعنی ایران نے تشیع اختیار

کر لیا، چونکہ یہ معاملہ نہایت نازک ہے، اس لئے مین جناب مصنف کو نقل کرتا ہون:-

"آساس تشیع در ایران"

"تجلیات این روح جاویدان را در راہ اعادہ استقلال سیاسی و آزادی فکری ایران از پیش نظر گذراندن

بے فائدہ نخواہد بود، در قلمرو سیاست می بینیم کہ از ابتدائے اسلام، بخصوص از روزے کہ ایران ہست سعد ابن وقاص

از طرف خلیفۂ دوم فتح و استیلا گردید، ایرانیان کینہ و حس انتقام در دل خود می پروراندند، و این حس کینہ و انتقام

در مواقع عدیدہ خود نمائی می کرد و از پردہ بیرون می افتاد، تا اینکہ با تاسیس فرقۂ تشیع بکلی ظاہر گشت (ارباب

وقوف و اطلاع بخوبی ادراک و قبول میکنند کہ اساس ظہور تشیع، علاوہ بر مسائل اعتقادی و اختلافات نظری

و نقلی، یک مسئلہ سیاسی نیز بود، ایرانیان استیلائے مملکت خود را از طرف اعراب بادیہ نشین و نہب و غارت

خزاین این کشور باستان و قتل ہزاران نفوس بے گناہ مرا از طرف مشتے عرب پا برہنہ ہرگز نمی توانستند قبول

و عفو و یا فراموش کنند،

محبت مخصوص کہ ابتدائے اسلام ایرانیان نسبت بخاندان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) و حضرت امیر المومنین

علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) داد، او داوہم رسانیدند خیر از اسباب مطونہ یک علت سیاسی نیز داشت

وگرنہ ہمہ قبائل عرب و پیشوایان اسلام برائے ایرانیان یکے بود، و با ہیچ کدام خویشی و روابط مخصوص پیش از

وقت نداشتند۔

فرط محبت ایرانیان بحضرت علی و اولاد او (رضی اللہ عنہم اجمعین) ازینجا ناشی بود کہ اولاً حضرت امیر در رعایت جانب اسرائے ایرانی، و در نگہداری حرمت و عزت بزرگان و نجبار ایران کمال ہمراہی رای کرد، بر حسب فضیلت و مکارم اخلاق در حق عموم بر طبق احکام شرع مبین رفتار می فرمود، و فرقے میان عرب و عجم نمی گذاشت، چنانکہ معروف است، پس ازینکہ خلیفۂ دوم عمر (رضی اللہ) بدست یک غلام ایرانی، فیروز نام، کہ اعراب اسم ابولولو برایش دادہ بودند، کشتہ گردید، عبید اللہ پسر عمر (رضی اللہ عنہ) بمحض این کہ شنید این ابولولو، باہرمزان ایرانی کہ والی سابق خوزستان، و از بزرگ زادگان و صاحب افسران ایران بود، و پس از جنگہائے خونین با اعراب اسیر شدہ و در مدینہ مشرف باسلام گشتہ و در آنجا اقامت میکرد رفت و آمدی داشتہ است، بدون مشورت با خلیفہ و صحابہ بخانۂ ہرمزان رفتہ، و او را با یک نفر دیگر بکشت،

این مسئلہ مایۂ انزجار و حیرت صحابہ گردید، و شکایت پیش خلیفہ سیم عثمان (رضی اللہ عنہ) بردند، عثمان (رض) در آن باب مشورت کرد، حضرت علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) فرمود کہ بر حسب حکم قرآن باید عبید اللہ بن عمر (رض) را بقصاص ہرمزان کشت، زیرا کہ یک مسلم را بے سبب کشتہ است، عثمان (رض) ترسید و از اجرائے حکم قرآن امتناع کرد، و سیاست را بر عدالت برتری داد، و دیت قتل ہرمزان را از مال خود دادہ عبید اللہ بن عمر را آزاد وگذاشت[۲]، این مسئلہ آتش غضب و کینہ را در دل ایرانیان نسبت بعمر و عثمان (رض) شعلہ ور ساخت، و محبت ایشان در حق حضرت علی امیر المومنین (رض) بیافزود، ازان روز ایرانیان، کہ از پادشاہ و سرپرست محروم ماندہ بودند، بحضرت علی (رض) بانظر حامی و پدر مہربان می نگریستند، و اخلاص خود را در حق او و فرزندان او اظہار می کردند،

و نیز در بعضے از کتب معتبرہ وارد است کہ در باب اسرا عجم، کہ از جنگ مداین آوردہ بودند صحبت شد[۱]

---

[۱] کذا فی الاصل منہ۔ [۲] اس قول کی صحت کے ذمہ دار حضرت مصنف ہین، منہ

کہ چہ باید نمود، برکس رائے می زد، حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام فرمودند کہ من از پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) شنیدم کہ می فرمودند، "اکرموا کریم کل قوم" العجم الاحرار" یعنی عجمہا آزاد مرانند، پس از آن فرمودند کہ من سہم خودم را ازین اسرائے آزاد نمودم، و حضرت حسین (رض) و جمعی دیگر ہم متابعت ایشان نمودہ سہمہائے خود را آزاد نمودند، تا بہ این وسیلہ امر منتہی بہ آزاد شدن تمام اسیرہا گردید،

ثانیاً ایرانیان را عقیدہ این است کہ شہربانو، دختر[1] آخرین پادشاہ ساسانی یزدگرد سیم در میان اسرار ایران پیش عمر ابن خطاب (رض) آوردہ شد و عمر خواست او را نیز مانند اسرائے دیگر در بازار بفروشند حضرت علی ابن ابی طالب مانع آمدہ گفت کہ با دشاہزادہ گان و نجبا را سر عریان در بازارہا کشیدن خلاف ادب است، بالآخر در تقسیم اسرا شہربانو نصیب فرزند حضرت علی (رض) یعنی امام حسین (رض) گردید، از آن جہت خاندان حضرت علی (رض) در نظر ایرانیان ہم از نژاد ساسانی نسب داشت، و ہم از حیث خویشی با رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب شرافت و امتیاز مخصوص بود، بدین سبب تنہا این خاندان می توانست بطور مشروع صاحب تخت و تاج کیانی بشود، نیز نظر بہمین نکتہ است کہ علی بن زین العابدین، فرزند ارجمند امام حسین، را، کہ از شہربانو بود، فخر العرب و العجم می گفتند، چہ از طرف پدر بہ بزرگ ترین عرب، کہ پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) بود، میرسید، و از طرف مادر بہ نجیب ترین سلاطین روئے زمین، یعنی پادشاہان عجم منتہی می گردید،

این عقیدہ کہ ایران را جز منسوبین خاندان ساسانی کسے دیگر نباید ادارہ بکند، در نژاد ایرانیان آن قدر رسوخ داشت، کہ چنانکہ خواہیم دید، اغلب سلاطین و امراکہ بعدہا در ایران حکمرانی کردند، می کوشیدند کہ خود را از نسل ساسانی بقلم بدہند، و ہم چنین کسانے کہ می خواستند میل و خاطر ملت ایران را دست

[1] بعض السیرج کرنے والے طلبا رکو اس مین شک ہے، لیکن ابھی بیان ہو چکا ہے کہ علی و اولاد علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے تمام اسارا کو آزاد فرمایا تھا، پھر شہربانو کو کیون قبول کیا گیا، مگر شاید یہ دوسرا واقعہ ہے ہٹ کذا فی الاصل،

بیادرند، ہمیشہ اورا وعدہ میدادند کہ یک نفر از خاندان ساسانی ظہور کردہ سلطنت قدیم ایران را از نو برپا خواہد کرد چنانکہ در بعضے از کتب غیبت از جاماسپ نامہ نقل کردہ اند کہ پس از اسلام سلطنت ایران بہ یکے از آل قباد منتہی میکردند، وشیعیان اثناعشری این یک فقرہ ز آل قباد را امام غایب دوازدہم خود میدانند کہ از طرف شہر بانو از آل قباد است"

اس کے بعد پروفیسر براؤن کی کتاب "تاریخ ادبی ایران" سے اقتباس ہے، جو اقوال بالا کا موکد ہے، مین اسے حذف کرتا ہون،

ممکن ہے کہ مین غلطی پر ہون، مگر تحریر بالا سے جو باتین مستنبط ہوتی ہین وہ یہ ہین:-

(۱) روح ایران نے حس کینہ وانتقام سے مجبور ہوکر شیعیت تصنیف فرمائی،

(۲) آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم وآل علی رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت ایک علت سیاسی ہی، ورنہ تمامہ اعراب وپیشوایان اسلام کشتنی تھے،

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قتل ایرانی سازش کا نتیجہ تھی، (سردست اس کا ذکر نہین ہے کہ حضرت عثمان غنی رض نے خلاف حکم قرآن عمل فرمایا)

(۴) روح ایران کو یہ عجیب نسخہ ہاتھ آیا ہوا تھا کہ جب یہ دیکھتی تھی کہ فاتح کا کچھ نہین بگاڑ سکتی تو اس کو اپنے نژاد مین شامل کرلیتی ہے، یہی اکسیر کی چٹکی عربون کے معاملہ مین استعمال کیگئی، اولاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آل ساسان مین شامل کرلیا گیا، اور اسی کو اعراب برہنہ پا" سے انتقام لینے کا آلہ بنالیا گیا، یہ ترکیب روح ایران کے لئے قابل فخر ہو تو ہو، ہم ہندی نژاد مسلمان، جو کئی صدیون سے تجلیات روح ایرانی سے مبہوت ہورہے ہین اس کو شرمناک سمجھین گے، ہم "ہندو جاتی" کے لوگ، باوصفیکہ دنیا بھر مین سب سے زیادہ بزدل ہین، ہرگز اس کو گوارا نہین کرسکتے کہ جو شخص ہم کو اپنا غلام بنالے، طرح طرح کے ظلم کرے، اس کو اپنی نژاد مین شامل کرلین، اور پھر اپنے تہور ومردانگی کی ڈینگین مارین، معاویہ ابن ابی سفیان (رض) نے

زیاد ابن ابیہ کو اپنی اخوت مین لے لیا تو وہ گردن زدنی، اور روح ایران نے سکندر یونانی اور اعراب کو اپنا بنا لیا تو قابل ہزاران تحسین، یاللعجب!

ایرانیان در باطن اگرچہ از استیلاء عرب خشنود نبودند، دلے ظاہرًا وسیلۂ جلوگیری و کوتاہ کردن دست اعراب را از ممالک خود نداشتند، و بدین سبب ہمیشہ در پے فرصت می گشتند، و حسیات کینۂ خود را در تہ دلہاے خویش نگاہ داشتہ ہموارہ آمادہ قیام جوش و خروش بودند،

اس عرصہ مین کئی انقلابات ہو چکے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، حادثہ کربلا ہوا، بڑا ستم یہ ہوا کہ بنو امیہ متوالے ہو گئے، مین اس کو تسلیم کرتا ہون کہ اُمویون مین ہزار عیب تھے، جن مین بعض ایسے ہین کہ کسی طرح معاف نہین کیے جا سکتے، لیکن یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ صحیح معنون مین ان ہی کی حکومت وسلطنت عربی تھی، روح ایران اس کو گوارا نہین کر سکتی تھی کہ دنیا مین جذبات عرب باقی رہین، چنانچہ حس انتقام کو التہاب ہوا!

"از یک طرف خروج وعصیانہائے، مانند خروج عبد اللہ بن زبیر (رض) و مختار ثقفی، نیام خون خواہی آل رسول ص بہمدستی ایرانیان بظہور میرسد، واز طرف دیگر اعضاء خاندان حضرت علیؓ با یک ترتیب محکم و پنہانی بر سند بنی امیہ کاری کردند،"

مخبر و قاصد ونقیب وداعی ولایات مین بھیجے گئے اور وہ کر دکھایا کہ

"امروز بزرگ ترین وقوی ترین فرقہاے سیاسی فرنگ"

اس سے زیادہ نہ کر سکین گے، مختصر یہ ہے کہ ابو مسلم خراسانی جیسے روباہ باز، کیاد، دغا باز نے خاندان بنو اُمیہ کا خاتمہ کر دیا، مگر روح ایران کی بد قسمتی، یا دنیائے اسلام کو دھوکا دینے کا مقصود اصلی کہ بنو امیہ کے بعد جو لوگ عرض بازار ہوئے وہ بھی عرب ہی تھے۔

"اگرچہ خلفائے عباسی از اولاد حضرت علی بن ابی طالب، کہ ایرانیان می خواستند، نبودند،

وے باز بہتر از بنو امیہ بودند، و چون بدستیاری ایرانیان و بپامردی ابومسلم خراسانی بمقام خلافت رسیدند، سلطنت آنان یک سلطنت ایرانی شمردہ می شود"

این مظفریت ایران در شکست دادن و منقرض ساختن بنی امیہ در حقیقت انتقامی بود کہ پس از یک قرن ملت ایران از اعراب می کشیدند، در ظرف این یک قرن ایرانیان ہیچ وقت فارغ از پروردن حس انتقام نگشتہ، و باکمال متانت و استقامت و قوت ایمان در نہانی اسباب آن را فراہم آوردہ بودند، در واقع ایرانیان آن زمان، بقدر ملل زندہ دل امروزے، در کار و بیدار بودند"

جو بھی تھا، بنو امیہ کی سلطنت سے تھا، ایرانیون کو خود نمائی کا موقع ملا وغیرہ وغیرہ"

وے این انقلاب ہنوز برائے اعادہ استقلال سیاسی و حقیقی ایران کافی نبود، انقراض بنی امیہ و استقرائے عباسیان بمسند خلافت رفع عطش از تشنگان زلال آزادی ایران نمی بود، چنانکہ امیدے کہ ایرانیان بدان خاندان بستہ بودند بطور دلخواہ حاصل نہ شد"

اتنا غنیمت تھا کہ ابھی بنو عباس تجلیات ایران سے اتنے مسحور نہ ہوئے تھے کہ وہ اپنے نفع و نقصان کو بھول جاتے؛ ابومسلم کو جس نے اپنا آلہ بنایا تھا اسی نے اس کو قتل کرکے "خس کم جہان پاک" پر عمل کیا، روح ایران کچھ متحیر سی رہ گئی، اب اور طرح کی ریشہ دوانیان شروع کین، تصانیف عالیہ ہومین فلسفہ پر زور دے کر نفس اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کیگئی، فرقۂ شعوبیہ کے قیام سے اعراب کی تنقیص کیگئی، یہ کوشش کیگئی کہ خلافت عباسی تشیع قبول کرلین،

باوجود این احوال و این امتیازہا و نفوذہا کہ این ایرانیان داشتند آنچہ را کہ ایشان می خواستند بعمل نمی آمد"

استیلائے عرب ویسا ہی باقی رہا،" سردار نامور ایرانی ابومسلم خراسانی" تو قتل ہوا ہی تھا، خلفائے بنو عباس شیعہ بھی نہ ہوئے کہ کچھ کار برآری ہوتی، ابومسلم کے خون کا بدلہ لینے کے بہانہ سے اس عربی سلطنت

کو ضعیف کرنے کی تدابیر کی گئین،

چنانچہ سنباد مجوس کہ دوست وطرفدار او بود، ہوا خاہان زیاد بروی در خود جمع کرد و ابتدا شمرۂ میش (دغائی)

درے راکہ ابو مسلم خزائن زیاد درین شہر آخری گذاشتہ بود، تصرف نمود، و آن خزائن را بر داشت و اعلان

کرد کہ خیال دارد کہ بر حجاز حملہ ببرد و کعبہ را خراب بکند"

مگر بد قسمتی کہ نتیجہ یہ ہوا کہ سب قتل ہوئے،

زمانہ چند قدم آگے بڑھ چکا تھا، عباسیون پر ایرانیون کی طلسم سازی اور نظر بندی اثر کر چکی تھی کہ خاندان

برامکہ کا دور دورہ ہو گیا، ممکن ہے کہ یہ لوگ روشن دماغ ہون، تاریخ اس کا ثبوت دینے سے قاصر ہے، بڑے

سے بڑا کارنامہ اس خاندان کا یہ ہے کہ اس نے ہارون کو گدی دلوائی، اور یہ جزا پائی کہ سیاہ سفید کے مالک

ہو گئے، اپنے رشتہ دارون کو مالا مال کر دیا اور غیر کے مال سے وہ زرپاشی کی کہ ان کی داد و دہش پر تاریخ تحسین

و آفرین کر رہی ہے، اگر جتنی شہرت اس خاندان نے پائی اس سے ہزار گونہ زیادہ یہ لوگ کو رنمک[1] تھے، تاریخ کو خالی الذہن

ہو کر بغور ملاحظہ فرمایا جاوے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نمک حرام خاندان ہارون، یا اس کے بعد ہی سلطنت

عباسی کو ایران پہنچانے والے تھے، ہارون آخر رشید تھا، یکایک اسکی آنکھون کے سامنے سے پردہ ہٹا، اور طلسم

نظری کا کھیل آخر کب تک رہ سکتا ہے، اس نے سب کو یک قلم تہ تیغ کر دیا، یقین کیجئے کہ بڑا فتنہ گیا، ورنہ

ایمان گیا ہی تھا، خدا نے رکھا، مگر روح ایران اور انتقام نے، ناممکن! مرتے ہوئے یہ نمک حرام عباسہ

(اخت ہارون) کا فقرہ ایسا چسپت کر گئے کہ غریب ہارون الرشید کو تا قیام قیامت بدنام کر گئے، لیکن اہل نظر

جانتے ہین کہ اگر یہ آسان تھا جتنا کہ برامکہ کا قتل عام، یاد ہوگا کہ ایک انگریز نے چند ہی روز ہوئے یہ کہدیا تھا کہ

ایک گورے سپاہی کے ایک قطرۂ خون کے بدلہ مین تمام ایران کا خون برابری نہین کر سکتا صرف اس ایک

فقرہ پر روح ایران کانپ اٹھی تھی، تو کیا ہارون اتنے بڑے جرم کے انتقام مین ایران چھوڑ دیتے مین نمولی دکھاتا

---

[1] ان الفاظ کو لکھ کرکے مین مولوی عبدالرزاق صاحب مصنف البرامکہ دست بستہ معافی چاہتا ہون، کیونکہ برامکہ ان کے ممدوح ہین

اس کی شکایت نہ کیجئے کہ ہمارے ہندوستان کے لوگون نے جلب منفعت کے لئے اس کا لحاظ نہ کیا کہ وہ اولاد عم رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی بدنامی کو ہندوستان مین تازہ کرتے ہین اور قصہ باطل پر بے سروپا ناولون کی نبیاد رکھتے ہین،

این شعلہ بہند گرم خیز است
اینجاست کہ آفتاب تیز است

(اللّٰھم ارحمھم جمیعا) مجھے اندیشہ ہے کہ برکلیون کے متعلق جو کچھ مین نے اوپر لکھا ہے اس میری مخالفت ہو گی، لیکن مین یہ التماس کرون گا کہ مامون جیسا عظیم الشان وارث ہارون، ایران کا نواسا سمجھا جاتا ہے. اگر وہ اس خاندان کو نمک حرام نہ سمجھتا تو ممکن نہ تھا کہ اپنے مامون کے خاندان کو برسر کار نہ کرتا، میرے قول کی یہی شہادت شاید کافی ہو گی،

غرض برامکہ قتل ہوئے، روح ایران اب تک "بریز بریز" پکار کر ان کا مرثیہ پڑھ رہی ہے، چنانچہ ہمارے مصنف علام نے بھی ان پر چار ورق کالے کیے ہین، اس کے اکثر فقرے بڑے لطیف ہین، مگر مین انھین حذف کرتا ہون، نتیجہ یہ ہے کہ روح ایران کا یہ تیر بھی خطا کر گیا، گو یہ نہین کہا جا سکتا کہ اس کا ترکش خالی ہو گیا تھا،

ایک بات بطور جملہ معترضہ عرض کرنا چاہتا ہون، مین نے اوپر فرقہ شعوبیہ کا نام لیا ہے، اگرچہ یہ خیال ہی گستاخی پر مبنی ہے، مگر خیال ہوتا ہے کہ بعض قارئین کرام کو یہ فرقہ یاد نہ رہا ہو اس لئے اس کا ذکر جناب مصنف علام کی زبان سے کر دینا بیجا نہ ہوگا، وہو ہذا:-

"از ابتداء و استقرار سلطنت عباسیان در میان ایرانیان یک فرقہ ہم غیر از شیعہ کہ تقریباً اغلب ملتہائے غیر عرب در آن اشتراک داشتند تاسیس یافت، فقط نظر این فرقہ این بود کہ تمام فضائل و امتیازات را کہ اعراب

نخود بستہ و ملیتہائے دیگر را حقیری شمردند و مورد استہزا می ساختند، از اعراب سلب کنند و بدین جہت خود
شان را شعوبی (شعوبیہ) می نامیدند، یعنی ملّی، و منسوب بیک ملت در صورتیکہ اعراب را منسوب بہ
قبائل می گفتند، وادعامی نمودند کہ عرب ہنوز مقام یک ملت را کسب نہ کردہ است، و بدین مدعائے خود
از آیۂ شریفہ یا ایہا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوبا و قبائل
لتعارفوا، استشہاد می کردند، و می گفتند کہ مقصود از لفظ قبائل طوائف اعراب و از شعوب ملتہائے
ایرانی وغیرہ است کہ درین آیہ بر قبائل مقدم آمدہ است، اکثریت این فرقہ را ایرانیان تشکیل میدادند،
واگرچہ تا یک درجہ موضوع مباحثات این فرقہ بر پایۂ علمی و اخلاقی گزاشتہ شدہ بود، اما در واقع خالی
از اہمیت سیاسی نبود، زیرا تشکیلات این فرقہ یک تیشہ بود کہ بنفوذ و تسلط و تحکم اعراب زدہ می شد
و دماغ تکبر و غرور آنان را بخاک می مالید، و تمام باطل می نمود، آنہا می گفتند کہ نقطۂ نظر اسلام، ہیچ
امتیازے میان مسلمانان نیست و ہمہ مساوی ہستند اگر بارہ ملاحظات ایمانی را در نظر آوریم، آن وقت
دیدہ می شود، کہ اعراب از چند حیثیت کمتر و پائین تر از ملل دیگر ہستند"

اس فقرہ سے جذبات ایران پر بھی زیادہ روشنی پڑتی ہے، بہرکیف ان لوگون کی تالیف و آثار نے
حسیات ملی ایرانی مین بہت کچھ بیداری پیدا کردی، لیکن دوسری طرف اعراب کو نژاد ایران سے بیش از بیش
عداوت پیدا ہوگئی، اور بالخصوص حضرات شیعہ ہدف بن گئے، ادھر یہ ہو رہا تھا، ادھر ایرانیون کی تدابیر جاری
تھین اور سلطنت کی جڑین کھوکھلی ہوتی چلی جاتی تھین، خلفا غرق عشرت اور مست بادہ غفلت ہوتے چلے
جاتے تھے، طاہریون صفاریون، سامانیون، دیالمہ، غزنویان، سلجوقیان کے دست مال ہٹے ہوئے تھے،
اور یہ سب کچھ روح ایران کی دستکاریان تھین، انتہا ہے کہ یہ لوگ اداب و رسوم شاہان ایران کے
پابند ہوگئے تھے، یہ نظر آرہا تھا کہ تختہ پلٹنا چاہتا تھا، سلطنت عباسی لب گور ہے، مگر چارہ کار کیا تھا؟ ایرانیون
کا محو کردینا، ہارون نہ تھا کہ یک جنبش ابرو سب کچھ ہوجاتا، ایرانی ہر طرف مسلط تھے، اگر مددگار ہوسکتے تھے تو

وہی، مگر یہی عدوئے جان تھے، آخر آخرین تاجدار عباسی کو اسی کے ایرانی وزیر نے ہلاکو کے ہاتھون ہلاک کرایا، بغداد کو لٹوایا، اسلام کا جنازہ اپنے نزدیک اٹھوایا، اور اپنا اور روح ایران کا جی ٹھنڈا کر لیا، یون کئی صدیون کے بعد ایران نے اعراب سے پورا پورا بدلہ لیا،

مین کتاب زیر نظر کے صفحہ ۸۵ تک پہنچ چکا ہون، طول بہت ہو گیا، مین خود گھبرا گیا ہون، آخری گیارہ صفحات مین "آخرین تجلی روح ایرانی در عہد صفویان و نادر شاہ" کی جھلکیان دکھلائی ہین، اعراب کی بربادی و تباہی پر خوب بغلین بجائی ہین، اور "روح ایران زندہ جاوید است" کا عنوان دے کر کتاب کو ختم کر دیا ہے،

مگر مین پوچھتا ہون،

کہ کیا ایران اب آزاد ہے؟ کیا اب اُس پر اعراب سے زیادہ عدو سے شدید مسلط نہین ہے؟ جو چارہ کار ایران نے اب سوچا ہے وہ واقعی اس امراض لاحقہ کا علاج ہو سکتا ہے؟ یا دوا جو تجویز کیگئی ہے خود موجب امراض نہ ہوگی؟ اس کو سوچنا چاہئے کہ یا کہ بریدی یا پختی ماختی، مانا کہ صفویون کا زمانہ اس کے لئے چار دن کی چاندنی تھی، نادر شاہ کے زمانہ سے اندھیری رات شروع ہے، اور اب تو وہ ظلمت ہو کہ معاذ اللہ، ایران نہ مانے مگر یہ قصہ در دسوختن است ساختن نیست، بہت ممکن ہے کہ انکی دوا اسلامیون سے ملا رہنا ہو جدا ہونا، کیا اس جنگ عظیم کے نتیجہ نے یہ ثابت نہین کر دیا کہ فتح و نصرت اتفاق کی ہم رکاب ہے اعراب کو چھوڑ کر کچھ بہت بڑا فائدہ آپ نے نہین اٹھایا، قرآن مجید یا کم از کم اُس کی زبان نے آپ کو ایک بہت بڑی برادری کا فرد بنا رکھا ہے، عربی کو چھوڑ کر دنیائے اسلام کی ہمدردی سے آپ محروم ہوئے جاتے ہین، مین تسلیم کرتا ہون کہ ٹین اسلامزم ناکام رہا، مگر کیون؟ اس لیے کہ عبد الحمید خان مرحوم کا سایہ اس کے سر سے اُٹھ گیا، ان کے بعد اس کے حامیون نے کج رہی اختیار کی، جرمنون کو اپنا مددگار بنایا، وہ خود خود مطلب تھے، اب ایک نئی بات ہے کہ پھیلی جا رہی ہے،

کہین ٹین ایرانیئین ہے، کہین ٹین تورانیئین، کہین ایجپشین، وغیرہ وغیرہ، ٹین تورانین یقیناً ناکامی

پر ختم ہوئی، اور اُس نے دنیائے اسلام کی ہمدردی کو کھو دیا، کیا آپ کو یقین ہے کہ پین ایرانیزم کامیاب ہوگی، پین اسلامزم کو کامیاب بنائے آپ کامیاب ہونگے، حبل المتین کو پکڑے آپ مضبوط ہوں گے، سواد اعظم سے نہ بھٹکئے آپ کو سیدھا راستہ ملیگا،

ومن شذ شذ فی النار،

اعلان،

جناب مولوی شہباز خانصاحب مالک اورینٹیل بکڈپو نمبر ۱۵۱ سپارکے مونگ ٹولی اسٹریٹ رنگون دارالمصنفین کی طرف سے برما کے ایجنٹ مقرر کیے گئے ہیں اور ان کے یہاں سے دارالمصنفین کی تمام مطبوعات مل سکتی ہیں برما کے تاجران کتب ان سے خط و کتابت کر کے کمیشن طے کر لیں،

"منیجر"

دنیا مین قرآن شریف کے نایاب نسخے

اور

اون کے خصوصیات و کیفیات

از

مولوی حافظ نذیر احمد صاحب، محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ، کلکتہ،

آج مین اس خاص مضمون کو جس کا مین نے دسمبر مین وعدہ کیا تھا مارچ مین پیش کر رہا ہون، اس مین ایسے ایسے نادر اور بیش بہا قرآن شریف کے نسخون کا ذکر ہے جو دنیا مین عدیم النظیر ہین،

مین نے اس مضمون کو چار قسمون پر منقسم کیا ہے:۔ قسم اول مین وہ قرآن شریف پیش کرونگا جن کو مین نے کتب خانون کی فہرستون سے چنا ہے، قسم دوم مین وہ کلام پاک ہونگے جنکو مورخین نے تواریخ مین ذکر کیا ہے، قسم سوم مین وہ قرآن ہونگے جو خاص کسی شخص کی ملک یا قبضہ مین ہین، قسم چہارم مین وہ قرآن ہونگے جنکو مین نے اپنے زمانہ سیاحت مین کتب خانون مین معائنہ کیا ہے،

قارئین کرام سے استدعا ہے کہ اگر کسی کی ملک یا کتب خانہ مین کوئی اور نادر الوجود قرآن ہو تو اسی سلسلہ مین فقیر کو مطلع کرین تاکہ وہ بھی اس مجموعہ مین شامل ہو جائے، یا اڈیٹر صاحب کو اطلاع دین کہ وہ ملحق فرما دین اور ایک دلچسپ اضافہ ہو جائے،

نمبر اول مین ایک قرآن ہے جس پر مین نے بیل بوٹے لگا کر اس مین ایک خوبی کا اور اضافہ کر دیا ہے، تاریخی قدامت اور خط کی حیثیتون سے آپ کو نظر آئیگا جس کے آخر صفحہ کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ اس قرآن پاک نے دو شاہان صفویہ اسمٰعیل (غالباً اسمٰعیل اول) اور عباس (غالباً عباس اول) کے

کتب خانون کو زیب و زینت دینے کے بعد اکبر شاہ کے کتب خانہ کو زینت بخشی ہے، اور اکبر نے اپنے دستخط اور تحویلداردن نے اکبر کی مہر اس پر ثبت کی ہے، پھر شاہجہان کے کتب خانہ مین داخل ہوا، اور دو جلیل القدر عہدہ داران عنایت خان، اور فاضل خان نے اپنی مہرین اس پر ثبت کین، پھر اس نے عالمگیر کے کتب خانہ کو شرف بخشا، اور راعتماد خان منصبدار نے اپنی مہر اس مین لگائی، اس کے بعد اول صفحہ مین ایک فارسی عبارت نظر آتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۵ رجمادی الاول ۱۱۵۴ھ مین چند سرداران ملک سندھ کے درمیان عہد و پیمان ہوا تھا، (غالبا عہد و پیمان کے وقت اس قرآن کو درمیان مین رکھ کر سردارون نے عہد و پیمان کے پختہ کرنے کے لئے قسم کھائی ہو) اسی قرآن کو پھر سندھ کے انعامون مین شامل کر دیا گیا، پھر ۱۸۵۳ء مین لارڈ ہوزی نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے کتب خانہ مین اس دُرِ بے بہا کو تحفہ دیا، اور اب وہ لندن مین انڈیا آفس لائبریری کو زینت بخش رہا ہے،

(۱) یہ قرآن شریف مکمل نہین، چند سورتین ہین، ۲۰۰ صفحات ہین، ہر صفحہ مین دس سطرین ہین، عرض و طول ½ ۸ × ۷ ہے، خط کوفی مین ہے حرکات کے لیے سبز اور سُرخ نقطے ہین، آیات سنہری نقوش سے بنے ہین، دس دس آیات کے بعد ایک نقش کلان ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دسوین آیت ہے، اکثر صفحون پر حروف مٹتے جا رہے ہین، اور آخیر مین کاتب کا نام یون لکھا ہے:۔ کتبہ علی بن حمدان"

نمبر دوم مین جو قرآن شریف آپ ملاحظہ فرمائین گے اس مین بھی تاریخی حیثیت سے اور قدامت نظر آئیگی مگر سب سے آخر مین کاتب کا نام جب آپ ملاحظہ فرمائین گے تو آپ مسرت سے اچھل پڑین گے کہ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان کے مقدس ہاتھ کی تحریر ہے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

اس قرآن پاک نے بھی شاہان مغلیہ کے کتب خانون کو شرف بخشا ہے اس کے آخیر صفحہ مین اکبر بادشاہ کی مہر اور دستخط اور دوسرے امراء کی مہرین بھی آپ معائنہ کرین گے، پھر گردش زمانہ سے یہ قرآن پاک

۱۸۴۵ء مین میجر راولسن پولیٹیکل ایجنٹ ترکی کو جو برطانیہ کی طرف سے کونسل بغداد مین تھا یہ گوہر بے بہا ملتا ہے، اور وہ بھی لارڈ ڈھوزی کے طرح سنہ مذکور مین ایسٹ انڈیا کمپنی کے کتب خانہ مین تحفۃً دیتا ہے جو فی الحال لندن کے انڈیا آفس کے کتب خانہ کو شرف بخش رہا ہے۔

(۲) اس مین بھی چند سورتین خط کوفی مین ہین، طول و عرض مین ½۹ × ¾۶ ہے، صفحات ۱۸۱ ہین ہر صفحہ مین ۱۶ سطرین ہین، سورتون کے نام نہایت ٹیڑھے خطوط مین لکھے ہوئے ہین، اور دس آیات کے بعد ایک ایک نشان ہے، حرف کی شکل میں جو ایک قدیم مغربی حرف کی طرح ہے، اور دسو آیات کے بعد، حاشیہ پر ایک نشان ہے، اور آخیر مین کاتب کا نام یون لکھا ہوا کتبہ عثمان بن [illegible]

نمبر سیوم مین جو چند سُور قرآن کے نظر آئین گے وہ بھی قدامت، طرز تحریر، کتابت، اور تاریخی حیثیت سے دلچسپ ہونگے تاریخی حیثیت سے کہا جاتا ہے کہ تیمور لنگ اس کو ہندوستان مین لایا تھا، پھر اس نے لاہور مین کسی کتب خانہ کو شرف بخشا، اس کے بعد پیرس کے کتب خانہ کو زیب دیتا رہا، اور اب لندن مین انڈیا آفس کے کتب خانہ کو زینت دیتا ہے، کاتب کی حیثیت سے نہایت ہی دلچسپ ہے کہ خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کے کاتب ہین، واللہ اعلم۔

(۳) یہ قرآن پاک عرض و طول مین ۵ × ½۳ ہے، ۴۲ صفحات ہین، ہر صفحہ مین ۵ سطر ہین، خط کوفی مین مدور لکھا ہوا ہے، ہر سطر کے درمیان بہت زیادہ بعد ہے، اور درمیان درمیان حرکات کی جگہ سرخ نقطے دیئے گئے ہین، سنہری نقوش سے آیات بنے ہین، اور دس دس آیات کے بعد ایک نقش کلان سنہری کام کا ہے، اور یہی ترتیب ہر دس آیات کے بعد ہے، عنوان مین سورتون کے نامون کو پر نہین کیا گیا ہے حواشی پر حال مین کسی نے دبیز کاغذات ضم کر کے طلائی کامون سے مرصع و مزین کر دیا ہے اور ابتدا و اخر صفحات کو اعلیٰ درجہ پر نقش و نگار کیا ہے، اور آخیر مین ختم قرآن کے بعد جو دعا معمول ہے یعنی صدق اللہ العلی

العظیم، نقوش کے اندر لکھی ہوئی ہے، آخیر مین دوسرے خط مین کاتب کا نام یون ہے:۔ کتبہ علی ابو طالب"،

چمڑے کی جلد اور ریشم کے جزدان مین ہے،

نمبر چہارم مین ایک قرآن شریف نظر آئے گا جو تاریخی حیثیت سے خالی مگر کتابت، قدامت اور کاتب کی حیثیت سے نہایت اہم ہے، کاتب کا نام جو آخیر مین ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دست مبارک کی تحریر ہے۔ واللہ اعلم،

(۴) یہ بھی خط کوفی مین چند سورتین ہین، طول و عرض مین ۴×۶ ہے، ہر صفحہ مین تین سطرین، اور ۲۰۵ صفحات ہین، چوب خط کوفی مین تعجب ناک طریقہ سے یعنی ترچھا لکھا ہوا ہے، حرف لا کو عجیب طریقہ سے لکھا ہے، سرخ نقطون سے جابجا حرکات کے نشان ہین، سنہری نقوش کے آیات مین حواشی اعلی درجہ کے مطلا و مذہب ہین، آخیر کے ورق پر بھی خط کوفی لکھا ہوا ہے جو قریب مٹنے کے ہے، اور نقوش کے اندر کاتب کا نام یون ہے:۔ "کتب حسن بن علی"

سنہری چمڑے کی جلد مین منڈھا ہوا ہے،

نمبر پنجم مین بھی کوئی تاریخی دلچسپی نہین مگر قدامت، کتابت، روش خط، اور کاتب کی حیثیت سے جس کے نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دست مبارک کا لکھا ہے، ممتاز ہے،

(۵) اس مین بھی چند سورتین خط کوفی مین ہین جو چوب خط اور لانبے حروف مین لکھے گئے ہین، طول و عرض مین، ۲ × ۴ ہے، ۶۴ صفحات ہین، اور ہر صفحہ مین ۹ سطرین ہین، حرکات سرخ، سبز، زرد، نیلی رنگون سے بنے ہین آیات زر افشان ہین، اور ہر دس آیات کے بعد طلائی کام کا ایک بڑا نقش ہے دوسری

سورۃ کا نام عنوان مین زرافشان زمین پر لکھا ہوا ہے، صفحہ ۴۶ مین کسی نے اپنے نوٹ مین لکھا ہے کہ یہ تحریر بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے (واللہ اعلم) یہ قرآن شریف بھی چمڑے کی جلد اور ریشمی جزدان مین ہے، مندرجہ بالا تینون قرآن شریف لندن کے انڈیا آفس لائبریری کو زینت دے رہے ہین، ان پانچون قرآن شریف مین سنہ کتابت نہین،

نمبر ششم مین آپ کو قرآن شریف کی چند سورتین نظر آئین گی جو سیستان مین ۵۰۵ھ مین لکھی گئی تھین یہ اس وقت پیرس کے ببلیوتھیکا نیشنل کے کتب خانہ مین موجود ہے، اس قرآن کو مسٹر شیفر نے خرید اتھا اور ۸۰۹ قلمی کتابون کے ذخیرہ مین یہ ایک قرآن پاک بھی تھا، مسٹر شیفر کا ذاتی کتب خانہ تھا جس مین ۲۰۵ عربی ۲۷۶ فارسی، اور ۳۲۸ ترکی قلمی نایاب بیش بہا کتابون کا ذخیرہ تھا، مسٹر بلاخیت نے ببلیوتھیکا نیشنل کی طرف سے ان کتابون کی فہرست تیار کی ہے، مگر اس مین اس نے اس قرآن کی کیفیت نہین بتائی صرف تاریخ کتابت لکھی ہے،

نمبر ہفتم، مسٹر شیفر کے ذخیرہ مین سے ایک مکمل قرآن پاک، استاذ الخطاط یاقوت مستعصمی المتوفی سنہ ۶۹۸ھ کے دست خاص کا نسخہ مین لکھا ہوا ببلیوتھیکا نیشنل کے قبضہ مین ہے، اسی ضمن مین مناسب سمجھتا ہون کہ یاقوت مستعصمی کے دست خاص کے لکھے ہوئے قرآن جس قدر مجھے معلوم ہین سب کو بیان کردون:-

یاقوت مستعصمی کے دست خاص کے لکھے ہوئے اور قرآن شریف کے

چار نسخے ہندوستان مین ہین

(۲) پٹنہ، اورینٹل پبلک لائبریری مین ایک نسخہ مکمل ہے،

(۳) مدراس، احتشام الدولہ کے کتب خانہ مین مکمل ہے،

(۴) لکھنؤ، واجد حسین مرحوم کتب فروش کے ذخیرہ مین اول کے ۱۵ سیپارے نہایت ہی مطلا و مذہب ہین، ہر صفحہ مین آپ ۱۳ سطور پائین گے جن مین اول درمیانی اور آخر کے سطور جوب نسخ مین لکھی ہوئی ہین، سنہ ھ تاریخ ہے،

(۵) اتفاق سے اس کا دوسرا حصہ یعنی نصف آخیر، ان کے چھوٹے بھائی عبد الحسین کتب فروش کے ذخیرہ مین تلاش کے بعد ملا، مگر دونون بھائیون مین اس قدر نفاق ہے کہ ہر شخص جدا جدا فروخت کرنا چاہتا تھا، لہذا مین ناکامیاب رہا، واجد حسین کو ڈھائی سو روپیہ مین راضی کیا اور عبد الحسین سے کہا کہ تم بھی ڈھائی سو روپیہ لو مگر اوھون نے ۵۰۰ نصف اخیر کا مانگا، لہذا مین مجبور رہا، واجد حسین کا حال مین انتقال ہوگیا، اب وہ نسخہ وہان نہین رہا، معلوم نہین کس کے ہاتھ لگا،

نمبر ہشتم، اسکی نقاشی، طلاکاری، آراستگی، خطاطی، کے علاوہ اس مین ایک خاص تاریخی حیثیت بھی ہے، کہ ٹیپو سلطان جس کے کتب خانہ مین چیدہ چیدہ تین ہزار قلمی کتابین تھین ان مین سے ایک بیش بہا گوہر یہ بھی تھا جو ہر روز شاہ موصوف کی تلاوت کے لیے پیش ہوتا تھا، موصوف اپنی آنکھون کو روزانہ ٹھنڈک بخشتے تھے، اور اب یہ قرآن لندن مین انڈیا آفس کے کتب خانہ مین ہے،

(۸) طول وعرض ۱۲ × ۸، صفحات ۵۲۲، فارسی مین سورتون کی فہرست صفحہ ۱ سے صفحہ ۲۲ تک ہے،

فہرست سور ہائے کتاب اللہ المجید الخ،

قرآن پاک کی ابتدا صفحہ ۲۵ سے اور اختتام صفحہ ۵۲ مین ہوتا ہے، اور عربی دعائین صفحہ ۵۲ سے صفحہ ۵۲۲ تک ہین، خط نسخ مین اعلیٰ طرز پر لکھا ہوا ہے، نہایت عمدہ مشرقی جلد بھی ہے،

نمبر نہم قرآن شریف مع ترجمہ فارسی کے آخیر مین مشرا سے دٹنے ( )

کا ایک عبرت خیز نوٹ ملے گا جو ایک خاص تاریخی حیثیت سے اہمیت رکھتا ہے، جس سے آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائین گے اور قرآن پاک کی عظمت بھی آپ کو معلوم ہو گی، ایام غدر ۱۸۵۷ء مین شہر لکھنو مین بغاوت و فساد کی آگ مشتعل ہوتی ہے، اور جنرل فرانکس (GENERAL FRANKS) نے اپنے ایڈی کیمپ کپتان ہینڈرسن (CAPTION HENDERSON) اور کچھ فوج کے لکھنو مین داخل ہوتا ہے اور یہی قرآن اسکو راستہ مین ملتا ہے اور وہ اٹھاتا ہے اور اپنے خزانہ مین رکھتا ہے، اس کے نسبت اس کا یون بیان ہے کہ ایک مسلمان عبادتگذار اپنی جان کے خوف سے اس قرآن کو لیکر بھاگا جارہا تھا راستہ مین مارا گیا، مرتے وقت اس بزرگ نے اس قرآن کو اپنے جسم پر (یا سینہ پر) رکھا یہان تک کہ اسکی روح آشیانۂ خلد برین مین جا بسی (معلوم ہوتا ہے کہ خاتمہ بالخیر کی نیت سے اس بزرگ نے قرآن کو جسم پر رکھا ہوگا، اللہ اللہ یہ کیسے لوگ تھے کہ ایسے شورش کے وقت بھی قرآن پاک کو جدا نہ کرتے، اللھم اغفر لھم بالقرآن العظیم،

کاتب اس کا احمد انصاری المدنی کا لڑکا ہے، ۱۰سوین صدی مین زندہ تھا،

(۹) طول و عرض ½۸ × ۳ اعلیٰ خط نسخ، ترجمہ فارسی نستعلیق مین، مگر اوراق الٹ پلٹ گئے ہین اور نہایت بے ترتیبی کی حالت مین ہے، ۹۹۵ھ ۱۵۸۷ء کی تحریر ہے،

اس وقت یہ بھی لندن کے انڈیا آفس کو زینت دیتا ہے،

نمبر دھم، تاریخی، قدامت، روش کتابت، کی حیثیت سے نہایت وقیع ہے،

مسٹر سیڈنی چرچل (MR SIDNEY CHURCHIL) جسوقت کہ وہ انگریزی سفارت خانہ طہران کے فارسی ترجمانی کے منصب جلیلہ پر مامور تھے، اس وقت خوش قسمتی سے یہ نایاب قرآن پاک دستیاب ہوا تھا جسکی نسبت ممتاز مورخین و مستشرقین کا خیال ہے، کہ قرآن شریف کا ایسا قدیم اور عمدہ نسخہ یورپ مین کبھی بھی جلوہ نما نہین ہوا، یہ برٹش میوزیم کو دیدیا گیا،

(۱۰) طول وعرض ½ ۸ × ½ ۱۲، صفحات ۱۲۱، سطرین ۲۴، لنبائی تحریر ½ ، انچ خط کوفی، چوب قلم، کتابت گھنی، چمڑے کا کاغذ، نہایت مضبوط اور مستحکم،

یہ مکمل قرآن نہین ہے،

نمبر ۱۱، یہ قرآن پاک سراوسلے (SIR OSALY) کے ذخیرہ کا ہے، اس نے بھی برٹش میوزیم لندن کے کتب خانہ مین دیا ہے، قدامت اور طرز تحریر مین سابق کی طرح اہمیت رکھتا ہے،

یہ بھی غیر مکمل ہے،

(۱۱) صفحات ، ، اونچائی ¼ ۱۰، حجم ۱۵، لنبائی ½ ۹، سطرین ۷، خط کوفی، لمبائی مین لکھا ہوا ہے، کتابت گھنی کاغذ چمڑیکا ما سبق کی طرح،

تذکرۂ گلزار اعظم فارسی،

جنوبی ہند کا ایک بے بہا نسخہ

از

سید فضل الرحمن صاحب معسکر بنگلور،

فارسی شاعری کی نشو و نما آخیر دور مین خاندان صفویہ کے زیر سایہ ایران مین ہوتی رہی، اس مین شک نہین کہ صفوی خاندان کے ہاتھون بہت سے ظلم و ستم تعصب مذہبی کے باعث، سنیون پر ہوتے رہے، لیکن نظر انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ ہر ایک فاتح مفتوح قومون پر شروع مین ضرور ظلم آرائی پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن اس کا یہ طرز عمل آیندہ چل کر صورت امن مبدل بہ رحم و انصاف ہو جاتا ہے، چنانچہ شاہ عباس صفوی کل ایران کو زیر نگین کر چکا تو امن و امان اور انتظام مملکت مین مشغول ہوا، اور اسکی یہ مشغولیت کسی ایک خاص شعبہ کیلئے نہ تھی نہین تھی، بلکہ "ہر چیز مین نفاست اور تکلف کا استعمال ہوا" یہان تک کہ اس کا اثر شاعری پر بھی پڑا اور یہ اثر کچھ معمولی نہین تھا بلکہ اس کی بدولت شاعری معراج کمال پر پہنچ گئی، اسی زمانے مین ہندوستان مین دربار اکبری کے ذریعہ سے تیموری خاندان بھی شاہانہ فیاضیون کا دریا بہا رہا تھا، اگرچہ ایران بھی شاہانہ فیاضیون مین ہندوستان سے کم نہین تھا لیکن ہندوستان کی فیاضی کچھ اور ہی قسم کی تھی، بادشاہ سے لیکر امراء اور وزراء تک فیاضی کا دریا بہا رہے تھے، اس لئے ایران اس فیاضی کا مقابلہ نہین کر سکتا تھا اور ہندوستان کی اس شہرۂ آفاق

لہ شعر العجم حصہ سوم،

فیاضی کو دیکھ کر ایرانی شعراء ٹکولیوں کے مانند اڑتے ہوئے آتے تھے اور دربار اکبری مین اپنی جولانی طبع دکھا کر ہندوستانی مال و دولت سے ایران کے خزانے پر کرتے تھے،

ہندوستان مین اگرچہ بابر فارسی شاعری کو ہمراہ لایا لیکن اسکی تربیت کا سہرا بیرم خانخانی کے ہی سر رہا اور اس کی سرپرستی مین شاعری درجۂ کمال کو پہنچ گئی، جسکی وجہ بقول علامہ شبلی مرحوم، یہ تھی کہ بیرم خود پختہ کار شاعر تھا اور ترکی اور فارسی زبانون مین شعر کہتا تھا اکثر شعرا اس کے دربار کے ملازم تھے حقیقت مین دیکھا جائے تو فارسی کو جو عروج ہندوستان مین حاصل ہوا صرف دو عظیم ہستیون ہی سے ہوا ایک اکبر جسکی فیاضی کی دھوم چار دانگ عالم مین مچی ہوئی تھی دوسرا بیرم خان جسکی طبع موزون اور مذاق صحیح کے مقابل مین مسلم الثبوت ایرانی شعرا بھی سر تسلیم خم کر دیتے تھے،

اکبری فیاضیان، اور بیرم خانی جدت طرازیان اگرچہ ہند مین بھی قائم رہین لیکن وہ آن بان قائم نہ رہی بلکہ دن بدن کمی ہی واقع ہوتی رہی، اور اورنگ زیب عالمگیر کے بعد مغلیہ سلطنت کا رہا سہا شیرازہ بھی بکھر گیا ہر طرف طوائف الملوکی پھیل گئی جو جہان تھا بجائے خود خود مختار بن بیٹھا اور ظاہر ہے کہ اس عظیم الشان انقلاب ملکی سے فارسی شاعری کو کیا کچھ صدمہ نہین پہنچا ہوگا، لیکن خدا کو ابھی بہت سی خدمت اس سے لینی منظور تھی اس لئے اس پر آشوب زمانہ مین دکن مین حیدرآباد، اور مدراس مین والاجاہی حکومت اس وقت خود مختار بنی ہوئی تھی ان کے علاوہ ایک اور جدید اسلامی حکومت کی بنیاد صوبہ میسور مین نواب حیدر علی خلد آشیان کی کوششون سے قائم ہو گئی تھی جن کے زیر سایہ فارسی شاعری کچھ عرصہ کے لئے بجائے مشرق کے جنوبی ہند مین اپنا جلوہ دکھاتی رہی، مشرق و جنوب کی بزم آرائیون مین فرق اتنا تھا کہ مشرق مین خاص ایرانی شعرا کی کثرت تھی برخلاف اس کے جنوب مین اسی کی خاک کے شعرا رشمع بزم مشاعرہ تھے اور یہ ایک ایسا شرف ہے جو مشرقی ہندوستان کو نصیب نہین ہوا، چنانچہ خاکسار کے چھوٹے سے کتب خانہ مین تذکرۂ گلزار اعظم فارسی کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس کے مطالعہ سے مین

ہمیشہ مستفیض ہوتا رہا اتفاق سے میرے مکرم اور علم دوست دوست محمد یوسف صاحب دتفلائی کی دور بین نظر اس تذکرہ پر پڑگئی اور وہ اس کو دیکھتے ہی کہنے بلکہ مجبور کرنے لگے کہ ایسی بیش بہا کتاب سے صرف آپکا ہی فائدہ اٹھانا انصاف سے بعید بلکہ صد درجہ کی بخالت ہے، چنانچہ آپس مین تبادلۂ خیالات کے بعد یہ طے پایا کہ پہلے اس کا ریویو صحیفۂ معارف کو بھیجنا چاہئے اور مین ممنون ہون کہ کرمفرمائے موصوف نے مجکو ایک ایسا علمی مشورہ دیا کہ دوسرون سے ہرگز ایسی امید نہ تھی،

متذکرۂ بالا اسلامی ریاستون کے زیر سایہ فارسی شاعری نے ایسے ایسے اہل قلم پیدا کئے جن پر عرصہ دراز تک زمانہ ناز کرتا رہیگا چنانچہ انھی بزرگان سلف کے حالات اس کتاب مین درج کئے گئے ہین، جس کے مطالعہ سے بخوبی روشن ہوجائے گا کہ قدردانان فارسی مین جنوبی ہند کا نمبر تیسرا نا جاتا ہے حضرت مولانا طباطبائی جیسے نامور اہل قلم بھی معترف ہین کہ زبان فارسی کا قدردان زمانہ مابعد مین جنوبی ہندوستان ہی رہا ہے، چنانچہ اس کا ثبوت آپ کے خطبۂ صدارت علمی کانفرنس واغباڑی سے ملیگا،

ابتدائے کتاب مین ایک فہرست چار ورقی لگائی گئی ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایکسو چالیس سے زاید شعرائے نامی کا تذکرہ ہے، کتاب ایک دیباچہ سے شروع کیگئی ہے، جو بجائے خود شیراز کا ایک باغ لازوال ہے، جس مین فصاحت کے اشجار جابجا قرینہ سے لگائے گئے ہین نمونہ کے لئے ملاحظہ ہو ذیل کی عبارت:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ای حمد تو در دل وجان شام وپگاہ — دے نام تو بر نوک زبان در ہمہ گاہ

بے فضل تو سویت نتوان بردن راہ — لاحول ولاقوۃ الا باللہ

شگفتگی گلزار سخن بہ اہتزاز نسیم حمد بہار آرائیست کہ چمنستان خیالات رنگین را بہ آبیاری مضامین دلنشین در خطۂ قلوب نخلبندان حدیقۂ نکتہ دانی سرسبز وشاداب گردانید وگلستان

صنائع لفظیہ و بوستان بدائع معنوی را برنگ و بوئے بلاغت دآب وتاب فصاحت در گلزمین افسردۂ گلچینان گلشن دقیقہ یابی گل گل شگفانید عندلیب و ستان سرائے خامہ در چار چمن صحیفہ ترانہ سنجی ونغمہ سنجی محرت وآلائش ہموارہ برنگ برگ گل تر زبان د طوطی خوش مقال زبان بسخن پردازی وافسانہ طرازی ستایش بے منتہائش پیوستہ از شیرین گفتار سیان شکر افشان لراقمہ،،

ہر غنچہ شگفتہ از ہوائے تو بود ہر برگ زبانے بہ ثنائے تو بود

ہر نغمہ کہ از مرغ بلند آہنگ است در گلشن دہر از ولائے تو بود

حمد ونعت ومنقبت کے بعد مصنف کتاب نے کتاب کی وجہ تالیف بیان کی ہے، لیکن اس سے پہلے مصنف کتاب سے ناظرین کرام کا تعارف کرانا ضروری ہے،

مصنف کا نام جناب امیرالہند والاجاہ نواب محمد غوث خان بہادر متخلص بہ اعظم ہے آپ کی مبارک ہستی صوبہ کرناٹک مین خصوصًا اور اضلاع مدراس مین عمومًا ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھی جاتی تھی آپ کرناٹک کے خاندان شاہی کے آخری یادگار تصور کئے جاتے ہین، آپ اپنے وقت کے صاحب سیف وقلم تھے آپ کا شجرۂ نسب ۳۲ واسطون سے جناب فاروق اعظم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، اور آپکی والدہ مکرمہ کا سلسلۂ نسب ۲۶ واسطون سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے، گویا آپ گل گلزار فاروقی بھی ہین اور شاخسار باغ نبوی بھی ہین، آپ نے اپنا حال مختصرًا اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۶۲ مین درج کیا ہے چنانچہ فرماتے ہین،

شاخ نسب ابائے من بسی ودو واسطہ بدرجۂ صدیقۂ خلافت سرور روضۂ عدالت شجر باغ اصطفا امیرالمومنین خلیفہ ثانی عمر بن خطاب علی صاحبہ وعلیہ التحیتہ والثنا پیوستگی دارد و درنہال نسبتم از جانب ام حبیبہ رضیہ ضیاءالدولہ بہادر یادگار ضیاالملک بہادر مرحوم المغفور

بہ بست وشش واسطہ از نخل گلستان ولایت گلبن بوستان شہادت جگر گوشہ بتول نور العین رسول لخت جگر علی مرتضیٰ سید الشہداء امام ہمام جناب ابی عبداللہ الحسین علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بستگی"

ٹائیٹل پیج کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طباعت کے واسطے مسودہ تیار کیا گیا تھا لیکن کسی خاص نامعلوم وجہ سے طباعت کی نوبت نہین آئی، کاتب کا نام عبدالصمد تحریر ہے اور اس نے نہایت عرق ریزی وجانفشانی سے اپنے کمال کو ظاہر کیا ہے گویا دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطبع سے ابھی چھپ کر شائع ہوئی ہے غالباً کتاب کی تکمیل ۱۲۷۰ھ کے پہلے یا ابتدائے سن مین ہوگئی ہے ہان کتاب کی تصنیف کا کام ۱۲۵۰ھ کے بعد سے شروع ہوا ہے، ملاحظہ ہو ذیل کی عبارت،

درسال یکہزار و دوصد و پنجاہ و ہفت ہجری نبوی تحریر تذکرۂ شعرائے کرناٹک بالتزام تسطیر غزلیات ہر یکے بے انتخاب پرداختہ بودم و شام غربت تمنائے الفت پرستان سخن را بصبح وطن مبدل ساختہ از ان باز متمکن خاطر بود و صورت این آرزو در سنجنل دل جلوہ می نمود کہ اگر زمانہ فرصت دہد تائید حق یاور شود تذکرۂ تازہ با انتخاب اشعار شعرائے مصدرہ بتفصیل شطری از احوال کسب استعداد و لیاقت و بندی از سیر و سیاحت اشیان و بیان سال تولد و مقام پیدائش و ذکر تالیف و تصنیف و دیگر حالات مناسبۂ اینان، الخ

عبارت بالا سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچتی ہے کہ اس تذکرہ کے علاوہ ایک اور تذکرۂ شعرائے اطراف کرناٹک کے حالات مین لکھنے والے تھے لیکن افسوس کہ وہ اب تک ہماری نظر سے نہین گذرا بہر حال یہ تذکرہ گلزار اعظم غالباً ۱۲۵۸ھ کے بعد ہی سے شروع کیا گیا اور ۱۲۶۴ھ مین مکمل ہوگیا، جسکا قطعۂ تاریخی صفحہ نمبر ۸ مین درج ہے،

چو تیار شد گلشن بے خزان کہ افزاید از سیر آن عقل و ہوش

شدم در پئے نام و تاریخ اد بذاکر د۔ گلزار اعظم ۔ سروش
۱۲۶۹ھ

اس کے بعد صفحہ ۹ سے شعراء کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے

کہ عبارت عام فہم بامحاورہ اور حالات ترتیب وار لکھے گئے ہیں، در اصل یہی ایک بات قابل تحسین و آفرین

ہے کیونکہ دقیق سے دقیق الفاظ کا زیر تحریر لانا مشکل سے مشکل عبارت کو حوالہ قلم کرنا عام فہم اور

سلیس الفاظ لکھنے سے زیادہ آسان ہے مصنف کے مضامین کو جس جانفشانی سے عام فہم بنایا ہے وہ

قابل داد ہے ہر معمولی استعداد کا آدمی بھی معنی اور مطالب کو بآسانی سمجھ سکتا ہے،

تذکرۃ الشعراء کی ترتیب میں تخلص کے عنوان کے ساتھ حروف تہجی کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے جس سے

کتاب کی رونق دوبالا ہونے کے علاوہ مطالعہ کرنے والے کے لئے ایک آسانی یہ بھی پیدا ہو گئی ہے

کہ جس کے حالات دیکھنا مقصود ہوں پہلے اس کا عنوان یعنی تخلص کا معلوم کر لینا ضروری ہے پھر

اس کا سر صرف دیکھنے سے بغیر غور و فکر کے اس کے حالات دیکھ سکتا ہے،

سب سے پہلے جناب مولوی محمد باقر صاحب آگاہ نایطی اشافعی کا تذکرہ قلم بند کیا گیا ہے اور یہ

وہی بزرگ ہیں جنکی مشہور کتاب ہشت بہشت ہے جو آنحضرتؐ کے حالات میں ہے (اور جسکو حال ہی میں

جناب سیماب صدیقی الوارثی نے بامحاورہ موجودہ اردو زبان کا جامہ پہنایا ہے اور اس کے مضامین

کو ۱۲ چمن پر تقسیم کیا گیا ہے،)

شعراء کے حالات مولانا محمد باقر آگاہ سے شروع ہو کر مولوی خواجہ حمید الدین صاحب یاد کے

حالات پر ختم ہوئے ہیں جسکی آخری عبارت یہ ہے

الحمد للہ کہ انصرام این نسخہ بہ حرف اخلاص گردید و قلم از کشاکشی تحریر آرامید،

کتاب کی ترتیب ابتدا تا انتہا ایک ہی پیرایہ پر کی گئی ہے، پہلے تخلص بجائے عنوان کے

تحریر ہے جسکے بعد نام پھر سنہ پیدائش تعلیم و تربیت اور عام حالات از ابتدا تا سنہ ہجری کے حوالہ قلم کیا گیا ہے آخر میں کلام کا انتخاب درج ہے

افسانۂ کہن

کتبخانۂ اسکندریہ

کتبخانہ اسکندریہ کے مسلمانون کے ہاتھون سے جلائے جانے کے الزام کی تردید اور اصل واقعہ کی تمہید مین اس قدر لکھا جاچکا ہے کہ اب اس پر مزید تحقیق کی گنجائش نہین، تاہم اب بھی خود یورپ کی زبانون سے اس الزام کی تردید مین مضامین نکلتے رہتے ہین ابھی حال مین ڈاکٹر گریفینی پروفیسر فلورنس کالج (اٹلی) نے الاہرام مصر مین اس موضوع پر ایک مضمون لکھا ہے، جس مین فاضل مستشرق نے حضرت عمر بن العاصؓ کی برأت کے تمام دلائل جنکو دوسرے مستشرقین نے قائم کیا تھا ترتیب وار جمع کر دیا ہے، ہم پروفیسر مذکور کے مضمون کو تھوڑے تصرف کیساتھ یہان نقل کرتے ہین،

"بطلیموس اول نے کتب خانہ اسکندریہ کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد اس کے لڑکے بطلیموس فیلادلفوس نے اس مین اور اضافہ کرکے اسکو پورے طور پر مکمل کر دیا اور اس کے اہتمام کی باگ دیمتری الفالیری نامی یونانی فلسفی کے ہاتھ مین دے دی، یہ کتب خانہ اڑتیس سال قبل مسیح تک قائم رہا، یہان تک کہ جولیوس قیصر نے دیگر شاہی محلون کے ساتھ اس کو بھی نذر آتش کر دیا، اس کے بعد دوسرا کتب خانہ الاینہ نامی قائم ہوا، جو ۳۰۹ سال بعد مسیح تک رہا، لیکن بعض فرقون نے اسقف تھیوفیلوس کے اشارہ سے شہنشاہ تھیوڈوسیوس کے ایما کے مطابق جلا دیا، فتح اسلامی کے وقت اسکندریہ مین کوئی کتب خانہ

مین اس کا نام نہین تھا، جو شخص بطلیموسیون اور رومیون کے دور کے ان اثری کتابون کی طرف رجوع کریگا، جو شہر اسکندریہ کی تاریخ سے متعلق ہین ہمارے قول کی صداقت کا اعتراف کرے گا،

فتح اسکندریہ کے زمانہ ۲۱ھ مطابق ۶۴۲ء سے کامل چھ صدیون تک کسی مسلم یا غیر مسلم مورخ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے کتب خانہ جلانے کا تذکرہ تک نہین کیا،

فتح اسکندریہ پر چھ صدی گذر جانے کے بعد عبد اللطیف بغدادی مصر آیا، اور آثار مصر کی تفصیل مین الافادہ والاعتبار نام ایک کتاب لکھی جس مین اس نے بیان کیا ہے کہ "اس نے بہت سے ستون دیکھے،" لکھتے لکھتے لکھتا ہے کہ "میرے خیال مین یہ وہی کمرہ ہے جس مین بیٹھ کر ارسطو تعلیم دیا کرتا تھا، اور یہ وہ دار العلوم ہے جسکو اسکندر نے تعمیر کیا تھا اسی مین وہ کتب خانہ بھی تھا جسکو عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے جلا دیا" عبد اللطیف بغدادی نے ۶۲۹ھ مین وفات پائی ہے،

اس کے بیس سال بعد مورخ علی بن یوسف قفطی ظاہر ہوا، اس نے ایک کتاب تاریخ الحکمار نامی تصنیف کی، جس مین عبد اللطیف بغدادی کے خیال کو نقل کیا۔ مگر بغدادی کی عبارت معمولی سادہ طریقہ کی تھی، اس نے اس مین اور حاشیہ آرائی کرکے ایک قصہ تراشا کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے زمانہ مین اسکندریہ مین یحیی نحوی نصرانی اسقف تھا، لیکن کتب فلسفہ کے مطالعہ کے اثر سے اپنے مذہب سے بدعقیدہ ہوگیا اور تثلیث کا منکر ہوگیا، یہ نصرانی حضرت ابن عاصؓ کا دوست تھا اس لئے ان سے کتب خانہ کی کتابون کے مطالعہ کی اجازت مانگی، حضرت ابن عاصؓ نے حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا، آپ نے ان کے جلادینے کا حکم دیا،

ان دونون مورخون یعنی بغدادی اور قفطی کے بعد دوسرے مورخون نے انھین کی کتابون کو ماخذ قرار دیا بعضون نے بغدادی سے اقتباس کیا جیسے مقریزی وغیرہ نے اور بعض نے قفطی سے اخذ کیا جیسے ابوالفرج وغیرہ نے،

حضرت عمرو بن عاص رضؓ پر اس کے جلانے کی تہمت رکھنا انکی سیاسی نرمی و رواداری کے بالکل متضاد ہے جس کا اعتراف خود ان کے زمانے کے مشہور مسیحی مورخین نے کیا ہے، مثلاً یحیی تیقوسی نے (یہی) کتاب تاریخ مصر مین قدیم حبشی زبان مین اس نے لکھا ہے اور جس مین اس نے حضرت عمرو بن عاصؓ کی رواداری کی تعریف کی ہے''

ان چھ صدیون یعنی فتح اسکندریہ ۲۱ھ اور زمانہ عبداللطیف بغدادی ۶۲۹ھ کے درمیان بہت سے مسلم اور غیر مسلم مورخ ہوئے، لیکن کسی نے یہ الزام حضرت ابن عاصؓ پر نہین رکھا بلکہ اپنی تصانیف اسکا اشارہ تک نہین کیا،

مسلمانون مین ابن عبدالحکیم، ابن قتیبہ، البلاذری، یعقوبی، طبری، محمد بن موسی کندی صیرفی، محمد بن یوسف کندی، ابوعمر کندی، عمر کندی، ابن زولاق مسیحی القضائی، ابن صیرفی، سعید ابن بطریق، مسعودی ابو صلاح ارمنی، ابن مماتی، یاقوت حموی، ابو الفرج اصبہانی، عماد الدین اصفہانی، محمد ابن اسحاق ندیم صاحب فہرست اور غیر مسلمون مین یونانی، قبطی، سریانی، ارمنی، یہود، فرنگ یہ تمام مورخین عبداللطیف بغدادی کے قبل تھے لیکن کسی نے اپنی تصانیف مین حضرت عمرؓ کے اشارہ سے کتب خانہ کے جلانے کا تذکرہ نہین کیا،

ان تمام باتون سے مستشرقین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ روایت تاریخی حیثیت سے کوئی حقیقت نہین رکھتی، اس طویل مباحثہ اور تحقیق و تدقیق کے بعد یہ روایت اس قابل نہین رہی کہ اس کے ساتھ کسی قسم کا اعتنا کیا جائے، رہی یحیی نحوی اسکندری کی تصدیق کہ حضرت بن عاصؓ نے جلایا محض بے بنیاد جھوٹ ہے کیونکہ یحیی نحوی مذکور جسکو یونانی یوحنا فیلو یونوس کہتے ہین فاضل ڈاکٹر یوسف مور لانی کی تحقیق کے مطابق فتح اسلامی کے ایک صدی قبل گذرا ہے ڈاکٹر موصوف نے یحیی کی سوانح عمری لکھی ہے نیز اسکی سریانی اور عبرانی تصانیف شائع کی ہین اس لئے انکی رائے زیادہ قابل اعتماد ہے،

ڈاکٹر موصوف کے مستندات یحیی کے زمانۂ شیخوخت کے دہ تبلیغی لکچر ہین جو ان سے وقتاً فوقتاً شاہ جوستینیانوس کے سامنے دیئے ہین، اس لئے ۵۳۵ء کے بعد زیادہ دنون تک اس کا زندہ رہنا ہی ناممکن ہے، اور حضرت عمرو بن عاص ؓ نے اس کو ۶۴۲ء مین فتح کیا، یعنی اس زمانہ کے ۱۰۷ برس بعد،

دولت عثمانیہ
کے
زوال کے اسباب

آج کل کے ترک اہل قلم اصحاب مین ڈاکٹر رضا نور بے کا نام خاص شہرت رکھتا ہے، ڈاکٹر صاحب نے "تورک تاریخی رسملی خریطہ لی" کے نام سے ترکی قوم کی ایک تاریخ، قومی نقطہ نظر سے لکھی ہے، جس مین ترکی قوم کے نسبی، جغرافی اور قومی خصایص بتائے ہین، اور ان کے قومی اکابر و مشاہیر اور ہیروُن کے وقائع مرتب کئے ہین، اور اسلام مین دولت عباسیہ کے آغاز سے اب تک کے ان کے کارنامون کی تفصیل کی ہے، ہم اب تک ابومسلم خراسانی کو ایرانی جانتے تھے، مگر ڈاکٹر صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ ترک تھا، اسی طرح ابن سینا کو بھی ترک ثابت کیا ہے، شاید اس بنا پر کہ جن شہرون مین انکی پیدائش ہوئی وہان ترکی آبادی غالب تھی، اسی طرح امام بخاری اور جوہری مؤلف صحاح کو بھی ترکون نے اپنی ہی قوم مین شامل کرنا چاہا ہی، یہ اس لئے تاکہ ان کے قومی اکابر و مشاہیر کی مردم شماری مین اضافہ ہو

اس تاریخ کا ابھی حال مین عربی مین بھی ترجمہ ہوا ہے، مؤلف نے ترکون کی عظیم الشان سلطنت جو دولت عثمانیہ کے نام سے قائم تھی، اسکے زوال کے حسب ذیل چھ اسباب گنائے ہین،

۱- دیگر مسلمان اقوام سے شجاعت اور بہادری اور جنگی روح کا فنا ہو جانا، اور صرف ترکون کا تنہا، تمام مسلمانون کی طرف سے مسیحی یورپ کے حملون کے مقابلہ مین سینہ سپر رہنا، اور اس طرح چند صدیون تک اس کے متواتر حملون کا نشانہ بنتے رہنا،

۲- ترکون کا اپنی قومی عصبیت و وطنیت سے تغافل برتنا، اور تمام محکوم اقوام کو نہ صرف انکی اپنی قومیتون کو باقی رہنے دینا، بلکہ ان کے باقی رکھنے کے لیے کوشش کرنا، اور بے سوچے سمجھے سلجوقیون کی اس طرز سیاست پر قائم رہنا، اس لئے ترکی سلطنت مین کوئی وحدت اور یکجہتی پیدا نہ ہو سکی، اور منتشر و مختلف عناصر کا ہمیشہ مجموعہ رہی، چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ جب سلطان سلیم اوّل نے تمام یونانیون کو بزور مسلمان بنانا چاہا تو شیخ الاسلام زنبیلی علی آفندی نے اسکی مخالفت کی کہ اسلام کی شریعت مین ایسی زبردستی جائز نہین،

۳- حکومت کے نظم و نسق مین مذہب کی مداخلت؛

۴- سلاطین کی جہالت اور مطلق العنانی و خود رائی،

۵- سروی، یاردسی، ارمنی، عرب، چرکسی اور البانی لوگون کو سلطنت کے بڑے بڑے عہدون پر سرفراز کرنا اور خود اپنی قوم کے نوجوانون کو علیحدہ رکھنا، اس طرح ہر قوم کے کسی باشندہ نے بھی جب اپنے مسلمان ہونے کا کسی نیت سے بھی اظہار کیا، تو ہمارے سلاطین نے اُن پر بھروسہ کرلیا، اور ذمہ داریونکے عہدے ان کے سپرد کر دیئے، اور بالآخر وہ وفادار نہ ثابت ہوئے،

۶- روسی ارتھوڈاکس کلیسا کا دولت عثمانیہ سے اس بنا پر خار رکھا تھا کہ اس نے بیزنطینی سلطنت کو توڑ کر اسکی جگہ خود لے لی تھی، اس لئے روسی، ترکون سے ہمیشہ برسرِ پرخاش رہے، ترکون کی ہمیشہ کوشش یہ رہی کہ ترکون کو اپنی حکومت مین داخل کرکے انکو قوم و زبان کے لحاظ سے روسی بنا کر انکی قومی جذبات کا خاتمہ کر دیا جائے،

لفظ "مجوس"

عربی زبان مین زردشت کے متبعین کو "مجوس" کہتے ہین، یہ لفظ انھین معنون مین قرآن مجید احادیث، اور اشعار عرب مین آیا ہے، ہمارے قدیم عربی لغت نویسون مثلاً مجد فیروز آبادی صاحب قاموس، نیز ابن منظور صاحب لسان العرب اور زبیدی صاحب تاج العروس وغیرہ کے نزدیک فارسی کے

اور فیروزآبادی نے لکھا ہے کہ اسکی اصل "منج کوش" ہے، آجکل عربی اکاڈمی دمشق کے ایک رکن نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہ لفظ حبشی ہے، حبشی زبان مین نکوس، کافر کو کہتے ہین، لفظ مجوس، اسی نکوس کی خرابی ہے اور عیسائی حبشیون کے ذریعہ سے عرب تک پہنچی ہے،

یہ تحقیق حقیقت رسی سے اسی قدر دور ہے، جس قدر ایران وحبش کی سرزمینین ایک دوسرے سے دور ہین اس تحقیق پر مشرق اور مغرب دونون سمتون کے علما معترض ہین، محمد الکبالی نامی ایک ادیب عرب نے لکھا کہ مجوس ونکوس مین وزن اور بعض حروف کاگو کسی قدر تشابہ اور توافق ہو تاہم ان دونون لفظون کے معنون مین عموم وخصوص کی نسبت ہے، نکوس عام "کافر" کو کہتے ہین، اور مجوس ایک خاص مذہب کے پیرو کو کہتے ہین،

مشہور مستشرق ہار دیز صاحب جنکو ہندوستان کے اہل علم مدرسۃ العلوم علی گڈھ کے سابق عربی پروفیسر کی حیثیت سے جانتے ہین، وہ فرنکفورٹ سے ایک انگریزی مضمون کے ذریعہ سے رسالۂ المجمع العربی کو متنبہ کرتے ہین کہ "مجوس" کو حبشی لفظ قرار دینا صحیح نہین ہے، عربون اور مجوسیون مین باہمی تعارف حبشیون کے ذریعہ سے نہین ہوا، بلکہ مجوسیون اور عربون کے ذریعہ بلا واسطہ یہ تعارف انجام پایا، مجوسیون نے یمن اور یمامہ مین دخل پیدا کر لیا تھا، شعرائے عرب انکی حقیقت سے واقف تھے، چنانچہ توام شاعر کہتا ہے،

اصاح تری برقا ھبت وھنا کنار مجوس تستعر استعارا

"اے دوست! کیا اسکی بجلی کو دیکھتا ہے جو آدھی رات کو اس طرح اٹھی ہے، جیسے مجوس کی آگ چمکتی ہے"

آرامی زبان مین مجوس کو "میغوشا" یا "امغوشا" کہتے تھے، اور یونانی مین "ماگوس" کہتے ہین، یہ تمام الفاظ درحقیقت قدیم فارسی کے لفظ "ماغوش" سے نکلے ہین، اور اسی کی یہ مختلف صورتین، اصل فارسی لفظ "ماغو" ہے، اور آخری حرف "ش" جس کو عرب "س" سے بدل لیتے ہین، فارسی مین الفاظ کے آخر مین رفع کا اعراب ہے،

معارف: ہمارے خیال مین موجودہ فارسی لفظ "مُغ" جس کی جمع "مغان" ہے، اور "پیرِ مغان" کی ترکیب مین ہماری شاعری کا عام لفظ ہے، اسی اصل فارسی لفظ "ماغو" کی ایک نئی شکل ہے، چونکہ اسلام کی سلطنت مین شراب کی تجارت اور شراب خانون کا کھولنا مسلمانون کے لئے قانوناً منع تھا، اس لیے اس کا کاروبار صرف مجوس کے لیے ایران وعراق مین مخصوص تھا، بنا برین "مغ" کا لفظ شراب کی تخصیص کے ساتھ بول چال مین آگیا،

تصوّفِ اسلام

یعنی

اسلامی تصوف کا عطر، قدمار صوفیہ کے حالات اور ان کی تصانیف پر تبصرہ، مؤلفہ مولوی عبدالماجد صاحب بی اے، لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۱۲۸ صفحہ، قیمت عہ/

"منیجر"

اخبار علمیہ

مغربی تاجرون نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے اشتہار بازی کے عجیب وغریب طریقے اختیار کئے ہین، پبلک مقامات پر ہوائی جہازون پر سے پھینک کر تقسیم کرنے کا طریقہ جابجا دیوارون اور لکڑیون وغیرہ پر چپکا کر تو بہت عام تھا، اب سڑکون پر اشتہار کا ایک نیا طریقہ نکالا ہے، ایک چھوٹی چوڑی گاڑی نما چیز پر اشتہار کی عبارت لکھی ہوتی ہے اسکو چلائے جاتے ہین اور اشتہار سڑکون پر چھپتا جاتا ہے، اس سے خواہ مخواہ ہر رہ گیر کی نظر اشتہار پر پڑتی ہے،

کئی سال ہوئے ممالک متحدہ امریکہ کے اخبارات سے معلوم ہوا تھا کہ وہان جہازون مین گرجے بنائے گئے ہین تاکہ مصلی حالت مسافرت مین بھی نماز پڑھ سکین، حال کی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ریل گاڑیون مین بھی گرجے بنائے گئے ہین، جنکی لمبائی پچیس میٹر ہے، منبر گاڑی کے وسط مین ہے، مذبح اور باجا بجانے کی جگہ کے علاوہ ساٹھ آدمیون کے بیٹھنے کی کافی گنجائش ہے، امریکہ مین موٹرون سے بھی گرجے کا کام لیا جاتا ہے مگر یہ ریل کے گرجے سے چھوٹے ہین، جس مین صرف مذبح کی جگہ اور کاہن کی نشستگاہ ہے، نماز پڑھنے والے مقتدی باہر ٹھہرتے ہین،

اب تک اطبا تشخیص امراض کے لئے متعدد قسم کے آلات استعمال کرتے تھے لیکن حال مین لندن کے ایک شفاخانہ مین ایسا آلہ ایجا ہوا ہے جس کے ذریعہ سے صرف مریض کی آواز سنکر

تشخیص مرض ہوجاتی ہے نہ صرف تشخیص بلکہ اعصاب کی پوری کیفیت منکشف ہوجاتی ہے، مریض ایک نلی مین بولتا ہے جس کی آواز بجلی کے ذریعہ سے نمبر وار چھپتی جاتی ہے، طبیب اسکو پڑھکر مرض کی شناخت کرکے بتادیتا ہے کہ مریض کتنی مدت مین شفایاب ہوگا،

فرانسیسی ڈاکٹر نوبان نے عمل جراحی سکھانے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، جس مین بغیر عمل جراحی کے کمرے مین آئے ہوئے طلبہ کی کثیر جماعت نہایت آسانی سے پورے عمل جراحی کی کیفیت دیکھ کر سیکھ سکتی ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اطبار ایک کمرے مین بیٹھتے ہین اور مریض ان کے سامنے ہوتا ہے اور بجلی کی روشنی اوپر سے پڑتی ہے، جس کا عکس بلوری شیشون کے ذریعہ دوسری جانب جہان طلبہ موجود ہین ایک دیوار پر پڑتا ہے اور طلبہ نہایت آسانی سے پورے عمل کو دیکھتے ہین، مزید تفہیم کے لئے جراحی کے کمرہ مین ایک آلہ لگا ہوتا ہے جو سرجنون کی آواز منتقل کرکے طلبہ تک پہنچاتا رہتا ہے، اس سے وہ اطبار کو آواز بھی سنتے جاتے ہین اور عمل کا بھی مشاہدہ کرتے جاتے ہین،

یورپ کی بہت سی عورتین سیر و تفریح کی غرض سے ہوائی جہازون مین سفر کرتی ہین، شغل پرواز مین تمام اقوام کی عورتین حصہ لے رہی ہین مگر ان مین غالب عنصر امریکن اور یورپین عورتون کا ہے ایک چینی عورت نے ۲۰۰۰۰ کلومیٹر ہوا مین سفر کیا، میڈم فور بافیبہ کی سیاحت کا اندازہ ۵۰۰۰۰ کلومیٹر کیا جاتا ہے،

تنوکین چینی خاتون اس مین خاص شہرت رکھتی ہے یہ خاتون چینی فوج مین ایک معزز عہدہ پر ممتاز ہے اور چین کی قابل قدر جنگی خدمات اس نے انجام دی ہین،

امریکہ کے ایک باشندہ نے ایک نقاب اس قسم کی تیار کی ہے جس سے نیند فوراً آجاتی ہے، جو اشخاص فقدان قوم کے شاکی رہتے ہین اون کے لئے بہت مفید ہے، اس نقاب کے چہرہ پر ڈال لینے سے ہر قسم کی روشنی دور ہو جاتی ہے اور ایک خاص قسم کی تازگی ظاہر ہوتی ہے، جس کی وجہ سے فوراً نیند آجاتی ہے،

ابھی تک عام خیال تھا کہ تیز برقی رو کے مس ہونے سے فوراً موت واقع ہو جاتی ہے، کیونکہ بجلی کے اثر سے قلب سمٹ جاتا ہے جس سے خون کی روانی بند ہو جاتی ہے، لیکن حال کے بعض ڈاکٹرون کا خیال ہے کہ صرف پھیپھڑے کی حرکت بند ہو جاتی جس سے دم رُک جاتا ہے، اور ظاہراً علامات موت طاری ہو جاتے ہین، مگر حقیقتہً انسان مرتا نہین ہے، اگر بروقت مناسب تدابیر اختیار کیجائین تو سانس چلنے لگے گی ورنہ پھر واقعی موت طاری ہو جائیگی، بعض ڈاکٹرون نے دل نکالکر اسکی درستی کا قصد کیا مگر یہ خطرے سے خالی نہین ہے کیونکہ اس مین بہت زیادہ احتیاط اور چابکدستی کی ضرورت ہے، اس کے علاوہ دوسری صورتون مین مصنوعی تنفس پیدا کرکے خون روان کیا جاسکتا ہے، جس سے اصل تنفس پیدا ہو جانے گا اور زندگی خطرے سے محفوظ ہو جائے گی،

ایک امریکن ڈاکٹر نے صاف اور لطیف ہوا کے ذریعہ سے معالجہ کا طریقہ ایجاد کیا ہے اس نے ۰ فٹ لمبا اور دس فٹ چوڑا ایک صندوق بنایا ہے جس مین بہتر مریض آسانی سے بیٹھ سکتے ہین مریضون کے بیٹھنے کے بعد اس کو اس طریقہ سے بند کردیا جاتا ہے کہ ہوا آجا نہ سکے اس کے بعد نلکی کے ذریعہ سے ہر خانہ مین ۲۰ پونڈ ہوا پہنچائی جاتی ہو ڈاکٹر موصوف کا دعویٰ ہے کہ وجع مفاصل وغیرہ کی

قسم کے تمام امراض اس طریقہ سے دور ہوجائین گے،

مسٹر فورڈ امریکن نے "بڑے شہرون کا مستقبل" ایک مضمون لکھا ہے جس مین وہ لکھتے ہین کہ مستقبل قریب مین بڑے شہرون کی سکونت ناقابل برداشت زحمتون کی وجہ سے ناممکن ہوجائیگی، کثرت آبادی کا طبعی اقتضا ہے کہ معمولی مکانون کا کرایہ بہت زیادہ ہو، سامان خورد و نوش نقل و حرکت کے وسائل کی قلت کی وجہ سے گران قیمت ہوجائین یہ تمام اسباب انسان کو ایسے مقامات پر زندگی بسر کرنے پر مجبور کرین گے، جنکی آبادی ساٹھ ہزار سے زیادہ نہ ہو، حالانکہ تمام دنیا مین اسوقت تین سَو ایسے شہر ہین جنکی آبادی دس لاکھ سے متجاوز ہوچکی ہے،

کسانون کا عام اعتقاد ہے کہ کوّون کا وجود زراعت کے لیے نقصان دہ ہے اسی بنا پر ممالک متحدہ امریکہ کے کاشتکارون کی ایک مجلس قائم ہوئی تھی کہ وہ اس دشمن زراعت ہستی کے نیست و نابود کرنے کے وسائل اختیار کرے، بعض علمی انجمنون نے کوّون کی قطع نسل کے خیال سے انکی غذا کی علمی تحقیق شروع کردی آنتون کی تشریح سے معلوم ہوا کہ کوّے بہ نسبت غلہ کے، غلہ برباد کرنے والے جراثیم زیادہ کھاتے ہین جو زراعت کے لئے نہایت درجہ مفید ہے اس جدید تحقیق سے وہ سابق بدظنی خوش ظنی سے بدل گئی، **یاللعجب**!

برطانیہ اور ہندوستان کی آبادی اور دولت کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد سے ہوسکتا ہے جو ۱۹۱۱ء کے ہین،

ممالک متحدہ برطانیہ، ہندوستان

آبادی ، ......۴۵، آمدنی......۲۲۵ پونڈ آبادی......۳۲۵، آمدنی......۶ پونڈ

محصولات......۱۷،پونڈ، محصولات......۵۰ ۴ پونڈ،

رباعیاتِ گرامی

مرسلہ رشید راحل صاحب نعمانی

(۱)

دل بستگیِ فسون طرازی دگر است
دل گیریِ ذوق دل نوازی دگر است
این بازیِ عشق ہست بازیچہ مسنج
بازی دگر است عشق بازی دگر است

(۲)

از تختِ شہنشہی فقیری خوشتر
در سلسلۂ فقر اسیری خوشتر
بر چرخ از ہلالی پوشان سخنم
بیتم ز مقاماتِ حریری خوشتر

آسودہ دلا حالِ دلِ زار چہ دانی
آشفتگیِ سینۂ افگار چہ دانی
اے خفتہ بایوانِ مقرنس بصد آرام
تکلیفِ نمِ دیدۂ بیدار چہ دانی
از چشمِ جگر ریز یک اشکے نہ چکیدہ
احوالِ شب دیدۂ خونبار چہ دانی
اے آنکہ بصد عشرت و آرام نشینی
در نیم شبے گریۂ بیمار چہ دانی
بر مسندِ نسرین و سمنہا کہ بہ خوابی
آزار خلشہائے سرِ خار چہ دانی
اے مرغ سحر بر سرِ ہر شاخ نشینی
فریادِ دلِ مرغِ گرفتار چہ دانی
تو بار سبک کردہ بمنزل کہ رسیدی
واماندگیِ راہِ گرانبار چہ دانی

غزل

از

سید محمد ہادی مچھلی شہری بی اے، ال، ال بی وکیل علیگڈھ،

کیسی حیات اور کہان کا وجود تھا
اک نقش بے ثبات غم ہست و بود تھا

دل زخم خوردۂ ہوس اعتبار ہے
ہر لطف دوستون کا برنگ حسود تھا

آسائش حیات و غم و رنج روزگار
اک مرکز خیال یہ سب کا وجود تھا

دل کھو کے مین تو سارے بکھیڑون سے چھٹ گیا
برہم زن خیال زیان تھا نہ سود تھا

حد نگاہ دیدۂ ظاہر کی بن گیا
وہ آسمان جو راہِ مسلسل کا دود تھا

مین کیا بتاؤن عشق مین کیونکر بسر ہوئی
برق بلا کی زد مین ہمیشہ وجود تھا

پابندیون سے ہو سکی عمر بھر نجات
ہر کام میرا شکوۂ گزارِ قیود تھا

وہ دن کی زندگی تھی مگر رائگان تھی
مین بلبلے کی طرح سراپا نمود تھا

سوز جگر سے تھا مرا قائم فروغ زیست
ہر داغ دل کا چشم و چراغ وجود تھا

جب دم گھٹا تو روئے تسکین کیلئے
سوز جگر کا نالہ گزرگاہ دود تھا

رکھ لی قضا نے بے کسی مدعا کی شرم
اچھا ہوا کہ وقت محبت وجود تھا

داغ جگر سے راہ مصیبت کی کٹ گئی
گویا چراغ اک سر راہ وجود تھا

راہ طلب مین جس نے گرایا تھا بار بار
افتادگی نہ تھی مرا شوق سجود تھا

ذرّون سے خاک دل کے نمود وفا ہوئی
ہادی مرے زبان مین محبت کا سود تھا

غزل

جناب حافظ خواجہ محمد ممتاز بخت صاحب نقشبندی ابوالعلائی شہر ڈھاکہ

ہر جگہ چرچا ترا اے جلوۂ جانانہ ہے
دل میں تیری یاد ہے لب پر ترا افسانہ ہے

عشق میں کسکو تمیز کعبہ و بت خانہ ہے
جس جگہ سر جھک گیا سمجھا در جانانہ ہے

دوڑتے ہیں سیکڑوں فتنے قدم کے ساتھ ساتھ
آپکی طرز روش بھی کتنی بیباکانہ ہے

یا الٰہی آج زہد و اتقا کی خیر ہو
ساقی پیمان شکن کے ہاتھ میں پیمانہ ہے

اس طرح مصروف آرائش بھی ہوتا ہے کوئی
رخ بدست آئینہ گیسو بدست شانہ ہے

ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے داستان حسن عشق
خاک وہ سمجھے گا جو اس راہ سے بیگانہ ہے

دیدنی ہے شعلہ انگیزی شرار عشق کی
یہ وہ چنگاری ہے ہر دل جس سے آتشخانہ ہے

حسن کی تصویر وہ ظالم کہ سر سے پاؤں تک
ہر ادا دلکش ہے ہر انداز معشوقانہ ہے

جو نہیں ہیں آشنائے لذت حرص و ہوا
بوریائے فقر ان کو مسند شاہانہ ہے

ہم گنہگاروں پہ اے ممتاز یوں ہنستا ہے شیخ
جیسے اس کے ہاتھ میں فردوس کا پروانہ ہے

لمعات

از جناب اثر صہبائی بی اے (آنرز)

عشق جنوں پرست ہوں، بادہ کش الست ہوں
میکدۂ ازل کا ایک رند سیاہ مست ہوں

زاہد کم نظر نہ کچھ اس کے سوا سمجھ سکا
کافر بت پرست ہوں، جام و سبو بدست ہوں

تجھ کو خیال حور ہے، مجھ کو خیال طور ہے
ہاں! تو خدا پرست ہے، ہاں میں صنم پرست ہوں

چشم نجوم میں اثر کوئی نہیں ہے امتیاز
میں بھی اسیر حلقۂ دام بلند و پست ہوں

صمدنیات

از

مولوی سید مقبول احمد صاحب، ایم آر، اے، ایس و ایف آر، ایس، اے

لطیف بود حکایت دراز تر گفتم،

بزرگان معارف! اس سلسلۂ ناکوتاہ سے عاجز آگیا ہون، آپکی بے لطفی اور پریشانی خاطر کا اندازہ ہے، لہذا ع قدم شوق تیز تر بہتر، کم لکھون گا اور مختصر لکھون گا

جن جواہر پارون کو آج پیش کرنا ہے وہ اسی معدن علم و فن خاک صمدن سے ملے ہین، کبھی کہہ چکا ہون کہ یہ قصبہ صدیون تک مشہور، علم و کمال کا مخزن اور مشائخ کرام و سادات عظام کا مسکن رہا ہے، اعادہ کی ضرورت نہین، امیر المجاہدین عضد السلاطین امام الحجۃ شیخ الاسلام والمسلمین امیر رفیع الملتہ والدین طاب ثراہ بن علامہ سید ضیاء الدین خلف اوسط امام السید بدیع الحسینی " سادات صف شکن" سے بچے، طوس و مشہد رضا علیہ السلام سے ہندوستان کو ہمایون بادشاہ کی امداد کے لئے آئے، بعد فتح دعوتِ حق و دین اللہ تعالی مین مصروف ہوگئے، پرانی دلی مین پہلے قیام فرمایا، پھر دائرۂ دولت وحشت سے دور اور دنیوی ہنگامون سے جدا رہنے کے خیال سے دربار سلطانی چلے آئے اور سو کوس کے فاصلہ پر سکونت اختیار کی، صمدن کی بنیاد اپنے رفیق طریق سید عبدالصمد جامی کے نام نامی پر ڈالی، یہان ان کے دلدار رشد امیر میران سید علامہ ابوالفرح عبد الفتاح ۱۰۴۲ھ

مین پیدا ہوئے، پرورش و تعلیم دہلی مین پائی، جونپور مین شیخ محمد صدیقی عم شیخ احمد ملاجیون سے معقولات پڑھین، شاہ عبدالرحیم دہلوی کے شریک درس رہے، ملا محمد ہراتی اور ملا اخوند کابلی بغیرہما سے تکمیل فرمائی، فتاوائے عالمگیری کی ترتیب و تالیف مین دیگر علماد مشاہیر کے قوت بازو تھے،

ید بیضا کے تذکرے مین عرض کرچکا ہون کہ مورخ نامی میر غلام علی آزاد جو بلگرامی کہلاتے ہین بہ روایت شیخ غلام حسن ثمین ان کے بزرگ اسی قصبہ سمدن کے باشندے تھے اور بالفاظ ولیم اُردین مستشرق آنجہانی اسی کو رد ہے کے،

حضرت سمدن کنف فضل و علم کان شرف مخزن ارباب حلم

یہان کے سادات بہ تقاضاء وطلب معاش یا تعلقات و قرابت مختلف اطراف و نواحی کو گئے اور وہین کے ہو رہے پچھلی صدی مین یہان کی عظمت و شہرت کی یادگار یا علم و عمل کا تنہا علمبردار مسند العصر میر سید غلام حسین حسینی رضوی کا خاندان رہ گیا تھا، میر صاحب اواخر عمر مین فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے پروفیسر اور اس سے پیشتر ایوان نظامت مرشد آباد مین آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے وکیل مطلق تھے، انھون نے تصانیف منیف کا ایک گرانمایہ قلمی ذخیرہ چھوڑا جو ان کے خاندان کی

---

[1] اس نادر کتاب کی تالیف و تدوین کی ضرورت سے تمامی ممالک محروسہ کے جلیل القدر علماء و فضلاء بارگاہ خسروی مین مدعو کیے گئے تھے اور اس دینی و دنیوی نظام کا سررشتہ ملا نظام کے ہاتھ مین دیا گیا تھا عظیم الشان کتب خانہ شاہی کی تمام کتابین اس نیک مصرف اور ان بزرگون کے تصرف کیلئے وقف کردیگئی تھین سید ابو الفرح کو صف اول مین جگہ دیگئی تھی، روزینہ مین زر ملتا تھا جو پیشکش شہنشاہی کی سب سے بڑی شرح تھی، تاہم اس کام پر دولاکھ سے زاید خرچ پڑا تھا، یہ کتاب عالمگیر کے عہد دولت مین عہد کا بہتر کارنامہ بلکہ ہندوستان مین مسلمانون کے شش صد سالہ عمل و حکومت کی بے نظیر یادگار ہے، ادق اصطلاحات اور پیچ در پیچ عبارت سے احتراز کرکے اسکو نہایت سہل و عام فہم طرز سے لکھا گیا ہے جس سے استخراج مسائل و احکام فقہی مین بڑی آسانی ہوگئی ہے اہل عرب اور دیگر بلاد اسلام کے مفتی اور فقیہ اسکو بڑی قدر کی نظر سے دیکھتے اور فتاوائے ہندیہ کا بے تکلف اپنی تحریرات مین سند و حوالہ دیتے ہین،

ایک دوسری شاخ مین موجود و محفوظ ہے، ان کے فرزند اکبر سید علامہ علی تھے، ۱۳۱۸ھ مین پیدا ہوے سید دائم علی نام تھا "قلندر" اور "سید" تخلص کرتے اور قلندر علی بھی کہلاتے تھے، بعد وفات پدر کلکتہ، ڈھاکہ، لکھنؤ اور جونپور گئے علوم شرعیہ مین سید کبیر الدین احمد خان بہادر بہاری (المشہور بہ علی نقی قاضی القضاۃ نظامت عالیہ شرقیہ بعد ازان مفتی دائر سائر کورٹ جہانگیر نگر ڈھاکہ) کے تلمیذ رشید اور مولانا عبد العزیز دہلوی کے معاصر تھے، میر قلندر علی نے زیادہ عمر نہین پائی لیکن اپنی اسی عمر کا بڑا حصہ مشاغل وعظ و تدریس مین بسر فرمایا، ایک سادہ منش عالم باعمل اور اُنکے متوسطین کی بسر اوقات کے لئے معافی سلطانی اور عساکر برطانیہ کے عہدہ میر منشی اور ترجمانی کا مشاہرہ کافی تھا اوس عہد جوہر شناس مین شرفائے فرنگ اور ملکی و فوجی عہدہ دار ایسے حضرات کی بڑی قدر و عزت کرتے تھے، سید صاحب کو معاش مقرر اور فتوحات نیاز مندی کے علاوہ بڑا نفع یہ حاصل ہوا کہ انگریزون کی صحبت مین رہ کر انگریزی مین کامل استعداد حاصل کر لی دوران قیام بنگالہ مین اپنی تصانیف طبع و اشاعت کا اچھا موقع مل گیا، انیسوین صدی کے اوائل مہمات اور لشکر کشی مین ان کو اکثر جانا پڑا اور افسوس ہے کہ اس قسم کے ہنگامۂ رستخیز مین ان کے بہت سے مسودے اور تالیفات اور نادر الوجود کتابین ضائع ہوگئین، تاہم اس عاملہ عالیہ کے خزانہ مین متعدد بیش بہا تصانیف اب بھی موجود ہین،

(۶) مفید الصبیان

اخلاق و آداب کی تعلیم مین نہایت اچھی ہے، اسی اعتبار سے بعض دیگر تصانیف مین مفید الاخلاق کے نام سے اس کا حوالہ دیا ہے، آج سے پورے سو برس گذرے کلکتہ کے مطبع قادری مین ۱۲۲۳ھ ہجری مین چھپی تھی، صفحات کی تعداد ۸۰ تقطیع ۱۱ انگشت لمبی، ۷ انگشت چوڑی ہے، فی صفحہ ستر۱۷ سطرین ہین، چھاپہ نستعلیق آہنی ہے مگر آیات و احادیث نسخ مین ہین، ہر فقرہ کے ختم پر ستارہ نما پھول ہے، تصغیر یا ایجاز و اختصار کے بدولت اب یہی فل اسٹاپ ہو گیا ہے، آخر مین غلط نامہ بھی شامل ہے، اغلاط کا شمار گیارہ

تک پہنچا ہے، اسکی جلدابری کی اور کونے اور پشتہ پہ چمڑا، اسی عہد کہن کا یادگا ہے، سرورق غائب علی حدہ نہ تھا

زبان فارسی سلیس، جابجا برمحل اشعار، اور رنگینی عبارت کی چاشنی بھی موجود ہے، مثلاً

"بزرگے در وصیت یکے از پردگیان حرم خود فرمودہ است"

عصمتیان را بہ مقام جلال　　جلوہ حرام است مگر با جلال

دیدہ بہر روئے نباید کشاد　　پائے بہ ہر کوئے نباید نھاد

ہر کہ بجز جفت حلالت بود　　رُخ منما ورنہ ضلالت بود"

طفلان نوخیز سے لے کر پیران دیرینہ سال تک کو دنیا مین رہ کر جن باتون کے جاننے اور برتنے

کی ضرورت ہوتی ہے سب، کو اس پانچ جز کے مختصر رسالہ مین لکھ دیا ہے اور بااین ہمہ کہ ایک عالم دین

کے قلم سے وہی نکلا ہے جو نصوص قرآنی واحادیث و اقوال وافعال بزرگان متشرع سے پایا جاتا تھا یہ امر

بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اس دستنبوئے نصیحت وموعظت سے غیرمسلم طالب بھی مستفید و متمتع ہو سکین،

اس لئے انکی دلچسپی و معلومات دنیوی اور نصایح سبق آموز سے دریغ نہین فرمایا گیا ہے،

اس کتاب کے عنوان "تذکرۂ ماں باپ کے حقوق کے جاننے" کے ذیل مین ایک واقعہ لکھتے ہین

کہ "صوبہ بہار مین ایک دانشمند ادائے نماز فریضہ مین مشغول تھے، ان کی ماں نے امتحاناً اسی حالت مین پکارا

اور فرمایا کہ بیٹا! مجھ ضعیفہ کی پسند کے قابل پینے کی تمباکو نہین ملتی ہے، تکلیف اٹھا رہی ہون، سعادتمند

فرزند نے رحمت ایزدی کی وسعت پہ تکیہ کرکے تحریمہ نماز کو توڑ دیا اور اس قاعدہ فقہیہ سے کہ جب حق اللہ

اور حق العباد جمع ہون تو حق عبد کو ترجیح دیجائے ادائے خدمت مادری مین سرگرم ہو گئے، کئی جگہ جاکر سب سے

اچھی تمباکو تلاش کی، اس کو لیکر ماں کے پاس تفرع کنان آئے، مہربان ماں نے انکی یہ حالت دیکھ کر

پوچھا کہ تمھین یہ رنج و پریشانی کس بات سے ہے؟ عرض کیا کہ ترک خدمت سے، ماں نے بہ اقتضائے

شفقت اپنی خوشنودی و رضامندی ظاہر کی اور بہت سی دعائین دین"۔

ضروریات زندگی و نصائح و آداب کے سلسلہ مین تقریباً ہر قسم کی باتین آگئی ہین، الفاظ و اعضاء و عناصر و اخلاط و اجناس و ادویہ کی تفصیل مین عربی و فارسی اصطلاحات اور اسمار کے ساتھ ساتھ ہندی کے وہ معانی اور الفاظ بھی لکھ دیئے ہین جو آج سے ایک صدی قبل عوام کی زبانون پر روان تھے اور جنکو آج کل کی سنسکرت نما بھاشا نے ٹکسال باہر کر دیا ہے، یہی کیفیت اجزاے و اشیائے خانہ داری اور اہل حرفت و روزگار کی تعلیم اور معدنیات کی تفصیل مین نمایان ہے،

صفحہ ۷، پر ایک جگہ پوری ایک سطر چھپنے سے رہ گئی تھی مگر باوجود گنجائش و سہولت کے بین السطور مین نہین بلکہ حاشیہ پر پورے صفحہ کی درازی مین طابع نے اسکو چھاپا ہے جسکی گہری سیاہی بتاتی ہے کہ محض اسی ایک چھٹی ہوئی سطر کے بدولت یہ صفحہ دوبارہ پریس مین دابنا پڑا ہے اور کفایت و آسان پسندی سے قطع نظر کیا گیا ہے،

کتاب اخلاق جلالی کے پرواز پر ترتیب دیگئی اور زیادہ تر مسلمانون کے کام کی چیز تھی اس لئے اگر اسکی تصحیح مین سید محمد دانش فرخ آبادی کا ہاتھ شریک ہوا تو باعتبار ہم وطنی و یک جہتی بالکل حق بجانب تھا لیکن دوستو! جانتے ہو کہ میر قلندر علی کو یہ زحمت کیون اٹھانا پڑی؟ تکلیف دینے والے عزیز نہ ہم زبان تھے نہ ہم قوم نہ ہم مذہب، بلکہ بابو سکھی رائے، و بابو پل دھرلا، و مادھب چندر چودھری صاحبان تھے جنکی توجہ و التفاف سے اس کا انجام ہوا، وہ زمانہ شناش قوم جس نے آج زبان انگریزی کے قلمرو مین اپنے ہر فرد کو رومیش چندر دت اور رادھا کو مود مکھارجی بنا دیا، اور ربیندرناتھ ٹیگور کے سے سحر نگار اور جادو بیان پیدا کر رہی ہے، ایک صدی پہلے ایسے بنگالی پیدا کرتی تھی جو فارسی کے لئے مایۂ ناز ہوتے تھے کچھ قرن پیشتر بابو راد ھا کانت دیب کلکتہ کے مردم خیز خطہ سے اٹھ کر فارسی کی بڑی بڑی کتابین علم الاشیاء اور فن نخل بندی کی، انگریزی مین ترجمہ کر کے شائع کرتا تھا تو آج بھی اسی جماعت کا ایک قابل فخر خلف جدو ناتھ سرکار فارسی کی ضخیم تاریخون کی ورق گردانی اور اُن سے اخذ و استنباط کر کے دنیائے علم و کمال کو نوید بقا دے رہا ہے، فرق یہ ہے کہ

اس وقت یہ فیضان عام تھا اور آج مخصوص خواص ہے،

(۷) عقایدُ المؤمنین،

یہ بھی حضرت قلندر کی تصنیف ہے، اس کو ہنگام قیام ملک بنگالہ مخدوم محمد معصوم اور چند دیگر اعزہ کی فرمائش سے لکھا تھا، بالفاظ مصنف سلیس ہندی زبان مین ہے مگر حقیقتاً اسکی زبان وہی شستہ، رواں اور عام فہم اردو ہے جو سو برس پہلے اہل علم وسادگی پسند شرفا مین رائج تھی، چھاپہ آہنی اور اسی تقطیع کا ہی جو مفید الصبیان کا ہے، سطور کی تعداد بھی وہی، سترہ فی صفحہ ہے، افسوس ہے کہ ایسی عمدہ اور نافع کتاب کا کچھ حصہ تلف ہوگیا ہے، ممکن ہے کہ اس کا کوئی کامل نسخہ امپریل[۱] لائبریری یا مدرسہ عالیہ[۲] کلکتہ مین موجود ہو اس نواح کے کتب خانون مین اس کا وجود تو نہین پایا جاتا،

جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہوتا ہے یہ رسالہ مسلمانون کی تعلیم وعمل کے لئے لکھا گیا تھا، اس مین محض عقائد اسلامی بیان کئے گئے ہین، دین ودنیا کی باتین چونکہ نظم مین بہ آسانی یاد ہوجاتی ہین اور نشوونما پانے والے دماغون مین زیادہ محفوظ رہتے ہین اس لئے یہ چٹخارہ کسی قدر تیز کردیا گیا ہے، شاعری جس رنگ مین اور جس غرض سے کیگئی تھی بہت کامیاب رہی ہے، پرانے محاورات اور زبان کے بعض مسامحات کو لامحالہ نظرانداز کرنا چاہیے،

(۸) فوائد المتعلمین،

میر صاحب کی یہ ایک تیسری تصنیف مکتوبی ہے، معلوم نہین کہ طبع ہونے کی نوبت پہنچی

---

[۱] یہ ہندوستان کا سب سے بڑا کتب خانہ ہے، کلکتہ مین ہے، سرکاری ہی بعض دیگر امرا اور اہل ذوق ارباب خیر منے بھی اپنی نادر علمی وقلمی ذخائر حوالہ کرکے یہان محفوظ کرادیئے ہین، [۲] مدرسہ کلکتہ کو ۱۷۸۰ء موافق ۱۱۹۴ھ ہجری مین مارکوئیس ویلزلی صاحب گورنر جنرل نے السنہ وعلوم مشرقیہ کی تعلیم وبقا کے لئے قائم کیا تھا،

یا نہین ؟ اگر پہنچی بھی تو کوئی مطبوعہ نسخہ یہان کے کتب خانون مین موجود ہے، یا نہین ! اس کتاب کے ابتدائی اوراق بھی دستبرد روزگار سے غائب ہو گئے ہین، نام کا پتہ خاتمہ سے چلتا ہے، اہل پارس کے فن قاعدہ (غالبًا اس وقت جمع بنانے اور "قواعد" کہنے کا التزام نہ تھا) اور حروف مفردہ وصیغہائے مشتقہ وغیرہ غرض ہر قسم کی باتون کو کتب مطولہ سے نکال کر اس مین یکجا فراہم کر دیا ہے، اس رسالہ کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کی کتنی وسیع نظر فارسی زبان اور اساتذہ کے کلام پر تھی اور کیسے کیسے چیدہ و پسندیدہ اشعار نظایر مین پیش کئے ہین، اہل ایران اور مشاہیر شعرائے ہند کے سوائے سلہٹ و بنگالہ کے بعض مستند سخنوران فارسی کا کلام بھی امثال مین ملتا ہے، عرفی شیرازی، نظیری، امیر خسرو دہلوی، فردوسی طوسی وغیرہم کے ہمدوش وہم عنان شہیدی گجراتی، رکن الدین سلہٹی وغیرہما بھی نظر آتے ہین، یہ رسالہ اپنے موضوع و فن مین نہایت جامع و مکمل لکھا گیا تھا، مگر اس وقت اس کے صرف انتیس ورق ۱۲×۸ کی تقطیع کے موجود ہین ہر صفحہ مین چودہ سطرین، اطراف کی جدول ندارد ہے جو معمولًا سیاہ و سُرخ لکیرون سے خوشنمائی اور نظر فریبی پیدا کرنے کے لئے بنائی جاتی ہے، صفحات پر شمار کا ہندسہ بھی نہین ڈالا گیا ہے، البتہ پرانے دستور کے مطابق سلسلۂ بیان وشناخت سلسلہ کے واسطے ختم صفحہ پر اگلے صفحہ کا پہلا لفظ دیا ہے، کاتب نے اپنا نام نہین لکھا مگر اس کا خط نہایت صاف، دلکش، خوددرو، پختہ ہے، انداز تحریر خصوصًا،

"تمام شد نسخہ فوائد المتعلمین من تصنیف میر قلندر علی صاحب بتاریخ ششم دوم ساون روز شنبہ ۱۳۲۲ فصلی بوقت شام یعنی غروب آفتاب"

کہہ رہا ہے کہ اس کو کسی ہندو (غالبًا برہمن) نے نقل کیا ہے، جس کے نیچے "قلندر علی الحسینی ۱۲۲۳ھ" مہر ثبت ہے، عنوان اور الفاظ ممیز و علامات شعر و مصراع شوخ شنجرف سے لکھے گئے ہین، حواشی پر جا بجا اس قدر ترمیمات و اصلاحات و اضافات کئے گئے ہین جس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ مسودہ پھر صاف

کرایا ہوگا، بعض اغلاط و تصحیحات تو اس قسم کی ہین جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ "درین تصنیف کاتب را از مصنف زیادہ دخل است"

اسی مجموعہ کے آخر مین مرزا احمد بیگ صاحب المتخلص بہ طپان کی چار غزلین شامل ہین جو حضرت قلندر کے تلامذہ سے تھے، ان کا کلام صاف اور پاکیزہ ہے، عیوب شاعری سے مبرا، طپان نے اونکو اپنے قلم سے لکھ کر اپنے استاد علّام کو کے نذر کیا تھا، بعض اشعار تفنن ناظرین کے لئے درج کئے جاتے ہین،

(۱)

شب تنہائی کا اے سروران حال نہ پوچھ	آہ مین، آہ کوئی مونس و غمخوار نہ تھا
مین دکھاتا تجھے لطف چمن اے رشک چمن!	جوش پر رات مرا دیدۂ خونبار نہ تھا
آتش غم کے بجھانے کو شب فرقت مین	دیدۂ تر کے سوا کوئی مددگار نہ تھا
ناحق آنے کو کیا منع طپان کو تم نے	وہ سوا دید کے کچھ تم سے طلبگار نہ تھا

(۲)

رات کو چرخ سے ٹوٹا نہ ستارا ہوگا	آہ سوزان کا مرے کوئی شرارا ہوگا
جا بجا برق کے گرنے کا سبب کیا ہے	نگہ گرم کا جانان کے اشارا ہوگا
ہم کو آتا ہے نظر کوچۂ دلدار مین آہ	صورت نقش قدم حال ہمارا ہوگا

(۳)

جب اسکی ابروے خمدار کا خیال کیا	اجل نے آکے دہن جان کا سوال کیا
ہزار صورت گل داغ کھائے سینے پہ	تب اشک سرخ سے نخل مژہ کو لال کیا
ہے شیخ جی کو تاسف اسی کا اے ساقی!	کہ مے سی چیز کو حق نے نہ کیون حلال کیا

(۴)

کیونکر بُرا کہین نہ ہم اپنے نقیب کو بچھڑا کے ہم سے پھر نہ ملایا حبیب کو

بلبل کا حرف واقعہ سنکر وہ غنچہ لب کیا رہ گیا دباتے ہی دانتون مین جیب کو

سنتے ہی میرے سوز و فغان کو چمن مین گل نالے سب اپنے بھول گئے عندلیب کو

جز وید اور کچھ نہین لیتا مین آپ کا مجلس سے کیون اُٹھاتے ہو تم مجھ غریب کو

سائل ہوا جو یار سے بوسے کا کل ملا آن

سنتے ہی اس نے دُہین اٹھایا غریب کو

سیرۃ النبی

جلد سوم

جس کے مقدمہ مین اولاً نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ علم کلام، فلسفۂ جدید اور قرآن مجید کے نقطہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے اور اس کے بعد خصائص نبوت، یعنی مکالمہ الٰہی، وحی نزول ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات و معجزات مذکور ہین جنکا ذکر قرآن مجید مین ہے، بعد ازین وہ ہے جو مستند روایات سے ثابت ہین، پھر معجزونکی غیر معتبر روایات کی تنقید کا باب ہے اور آخر مین وہ بشارات نبوی ہین جو صحف سابقہ مین موجو ہین اور جن کے حوالے قرآن مجید و حدیث مین مذکور ہین اور آخر مین خصائص محمدی کا باب ہے،

قیمت درجہ اول عہ ر

درجہ دوم، سے ر

تقطیع کلان تعداد صفحات ۶۱۸،

"منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ الدولتین،

اس سے قبل معارف کے کسی گذشتہ نمبر مین تاریخ الدولتین پر جو تنقید شائع ہوئی تھی اس کے جواب مین مولانا فتحپوری نے حسب ذیل تحریر بھیجی ہے،

ایک الزام مجھ پر یہ ہے کہ مین نے تاریخ الدولتین کو اس طرح شائع کیا گویا کہ وہ میری ہی اصل تالیف ہے، حیران ہون کہ فاضل نقاد نے یہ کیونکر سمجھ لیا جبکہ سرورق پر صراحتاً (طرح ترجمہ "مقتبس از تاریخ التمدن الاسلامی" لکھا ہوا ہے، پہلے سرورق پر اس کا اندراج بیشک نہین ہے، سو اس مین میرا کیا قصور ہے، اس کا جواب وہ ہو سکتا ہے جس نے اسے شائع کیا ہے،

(۲) - دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس کتاب کے ترجمہ کی ضرورت ہی کیا تھی جب کہ اس سے قبل وہ اردو مین آچکی ہے، اس اعتراض کا دوسرا حصہ صحیح نہین، کیونکہ اس وقت تک اس کتاب کا ترجمہ اردو مین نہین ہوا، ضرورت کے متعلق بھی ناشر سے جواب طلب کرنا چاہئے، مین نے فرصت کے اوقات مین ایک خاص خیال کے ماتحت اس کتاب کا اقتباس کر کے رکھ لیا تھا، لیکن بعد کو جامعہ ملیہ نے اس کو لے لیا اور شائع کر دیا اس حال مین کہ مجھے نظر ثانی کا بھی موقع نہ دیا گیا،

چونکہ جرجی زیدان کی تحریرین تعصب سے خالی نہین ہوتین، اس لیے مین نے اپنے خیال کے مطابق تمام ان مقامات کو حذف کر دیا تھا جو قابل اعتراض ہو سکتے تھے، لیکن ممکن ہے کہ اب بھی بعض نامناسب حصے اس مین باقی رہ گئے ہون اور یہ بھی ناممکن نہین کہ بعض جگہ ترجمہ مین غلطی ہو گئی ہو، لیکن جو الفاظ تنقید مین بہ تصریح

درج کیے گیے ہین ان کے غلطی کا تعلق یکسر طباعت یا صفائی مسودہ سے ہے کیونکہ دو مرتبہ جامعہ ملیہ کے شعبۂ تصنیف و تالیف نے اس کے بعض اجزا ضائع کر دیے اور ہر مرتبہ مجھے اصل مسودہ کی نقل کر کر کے بھیجنی پڑی اس لیے بعض تحریری غلطیون کا باقی رہجانا بالکل قرین قیاس ہے،

۲- اسی سلسلہ مین فاضل نقاد نے پروفیسر سرکار کے بعض ان مضامین کا بھی ذکر کیا ہے جس کا ترجمہ نگار مین بلا حوالہ شائع ہوا تھا لیکن جب یہ ترجمے شائع ہوئے تھے اُسی وقت نگار مین ترک حوالہ کے غلطی کا اظہار کر دیا گیا تھا اور لکھ دیا گیا تھا کہ کاتب کے سہو اور کاپی دیکھنے والے کی غلطی سے ایسا ہوا لیکن باوجود اس اعتراف کے فاضل نقاد نے زمانہ مین اسکا ذکر کیا اور اب تاریخ الدولتین پر تنقید کرتے ہوئے بالکل خلاف اس مسئلہ کو چھیڑ دیا،

۳- صحابیات کے متعلق فاضل نقاد نے فرمایا ہے کہ وہ بالکل سیر الصحابیات کی نقل ہے، حالانکہ وہ اصل ماخذون کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے، سیر الصحابیات سے زیادہ واقعات اس مین درج ہین اور صحابیات کی تعداد بھی زیادہ ہے،

سیر الصحابیات، ۱۹ سطر کے مسطر پر ۱۰۹ صفحات کو محیط ہے، صحابیات ۲۵ سطر کے مسطر پر ۲۸۴ صفحات مین تمام ہوئی ہے اور اس لیے ڈیوڑھی ضخامت رکھتی ہے، سیر الصحابیات مین ۵۴ صحابیات کے حالات درج ہین اور صحابیات مین ۸۰ صحابیات کے، سیر الصحابیات مین بعض مقامات پر اصل کتاب کے حوالہ کی عبارت درج نہین کیگئی، صحابیات مین اکثر مقامات پر وہ عبارت بھی درج کیگئی ہے اور اگر کہین اختلاف رائے ہوا ہے تو اسکو بھی ظاہر کر دیا گیا ہے،

یہ ظاہر ہے کہ حالات و واقعات تو بہر حال ایک ہی ہونگے اور ان مین کوئی تبدیلی نہین کیجا سکتی، اس لیے سیرت یا تاریخ کے ہر کتاب کے متعلق یہی حکم لگایا جا سکتا ہے، حالاتِ صحابیات کے ماخذ محدود و متعین ہین اور کسی سے پوشیدہ نہین ہین، اس لیے ہر لکھنے والا انھین سے استفادہ کرنے پر مجبور ہے،

آخر مین مجھے صرف ایک امر اور عرض کرنا ہے، مولوی نجیب اشرف صاحب کسی خاص سبب کی بنا پر مجھ سے (جس کا مجھے علم نہین) برہم ہین تو اس کا اظہار تنقید مین نہ ہونا چاہئے تھا جس سے تنقیص و مخالفت نمایان ہو، مین نے کبھی فضل و کمال کا دعویٰ نہین کیا، کیونکہ مین حقیقتاً کوئی کمال اپنے اندر نہین رکھتا، البتہ ایک طالب علم کے حیثیت سے لکھنے پڑھنے کا مشغلہ ضرور رکھتا ہون اور اس سلسلہ مین مجھ سے غلطیون کا ہو جانا محال نہین ہے، لیکن اگر ان غلطیون کی طرف توجہ دلانے مین نرمی سے کام لیا جائے اور درشت لب و لہجہ اختیار نہ کیا جائے تو کیا حرج ہے،

خاکسار

نیاز فتحپوری

معارف: سب سے پہلے ہم جناب مولانا نیاز صاحب فتحپوری کے مشکور ہین کہ انھون نے ان الزامات کی تردید کی کوشش کی، اس اخلاقی جرأت کی بھی داد نہ دینا، بے انصافی ہے، مگر افسوس ہے کہ مولانا کے عذرات کو قبول کرنے کیلئے ہم آمادہ نہین، اگر صرف ایک دو مضمون کی نسبت کاتب کی پردہ پوشی غلطی کا عذر تسلیم کر لیا جائے تو ان بیسیون مضامین و رسائل کا کیا عذر کیا جائے جو مولانا کے نگارخانہ مین بکثرت موجود ہین اور جن مین سے ہر ایک قلمی تصویر کی خاموش زبان پر یہ شعر ہے، ؎ غارت بتخانۂ چین کردہ ام ؛ تا صنمے چند گزین کردہ ام،

الہلال مصر کے فال کا ذکر یہان بیسود ہے، کہ ہم سے زیادہ نیاز صاحب اس "راز و نیاز" سے واقف ہین،

"تاریخ تمدن حدیث"، کے انقلابات مین یہ چیزین نئی نہین ہین، ع خوشتر آن باشد کہ الخ،

صحابیات اور سیر الصحابیات کے توافق کا راز عنقریب کھل جائیگا، اور معلوم ہو جائیگا کہ اہل نظر کی نگاہون سے بچکر نکل جانا کتنا مشکل ہے، عربی ماخذون کے اتحاد کے ساتھ ساتھ ان کے عربی ترجمون کے اتحاد کی کوئی تاویل آپ نے بیان نہین کی، لفظی اور عبارتون کا الٹ پھیر اور "باب الحذور" کے پردہ مین چھپانا کوئی بڑا کمال نہین جانتا، پھر عربی کے مطبوعہ ماخذ و نسخہ قلمی حوالون کا اتحاد یہان تک کہ غلطیون مین بھی اتحاد اس بیسوین صدی کا سب سے بڑا معجزہ ہے، جن چند نامون کو آپ نے بڑھایا ہے، وہ یقیناً کچھ ملک اور اسی فرق ظاہر کرنے کے نامون کے تحت مین جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس مین شان تحقیق نظر نہین آتی، جو سیر الصحابیات اور صحابیات کی مشترکہ سیرتون مین نظر آتی ہے، اور ان داستانون مین سوائے "باب الحذور" کی ناقص العقلیون کے کوئی اور چیز آپکی رہبری نہین کرتی، **والعاقل تکفیہ الاشارۃ**،

مطبوعات جدیدہ

پیام امین، مولوی محمد عبداللہ صاحب منہاس ملک کے ان چند علم دوست اصحاب مین ہین جو ایک مدت سے علمی مشاغل مین مصروف ہین، اس وقت ان کی ایک جدید تصنیف پیام امین ہمارے سامنے ہے جس مین قرآن مجید پر مختلف حیثیات سے نظر ڈالی گئی ہے سب سے پہلے اشاعت قرآن کی مختصر تاریخ ہے جس مین یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانون نے حفاظت قرآن کے لئے کیا کیا طریقے استعمال کئے، حفاظ قرآن کا صحابہ کرام مین کیا مرتبہ تھا، کتابت قرآن کی خدمت کن صحابہ سے متعلق تھی، آیات قرآن کن کن اشیا پر لکھی جاتی تھین، پھر قرآن مجید کس طرح ایک مصحف مین آیا، جامع قرآن کون ہے، خلفائے اسلام نے قرآن مجید کے ساتھ کس طرح اعتنا کیا، قرآن کریم افریقہ یورپ اور دیگر حصص عالم مین تدریجاً کس طرح پہنچا، دور صحابہ کے مصاحف کہان کہان گئے اور اب کہان کہان ہین، دوسرے باب مین یہ دکھایا گیا ہے کہ یورپ مین قرآن مجید کے کتنے عربی اڈیشن شائع ہوئے ہین شائع کرنے والے کون لوگ ہین، ایک اڈیشن دوسرے سے کن کن خصوصیات مین ممتاز ہے،

تیسرا باب تراجم قرآن کا ہے، پہلے مغربی زبانون کو لیکر بتایا ہے کہ مغرب کی کن زبانون مین قرآن کریم کا ترجمہ ہو چکا ہے، کن کن لوگون نے ترجمے کئے، کیون کئے، کب کئے، اور کہان سے شائع ہوئے، پھر اسی طرح مشرقی زبانون کے تراجم کا ذکر کیا ہے اور اس باب کے استقصا کے بعد واضح ہوتا ہے کہ مغربی اور مشرقی زبانون مین عام ازین کہ وہ علمی ہون یا نہ ہون بہت کم ایسی زبانین ملین گی جن مین قرآن کریم کا ترجمہ نہ ہو چکا ہو،

پھر ایک نہایت وقیع اور مفصل باب "قرآن کریم مستشرقین کی نظرون مین" قائم کیا ہے جس مین
بتایا گیا ہے کہ مستشرقین یورپ نے جو کسی مشرقی خصوصاً اسلامی لٹریچر کو بغیر تعصب کی عینک کے نہین
دیکھ سکتے کس طرح قرآن مجید پر نظر غائر ڈالنے کے بعد اُسے دنیاوی اور آسمانی کتابون مین سب سے برتر
تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہین،

سب سے آخر مین "تعلیم قرآن کے نتائج" کا باب باندھا ہے، جس مین بتایا گیا ہے کہ دہریون نے
کن الفاظ مین تعلیمات قرآن کے نتائج کا اعتراف کیا ہے پھر عیسائیون کے نقطۂ نظر سے تعلیمات قرآن
کے کیا کیا نتائج مرتب ہوئے اور کتاب کی سب سے آخری فصل مین بتایا گیا ہے کہ ایک عالمگیر شخصیت
نے تعلیمات قرآن پر غور کرنے کے بعد اس کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے،

غرض کتاب مجموعی حیثیت سے مستحق ستائش ہے، حجم ۸۰ صفحہ طباعت وکتابت اچھی ہے قیمت
عہ دفتر شرکت ادبیہ امرتسر سے مل سکتی ہے،

برہان القرآن، یہ کتاب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب اور مولوی احمد الدین
صاحب کے ایک تحریری مناظرہ کا مجموعہ ہے جس مین اس مسئلہ پر بحث کیگئی ہے کہ حدیث قابل حجت
ہے کہ نہین، حجم ۸۰ تقطیع ۲۰×۲۶ کتابت وطباعت معمولی ہے اور مولا بخش اللہ بخش سوداگران
صابون بازار سرکی بندال امرتسر کے پاس ۴ر کا ٹکٹ بھیج کر طلب کیجا سکتی ہے،

دو آتشہ، ملک کے مشہور شعراء نے وقتاً فوقتاً انگریزی نظمون کے جو ترجمے اردو مین کئے
ہین، شیخ غلام محی الدین صاحب ایم اے نے ان بکھرے ہوئے موتیون کو منتخب کرکے ایک سلک
مین منسلک کر دیا ہے، اس مجموعہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ اردو مترجمہ نظمون کے مقابل اصل انگریزی
نظمین بھی درج کر دی گئین ہین، ضخامت ۱۲۵ صفحہ ہے، جو انگریزی نظمون کے ساتھ اسکی دونی ہوجاتی
ہے، تقطیع ۱۸×۲۲ کتابت وطباعت اچھی اور جلد خوشنما ہے قیمت مجلد طلائی بیلے پر بلا جلد عہ

ساربان، عہد خلافت فاروقی کا ایک سبق آموز قصہ ہے جو دلچسپ پیرایہ مین بیان کیا گیا ہے لیکن کہین کہین زبان مین "پنجابیت" نمایان ہے،

کتابت و طباعت متوسط ہے ضخامت ۴۰ صفحہ قیمت ۴؍ پتہ منیجر مسلم بک ایجنسی لاہور،

جہنم کی آبادی، یہ روس کے مشہور و معروف مصلح کاؤنٹ ٹالسٹائی کی ایک اصلاحی تصنیف بصورت افسانہ ہے جس مین مذہب عیسوی کی مسخ شدہ صورت کو اس کے اصلی خال و خط مین نمایان کیا ہے، مولانا عبد الرزاق ندوی ملیح آبادی نے اپنے خاص انداز مین اسے اردو کا جامہ پہنایا ہے ابتدا مین مولانا ابو الحسنات ندوی مرحوم کا ایک فاضلانہ مقدمہ ہے،

حجم ۹۰ صفحہ کتابت و طباعت اچھی اور سرورق خوشنما ہے قیمت ۵؍ پتہ نمبر ۱۲ برہان الدین احمد مظہری پریس خلاصی ٹولہ کلکتہ،

نور اللغات، کسی زبان کے وسیع اور علمی ہونے کے لیے سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ اس کا مکمل اور مستند لغت مرتب کیا جائے، اس اصول کے مطابق اردو زبان کے لئے بھی ضروری تھا کہ اس کا کوئی مستند لغت موجود ہو جناب امیر مینائی مرحوم نے گو یہ سلسلہ شروع کر دیا تھا لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی اس لئے صرف ایک باب شائع ہو کر ناتمام رہ گیا، مولوی نور الحسن صاحب بی اے وکیل خلف جناب محسن کاکوری نے اس کا بیڑا اٹھایا ہے اور زیر تبصرہ کتاب انکی کوششون کا پہلا ثمرہ ہے،

جناب مولف نے تحقیق الفاظ و معنی، محاورات و ضرب الامثال تذکیر و تانیث اور بصورت اختلاف مستند شعرار کے کلام سے استناد کیا ہے الفاظ کے طریقۂ استعمال وغیرہ پر خاص توجہ کی ہے امید ہے کہ جناب مولف کی یہ سعی حامیان اردو کے درمیان قدر و منزلت کی نظرون سے دیکھی جائیگی، اگر موقع ملا تو باب التقریظ والانتقاد مین مفصل تنقید کیجائیگی، جلد اول باب الباء پر ختم ہوئی ہے تعداد صفحات ۱۱۷، تقطیع کلان، کتابت و طباعت اچھی ہے، پتہ نیو نیر پریس بک ایجنسی پاٹا نالہ لکھنؤ،

جلد شانزدہم | ماہ ربیع الاوّل ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۵ء | عدد چہارم

مضامین

مین آج کل مدراس مین مقیم ہون، یہ ہندوستان کا "پچھواڑہ" ہے، مگر گو یہ ہندوستان ہی کا ایک جز ہے تاہم ایک اردو دان یا ہندوستانی دان یا ہندی دان جسطرح اس معنی کو ادا کیجئے اتنا ہی یہان بیگانہ اور اجنبی ہے جس قدر افغانستان یا نیپال یا تبت یا عدن، یا بصرہ مین، کیا جو لوگ ہندوستان کو ایک ملک، یا ایک قوم بنانا چاہتے ہین، یہ حالت ان کے لیے قابل التفات نہین، اس پورے احاطہ مین کم از کم چھ سات زبانین بولی جاتی ہین، اوڑیسہ سے ملحق، اضلاع برہامپور وغیرہ مین اڑیا ہے، میسور اور کرناٹک مین کنڑی ہے، اس کے بعد مدراس تک تامل ہے، مدراس کے پیچھے تلنگانہ (اندھرا) مین تلگو ہے، ملیبار کے سواحل مین ملیالم ہے، اور ان سب مین مشترک زبان اگر کوئی ہے تو وہ انگریزی ہے، جو یہان قلی اور گاڑی والے تک بولتے ہین،

مسلمانون کی حالت اس مین اور زیادہ ناگفتہ بہ ہے، شہر کے لوگ نہ تو اردو ہی اچھی طرح جانتے ہین، اور نہ اپنے ملک ہی کی اچھی فصیح اور لٹریری زبان سے واقف ہین، "دو عملی مین ہمارا آشیان ہے" اسلئے لکھنے پڑھنے، تصنیف و تالیف، اخبارات اور رسائل کی اشاعت، اور تحریر و تقریر کی قدرت کسی زبان مین بھی نہین، اسلیے ان تمام زبانون مین سے کسی ایک زبان مین بھی مسلمانون کو مسلمان بنانے یا اسلامی واقعات ضروریات اور حالات کے بتانے، اور دنیا کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہین، چند مستثنیٰ مسلمان اہل قلم ان زبانون کے موجود ہین اور وہی کچھ کرتے ہین، اکثر مسلمانون نے ان زبانون کے خط کو قبول نہین کیا ہے وہ اون زبانون کو عربی خط مین لکھتے ہین، اور اس کا نام "اردی" مشہور ہو گیا ہے، یہ بھی ان کی مادری زبان کی کمزوری کا باعث ہوئی

اور اسلیے اپنے ملک کے سرکاری اور کاربار ی صیغون مین وسخت خطرہ مین ہین،

جو مسلمان کہ گاؤن کے اندر رہتے ہین وہ تو اردو سے مطلق واقف نہین، دوچار لفظ شاید بول لین اور کچھ کر مزسمجھ جائین، ان کو ہندوستان کی اون تمام اسلامی تحریکون سے جو پھیلی ہوئی ہین واقفیت کا کوئی براہ راست ذریعہ نہین، اردو کی تصنیفات اورتحریرین ان کے لیے بیکار ہین، اردو اخبارات بیکار ہین، قرآن پاک کے اردو ترجمے بیکار ہین، تاریخ اسلام اور سیرۃ نبوی کے کسی اردو سرمایہ سے انھین واقفیت نہین، غور کیجئے کہ ان کی اصلاح وتحریک کا کیا ذریعہ ہوسکتا ہے؟ تامل مین صرف ایک اسلامی اخبار سیف الاسلام ہفتہ وار نکلتا ہے، جسکی اشاعت کافی ہے،

تلگو زبان مین قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہے، اور اس کے مقدمہ مین پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مختصر سیرت بھی دیگئی ہے، لیکن آپ جانتے ہین یہ کارنامہ کس کا ہے؟ کسی تعلیم یافتہ مسلمان کا نہین، کسی عالم مسلمان کا نہین، بلکہ ایک ہندو جدید تعلیم یافتہ کا، چیلوکری نراین راؤ ایم اے، ال ٹی، لکچرر راج مندری کالج ( ) نے اس کام کو انجام دیا ہے، اور اس ترجمہ کی غرض وغایت حسب ذیل رکھی ہے،

تاکہ ہندوون اور مسلمانون کو یہ معلوم ہوجائے کہ قرآن پاک اور گیتا کی تعلیم مختلف حیثیتون سے باہم کس درجہ مطابق ہے، اور اس لئے باہم ہندو مسلمانون کا لڑنا کس قدر غلط ہے،

اس ترجمہ کا نام "قرآن شاستر" یا قرآن شریف ہے، غالباً یہ ترجمہ براہ راست عربی سے نہین انگریزی سے کیا گیا ہے،

ادھر کے مسلمان اس درجہ اردو سے دور ہین، خصوصاً گاؤن، دیہاتون اور سواحل کے لوگ،

ان کے لیے اس زبان کا ایک فقرہ سمجھنا مشکل ہے، اندھرا مین تو حیدرآباد کے تعلق اور قرب کے سبب سے خاصی سمجھ لیجاتی ہے، اور شہر مدراس کے بھی لوگ سمجھ لیتے ہین، بنگلور بھی اردو کی جگہ ہے، مگر اندرونی اضلاع اور ملیبار یا پورا کریلا تو بالکل ناواقف ہین، یہان شہر مدراس مین ایک مخیر مسلمان تاجر محی الدین جمال مرحوم کے بیش بہا وقف سے ایک مدرسہ جمالیہ عربی کا مدرسہ قائم ہے جس مین ۵۰ کے قریب عربی خوان طالب العلم ہین، اور چند جید عربی کے مدرس ہین، بانی مرحوم کے صاحبزادہ جمال محمد صاحب نے مجھے اپنے مدرسہ مین آنیکی دعوت دی اور طلبہ اور مدرسین کے سامنے ضروریات حال اور علماء کے موجودہ فرائض کے متعلق تقریر کرنے کی فرمایش کی، لیکن مشکل یہ تھی کہ کس زبان مین گفتگو کیجائے کہ اردو یہ طلبہ مطلق نہین سمجھ سکتے آخر ان طلبہ نے خود عربی زبان مین تقریر سننا پسند کی، کہ اردو سے زیادہ عربی ان کے لئے سہل اور آسان تھی،

مگر اب لوگون کو ادھر مدرسون مین توجہ ہوچکی ہے، چنانچہ خود اس مدرسہ مین اور بعض بعض اور نئے مدرسون مین اردو زبان کا بھی کورس داخل کیا گیا ہے، مگر پھر بھی اردو کی اشاعت کا کام کرنے والون پر فرض ہے کہ ادھر توجہ کرین اور خود ان اطراف کے وہ مسلمان رہنما جو تعلیم سے دلچسپی رکھتے ہین ان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ کم از کم اسلامی مدرسون اور مکتبون مین تو اردو پڑھائی جائے،

ہندی کے پرچار کرنے والون نے ایک مدت سے مدراس کی طرف توجہ کر رکھی ہے یہان ان کا بڑا مرکز ہے، الہ آباد و بنارس کی ہندی انجمن کی طرف سے یہان لوگ متعین ہین، معلمین مقرر ہین جو مفت یا معاوضہ کام کر رہے ہین، اور عام ہندو نوجوانون کو ہندی کی تعلیم دیتے ہین، مصروف کاروباری، اور طلبہ زیادہ تر رات کے ہندی اسکولون مین شریک ہوتے ہین، اب یہ کوشش کیجارہی ہے کہ کریلا یعنی ملیبار ٹراونکور اور کوچین وغیرہ کی طرف کے لوگون کو ہندی سکھانے کا کام شروع کیا جائے، اور اس کے لیے

عملی تدابیر ہو رہی ہین، گو خدا کا شکر ہے کہ یہ ہندی کی تعلیم درحقیقت اُردو کی تعلیم کا ذریعہ ثابت ہو رہی ہے اور اس تعلیم کے بعد بھی یہان کے ہندو جس قدر ہندی سے واقف ہوئے ہین، یہان کے مسلمان اس سے دس گونہ زیادہ اُردو جانتے ہین، اور مدراس مین تو ایسے بھی لوگ موجود ہین جو نظم و نثر اُردو مین شمالی ہند کے لوگون سے کسی طرح کم نہین تاہم ہمکو اپنی کوششون سے باز نہ آنا چاہیئے،

اسی سلسلہ مین ایک خوشخبری بھی سنانی ہے، کہ ہماری سیرۃ نبوی کی ضخیم جلدون کا اس وقت کم از کم تامل زبان مین ترجمہ کا کام ہو رہا ہے، محمد علی صاحب ملک (بازار روڈ رائے پیٹھ مدراس) جو تامل کے اچھے ادیب اور اُردو سے بھی کماحقہ واقف ہین، انھون نے بڑی محنت سے سیرۃ کی پہلی اور دوسری جلدون کا ترجمہ مکمل کر لیا ہے، اور پہلی جلد مطبع مین بھی جا چکی ہے، ملک صاحب چند روز ندوہ کی بھی ہوا کھا آئے ہین، اور مولانائے مرحوم کے سخت معتقدون مین ہین، اب وہ تیسری جلد کا کام شروع کرنے والے ہین، مین نے ان سے خواہش کی ہے کہ وہ اسی سیرت سے لیکر تامل مین ایک مختصر اور آسان کتاب بھی حالات نبوی مین لکھکر شائع کرین،

اشاعت اسلام کا بھی یہان ایک بڑا میدان ہے، عیسائیت اس تیزی سے یہان بڑھ رہی ہے کہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ہر ہفتہ دو ہزار آدمی یہان عیسائی ہوتے ہین، اگر ہر ہفتہ مین دو ہزار مبالغہ ہو تو مہینہ مین دو ہزار تو کسی طرح زیادہ اندازہ نہین، اسی کو قیاس کیجئے کہ یہان سے مسلمانون کو گیارہ بارہ سو برس سے تعلق ہے، اور عیسائی حقیقی طور سے تین سو برس سے یہان کام کر رہے ہین مگر پوری احاطہ کی مردم شماری مین شاید مسلمانون سے عیسائی زیادہ ہو جائین گے، پھر جو مسلمان ہین بھی ان کا اندرونی علاقون مین یہ حال ہے کہ نام سے زیادہ وہ مسلمان نہین، یہ حالت سخت توجہ کے لائق ہے

مسرت ہے کہ ہمارے دوست مولوی محی الدین صاحب بی اے ناظم دعوت و تبلیغ نے ادھر توجہ کی ہو اور یہان اپنی انجمن کی ایک شاخ قائم کردی ہے، اور دو چار آدمی کام کر رہے ہین، جو وقت ہر وہ ہر جگہ مالی سرمایہ کی ہے، تاہم یہان کے ہمدرد معزز مسلمان تاجرون نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اور کچھ ہو رہا ہے، بلکہ اس جمعیت کے ذریعہ سے ملیبار مین اور جہان بھی اس کے مکتب اور یتیم خانے ہین اردو کی ترقی بھی ہو رہی ہے، ملیبار کے مکتب مین اردو لڑکے بولتے اور لکھتے ہین، ملیبار مین ایک اردو ریڈنگ کلب بھی قائم کیا ہے،

مدراس آکر جو دیکھا تو سعدیؒ کا مشہور شعر یاد آیا،

کریمان را بدست اندر درم نیست خداوندانِ نعمت را کرم نیست

یعنی جہان کام ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے، وہان روپیہ نہین، اور جہان روپیہ ہے وہان کام نہین، یہان کے بعض مدرسون کے دیکھنے اور بعض کے حالات سننے کا اتفاق ہوا، مدرسۂ جمالیہ جسکا مین نے اوپر ذکر کیا اسکی عمارت، مدرسین کی تنخواہ، طلبہ کے وظائف اور کھانے کپڑے کے انتظام کا پورا بار صرف ایک مسلمان تاجر محمد جمال صاحب اُٹھا رہے ہین، ان کے والد نے اس مدرسہ کے لیے کئی لاکھ کا وقف چھوڑا ہے، ۱۲ سو روپیہ سالانہ کا اس پر خرچ ہے، اسی کے ساتھ ترچناپلی مین ایک **مجلس العلماء** ہے جس کا اصل مقصد نومسلمون کی تعلیم و تربیت و امداد تھا، مگر یہ اپنے مقصد سے آج بہت دور ہے، تاہم صرف ایک محمد جمال صاحب ۵۰۰ ماہوار اوس مجلس کو تنہا، اور پانچ چھ سو ماہوار متفرق طور سے اس مجلس کو دیتے ہین، دس گیارہ سو ماہوار آمدنی اور بہت کچھ اوس کے پاس جمع ہے، مگر کام کیا ہو رہا ہے ؟ . . .

ایک اور مدرسہ یہان کا باقیات صالحات ویلور مین ہے، اور ایک مقدس بزرگ مولانا عبدالوہاب مرحوم کا قائم کیا ہوا ہے، یہ مدراس کا آجکل سب سے بڑا عربی مدرسہ ہے، مولوی ضیاء الدین صاحب آجکل اس کے ناظم اعلیٰ ہین، اس مدرسہ کے پاس کئی لاکھ کا سرمایہ ہے، ہزار دن کی ماہوار آمدنی ہی، ابھی جناب سی عبدالحکیم صاحب جو یہان کے سب سے بڑے مسلمان تاجر چرم ہین انھون نے پچاس ہزار اس مدرسہ مین طب کی شاخ یہان قائم کرنے کے لیے دیا ہے، مگر ابھی تک یہ مدرسہ اپنی پرانی لکیر سے نہین ہٹا، گو کچھ کچھ یہان تجدید کی بھنک آرہی ہے،

ایک اور مسلمان تاجر نے جو اہل حدیث مین ہین، یعنی حاجی عمر صاحب سے نے اپنے وطن قریہ مین عمر آباد ایک نئی آبادی قائم کر کے خود تنہا اپنے صرف سے ایک مدرسہ دارالسلام قائم کیا ہے جسکی عمارت، سرمایہ اور اخراجات کے وہ تنہا کفیل ہین، اور کئی لاکھ کا سرمایہ اس کے لیے وہ مہیا کر چکے ہین یا کر رہے ہین،

اس سلسلہ مین سب سے زیادہ قابل ذکر اندھرا (تلنگانہ) کا ایک عربی مدرسہ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ ہے، جو کرنول مین قائم ہوا ہے، یہ مدرسہ ایک انجمن اسلامیہ کے ماتحت ہے جو اپنے مخلص کارکنون کی بدولت روز افزون ترقی پر ہے، مدرسہ سمجھدار اور لائق لوگون کے ہاتھون مین ہے اور ہمارے مدرسۂ دارالعلوم ندوہ کے طرز پر چلایا جارہا ہی، اس کا نصاب سات برس کا ہی، جدید علوم حساب، اقلیدس، جغرافیہ، تاریخ اور ابتدائی سائنس کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور ادب عربی اور دینیات کی تعلیم زیادہ دیجاتی ہے، قدما کی کتابین اور جدید مصری کتابین زیر درس ہین مدرسہ چندہ پر چل رہا ہے، ریاستون مین سے اس کو سرکار نظام سے پچاس ماہوار اور خود اندھرا کی مسلمان ریاست بنگن پلی سے پچیس ماہوار ملتے ہین، باقی ۵۰۰

ماہوار کے قریب مسلمان چندون سے جمع کرتے ہین، اس مدرسہ کی خاص خصوصیت یہ بھی ہی کہ یہان اردو کی تعلیم لازمی ہے پورے احاطہ مدراس کے لیے نہیں مگر کم از کم اندھرا علاقہ کے مسلمانون کے لیے اس مدرسہ سے ہمکو بہت کچھ توقعات ہین۔

شہر مدراس مین چند کتبخانے بھی ہین جنمین سے دو سرکاری ہین، میوزیم لائبریری اور گورنمنٹ مینوسکرپٹ لائبریری (قلمی کتابون کا سرکاری کتبخانہ) اس سرکاری قلمی کتبخانہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ ہندوستان مین سنسکرت کتابون کا سب سے بڑا خزانہ ہے، تقریباً اکیس ہزار سنسکرت کتابین یہان موجود ہین، اسکے بعد دوسرا درجہ تنجور کے سنسکرت کتبخانہ کا ہے، اور تیسرا درجہ دکن کالج پونہ کے سنسکرت ذخیرہ کا ہی، بہرحال اس قلمی کتبخانہ مین دوہزار کے قریب عربی وفارسی کتابین بھی ہین، اور بعض نادر بھی ہین، زیادہ تر کتابین خاندان ارکاٹ سے آئی ہین، بعض تیموری یادگارین بھی ہین، شرح ملاجامی کا ایک نسخہ ہے جس کے اخیر مین یہ عبارت ہے کہ یہ مولانا جامی کے اصل مسودہ سے تیسری نقل ہے، اور اس کے آخر مین خود مولانا جامی کی یہ عبارت نقل ہے، کہ

"فقیر عبدالرحمن جامی اس مسودہ کی صفائی سے سنیچر کے دن، چاشت کے وقت ۱۱ رمضان ۸۹۵ھ کو فارغ ہوا"

اس کتبخانہ مین بعض کتابین سلطان صلاح الدین کے خاندان کی بھی ہین بعض یمنی سلاطین کے یہان کی ہین منجملہ ان کے ایک قاضی فاضل سلطان صلاح الدین کے وزیر کا عربی دیوان، نہایت خوشخط چھوٹی تقطیع پر ہے ایک اور کتاب ہی جو غالباً ملک شام کے سلطان سیف الدین ابوالحسن علی بن عمر بن قزل کیلئے لکھی گئی تھی، جسکا نام مفرح النفس ہے عربی مین ہی، اس مین پہلے فرحت ولذت کا فلسفہ لکھا ہی پھر ایک ایک حاسہ کے لذائذ پر فلسفیانہ بحث ہے اور آخر مین مفرحات کے بہت سے طبی نسخے ہین، کتبخانہ مین زیادہ تر طب اور صرف ونحو کی کتابین ہین خمسہ خسرو کا نہایت عمدہ باتصویر، خوشخط، چھوٹی تقطیع کا نسخہ نہایت اچھی حالت مین ہی اور اس سلاطین تیموریہ کی مہرین ہین عجیب چیز ہے

اسی سلسلہ مین ایک اور دلچسپ کتاب دیکھنے مین آئی، اس کا نام "واقعات اظفری" ہے شاہ عالم بادشاہ کے عہد مین تیرھوین صدی کے آغاز مین ظہیرالدین میرزا علی بخت گورگان معروف بہ میرزا کلان اور المتخلص بہ اظفری ایک شہزادہ تھے، غلام قادر خان کے واقعہ کے وقت مین یہ موجود تھے، بہرحال یہ کسی وجہ سے شاہ عالم سے ناراض ہوکر قلعہ سے ایک سقاء کے لباس مین بھاگے ہین، اور جے پور، جودھپور ہوکر پھر رامپور اور بریلی ہوکر اودھ آئے ہین، اودھ سے پٹنہ عظیم آباد، یہان سے مرشد آباد بنگالہ، بنگالہ سے اڑیسہ ہوکر تلنگانہ سے گذر کر مدراس والاجاہ ارکاٹ کے یہان آئے ہین ۱۲۱۱ھ مین شہزادہ موصوف نے اپنے اس سفر مشاہدات اور واقعات کا یہ مجموعہ لکھا ہے، آخر مین اپنے اردو دیوان کا خلاصہ بھی شامل کیا ہے، اوس عہد کے تمدن کی عجیب تصویر ہے، معارف کے ناظرین کے لئے اس تصویر کا عکس لے لیتا ہون کبھی موقع سے انکو دکھاؤنگا،

علی گڈھ یونیورسٹی کی جوبلی کی تقریب سے نئی نئی دلفریب اور دلکش تجویزین پبلک مین آرہی ہین، ان کا مقصد اگر محض لوگون کو اس "اجتماع عظیم" کیطرف ترغیب دلاکر اون کو چند روز اپنا مہمان رکھکر صرف اپنی مجلس کی رونق بڑھانا نہین ہے، تو یہ مبارک، اسی سلسلہ مین اردو کی اشاعت اور ترقی کی تجویز بھی ہے، جو دس استفسارات کے تحت مین "ہمدردان اردو" کے نام بھیجی گئی ہے اور ان سے جواب چاہا گیا ہے، تاکہ جوبلی کے جشن کے موقع پر اردو کے لیے جو اجتماع ہوگا اس کے سامنے تمام جوابون کا خلاصہ سنایا جائے، اس مطبوعہ خط مین یہ افسوس کیا گیا ہے کہ سرمایہ کی کمی کے باعث کوئی کمیشن بنایا نہین جاسکتا جو شہر شہر پھر کر ان سوالات کے جوابات جمع کرتا اور شہادتین قلمبند کرتا، ہم کو اپنے دوست مولوی رشید احمد صاحب صدیقی لکچرر اردو مسلم یونیورسٹی کے جذبات سے پوری ہمدردی ہے اور انکی ظریفانہ سنجیدگی (سنجیدہ ظرافت" نہین) سے بھی ڈر لگتا ہے، تاہم سوال یہ ہے کہ اس کوہ کندن اور کاہ برآوردن" سے ان کا مقصد کیا ہے، نہ جوابات کی ضرورت ہے، نہ کمیشن پر حسرت ہے نہ اس کے لیے رپورٹ مرتب کرنے کی حاجت ہے، یہ عیاشانہ قومیات کے فرصت کے گھنٹون کے

تفریحی مشغلے ہین، آپ کچھ کرنا بھی چاہتے ہین؟ کر بھی سکتے ہین؟ کرینگے بھی؟ اور کیا آپکو کرنے بھی دیا جائیگا،

اگر کرنا چاہتے ہین تو مدراس، بنگال، بمبئی، ممالک متوسط وغیرہ مین جائیے، انجمن اردوے معلی کے مرکز قائم کیجئے، اردو مدرسے جاری کرائیے، اردو مدرسون کا کورس بنائیے، نوجوان جمع ہون جو راتون کو شبینہ اردو اسکول قائم کرین، گاؤن گاؤن نہ سہی تو قصبون مین پھر کر کام کرین، ہر جگہ اردو کے کتبخانے قائم کرائین اور اردو تقریر و تحریر کے لیے طلبہ کی انجمنین بنوائین، ان کے لیے انعامات مقرر کیجئے، منیوسپل مدارس اردو کے قائم کرائیے، اردو قرأت خانے کھلوائیے، عدالتون مین اردو کے داخلہ کی اجازت دلوائیے، یہ ہین کام کرنے کے اگر ہم آرام طلب میرزامنش نستعلیق ان کو کرسکتے ہون حبیب من ع اندکے بنیر درین کارجنون می باید، اور اس کے بغیر کچھ نہین ہوسکتا ہے، اور یون تو حسب ضرورت اردو ہماری زبان خود بخود اسی طرح پھیلتی جاتی جس طرح اسلام ہمارا مذہب خود بخود ہندوستان مین پھیل رہا ہی، نہ اس کے لیے ہمکو کوشش کی ضرورت ہے اور نہ اس کے لیے ہم کو محنت کی حاجت!،

یہ تو اردو کی جغرافی وسعت کا جواب تھا، علمی حیثیت سے اسکی ضرورت ہے کہ ایک بڑے سرمایہ سے دار الاشاعت قائم ہو، جو اردو کی تمام اچھی کتابون کو یکجا کرکے شائقین کے لیے مہیا کرے، تمام پچھلی تصانیف کو دوبارہ چھاپے، نئی تصنیفات کو خرید کر شائع کرے، مصنفین کی حوصلہ افزائی کرے، جدید علوم اور مسائل پر کتابین لکھوائے، مختلف یونیورسٹیون مین اسکی اعلی تعلیم کے لئے کوشش کرے،

مقالات

ہستی باری عزّ اسمہٗ

پر

ایک اجمالی مگر غائر نظر

از

جناب محمد یوسف خان صاحب تسلیم شادانی بریلوی بی اے پروفیسر مشن کالج لاہور

انسان کے لیے، خدائے تعالیٰ کی جستجو، تلاش، اس کے متعلق تحقیق و تفحص، غور و فکر سے بڑھکر کوئی تلاش اور تحقیق نہین کسی شے کی تحقیق تفتیش، اس قدر ضروری نہین، جسقدر کہ اس ذات پاک کی، ہر سوال، اور تحقیق اسی ایک امر پر منحصر ہے، بلکہ ہماری ساری زندگی، رجحان طبع، طریق کار، طرز معاشرت، صرفِ اوقات سب کا دار و مدار اسی بات پر ہے، اسی ایک سوال کے جواب پر ہے، "خدا ہے یا نہین" اس کائنات کا کوئی خالق، مدبر، منتظم ہے یا نہین؟" بادنیٰ تامل معلوم ہوسکتا ہے کہ اس سوال سے زیادہ اہم اور کوئی سوال نہ ہے نہ ہو سکتا ہے، ہماری ساری زندگی کا انحصار اسی پر ہے، اور جس طرح دنیا کے تمام سوالات مین، یہی سوال اہم ترین ہے، قابل تحقیق امور مین یہی تحقیق اولین ہے، اسی طرح کائنات مین صرف، انسان ہی اسکا جواب دیسکتا ہے، کیونکہ اس سوال کا جواب خواہ نفی مین ہو یا اثبات مین غور و فکر کو مستلزم ہے اور سوائے انسان کے، اور کوئی مخلوق صفت، غور و فکر ([illegible]) سے متصف نہین،

ایک حیوان مطلق، مثلاً گھوڑا، اس سے زیادہ کچھ نہین کرسکتا کہ جب اسے ضروریات حیوانی لاحق ہون تو اپنی جبلّت کے مطابق ان کا دفعیہ کرے اور اپنی زندگی، احساس حیوانی یا تحریک طبعی (Animal Instinct) کے ماتحت بسر کرے، دن کو کھیت یا میدان مین کام کرے، بارکشی کرے، اور رات کو تھان سے باندھ دیا جائے، پھر صبح کو اسی کام پر لگا دیا جائے، اور قوانین قدرت کی رو سے جب اس کا وقت آن پہنچے تو زمین پر گر کر جان دیدے، لیکن وہ حق بجانب ہے، اگر وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہین کرتا، تو اسکی وجہ یہ ہے کہ کر نہین سکتا، آخر خصائص نوعی سے بالاتر کس طرح ہو سکتا ہے؟ لیکن اگر انسان بھی جو عالم صغیر ہے، اشرف المخلوقات ہے، خلق فی احسن تقویم ہے، حامل امانت کہا جاتا ہے، مسجود ملائکہ ہے، خلیفۃ اللہ فی الارض ہے، گھوڑے کی طرح خواب وخورش کے دائرہ سے باہر قدم نہین نکالتا، صبح سے شام تک روزی کی فکر کرتا ہے، اور رات کو کھا پی کر چارپائی پر دراز ہو جاتا ہے، عیش کا طالب ہے، تکلیف سے متنفر ہے، پیاس لگے تو پانی کی طرف دوڑے، سردی معلوم ہو تو آگ ڈھونڈے، نیند آئے تو سو رہے، بھوک لگے تو کھائے، اور موت آئے تو چپکے سے مرجائے اور حیوانی زندگی ہی مین عمر عزیز رائگان کھو دے تو پھر حیوان اور انسان مین فرق کیا رہا؟ وہ طغرائے امتیاز کدھر گیا؟ اس نے خدا کی عطا کردہ، افضل ترین نعمت یعنی عقل سے کیا کام لیا؟ آخر اسے کس مصرف کی چیز بنایا؟

نہین نہین انسان عقل سے بھی کام لیتا ہے، وہ رات دن اس جستجو مین ہے کہ کس طرح دولت مہیا کرون، کس طرح اپنے دشمن کو زیر کرون، کس طرح دنیا کو ہموار کرون، کسطرح، معاشرتی، اقتصادی اور مالی ترقی کرون، آگ کیا ہے، ہوا کیا ہے، پانی کیا ہے، آسمان کیا ہے، زمین کیا ہے، ستارے کیا ہین، کس طرح انہین اپنے استعمال مین لاؤن، کس طرح ان سے فائدہ اُٹھاؤن، پر نہین لیکن اڑنے کی فکر کرتا ہے، موت سے مفر نہین، لیکن اس سے بچنے کے ذرائع ڈھونڈتا ہے، دنیا کی ہر چیز

کو معلوم کرنا چاہتا ہے، وہ ہے اور تحقیق و تفتیش، رات دن، فطرۃ اور قانون فطرۃ سے بحث کرتا ہے،
پھر کس قدر حیرت انگیز ہے اگر وہ تمام دنیا کے حقائق کی جستجو کرے اور اپنے کو بھول جاوے، اگر وہ تمام
امور و مسائل مین تحقیق و تلاش، غور و فکر کرے اور اس اہم ترین سوال کی طرف متوجہ نہ ہو، خدا ہے یا نہین؟
دنیا کے اہم سے اہم سوال کو، سائنس اور فنون لطیفہ ([illegible]) کی بلند ترین موشگافیون
کو، عقل کی ارفع خیال آرائیون کو، غرضکہ ان تمام باتون کو، جو انسانی عقل کے حیطۂ اقتدار مین آسکتی ہین
بھلا اس اہم ترین سوال سے کیا نسبت ہے؟ کس طرح یقین ہو کہ انسان تمام امور دنیاوی مین تو غور و فکر
کرے اور اس سوال سے اعراض؟ ساری باتین تو اس کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لین لیکن
یہ سوال اس کی نظر مین کچھ اہمیت نہ رکھے؟ وہ سوال جس پر سارے سوالات کا انحصار ہے، کوئی
سوال ایسا نہین جو بواسطہ یا بلا واسطہ اس اہم سوال سے متعلق نہ ہو، وہ سوال جو اپنے اندر انسان
کی کایا پلٹ دینے کی قابلیت رکھتا ہے، جس نے اس رینی ڈیکارٹ کو جو فوجی افسر تھا وہ ڈیکارٹ[1]
بنا دیا جو فلسفۂ جدیدہ کا بانی ہے، جس نے اگسٹائن[2] کو، جو ایک عیاش طبع نوجوان تھا، وہ سینٹ اگسٹائن
بنا دیا، جو آج دنیائے مسیحیت مین آفتاب ہو کر چمک رہا ہے، جس نے محمد الغزالی[3] کو حجۃ الاسلام بنا دیا
جس نے ایرسٹن کے بیٹے کو افلاطون[4] الٰہی بنا دیا، جس نے انسلم[5] کو غیر فانی شہرت بخشی، جس نے

---

۱ (Rene Descartes) رینی ڈیکارٹ یورپ کا مشہور فلاسفر ہے، جس نے لمی دلیلون سے اثبات واجب الوجود کیا، یہی سوال اسکے سامنے آیا تھا۔ ۲ (St. Augustine) سینٹ اگسٹائن ایک مشہور فاضل الٰہیات اور بڑا زبردست پیشوائے دین مسیحی تھا، پہلے عیاشی کی زندگی بسر کرتا تھا لیکن ایکدفعہ یہی سوال اسکے سامنے آگیا اور پھر وہ ہمہ تن اس سوال کے جواب مین مصروف ہوگیا، بس اسی سوال نے اسکی کایا پلٹ دی اور وہ کچھ سے کچھ ہوگیا، اسے آج دنیائے مسیحیت نے ولی کا لقب دیا ہے۔ ۳ امام غزالی زبردست متکلم، فلسفی، فاضل الٰہیات، صوفی غرضکہ اسلام مین عظیم الشان انسان گذرا ہے۔ ۴ افلاطون ابن ارسطن یونان کا مشہور فلاسفر، دنیا کے عظیم الشان انسانون مین سے تھا جسنے سب سے پہلے خدا کی ہستی پر دلیل قائم کی، اسے افلاطون الٰہی کہتے ہین۔ ۵ انسلم (ANSELM) یورپ کا زبردست متکلم فلسفی اور فاضل الٰہیات، علم کلام مسیحی کا بانی جسنے بدلیل لمی اثبات ذات تعالیٰ کیا، اسکی دلیل بہت مشہور رہی ہے،

جلال الدین کو مولوی[1] روم بنا دیا جس نے ارسطو[2] کو معلم اول کا لقب عطا کیا جس نے اسپنوزا[3] کو حکیم کے لقب سے ممتاز کیا، جس نے کینٹ[4] کو ابدی زندگی بخشی، اسی سوال نے اس سے (Critique of Pure Reason) لکھوائی، ہان وہی سوال جس نے موسیٰ کو کلیم اللہ کے نام سے دنیا مین قائم کیا جس نے آنحضرت[5] محمد صلعم کو جنھون نے بچپن مین بکریان چرائین اور جوانی مین تجارت کی، بقول برٹینکا[6] "دنیا کی کامیاب ترین مذہبی شخصیت" (most successful of all the religious personalities of the world) بنا دیا، کیا اسکا سوال، ناقابل التفات کہا جا سکتا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس نے کڈورتھ[7]، کلارک[8]، فایڈر[9]، کیمبل[10]، ومین[11]، ہملٹن[12] کو غیر فانی شہرت عطا کی ہے، کیا ایسا سوال جو انسان سے بحیثیت انسان تعلق رکھتا ہی، اس قابل ہے کہ اسکی طرف توجہ نہ کیجاوے؟ یہ سوال انسان کی زندگی کے کسی ایک پہلو سے متعلق نہین محض سیاسی یا معاشرتی یا تمدنی یا علمی، یا محض عقلی، یا محض قومی، نہیں بلکہ انسان سے من حیث الانسان متعلق ہے، اور اسی لیے اس کا جواب کسی ایک پہلو سے نہین ہو سکتا بلکہ اس کا کافی و شافی جواب انسان (بحیثیت مجموعی) کی جانب سے ہونا چاہیئے،

---

[1] جلال الدین رومیؒ، سرآمد صوفیائے کرام، فاضل جلیل، عارف ربانی، جنکی مثنوی محتاج تعارف نہین، آپ نے اپنی تصنیف مین بدلائل عقلیہ اثبات واجب الوجود کیا ہے، عقلی ادلہ کو سلیس اشعار مین نظم کر گئے ہین، [2] ارسطو، یونان کا مشہور فلسفی، منطق کا موجد، تمام علوم جو اس کے زمانہ مین موجود تھے، دستگاہ کامل رکھتا تھا، حرکت سے واجب تعالیٰ کی ہستی پر استدلال کیا ہی، اسکی دلیل کو حکیم ابن مسکویہؒ نے فوز الاصغر مین بسط کے ساتھ لکھا ہے، [3] اسپنوزا، یورپ کا مشہور فلاسفر جس نے بدلیل لمی اثبات واجب تعالیٰ کیا ہے، اس کا مسلک وحدۃ الوجود ہے (Spinoza) [4] (Kant) کینٹ، جرمنی کا مشہور فلاسفر اٹھارہوین صدی کا سب سے بڑا فلسفی، اخلاقی دلیل سے اثبات واجب تعالیٰ کیا ہے، [5] آنحضرت صلعم، شروع سے غور و فکر کے عادی تھے، آخر یہ سوال آپ کے سامنے بھی آیا اور آپ نے اس کا جواب دیا مگر فلسفیون کی طرح نہین، چنانچہ آپ کے متعلق جو آرٹکل انسائیکلوپیڈیا برٹینکا مین لکھا گیا ہے اس مین یہ الفاظ بھی موجود ہین، غور طلب بات یہ ہے کہ صرف اس سوال ہی کیوجہ سے آپ کی زندگی مین یہ انقلاب ہوا، اگر یہ سوال سامنے نہ آتا تو ہم جیسے اور تھے ویسے ہی آپ بھی رہتے ۱۱۲ [6] (Cudworth) کڈورتھ اپنے زمانہ کا فاضل ترین انگریز تھا، اس سے زیادہ فلسفہ یونان سے واقف کوئی شخص نہ تھا، اس نے خدا کی ہستی پر ایک بے نظیر اور لاجواب کتاب لکھی ہے، (The True intellectual system of the universe) [8] (Clarke) ایک زبردست فاضل الٰہیات اور بے مثل منطقی اور بڑا فلسفی تھا، مذہب اور فلسفہ دونون مین یکتا اس نے خدا کی ہستی پر ایک عدیم المثال کتاب لکھی ہے، (Demonstration of the Being and attributes of God) [9] و [10] و [11] یہ سب فاضل الٰہیات گذرے ہین جنھون نے بدلائل عقلیہ اثبات واجب تعالیٰ کیا ہے اور مادہ پرستون اور دہریون سے مقابلہ کیا،

اس سوال کا پورا پورا اور صحیح جواب محض قوۃ متخیلہ یا قوۃ مُدرکہ کی بنا پر نہین دیا جاسکتا، انسانی زندگی کا ایک پہلو اس پر کافی روشنی نہین ڈال سکتا، کیونکہ انسان، خالصۃً فکر یا ادراک محض نہین ہے، بلکہ وہ ان کے سوا کچھ اور بھی ہے، انسان محض دماغی قوتون کا نام نہین عقل کے علاوہ اس کے سینہ مین دل بھی ہے دل کے علاوہ اس مین حاسہ اخلاقی (Moral faculty) بھی ہے اس حاسہ کے علاوہ اس کے پاس ایک چیز اور بھی ہے جسے "ضمیر" کہا جاتا ہے، عقل مجرد اس سوال کا فیصلہ نہین کرسکتی، عقل کے ساتھ ضمیر اور حاسہ اخلاقی بھی جواب مین شریک ہوگا، کیونکہ سوال، انسان سے ہے، جواب بھی انسان سے ہونا چاہئیے، اور یہ بات بخوبی عیان ہے کہ خدا، عقل کی نسبت ضمیر سے زیادہ قریب ہے اور خدا اگر علتِ اولی پہلا سبب ہے تو اس کی ہستی کا یقین، ادراک وفکر پر مبنی نہین، بلکہ وجدان سلیم، یا احساسِ وجدانی پر موقوف ہے، کیونکہ تمام علوم کے اصول اولیہ اور مبادیات کی بنیاد، یقین وجدانی پر (INTRITIVE CONVICTION) ہے جس طرح عقاید کی بنیاد، قیاس واستنباط پر ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ انسان کو جیسا وجدانی یقین خدا کی ہستی پر ہے، اور کسی چیز پر نہین ہے، ہماری اخلاقی زندگی پکار پکار کر اسکی ہستی کا اقرار اور اعتراف کر رہی ہے، ہماری ذہنی قوتین تمام کی تمام اس کے وجود پر شاہد ہین،

خدا کا انکار، در اصل اس یقین کامل، اور اعتقاد واثق کا انکار ہے جو اسکی ہستی کے متعلق ہمارے دل ودماغ مین پیوست ہے، اور یہ انکار، اسی سے سرزد ہوسکتا ہے جو عقل وشعور سے بیگانگی اختیار کرچکا ہو، اور ہوش وخرد سے ہاتھ دھو بیٹھا ہو، اس بدحواسی کا نقشہ، مشہور فلاسفر لکٹنبرگ[1] (Lichtenberg) نے اپنی ایک پیشینگوئی مین اس طرح کھینچا ہے، "پچھلے لوگ بھوتون پر اعتقاد رکھتے تھے، لیکن جب علم ودانش مین ترقی کی، تو ان پر اعتقاد رکھنا، کہ بھوت بھی کوئی چیز ہے ایک حماقت اور جہالت کا نشان سمجھا جانے لگا، میرا خیال ہے کہ یہ دنیا اس قدر ترقی کر جاد سے گی کہ ایک

---

[1] (Lichtenberg) ایک مشہور جرمن فاضل الٰہیات اور پیشوائے دین مسیحی تھا،

زمانہ وہ آئے گا جب خدا پر اعتقاد رکھنا، کہ وہ بھی کوئی چیز ہے، ایسا ہی مضحکہ خیز ہوگا جیسا آجکل بھوتون پر اعتقاد رکھنا اس کے بعد دنیا اور آگے ترقی کرے گی اور اس زمانہ کے لوگ صرف بھوتون ہی پر اعتقاد رکھ سکین گے، کیونکہ وہ خود "خدا" کے مرتبہ تک پہنچ جاوین گے"

انسانی دماغ مین، خدائے تعالیٰ کی ہستی کا وجدانی یقین موجود ہے، اور ہمارے لئے ناممکن ہے کہ اپنے آپ کو اس وجدان سے بیگانہ اور ناآشنا بنالین یا بنا سکین، ہم اپنے متعلق یا دنیا کے متعلق کچھ نہین سوچ سکتے، تا وقتیکہ خدا کے تصور کو اپنے غور وفکر مین کسی نہ کسی طرح شامل کرلین، جب ہم اپنے متعلق کچھ سوچنا شروع کرتے ہین، تو خود بخود اس غور وفکر کو تصور ذات باری سے متعلق اور متحد کردیتے ہین، یعنی جب ہم اپنی ذات مین غور کرتے ہین، خدا کا خیال، از خود ہمارے سامنے آن کھڑا ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس کی ہستی کا یقین ہمارے دل وجان مین مرکوز ہے، اگر وہ کسبی ہوتا تو بیشک ایسا نہ ہوتا، لیکن یہ اعتقاد، یقین، ایک فطری شے ہے اور ہماری طبیعت کا ذاتی تقاضا ہے، جب ہم اس طبیعت کے ماتحت غور وفکر کرتے ہین تو ہمارے خیالات بسرعت تمام اس عالم محسوس ومحدود سے پرواز کرتے ہین اور ایک غیر مشہود، غیر محدود ہستی تک جا پہنچتے ہین، اور جب تک پہنچ نہ جاوین، انھین قرار نہین آتا حقیقت تو یہ ہے کہ ہم خدا کا تصور کرنے پر مجبور ہین اسکی ہستی کا یقین، ہمارے شعور وعقل مین اسی طرح مرکوز ہے جس طرح، اپنی ہستی کا یقین، یا عالم خارجی کی ہستی کا یقین، خدا کا علم، ہماری روح (نفس ناطقہ) کا ویسا ہی ضروری اور لازمی عنصر ہے جیسا کہ اپنی ذات کا علم، تصور باری، نفس ناطقہ کا لازمی اور حقیقی خاصہ ہے" ایپک ٹیٹس[۱] کہتا ہے "اگر مین بلبل ہوتا تو گانا، میرا کام ہوتا، اگر ہنس ہوتا تو ہنس کی سی زندگی بسر کرتا، (یعنی خواص تبدیل نہین ہوتے اور ہر حیوان تقاضائے ذات کے ماتحت زندگی بسر کرتا ہے) لیکن مین صاحب عقل وشعور انسان ہون

---

[۱] (Epictetus) یونانی فلاسفر پہلی صدی عیسوی کا، بچپن مین غلام رہا، عمر بھر شادی نہین کی،

لہذا میرا کام خدا کی حمد و ثنا کرنا ہے"گویا ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" ایک تنیس کا قول اس آیہ کی تفسیر ہے"ربنا ما خلقت ھذا باطلا" جس طرح گانا اور چہچہانا بلبل کی ذات کا تقاضا ہے اسی طرح خدا کی حمد و ثنا کرنا میری ذات کا تقاضا ہے، گانے کی خواہش بلبل کی طبیعت مین مرکوز ہے، خدا کا اعتقاد انسان کی فطرۃ مین مرکوز ہے، الست بربکم؟ قالوا بلی۔

ارڈمین[1] (Erdmann) کہتا ہے"علوم طبعی (Moral Science) کی ایک حد ہے جس سے آگے وہ ایک قدم نہین رکھ سکتے، ایک مقام پر پہنچکر ان کی سرحد ختم ہو جاتی ہے، اس سے آگے نہین جا سکتے، اور یہ حد وہ ہے جہان تک ہمارے مشاہدات حسی (Experience of the senses) اور وہ نتائج جو ان تجربات و مشاہدات پر مبنی ہین، جا سکتے ہین، جہان یہ ختم ہوتے ہین اسی جگہ طبعیات کی سرحد ختم ہوتی ہے" دوسری جگہ کہتا ہے"تجربہ، جس پر طبعیات کی بنیاد ہے، نیستی سے ہستی کے متعلق کچھ نہین جانتا، یعنی نیستی سے ہستی ہونا ہمارے تجربات کے خلاف ہے لیکن کیا اس قسم کا آغاز ناممکن ہے؟ کیا یہ خیال کہ نیستی سے ہستی ہو سکتی ہے، خلافِ عقل ہے؟ ہرگز نہین یہ سچ ہے کہ ہم نیستی سے ہستی کا تصور نہین کر سکتے، لیکن یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ جو چیز ہماری عقل مین نہ آئے وہ ممکن نہ ہو، کیا ہماری عقل ہمہ دان اور عالم الکل ہے؟ مادہ کی ابتدا کا مسئلہ، آفرینش کا مسئلہ، طبعیات کا مسئلہ نہین ہے سائنس اس جگہ بالکل خاموش ہے" اور اسی جگہ سائنس ختم ہوتا ہے اور مذہب کی سرحد شروع ہوتی ہے، مذہب ہی ان باتون کا جواب دیسکتا ہے کیونکہ وہ ایک قادر مطلق خالق ارض و سما کی ہستی کا یقین پیش کرتا ہے، جس پر ایمان لانے سے یہ عقدہ حل ہوتا ہے ورنہ سائنس تو اس معا[ملہ مین خاموش] ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آخر کوئی شے اپنے انداز سے باہر نکل ہی کب سکتی ہے [یہ امور] سائنس کی رسائی سے پرے ہین، سائنس کا کا[م نہین]

[1] ارڈمین (Erdmann) جرمن فلاسفر 1805-1892

اسی بات کو استاذ مرحوم علامہ شبلی[1] نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف الکلام میں عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے اور اگر سائنس کی حدود کو ملحوظِ خاطر رکھا جاوے تو مذہب اور سائنس میں کبھی تصادم نہیں ہو سکتا۔

ہمبولٹ (Humboldt) کہتا ہے "علم تخلیق عالم یعنی (Cosmogony) میں مادہ کی ازلیت فرض کرلیگئی ہے اور اس علم میں مادہ کی مختلف صورتوں اور شکلوں سے بحث کیجاتی ہے، اور ان حالتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سے گذر کر موجودہ دنیا، ایک خاص شکل میں مرتب ہوگئی ہے، لیکن اس کے علاوہ اور جس قدر مباحث ہیں وہ اس علم کے دائرہ اور (Scope) زوایۂ عمل سے باہر ہیں، انکی بحث، فلسفہ میں ہوتی ہے"۔

ورچو[2] (Virchow) جیسا ماہر طبعیات بھی یہ کہنے پر مجبور ہے "میں نے علانیہ طور پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تخلیقِ عالم کا مسئلہ، سائنس کی بنا پر حل نہیں ہو سکتا، تحقیقات سائنس اس گتھی کو مطلق نہیں سلجھا سکتی"۔

اسٹز[3] (Stutz) مشہور ماہر طبقات الارض (Geologist) اپنی تصنیف "حقائق ایمان" میں ص۱۹تا۲۰ بڑے بڑے ماہران طبعیات مثلاً لائی بگ (Lieleg)

---

[1] ہندوستان کا فاضل یگانہ اور بڑا مصنف، تاریخ، الٰہیات، فلسفہ، منطق، کلام، ادب، عروض وغیرہ غرض کہ ہر فن میں دستگاہ رکھتا تھا، اس کی مشہور تصنیفات علم کلام، الکلام، الفاروق، المامون، شعر العجم وغیرہ ہیں، ہندوستان میں تنقید کا فن اسی نے رائج کیا، بقول سید سلیمان ندوی علامہ موصوف، ملا محب اللہ بہاری بھی تھا اور شاہ ولی اللہ ثانی بھی ۱۲ [2] (Virchow Rudolf 1821–1902) ماہر طبعیات اور محقق جرمنی کا باشندہ تھا ۱۲ (Virchow 1856–1769) [3] (Stutz) عالم طبقات الارض اور کیمیا وغیرہ (جرمنی) Chemist ۱۲

بوائل[۱] (Boyle) رٹر[۲] (Ritter) شون بین[۳] (Schonbein) مارٹینس[۴] (Martineau) کا قول پیش کرتا ہے کہ "سائنس ہمہ دانی کا دعویٰ نہین کر سکتا، اسکی حدود مقرر ہین جن کے آگے نہین جا سکتا، اور جہان سائنس کی سرحد ختم ہوتی ہے، مذہب کا دور دورہ شروع ہوتا ہے، اور خود سائنس کا مطالعہ انسان کو اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ ایک نادیدنی ہستی ہے جو پس پردہ کام کر رہی ہے" لیکن ہمارے زمانہ مین، جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہین وہ زیادہ تر اس بنا پر کہ انھون نے نہ فلسفہ کا مطالعہ کیا نہ سائنس کا، انھین مطلق خبر نہین کہ جس سائنس کے بل بوتے پر وہ خدا کا انکار کرتے ہین اور بے شعور مادہ کو خدا بتاتے ہین، وہی سائنس ان پر لعنت کرتا ہے اور تبرا بھیجتا ہے (ان کے اقوال پر) وہی سائنس خدا کی ہستی کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے، زیادہ سے زیادہ بی اے پاس کر لیا، دو چار ناول آسکر وائلڈ[۵] یا میری کوریلی[۶] کے پڑھ لیے، کچھ بے ربط اقوال شاپن ہار[۷] یا ہگلے[۸] کے سن سنا لئے، اور یقین کر لیا کہ واقعی خدا نہین، کیونکہ مل[۹] یا کانگٹ[۱۰] ایسا ہی لکھتے ہین گویا مل یا کانگٹ کو خدا (نعوذ باللہ) سمجھ لیا کہ ان کے اقوال مین غلطی ہو ہی نہین سکتی،

---

[۱] (Boyle) رابرٹ بوائل ۱۶۲۷-۱۶۹۱ء انگریز نیچرل فلاسفر اور سائنس دان جسکی یادگار مین بوائل لیکچر کا سلسلہ جاری ہوا۔

[۲] (Ritter) (۱۷۹۱-۱۸۶۹) جرمن فلاسفر اور فاضل الٰہیات ۱۸۳۳ء سے ۱۸۶۹ء تک فلسفہ کا پروفیسر تھا

[۳] (Shonbain) Ger. Scientist and Botanist جرمن ماہر طبعیات اور علم النباتات (Martineau) [۴]

[۵] (Oscar Wild) (۱۷۹۴-۱۸۶۸) انگلستان کا مشہور ناولسٹ اور انشا پرداز

[۶] (Maricorelli) انگلستان کی مشہور ناولسٹ، [۷] (Schapenhauer) ۱۷۸۸-۱۸۶۰ جرمنی کا مشہور فلاسفر، [۸] (Hickel) جرمنی کا مشہور فلاسفر جسکا مذہب یہ تھا کہ نظام عالم خدا ہی ہے، [۹] (J. S. Mill) انگلستان کا مشہور فلاسفر اور منطقی مشہور لا ادری گذرا ہے، [۱۰] (Comte) کانگٹ، فرانس کا مشہور فلاسفر Positivism کا بانی ہے،

کوئی ان دیوانون سے پوچھے کہ تمھارے شاہین ہاریا فکلٹے نے ہابز[1] یا لامیٹری[2] نے اپنے معتقدات کی بنا پر، اپنے فلسفہ کی رو سے، ان حقائق کو بے نقاب کر دیا، جنھین تم حقائق کہتے ہو؟ مادہ مین شعور اور حکمت، مقصد اور ارادہ ثابت کر دیا؟ تخلیق عالم کا مسئلہ حل کر دیا؟ خدا کو اس لیے چھوڑا کہ وہ حواس خمسہ سے محسوس نہین ہے لیکن کیا کانگٹ نے مادہ کو محسوس کر لیا؟ اسے روبرو، دیکھ لیا؟ کیا ان لوگون نے جنکے مذہب کی تعریف، خود ان کے مذہب کا ابطال کرتی ہے، تمام کائنات کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا؟ جو بڑے طمطراق کے ساتھ اسکی ہستی کا انکار کر بیٹھے؟ خدا کا اسلیے انکار کیا کہ خدا کہان سے آیا؟ کس طرح موجود ہو گیا؟ لیکن کیا انھون نے یہ معلوم کر لیا کہ مادہ کہان سے آیا، کس طرح متحرک ہو گیا؟ خدا کا لا متناہی ہونا تو سمجھ مین نہ آیا، لیکن مادہ کا لا متناہی اور لا تیجزی ہونا سمجھ مین آگیا؟ کیا یہ گروہ منکرین باری تعالی، نظام عالم کو باطل ثابت کرنے مین کامیاب ہو گیا؟ ہو سکا؟ ہو سکتا ہے؟ کیا انھون نے یہ ثابت کر دیا کہ دنیا مین کوئی قانون کام نہین کر رہا ہے؟ کیا وہ موجودات کو مقصد، اور غایت سے معرا ثابت کر چکے؟ کر سکتے ہین؟ ڈاکٹر کرسلیب[3] (آمونہ ہیکر) کہتا ہے "اگر کوئی شخص کہے کہ خدا نہین ہے تو یا تو وہ در اصل کامل تحقیق کے بعد ایسا کہتا ہے یا بلا غور و تحقیق، اگر بلا تحقیق ایسا کہتا ہے، تب تو اس کا قول لائق التفات نہین، اس سے کہدو کہ جاؤ صحیفۂ فطرۃ کا مطالعہ کرو، اور اگر وہ یہ کہتا ہے کہ مین تمام روئے زمین، تمام کائنات تمام نظام شمسی، تمام افلاک الغرض سب جگہ گھوم آیا ہون ہر شے کو دیکھا، کہین خدا کا نشان نہین ملا تو وہ اپنے قول سے اپنی تردید کرتا ہے، اسلیے کہ یہ کام انسان کا نہین بلکہ خدا کا ہے"۔ ان ملاحدہ سے کوئی

---

[1] (دی ... ہوبز) انگلستان کا فلاسفر، مادہ پرست تھا، (1588-1678) سنہ [2] (LOMETTERIE) فرانس کا مشہور ملحد، مادہ پرست تھا، [3] (... Christlieb) جرمنی کا مشہور فاضل الہیات اسکی مشہور کتاب کا نام Christian belief (MODERN DOUBT ہے،

پوچھے کہ خدا کو اس لیے نہین مانتے کہ سمجھ مین نہین آتا، اقلیدس اور علوم ریاضی کو پھر کیون تسلیم کرتے ہو، نقطہ سمجھ مین آگیا؟ ذرا ایسا نقطہ ہمین دکھانا جسمین جسامت نہ ہو! ذرا ایسی سطر یا ایسا خط ہمین دکھانا جس مین چوڑائی یا عرض نہ ہو!

وہ کہتے ہین، جو بات ہماری عقل مین نہ آئے، اسے ہم تسلیم نہین کرین گے، اور نہ وہ ممکن ہے، بہت خوب: نیستی سے ہستی سمجھ مین آگئی؟ یعنی مادہ مین شعور نہین، اس سے انسان بنا، اس مین شعور کہان سے آگیا؟ جو چیز اصل (مادہ) مین نہین فرع (انسان) مین کہان سے آگئی، ضرور نیستی سے ہستی ہوئی ورنہ شعور اور ارادہ کا مبدا اور (ORIGIN) بتاؤ، مادہ کے کون سے جز مین پایا جاتا ہے، یا جز نہ ہو تو کل مین ہو؟ اور اگر نہین دکھا سکتے تو پھر مانو کہ نیستی سے ہستی ہوگئی اب اس مفروضہ کو عقل سے مبرہن کرو، ذرا ثابت تو کر دو۔

کیا یہ بات عقل مین آتی ہے، یا کہ ممکن العقل ہے، تمھارے تجربہ مین ہے کہ کوئی نقشہ مجوزہ (Design) خود بخود، بلا کسی نقشہ نویس کے، بلا کسی صاحب عقل ہستی کے، بس آپ سے آپ صفحہ کاغذ پر کھینچ گیا ہو؟ یہ بات عقل مین آتی ہے کہ ایک جاہل مطلق شکسپیر کے ڈرامون سے بہتر ڈرامے لکھ دے جس حال کہ وہ الف، بے سے بھی واقف نہ ہو؛ اگر یہ معمولی بات خلاف عقل ہے تو پھر اس سے بڑھکر یہ بات عقل مین آتی ہے کہ حروف تہجی خود بخود دہون اور کچھ عرصہ کی لوٹ پلٹ کے بعد رومیو جولیٹ[ل] طیار ہوجاے، ہرا لگے نہ پھٹکری رنگ آئے چوکھا؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی ہستی کا وہی انکار کرے گا، جس نے صحیفۂ فطرۃ کا مطالعہ نہین کیا، جس قدر سائنس کا مطالعہ کرو، اسی قدر خدا کی ہستی پر دلائل اور شواہد ملتے ہین، سائنس باواز بلند پکار رہا ہے کہ ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری مین، سچ فرمایا حضرت داؤدؑ نے "بیوقوف انسان اپنے

[ل] (Romeo and Juliet) شکسپیر کا مشہور ڈرامہ ہے،

دل مین کہتا ہے خدا نہین" (زبور ۱۴) ان لوگون سے کوئی پوچھے، بھلا تم نے اپنے فلسفہ کی بنا پر تمام سوالات کا جواب دے لیا؟ انسان تو محدود اور فانی ہے، لامتناہیت، اور بقا، ان کے تصورات کس طرح اس کے دماغ مین جگہ پا سکے؟ یہ تصورات، انسانی دماغ کی کوشش یا غور و فکر کا نتیجہ نہین ہو سکتے، پھر کہان سے آگئے؟ جس طرح نیستی سے ہستی نہین ہو سکتی، اسی طرح جزو کل سے مختلف نہین ہوتا معلول مین علت سے زیادہ نہین ہوتا، اور ([illegible]) آم سے امرود نہین ہوتا، مادہ مین سوچنے کی قوت کہان سے آگئی! اور اس پر طرہ یہ کہ اس قوۃ سے تصور اور تعقل کرتا ہے ان باتون کا جو اسکی ذات سے غیر ہین[1]، جب وہ محدود ہے تو محدودیت کا آیڈیا، اس کا محدود دماغ کس طرح پیدا کر سکا؟ کر ہی نہین سکتا پھر ایک لامحدودیت پر کیا منحصر ہے؟ جزئیات تو محسوس اور مشہود ہین، کلیات کا ادراک کیسے کر سکا کیا کسی مادہ پرست، یا لاادری نے انسانیت، نیکی، بدی، حیوانیت، تناسب، ان چیزون کو چشم خود ملاحظہ کیا ہے[2]، اس کے علاوہ حسن کو لیجئے، حسن خود (ABSTRACT) یعنی قائم بالغیر ہے، اسکی تعریف، یعنی جسم متناسب الاعضا، تناسب خود (ABSTRACT) ہے، مادہ، مدرک کلیات!

(۳) ان دونوان باتون کے علاوہ "تناسب" (SYMMETRY) نسبت، لحاظ (ZATIDPIOPOITION قاعدہ۔ قرینہ) بغیر اس کے کہ ذی شعور منتظم مقدم تسلیم کیا جاوے، ممکن العقل نہین، کیونکہ جو چیز بلا تصرف صاحب عقل و شعور ہوتی ہے وہ تناسب اور قرینہ کی ضد ہوتی ہے، تناسب اور قرینہ نہین ہوتا، اسے (COMOS) نہین کہتے بلکہ (CHOOS) کہتے ہین، یہی ملاحدہ جو مقصد، غایت، تناسب، قرینہ کے الفاظ استعمال کرتے رہتے ہین، اور انھین بجائے خدا کے، بے شعور مادے سے منسوب کرتے ہین جب کمرہ سجاتے ہین تو سجانے والے اور اس فن کے ماہر بلاتے ہین، حالانکہ بے شعور مادہ کو بلانا چاہیئے،

(۴) ان سب کے علاوہ، متناسب، جسم، یعنی حسن، دلپذیر کیون ہے؟ مادہ کو حسن سے کیا لگاؤ؟

مادہ کو admiration اور Appreciation سے کیا نسبت؟ یہ تو کلی ہے،
جزئی تو نہین، یعنی مادہ مین حسن پرستی کا مادہ (تحسین وتعریف) کہان سے آیا! مادہ حسن کا احساس
کس طرح کر سکتا ہے؟ مادہ تو حرکت ہے نہ کہ شعور! کیا صداقت (Truth) حسن (Beauty)
نیکی (Goodness) مادہ کے خواص ہین؟ حالانکہ سوائے مخبوط الحواس کے، اور ہر شخص ان کا پرستار
ہے، ہمارے اندر انھین پیار کرنے کی خواہش کہان سے پیدا ہوئی؟ مادہ مین نہ صداقت ہے نہ حسن ہے
نہ نیکی ہے؟ ہان بیشک ایک ہستی ہے جو صداقت مطلق، حسن مطلق اور خیر مطلق ہے وہ خدا ہے جس نے
یہ تصورات ہمین دیئے اور ہمارے اندر ان سے محبت کرنے کا مادہ رکھدیا، جو مادی نہین، اور ان تینون
امور کی معرفت بقول افلاطون وہیگل، خدا تک پہنچاتی ہے، یہ کام مادہ کا ہو سکتا ہے؟ پھر اصل مطلب
کی طرف رجوع کرتے ہین۔

انسان کے دماغ مین اگر کوئی تصور رفیع ترین ہو سکتا ہے تو وہ خدا کا تصور ہے، اور یہ تصور
لازمی تصور ہے، چنانچہ اس کے لازمی اور ضروری ہونے پر ایپکٹیٹس کا قول شاہد ہے، اور یہ لزوم
اس امر کو مستلزم ہے کہ ہمارے تصور کا مصداق، موجود فی الخارج ہے اور ہم سے علیحدہ ایک ہستی ہے،
اس کے لازمی ہونے کے یہ معنی ہین کہ (۱) جس طرح گانا بلبل کے لئے ضروری ہے، خدا کا تصور انسان کیلئے
ضروری ہے (۲) قوائے ذہنی اس ترکیب پر اور اس نہج پر واقع ہوئے ہین کہ ان کے لیے وا
تصور ناگزیر ہے، اور (۳) اسکی ہستی کا یقین اگرچہ دلائل عقلیہ سے بھی ہوتا ہے مگر (INTRITIUELY)
وجدانی طور پر، اندر سے دل پکار اٹھتا ہے، کہ اس کائنات کا بنانے والا کوئی ضرور ہے، خیال باری تعالیٰ
سچ مچ، اسکی ہستی پر یقین کا مرادف ہے، ہم اس کے خیال سے باز نہین رہ سکتے، اور کیا تماشہ ہے، کہ
جب اس کا خیال یا تصور کرین گے تو بحیثیت "موجود" کرین گے، سبب اس کا یہ ہے کہ اس کو موجود تصور کرنا
عقل کا تقاضا ہے،

یہ سچ ہے کہ اس علم باری تعالیٰ (Consciousness of God) مین ترقی ہو سکتی ہے، مگر اسی پر کیا موقوف ہے، تمام صداقتین جو وجدانی طور پر حاصل ہوتی ہین، ترقی پاتی ہین، اور یقین و ایمان کے مراتب طے کرتی ہین، اور تو اور، علم ذاتی مین ترقی ہوتی ہے، بچپن مین اور جوانی مین آدمی وہی ہوتا ہے مگر علم مین فرق ہوتا ہے،

پھر یہ تصور مختص بالقوم اور مختص بالزمان نہین، یہ تصور "عام" بلکہ اعم ہے، سسرو[1] کہتا ہے،

"دنیا مین کوئی قوم ایسی نہین، جو کسی نہ کسی رنگ مین، خدا پر اعتقاد نہ رکھتی ہو، گو کہ اس کی ذات وصفات سے مطلق ناواقف ہو"

یہ قول ایک ناقابل تردید حقیقت ہے، جس سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا، سوائے جاہل اور بیوقوف کے، ہزارہا سالون کا تجربہ اس کا مؤید ہے، سسرو کے زمانہ سے لیکر اب تک سیکڑون ممالک دریافت ہو چکے سینکڑون اقوام معلوم ہو چکین، مگر خدا اور مذہب دونون کی عزت اور عظمت ہر جگہ، ہر زمانہ مین، ہر قوم مین یکسان موجود رہی ہے، کوئی قوم ایسی نہین جس مین خدا کے متعلق اعتقاد نہ پایا جاتا ہو، یا جس کے افراد مین، خدا کے متعلق کچھ نہ کچھ علم موجود نہ ہو، آج تک دہریون، (ملاحدہ) کی قوم دریافت نہ ہو سکی، یہ تو بقول افلاطون ایک بیماری (دماغی خرابی) ہے "جو جوانی مین بیشتر لاحق حال ہو جاتی ہے" (افلاطون)، خود ملاحدہ نے بہت کوشش کی کہ کوئی قوم ملحدانہ خیالات کی معلوم ہو جائے لیکن ابھی تک کامیابی نہ ہو سکی، اور نہ آیندہ ہونے کی امید ہے، تا وقتیکہ انسان کی دماغی کیفیت، اور غور و فکر کے اصول و قوانین اور مبادیات علم (Laws of Thought, the principles of knowledge) نہ بدل جاوین، اس وقت تک، نہ تصور ذات باری، دور ہو سکتا ہے نہ دہریون کی قوم دستیاب ہو سکتی ہے، کیا کیا جائے، انسان قوو دماغی اور ذہنی قوتون کی بناء پر مجبور ہے کہ ایک وجو

[1] (Cicero) روم الکبری کا بہترین فاضل انسان، بڑا مدبر، فلسفی اور بہترین مقرر،

واجب کو جو تمام چیزوں کی علت تامہ تسلیم کرے، اس تصور کا برانگیختہ ہونا، اسکی مرضی پر موقوف نہین، علۃ تامہ، موثر اول، یا واجب الوجود کا تصور اسکی نفسیاتی اور عقلی زندگی کا تقاضائے ذاتی ہے، نہ وہ اس سے اعراض کرسکتا ہے اور نہ نفس اُس تصور سے باز آسکتا ہے، علم باری تعالے تو ہماری ذہنی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے اور ضروری عنصر ہے،

افریقہ کے حبشی، کلاہائی[۱] کے وحشی، کانگو[۲] کے جنگلی، گیانا[۳] کے بُش مین امریکہ کے سرخ انڈین، نیو ہالینڈ کے وحشی، اسٹریلیا کے جنگلی، نیوزیلینڈ کے مواری سب کے سب خدا پرست ہین، اس معنی مین کہ اپنے سے بالاتر ہستی، کے قائل ہین، یعنی مذہب کا آئیڈیا ان مین بھی موجود ہے، غرضکہ جہان جہان حضرت انسان پائے جاتے ہین وہان وہان مذہب بھی، خواہ یہ قوام اخلاقی پہلو سے کتنی ہی نیچے کیون نہ ہون، لیکن خداپرستی کا عنصر ان کی زندگی سے دور نہین ہوا ہے" جو بات اس قدر اعم ہو اس قدر مقبول اور مسلمہ ہو جس پر تمام دنیا کا اتفاق ہو جھوٹی نہین ہوسکتی" یہ سرو کی دلیل ہے، جو اس نے اثبات واجب الوجود مین پیش کی تھی، وہ کہتا ہے" ہم مین سے ہر ایک کے نفس مین خدا کا اعتراف منقوش ہے پس ہمارے لیے اسے نہ جاننا اور اسکی ہستی سے ناواقف ہونا ناممکن ہے"،

یہ ممکن ہے کہ خدا کی ہستی کے یقین سے ایک شخص انکار کردے، اگرچہ وہ یقین اس کے دل مین موجود ہو، چنانچہ الحاد، عقل کا تقاضا نہین، نہ الحاد کی بنیاد عقل پر رکھی جاسکتی ہے، ... ان کی مرضی یا اس کے ارادے سے ابھرا ہوتا ہے عقل تو الحاد کو نزدیک نہین آ... یہی شیخ سعدیؒ بھی فرماتے ہین،

برگ درختان سبز درنظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

---

[۱] (Kalahari) جنوبی مغربی افریقہ کا ریگستان [۲] (Congo) وسطی افریقہ کا ملک، جہان وحشی اقوام آباد ہین، [۳] (Guinea) مغربی افریقہ کا ملک، یہان بھی وحشی اقوام آباد ہین

ہماری عقل ہر وقت خدا پرستی کی طرف رہنمائی کرتی رہتی ہے، مثلاً ہم جانتے ہین کہ جو شے کسی مقصد کو پورا کرے وہ مقصد کے ماتحت بنائی گئی ہے اور اس کا بنانیوالا کوئی صاحب عقل وشعور انسان ہے جس کے دماغ مین اس شے کا نقشہ پہلے سے موجود تھا، مثلاً گھڑی، کیمرا، دوربین، موٹر کار وغیرہ وغیرہ، اب کون بیوقوف ہوگا جو ان چیزون مین تو (Design) غرض وغایت، مقصد ومطلب تسلیم کرے، اور یہ کہے کہ گھڑی فلان شخص نے ایجاد کی، کیمرا، فلان شخص نے ایجاد کیا، دوربین فلان شخص نے بنائی، موٹر فلان کاریگر نے بنائی، مگر انسان کے اعضا مین نہ مقصد ہے نہ غایت، نہ ربط نہ ڈیزائن (Design) اور یہ کہ انسان خود بخود بن گیا"

یعنی کیمرا تو خود بخود نہین بنا، مگر، مگر آنکھ جسے دیکھکر کیمرا بنا یا گیا، وہ خود بخود بن گئی: دہریون اور ملاحدہ کے اعتراض عموماً ناواقفیت، عدم علم، عدم مطالعہ پر مبنی ہوتے ہین، بلکہ اکثر اوقات مضحکہ خیز ہوتے ہین، مل کہتا ہے" اگر خدا ہوتا تو آگ نہ لگا کرتی"، کانٹ کہتا ہے" اگر خدا ہوتا تو چاند مین کسی مبشی کو راہ نہ دیتا"، اور جو دلائل الحاد کی تائید مین دیئے جاتے ہین وہ اکثر اوقات، اسکے ماخذ کو پردۂ اخفا مین لانے والے ہوتے ہین،

غور کیجئے، مل کا اعتراض، اسکی (مرضی) یعنی ذاتی خواہشات" سے پیدا ہوا ہے نہ کہ اس کے ہے"

اگر وہ تدبر سے کام لیتا تو اُسے معلوم ہوتا کہ قانون قدرت، مین مداخلت بیجا نہ کرنے ہی سے تو خدا کی عظمت وبزرگی عیان ہے، اس نے ایک قانون مقرر کر دیا، اس کے موافق کام ہوگا، اور جو شخص قانون توڑے گا، نتائج برداشت کرنا پڑین گے فرض کیجئے، ایک کسان کی غفلت سے آگ لگی، تو ابتدا غفلت سے ہوئی، غفلت کی پاداش، اس کسان کو بھگتنا لازمی ہے، اب آگ کا خاصہ جلانا ہے، اُس سے دور نہین ہو سکتا وہ جلائے گی، آگ لگیگی، گاؤن جل جاوے گا، بیشک

ایسا ہی ہوگا، لیکن اگر کسان اپنی غفلت کا نتیجہ نہ پائے، سزا نہ بھگتے، قانون اور خواص کا عدم ہوجائے تو پھر یہ دنیا رہنے کے قابل نہ رہے، غرض آگ کا لگنا اس صورت مین قابل اعتراض تھا جب اللہ میان خود اس امر کے خواہشمند ہوتے کہ فلا گاؤن مین آگ لگ جائے، اب سلسلۂ علۃ و معلول، قائم ہے، ابتدا کسان کی عورت سے ہوئی جس نے کھانا پکا کر آندھی کے دنون مین آگ کو نہ دبایا، ہوا چلی، آگ کی چنگاریان چھپر مین جالگین، بسرعت، پھیل گئین، آگ لگ گئی، یہ سب کچھ مربوط ہے،

اب مسٹر مل کو لیجئے، وہ چاہتے ہین کہ خدا ایسا ہو کہ جہان کہین آگ لگے وہ فوراً بجھانے آئے. بلکہ آگ ہی نہ لگنے دے، مل کا بھائی کہتا ہے خدا ایسا ہونا چاہیئے جو بے بارش غلہ اگا دے، مل کا ایک دوسرا دوست کہتا ہے، خدا ایسا ہونا چاہیئے جو رات کو بھی آفتاب روشن کرے تاکہ ہمین لالٹین جلانا نہ پڑے، غور کیجئے، یہ تو اپنی مرضی کا خدا ہوا، خدا کی کوئی حقیقت اور اصلیت تو نہ رہی مرضی کی چیز تو بنی بنائی مشکل سے ملتی ہے، بنوانا پڑتی ہے، تو خدا وہ تسلیم ہوگا جو تراشیدۂ خویش ہو!

سوال یہ ہے کہ جو تمھاری مرضی کے موافق کام کرے وہ خدا ہوگا یا تمھارا ملازم؟ خدا کی شان سے تو یہ بات بعید ہے ہی، کیا کوئی آقا گوارا کرسکتا ہے کہ خادم اسے حکم دے اور وہ اسکے موافق کرتا رہے، افسوس ہے کہ مسٹر مل اور گانگٹ دونون اس وقت موجود نہ تھے جب زمین و آسمان بن رہے تھے ورنہ ان سے مشورہ لیا جاتا، ہان تو بات یہ ہے کہ دہریے، اور ملاحدہ اکثر اوقات عجیب سوالات کرتے ہین، جو ایک طرف اُن کی ناواقفیت کا پردہ فاش کرتے ہین دوسری طرف ان کے خود ساختہ عقائد پر گولہ باری کرتے ہین :-

یہ لوگ کہتے ہین، اچھا، خدا کو کس نے پیدا کیا؟ خدا کہان سے آیا؟

ذرا کوئی ان بزرگون سے پوچھے، بھائی! مادہ کو کس نے پیدا کیا، مادہ کہان سے آیا؟

یہ لوگ کہتے ہین، خدا پر اس لئے ایمان نہین لاتے کہ سمجھ مین نہین آتا سمجھ سے باہر ہے، خدا بذریعہ

حواس محسوس نہین، کوئی ان سے پوچھے، بھائی اعلی کا کرشمہ، اسکی حرکت، اور مادہ کی حرکت، ایتھر کا وجود آپ کی سمجھ مین آگیا، الکٹرسٹی کی تشریح کر سکتے ہو؟ مادہ بذریعہ حواس محسوس ہے؟

کانگٹ نے کہا ہم تجربہ ومشاہدہ پر علم کی بنیاد رکھتے ہین، تجربہ بتاتا ہے،

(ا) کوئی چیز خود بخود نہین بنگی،

(ب) حرکت بغیر متحرک نہین ہوسکتی،

(ج) نیستی سے ہستی نہین ہوسکتی، :- لیکن تم کہتے ہو

کہ (ا) انسان خود بخود بنگیا،

(ب) مادہ ازلی متحرک ہے،

(ج) عدم شعور (مادہ) سے شعور پیدا ہوگیا، بیجان سے جاندار بن گیا،

کانگٹ اور اس کے خوشہ چینون سے کوئی پوچھے، مادہ مین پہلے پہل حرکت کیسے پیدا ہوئی؟ اور پھر دنیا مین نباتاتی، حیوانی، اور انسانی زندگی کیونکر برپا ہوئی،

([illegible]) فیبرانی[1] اور (Hettinger[2]) نے اپنی تصانیف مین، ور چو ([illegible]) س نقل کیا ہے، جو کہتا ہے، "ظہور حیات کے مسئلہ کا، مادہ کی بناء پر حل کرنے کا خیال ایسا ہی لغو ہے، جیسا یہ کہنا کہ توپ کا گولہ خود بخود دہانے سے فضا مین زور کے ساتھ نکل جاتا ہے یا اجرام فلکی خود بخود فضائے عالم مین چکر لگاتے ہین، اور گولہ کا نکلنا اور اجرام فلکی کا چکر لگانا یہ انکی ترکیب کی بناء پر ہے"

کارنیلیس[3] (Cornelius) کہتا ہے "یہ سمجھنا عقل کے ذریعہ، ناممکن ہے کہ کیونکر،

---

[1] ([illegible]) اطالی فاضل الہیات اور سائنس دان، [2] (Hettinger) جرمن فاضل علم ہیئت وسائنس کا بڑا ماہر، [3] (Cornelius) ایک رومن فلاسفر اور انشا پرداز،

ایک سالم خلا (Vacant space) مین دوسرے سالم پر عمل (Operation) کرتا ہے" اس قدر اعراض کے بعد نفس مضمون پر آتا ہون

خدا کی ہستی کا یقین انسان کی طبیعت مین مرکوز ہے، کل مولود یولد علی الفطرۃ مین اسی کی طرف اشارہ ہے فطرۃ التی فطر الناس علیھا، کا بھی یہی منشا ہے، مگر اس یقین کی بنیاد، ان دلایل پر نہین، جنکے آگے عقل سر جھکاتی ہے، بلکہ یہ یقین (Inward Generation) تحریکات باطنی اور ترغیبات اندرونی کا نتیجہ ہے، چنانچہ ڈاکٹر لوتھرڈ[1] (Luthardt) کہتا ہے :-

(Belief in God is not a science But a virtue) "یعنی خدا پر یقین، سائنس نہین بلکہ نیکی ہے" یعنی اس اعتقاد کی اصلی بنیاد ہمارے "انٹوئشن" کی گواہی ہے، اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "انٹوئشن" کی گواہی (وجدان کی شہادت) پر روشنی ڈالی جائے :-

واضح ہو کہ انٹوئشن کے لغوی معنی "دیکھنا" ہین، لیکن اصطلاح مین اس لفظ سے ہماری مراد ہماری نیچر کی وہ خداداد روشنی ہے جس کے بغیر ہم کسی شے کی حقیقت کو نہین پہچان سکتے، بلکہ بعض باتون کے ثبوت کے لیے دلائل خارجی کی بھی ضرورت نہین ہوتی کیونکہ یہ خداداد روشنی (INTUITION) خود بخود ان سے واقف ہو جاتی ہے، خدا نے ہماری فطرۃ (Nature) مین ایک ایسی قوت رکھدی ہے جسکی بنا پر ہم بغیر دلائل خارجی کی مدد کے اشیاء سے واقف ہو جاتے ہین، پس جب ہم یہ کہتے ہین کہ خدا کی ہستی کے بارہ مین، خود ہماری فطرۃ (Nature) مین یقین و صداقت یا انٹوئشنل گواہی موجود ہے تو اس سے ہمارا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہماری نیچر مین خدا کی ہستی کے متعلق ایسا ذاتی علم پایا جاتا ہے جو کسی بیرونی حقائق موجودات کے مشاہدہ اور تجربہ سے اکتساب نہین کیا گیا، بلکہ وہ معرفت وہبی ہے جو مرکوز فی الذات ہے، اگر ہم مشہودات نیچر کو بمنزلہ نور فرض کرین

---

[1] (Luthardt) جرمنی کا مشہور فاضل الٰہیات ۔

تو انٹوئشن بمنزلۂ آنکھ ہوگا، انسان خدا کی صورت پر بنا ہے، اسی لیے تخلقوا باخلاق اللہ کا حکم دیا گیا، اسی لیے خدا کی معرفت کا چراغ کم وبیش اس کے خانۂ دل مین روشن ہے اور جب ہم اس چراغ کی روشنی مین نیچر کی صنعتون کا معائنہ کرتے ہین تو ہم ان مین اسی خدا کی حکمت کا جلوہ پاتے ہین جسکے وجود پر ہمارا وجدان (INTUITION) گواہی دیتا ہے،

دلائل عقلیہ، خدا کی ہستی کے اعتقاد پر مقدم نہین، بلکہ خدا کی ہستی کا اعتقاد، دلائل عقلیہ پر مقدم ہے ہم اسلیے خدا پر ایمان نہین لائے کہ دلائل سے ثابت ہوا، بلکہ اسلیے کہ خود خدا نے بقول ڈیکارٹ اپنی ہستی کا یقین ہمارے دل مین مرکوز کر دیا ہے، اور ہم اس یقین کو بدلائل عقلیہ مبرہن اور مؤید کرتے ہین، اور یہ یقین کبھی، کسی دلیل سے تقویت پاتا ہے، کبھی کسی دلیل سے اور یہ دلائل اس تصور کو جو ہماری روح مین مرکوز ہے، جلا دیتے ہین، دلائل کی مدد سے یہ تصور زور اور طاقت حاصل کرتا ہے،

ڈاکٹر نائیٹ[1] (Dr Knight) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف دی ایس پکٹس آف تھی ازم (The Aspects of Theism) مین لکھتے ہین، "گو خدا کی ہستی کے ثبوت مین جو شہادۃ پیش کیجاتی ہے اسکے سلسلہ مین، پہلی کڑی وجدان (INTUITION) ہے یعنی بزبان دلائل کا پہلا مرتبہ (Stage) ہمارا وجدان ذاتی ہے، مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہی سب سے اونچا مرتبہ (Highest Stage) بھی ہے، کیونکہ جب ہم کسی اعتقاد کی پیروی کرتے کرتے اسے اسکی آخری کڑی تک لیجاتے ہین تو ہم پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس سے آگے اس کی تائید مین اور کچھ نہین کہہ سکتے، اس لیے کہ وہ اپنا شاہد آپ ہے اب اگر ہم وجدان طبعی کا انکار کرین اور اسکی گواہی کو رد کرین تو یہ سوال ہوگا کہ ہم عقلی دلائل کی شہادت کو کس بنا پر تسلیم کرین؟ غرض انٹوئشن ہر قسم کی شہادت کی بنیاد اور اصل ہے"

[1] (Dr Knight) ڈاکٹر نائیٹ اسکاٹلینڈ کا مشہور فلسفی، اسکی مشہور آفاق تصنیف The Aspects of Theism ہے

خدا کی ہستی کا یقین، (Reflection) غور وفکر پر مبنی نہین، بلکہ اس سے مقدم ہے عقل سے دل کی تسلی نہین ہوتی بلکہ دل سے عقل کی تسلی ہوتی ہے جس طرح اخلاقی صداقتون (Moral matters) کے معاملہ مین، دلائل سے ضمیر تسلی نہین پاتا، بلکہ خود ضمیر عقل کو تسلی بخشتا ہے، چونکہ خدا کی ہستی کا یقین دل مین جاگزین ہے، اسلئے عقل بھی تسلیم کرتی ہے کہ خدا ہے، سائنس بھی اسی طرف رہنمائی کرتا ہے، فلسفہ کا فتوی بھی یہی ہے، ارسطو اور افلاطون عمر بھر یہی راگ الاپا کئے، کینٹ بھی اور دلائل کو کمزور اور ناقص ثابت کرتا ہے، مگر اس انٹویشن کی گواہی سے انکار نہین کرسکتا (Vide his moral proof) اسپنسر[1] کو بھی ایک مطلق ذات کا اقرار ہی کرتے بن پڑی، ؎

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

پیسکل[2] (Pascal) کہتا ہے "خدا کو بھی پسند آیا کہ اس کی ہستی کا یقین عقل کے ذریعہ دل مین جاگزین نہ ہو بلکہ دل کے ذریعہ عقل مین جاگزین ہو، لہذا اس نے انسان کی طبیعت مین اپنی ذات کا تصور رکھدیا، اور پھر عقل نے اسپر گواہی دی، دلائل قائم کئے، اور اس خیال کو مضبوط کیا" لنگٹن برگ کہتا ہے "اگر انٹویشن کی گواہی موجود نہ ہوتی تو مجرد عقل شاید ہی خدا کی ہستی کا اثبات کرسکتی" ادسٹرزی[3] کہتا ہے "اگر خدا نہ چاہتا کہ انسان اسے جانے تو بھلا انسان کس طرح اسے جان سکتا تھا، کیونکہ محدود مین غیر محدود کا تصور، محدود ذات کی بنا پر پیدا ہی نہین ہوسکتا" انسلم کہتا ہے "اے خدا! مین تجھ پر یقین کرتا ہون تاکہ

---

[1] (H. Spencer) انگلستان کا مشہور فلسفی، [2] (Pascal) فرانس کا زبردست فلسفی، اور ریاضی دان، [3] (Oosterzee) ہالینڈ کا زبردست متکلم اور فاضل الہیات، اسکی مشہور تصنیف (Christian dogmatic) ہے،

اس یقین کی روشنی مین، بدلائل عقلیہ تیری ہستی کا اثبات کرون، اور تجھے سمجھون،

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پہلے دل مین اسکی ہستی کا یقین ہوتا ہے پھر عقل اس کی جستجو کرتی ہے اس کا پتہ لگاتی ہے، نشانات ڈھونڈتی ہے، فطرۃ مین، تاریخ مین، اور خود نفس ناطقہ مین، خدا کی ہستی کا پتہ لگانا عقل کا افضل ترین فرض منصبی ہے اور یہ کام اس کے لیے باعث فخر ومباہات ہے کہ وہ بدلائل نیرہ، اس یقین کو حاصل کرلے، جو یقین، دلکو، بذریعہ وجدان سلیم، حاصل ہو،

(۱) کائنات کا ذرہ ذرہ، خدا کی ہستی پر شاہد ہے، یہ دنیا موجود ہے، لہذا اس کا بنانیوالا بھی ضرور ہونا چاہیئے، ورنہ کیا یہ دنیا آپ سے آپ ہی بنگئی؟ کیا وہ اپنی خالق اور صانع خود ہے؟ اچھا تو اس کی (Power of Creation) قوۃ تخلیق کہان ہے؟ ہمین ہر قوت جو معلوم ہوئی ہے، محدود ہے، "کوئی غیر محدود قوت، ابھی تک نہین تلاش کیجا سکی، پس کوئی ایک قوت بھی" خالق" نہین ہوسکتی، صفت خلق سے متصف نہین ہوسکتی، تو کیا تمام قوتون کے مجموعہ سے دنیا بنی ہے؟ یہ بھی نہین، ہوسکتا، کیونکہ محدود کا مجموعہ بھی محدود ہی رہے گا، غیر محدود نہین ہوسکتا لاکھ" محدود" جمع کرو، نتیجہ محدود ہی ثابت ہوگا، ہر قوت، دوسری قوتون سے محدود ہے، تمام علل (Causes) جو ہم دنیا مین جاری دیکھتے ہین، علل ثانیہ (Secondary causes) ہین، کوئی ایک علت بھی، آخری، اور اصلی نہین، اور جس قدر علل ثانیہ جمع کرو، ان کا مجموعہ علۃ اولی (First Cause) نہین ہوسکتا. پس ہم کو، علۃ اولی کی تلاش، محدود اشیاء اور قوتون اور علل کے اوپر کرنا چاہیئے، اگسٹاین (اقرارات ۱۰:۶) کہتا ہے، "مین نے زمین سے کہا، کیا تو خدا ہے؟ اس نے جواب دیا نہین، ہوا سے پوچھا، کیا تو خدا ہے! اس نے جواب دیا نہین، آسمان سے پوچھا کیا تو میرا خدا ہے؟ اس نے جواب دیا نہین، سب نے یکزبان ہوکر کہا ہم تو مخلوق ہین، ہمارا خالق اور ہے"

حرکت کا تقاضا ہے کہ ایک محرک ضرور ہے، معلول کا وجود، علت کے وجود پر دال ہے، ممکنات واجب کو مستلزم ہین، دنیا مین حیات مرتب (organized) کی ابتدا ہوئی ہے اور اس لیے اس حیات کا مبدا ضرور کوئی نہ کوئی ہے، دنیا مین ایک دوئی موجود ہے یعنی مادہ اور روح، یہ دونون ایک دوسرے سے مغائر ہین، ایک دوسرے کے ضد ہین اور ایک دوسرے کو محدود کرتا ہے، اور اس لیے نہ روح نے مادہ کو پیدا کیا، اور نہ مادہ سے روح پیدا ہو سکتی ہے، مادی طبیعت، روح شخص کو پیدا نہین کر سکتی، اور نہ انسانی روح سے مادہ پیدا ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہین، مادہ سے مادی چیز پیدا ہو سکتی ہے، اور روح سے روحانی چیز نکل سکتی ہے، مگر روح سے مادہ اور مادہ سے روح نہین نکل سکتی، یہ خیال کہ مادہ سے صاحب شعور انسان بنگیا، ایک صریح حماقت ہے جس سے زیادہ حماقت متصور نہین ہو سکتی،

(۲) دنیا مین نظام اور غایت کا پایا جانا بھی خدا کی ہستی پر روشن ترین دلیل ہے، ایسی روشنی کہ کینٹ کو بھی یہ کہتے بن پڑی کہ تمام دلائل مین یہ دلیل جو نظام عالم پر مبنی ہے، بہترین اور واضح ترین اور روشن ترین اور عقل کے نزدیک قابل قبول ہے،

سسرو (De natura Deorum) مین لکھتا ہے" اگر یہ خوبصورت دنیا، جس مین باوجود اس کثرت کے، وحدت پائی جاتی ہے اور باوجود اس تنوع کے اسقدر اتحاد اور یکرنگی پائی جاتی ہے، محض مادہ کے اجتماع اضطراری سے پیدا ہو گئی، بغیر کسی صاحب عقل و شعور کی دست اندازی اور مداخلت کے، تو پھر حروف تہجی کے اتفاقیہ اجتماع سے نظم کیون نہین بنجاتی، یا ذرات کے اجتماع سے عمارت کیون نہین کھڑی ہو جاتی؟"

دنیا مین انتظام، اور ترتیب موجود ہے، توازن و توافق موجود ہے، نظم و نسق موجود ہے، ربط و ضبط موجود ہے، قاعدہ اور قرینہ موجود ہے نقصہ مختصر دنیا ایک (COSMOS) شے

منتظم و مرتب ہے (CHOOS) یعنی گڑبڑ اور بدنظمی بے ترتیبی نہیں ہے بحیثیت مجموعی دنیا مین یکرنگی اور ہم آہنگی (Harmony) پائی جاتی ہے، اس دنیا مین کمترین شے بہترین سے اور اصغر اکبر سے خورد کلان سے عجیب رشتہ رکھتی ہے، اور دنیا کی کوئی منطق اس شہادت کو کمزور نہین کرسکتی جو اس انتظام اور ترتیب، مقصد اور غرض، سے حاصل ہوتی ہے، اچھا جناب اب سوال یہ ہے کہ یہ ہم آہنگی اور توافق، رابطہ اور قرینہ وغیرہ، کہان سے آیا؟ اگر کوئی کہے کہ اتفاقیہ طور پر ایسا ہوگیا تو گویا وہ ایک واقعہ کی تشریح ایک لفظ مہمل اور بے معنی سے کرنا چاہتا ہے؛ اتفاق (Chance) سے تو عموماً مضحکہ خیز امور ظہور پذیر ہوا کرتے ہین، عجیب و غریب اور لایعنی شکلین صفحۂ کائنات پر بن سکتی ہین، لیکن امور اتفاقی مین عقل کا شائبہ ہرگز نہین پایا جاتا، فرض کیجئے آپ بمبئی سے عدن جارہے ہین، راستہ مین آپ نے لائٹ ہاؤس دیکھا تو کیا آپ یہ خیال نہین کرینگے کہ یہ منارہ یہان کیون ہے؟ بعد تحقیق یہ معلوم ہوگا کہ یہان زیر آب ایک چٹان ہے جو جہاز کے لیے خطرناک ہے آپ فوراً کہین گے ٹھیک! یہ منارہ اس مقصد کے لیے بنایا گیا کہ جہاز اس مقام سے دور دور گزرے، پس دو باتین معلوم ہوئین اولاً اس کا کسی غرض کے ماتحت پایا جانا، ثانیاً ایک عقلمند اور دور اندیش، صاحب شعور کاریگر یا انجینیر کا وجود جس نے اسے وہان بنایا، کیا آپ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ اس منارہ کی وہان بیشک ضرورت تھی یہ کہہ سکتے ہین کہ یہ منارہ وہان حسن اتفاق سے کھڑا ہوگیا، اور خود بخود بن گیا؟ کیا اس کا وہان پایا جانا، آپ کے ذہن کو ایک سمجھدار شخص کی طرف منتقل نہین کرتا؟ جس نے ایک خاص مقصد کے ماتحت اس منارہ کو وہان قائم کیا تاکہ جہاز کو، چٹان سے صدمہ نہ پہنچے، آپ ایک درندہ کو دیکھتے ہین جسکی غذا، شکار ہے، غور کے بعد معلوم ہوگا کہ اس کے دانت اور پنجے، اس کام کے لیے موزون اور ضروری ہین، کیا وہ اتفاق سے بن گئے؟ اگر اتفاق ہی علۃ ہے تو گائے کے دانت اور کھر کیون نہ بنگئے؟ آپ کہین گے، اس کی ضرورت کے مطابق اس کی زندگی کے موافق ہین، مطابقت اور

موافقت دونون باتین اتفاق کا نتیجہ نہین ہو سکتا، یہ مطابقت اور موافقت ہی تو آپ کو اس خیال پر مجبور کرتی ہے، کہ ان کا بنانے والا ایک ہوشیار سمجھدار شخص ہے جس نے انکی ضرورت کو ذہن مین مدنظر رکھتے ہوئے، ان کی ضرورت کے موافق اور انکی احتیاج کے مطابق سامان عطا کیا ہے، تاکہ نوعی زندگی قرار پا سکے، آپ کہین گے، قانون فطرۃ کی بنا پر ایسا ہوا ہے، بیشک قانون فطرۃ ہی اسکی علۃ ثانیہ ہے، مگر قانون مقنن (Lawgiver) کو مستلزم ہے، قاعدہ اور قانون خود بخود تو نہین بنا کرتا، کیا آپ تعزیرات ہند کے ساتھ مکالےؔ[1] کی دماغی قابلیت کا خیال نہین کرتے؟ کیا تعزیرات ہند خود بخود، حروف تہجی کی الٹ پھیر سے بن گئی؟ کیا آپ خیال کر سکتے ہین کہ اگر نپولینؔ[2] نہ ہوتا تو کوڈ نپولین پایا جا سکتا تھا؟

پریس موجود ہے، کاغذ موجود ہے، حروف موجود ہین، سیاہی موجود ہے، رولر موجود ہے، پلیٹ موجود ہے، مشین موجود ہے کیا اگر کمپوز کرنے والے کا ہاتھ نہ ہوتا تو کوئی ایسی کتاب جسے آپ سمجھ سکتے، چھپ سکتی تھی؟

کیا آپ حروف تہجی ایک متحرک مشین کے سپرد کر کے اس سے اس امر کے متوقع ہو سکتے ہین کہ وہ دیوان حافظ چھاپ کر آپ کو دیدے؟ آخر دیوان حافظ مین فارسی حروف تہجی کی مختلف ترکیبون کے سوا اور تو کچھ نہین، آپ کہین گے مشین اگرچہ متحرک ہے مگر اسے حرکت مین لانے کے لیے ایک آدمی کی ضرورت ہے، جو اسے باقاعدہ حرکت دے، اور ایک کمپوزیٹر کی ضرورت ہے جو ان حروف کو باقاعدہ کمپوز کرے، تو یہی کلیہ آپ بے شعور مادہ مین کیون جاری نہ کرین؟ اگر بغیر ایک سمجھدار انسان کے مختلف طور پر حروف کے اجتماع سے کچھ کارآمد ادر

---

[1] (T. B. Macaulay) لارڈ مکالے، انگلستان کا مشہور مقنن اور مدبر،

[2] (Napoleon) فرانس کا مشہور ترین حکمران، یورپ کا عظیم الشان انسان،

معقول بات نہین بن سکتی تو پھر مادہ کی مختلف وضعات اوراس کے اجتماع سے معقول بات کس طرح بن سکتی ہے ؟ آپ ایک باغ مین جاتے ہین جہان آپ کو روشین بنی ملتی ہین اور مختلف پھولون کے تختے ملتے ہین، ایک تختہ مین گلاب ہے، دوسرے مین بیلا تیسرے مین چمیلی، ہر تختے کے کنارے آپ کو نالی ملتی ہے جس مین ہوکر پانی، تختون مین پہنچتا ہے، پھر آپ کو ایک کنوان ملتا ہے، جہان سے وہ نالی شروع ہوتی ہے، کیا آپ اس انتظام کو دیکھ کر یہ کہین گے کہ یہ سب کچھ خود بخود، یا اتفاق سے موجود ہوگیا ہے، آخر اتفاق سے بیلے کے تختے مین گلاب کا پودا کیون نہین اُگا؟ اور نالی باغ کے اندر آنے کے بجائے صحرا مین کیون نہ چلی گئی؟ جب اس کام مین عقل کو دخل نہین (کیونکہ مادہ بے شعور ہے) تو ساری باتین عقل کے موافق کس طرح ہوگئین؟ ایک عقلمند آدمی کا یہ کام نہین کہ اس سوال کو ٹالدے یا اس پر غور نہ کرے، چنانچہ لائینیس[۱] (Linnaeus) نے اس سوال پر غور کرکے، خدا کی ہستی کا اقرار کیا، جب اس نے علم نباتات کا مطالعہ کیا تو بے اختیار چلا اٹھا "یہ کام بے شعور مادہ کا نہین ہوسکتا" ضرور کوئی صاحب عقل ہستی موجود ہے" کیپلر[۲] (Kepler) نے جب علم ہیئت کا مطالعہ کیا تو بے اختیار پکار اٹھا" یہ کام تو کسی صاحب شعور ہستی کا ہے" جب اس بات کے سمجھنے کے لیے عقل درکار ہے تو کیسے ممکن ہے کہ اسکے بنانے کے لیے عقل درکار نہ ہو!

جس طرح یہ انتظام اور ترتیب محض اتفاق سے ظہور پذیر نہین ہوئی، اسی طرح "لاز آف نیچر" سے بھی یہ بات پیدا نہین ہوسکتی، فورس، یا قوت نیچر مین کام کرتی ہے اور اسکی بنا پر نتائج مرتب ہوتے ہین لیکن فورس، عقل نہین وہ بے شعور چیز ہے وہ انتظام اور رابطہ پیدا نہین کرسکتا

---

۱ (Linnaeus) (1707-1778) (SWIDISH BOTANIST)

۲ (Kepler) 1571-1630 جرمن ہیئت دان، بہت مشہور انسان گذرا ہے،

قانون ایک قاعدہ ہے جس کے موافق کام ہوتا ہے مگر قانون، وہ عقل اور شعور نہین، جو ان کامون کی غرض معین کرتا ہے، اور اگر "فورس" یا قوت کو تم عقل مانتے ہو تو پھر اُسے عقل بے وقوف و بے شعور ماننا پڑیگا اور یہ کچھ نہین مگر اجتماع ضدین ہے جو محال ہے،

غرض ایک صاحب عقل و شعور ہستی کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہین، جناب فکٹے (Fichte) نے جب غور کیا تو بہترے ہاتھ پاؤن مارے مگر دنیا کو مادہ یا اجزائے دمیقراطیسی کا کھیل یا اتفاق کا نتیجہ نہ مان سکا، مجبوراً (Moral order) کو دنیا کا گورنر (Governor) یا حاکم مانا،

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے   انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

یہی حال میان اسپنسر کا ہوا، اُسے بھی بغیر (Unknowable absolute) ایک غیر معلوم مطلق طاقت کے مانے بغیر چارہ نہ ہوا، چنانچہ (Perty) پرٹی[1] کہتا ہے (Anthro: Vortage P. 39)

"بہتون نے غیر ذی شعور کلیات کو دنیا کا مبدائے اصلی مانا ہے لیکن یہ کلیات چونکہ صاحب شعور نہین لہذا ایک صاحب شعور ہستی کا ماننا ضروری ہے، جس نے یہ کلیات (Ideas) نافذ کئے، اور بہتون نے خالق کو نہین مانا انھون نے اگر دنیا سے خارج ایک خالق ہستی کو تسلیم نہین کیا، تو خود (Cosmos) یعنی کائنات مرتب کو صاحب عقل و شعور مانا، مگر کیا طرفہ تماشہ ہے ان کا خالق، زندہ بھی ہے، اور صاحب عقل بھی ہے مگر (Unconscious) غیر ذی شعور ہے، اسی طرح کوئی فکٹے سے پوچھے کہ جب تم دنیا مین (Moral government) عقلی حکومت تسلیم کرتے ہو ایسی حکومت جو نیک و بد مین امتیاز کر سکتی ہے (کیونکہ مارل گورنمنٹ کے یہی معنی ہونگے) تو پھر خدا کے اقرار سے اس قدر گریز کیسا؟ انتظام و توازن اگر غیر ذی شعور (Unconscious) ہے تو ناممکن ہو کہ نیکی کے قوانین (Moral laws) کے مطابق ہو سکے، غیر ذی شعور ہستی تو نیکی اور بدی مین امتیاز ہی

[1] (Perty) جرمن محقق اور ماہر علم کیمیا،

نہین کرسکتی سوتا ہوا آدمی، اچھے برے مین تمیز ہی نہین کرسکتا، سوتا ہوا تو بڑی بات ہے، بچہ ۴ یا ۵ سال کا، کھرے کھوٹے مین امتیاز نہین کرسکتا، "نارمل گورنمنٹ" کے لیے تو "نارمل گورنر" کی ایسی ہی ضرورت ہے جس طرح لکھنے کے لیے قلم کے علاوہ محرر یا کاتب کی، قلم خود کچھ نہین لکھ سکتا، نیکی کے قوانین، بغیر مقنن کے وجود ہی مین نہین آسکتے، جب نیک و بد مین امتیاز کرنے والا نہین تو پھر امتیاز کا خیال، جنون اور سودا ہے، عقلمند آدمی تو ایسا خیال کر نہین سکتا ،، مین آپ سے پوچھتا ہون، کہ آپ اس شخص کا کیا نام تجویز کرین گے جو، العالم متغیر۔ وکل متغیر، حادث تو مانتا ہو مگر یہ نہ مانے کہ العالم حادث؛ صغریٰ اور کبریٰ دونون تسلیم کرے مگر نتیجہ سے اتفاق رائے کیا، نتیجہ نکالنا ہی ضروری اور مفید نہ سمجھے، دنیا مین نیکی اور بدی کا قانون پایا جاتا ہے، (قانون کا پایا جانا، مقنن کی ہستی پر پر دال ہے) قانون بغیر مقنن کے ظہور مین نہین آسکتا (جب تک کوئی ہستی ایسی صاحب عقل و شعور نہ ہو جو نیک و بد مین امتیاز کرے امتیاز ناممکن ہے) ان دونون باتون سے ایک نتیجہ نکلتا ہے یعنی اگر قانون موجود ہے تو مقنن بھی موجود ہے، اور کس قدر ہٹ دھرمی اور ناانصافی ہوگی اگر دونون باتون کو تو ایک شخص تسلیم کرے، مگر تیسری بات جو ان کا لازمی نتیجہ ہے اسکو تسلیم کرنا کجا، سننا بھی پسند نہ کرے؟ اگر انبیا کا فرمان، خدا کا فرمان، ضمیر کی آواز، دل کی تحریکات، وجدان سلیم کا تقاضا، متواتر شہادت کا وزن، لوگون کا تجربہ اور مشاہدہ سب کچھ بیکار ہے اور معاملہ صرف عقل ہی پر آن ٹھہرا ہے تو آئیے پھر عقل ہی کے سامنے مقدمہ پیش کرین، او رعقل کا فیصلہ بہت سیدھا سادہ رہا ہے امتیاز کے لیے ممیز لازمی ہے، ممیز کے لیے ذی شعور ہونا لازمی ہے، پس ایک ذی شعور ممیز موجود ہے، فلٹے جسے "نارمل گورنمنٹ" کہتا ہے، ہم اسے خدا کہتے ہین،

(۳) اس کے علاوہ (قانون علت [illegible]) بھی خدا کی ہستی پر دال ہے:۔

ہم اس دنیا مین علت و معلول کا سلسلہ دیکھتے ہین، سلسلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے

کہ ہر معلول (Effect) کی کوئی نہ کوئی علت (Cause) ضرور ہوتی ہے، عالم بحیثیت مجموعی ایک معلول ہے لہذا اسکی بھی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہے،

ہم ایک طرف یہ دیکھتے ہین کہ ہم اور ہمارے ابنائے جنس، اپنی قوتِ ارادی سے بہت سے نتائج پیدا کرتے ہین اور دوسری طرف یہ دیکھتے ہین کہ اس عالم مین بہت سے ایسے نتائج ہین جنکا سبب انسان کی قوت ارادی نہین ہے، پس لامحالہ یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ وہ نتائج کسی صاحبِ عقل وشعور ہستی کے ارادہ کے ماتحت مرتب ہوئے ہین، یہ بات کہ ان نتائج کی علت، صاحب عقل وشعور وارادہ ہستی ہے خود ہماری عقل نے ہمین سمجھائی ہے، کیونکہ ہماری عقل مادی علت سے مطمئن نہین ہوسکتی (Physical cause) بلکہ وہ ایسے سبب یا علت کی متلاشی ہے جو مادہ سے مجرد ہے اور ذی شعور ہے (Intelligent cause) مادہ کو فرسٹ کاز (سبب اولی) اس لیے نہین مانتے کہ مادہ مین ارادہ اور مرضی نہین پائی جاتی، مادی شے کو سبب اول نہ ماننا ہماری عقل کا لازمی اور ضروری بلکہ طبعی تقاضا ہے، چنانچہ مسٹر میٹلینڈ[1] اپنی تصنیف خدا پرستی یا لاادریت" مین ایک دلچسپ مثال سے اس تقاضا کا اثبات کرتے ہین" ایک شخص بندوق کی گولی سے مارا جاتا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے۔کس نے اس شخص کو مارا؟ جواب مین کہا جاتا ہے گولی لگنے سے مرگیا، گولی نے مارا، اب کیا گولی کو پھانسی دیدیجائے، یا بندوق کے گھوڑے کو؟ اس مین شک نہین کہ گولی موت کا سبب ہوئی مگر کون سا سبب؟ محض سبب طبعی (Physical cause) پس سزا کے لیے گولی یا بندوق کو نہین پکڑتے بلکہ اس کو جس کی غرض نے بندوق کے گھوڑے کو حرکت دی، یعنی ایک فاعل بالارادہ اور مختار انسان کو، اور اسی کو پھانسی دیجاتی ہے، ذمہ داری، جو انسانی ذات کا خاصہ ہے، "ارادہ" کو کسی نتیجہ کا اصلی سبب ٹھہراتی ہے، جو لوگ

---

[1] (Maitland) امریکن فاضل الٰہیات، اسکی مشہور تصنیف Theism versus Agnosticism

علۃ و معلول کے اصول کی بنا پر اثبات واجب کرتے ہین ان کا مقصد یہ نہین کہ ہر موجود معلول ہے بلکہ ان کا دعویٰ جو نہایت مضبوط اور مستحکم ہے وہ یہ ہے کہ "ہر متغیر حادث" ہے اور "ہر حادث، محدث کا محتاج" ہے، یا "عالم معلول" ہے اور "ہر معلول، علۃ کا محتاج" ہے، اور یہ بات ایسی بدیہی ہے کہ اسکا انکار کرنا، گویا عقل کے گلے پر چھری چلانا ہے، ہیومؒ نے اس دلیل سے تعرض کیا ہے مگر اس بات کا انکار نہین کیا کہ اس معنی مین ہر معلول کے لیے علۃ ضروری ہے، ڈاکٹر فلنٹ لکھتے ہین یہ معلوم کرنا کوئی مشکل بات نہین کہ یہ دنیا معلول ہے، حادث ہے، محتاج ہے، کیونکہ اشیائے خارجی محسوس ہین، اور جتنی چیزین یا جو چیزین حواس خمسہ کی بنا پر محسوس ہوتی ہین سب حادث ہین، کوئی آلہ یا کلیہ ایسا نہین طیار ہو سکا، جس نے یہ ثابت کیا ہو کہ جن اشیاء کا علم ہمین بذریعہ حواس خمسہ ہوتا ہے وہ معلول نہین ہین، سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ دنیا، ازلی نہین ہے حادث ہے،

اب جان اسچوارٹ مل نے جسے لاادریت کے علاوہ الحاد (Atheism) بھی مرغوب خاطر تھا، فرمایا ہے "نیچر مین دو عناصر پائے جاتے ہین (Elements) ایک متغیر ہے دوسرا غیر متغیر، تغیرات دوسرے عنصر سے وابستہ ہین، اور غیر متغیر عنصر کسی سبب کا نتیجہ نہین ہے، کسی شے کا وہ عنصر جو تبدیل ہوتا رہتا ہے، اسکی ظاہری شکل اور وہ خاصیت ہے جو مختلف اجزا کی کیمیاوی ترکیب سے پیدا ہوئی ہے، اور تجربہ مین کوئی ایسی شہادت نہین آئی جسکی بنا پر ہم وہ خواص جو متغیر عنصر سے وابستہ ہین، غیر متغیر عنصر سے ملحق کر دین، اس کا جواب سنیے، (۱) مل نے جسے غیر متغیر عنصر کہا ہے، مل نے اُسے معلوم کیا ہو تو کیا ہو، اور کسی انسان نے اب تک اس کا تجربہ نہین کیا، یعنی ہمین اس کا کوئی تجربہ نہین، ہمارا علم بذریعہ آلات صرف عناصر مفردہ تک پہنچا ہے، اور ممکن ہے کہ جنھین ہم بسائط (Elements) خیال کرتے ہین وہ خود تبدیل شدہ صور ہون، لیکن

لہ (Spencer) زبردست مورخ اور فلسفی لاادریہ تھا،

اگر انھین مفرد ہی مانا جاوے تو بھی یہ دعویٰ نہین ہوسکتا کہ انکی موجودہ صورت، آخری صورت ہے جس مین تبدیلی کو راہ نہ ہوگی، اب مانا کہ آکسیجن مین صرف آکسیجن کے ذرات، یا اجزا پائے جاتے ہین، تاہم کسی انسان نے اُن کے اس حصہ کو جو غیر متغیر ہے، محسوس نہین کیا، اب بل کے ہمنوا اس بات پر غور کرین کہ

اگر نیچر سے باہر ایک خارجی سبب کا ماننا تجربہ کے دایرہ سے باہر ہے تو نیچر مین ایک غیر متغیر عنصر کا ماننا بھی کچھ کم خلاف عقل و تجربہ نہین ہے،

(۲) اور اگر ہم بل کی خاطر سے یہ مان بھی لین کہ مادہ مین ایک غیر متغیر عنصر پایا جاتا ہے، تو بھی وہ عنصر، موجودات کی شرح نہین کرسکتا، اسلیے کہ موجودات مین عقل وحکمت کے آثار پائے جاتے ہین، اور مادہ بحیثیت مجموعی بے وقوف ہے، اب اگر کوئی یہ کہے کہ تمھارے اعتراض سے یہ معلوم ہوا کہ خدا کے ساتھ مادہ بھی ازلی ہے،

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک ازلی صاحب عقل وشعور، اور فاعل مختار، قادر مطلق ہستی تسلیم کرلیجاوے تو پھر یہ ماننا کچھ مشکل نہین ہے کہ نہ صرف اس نے اشیا کو مختلف صورتین عطا کین، بلکہ خود ان کے ہیولیٰ کو بھی پیدا کیا، جو شخص لاکھون ذرات کو ازلی ہستیان، مستقل بالذات ماننا ہے وہ ایک واجب الوجود قادر مطلق کو قبول کرنے کی بہ نسبت کہین زیادہ مشکل مین گھرا ہوا ہے، اگر خدا خالق نہین تو پھر وہ قادر مطلق بھی نہین،

(۳) مادہ کی نسبت جس قدر خیالات حکما نے پیش کئے ہین ان مین سے کوئی ایسا نہین جو اس کی ازلیت کو ثابت کردے، بلکہ سائنس کے جدید نتایج ثابت کرتے ہین کہ ہر ذرہ مصنوع اور مخلوق ہے، مثلاً سر جان[1] ہرشل لکھتا ہے، عجب سے نیچر کا بازار گرم ہوا ہے، اس وقت سے

---

[1] سر جان ہرشل (Sir J. F. W. Herschel) انگریز عالم ہیئت و نجوم کا ماہر (1792-1871)

ے کہ آج تک اس کے کسی عمل نے مادہ مین کسی طرح کا فرق پیدا نہین کیا، پس ہم نہ ان ذرات کے وجود کو کسی نیچرل سبب سے منسوب کر سکتے ہین اور نہ اُن خواص کو جو یکسان ہین، بلکہ ذرات کی یکسانیت ثابت کرتی ہے کہ اُسے کسی صانع کی حکمت نے ایسا بنایا ہے جیسا کہ وہ ہے"

(۴) ضمیر (Conscience) کی گواہی،

دنیا مین نہ صرف ترتیب اور تجویز کے آثار پائے جاتے ہین، بلکہ ایسی طاقتین بھی کام کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہین، جو (Moral forces) اخلاقی طاقتین (یا نیکی بدی کا قانون) کہلاتی ہین، اس دنیا مین اخلاقی قوانین، اخلاقی جذبات، اخلاقی خیالات اور اعمال پائے جاتے ہین اور ان مین وہ ترتیب دکھائی دیتی ہے جو نیکی اور بھلائی پر دلالت کرتی ہے، زمانۂ حال کے فلاسفہ نے اس دلیل کو جو ہماری مارل نیچر (Moral nature) پر مبنی ہے بہت مؤثر اور کار آمد اور تسلی بخش مانا ہے، دنیا کا مشہور فلاسفر ایمونیل کینٹ کی رائے مین یہ دلیل خدا کی ہستی پر روشن ترین دلیل ہے، اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ کوئی ملحد اُسکی تردید واقعی نہین کر سکتا، خدا تعالیٰ، ہمارے حسِ اخلاقی (Moral sense) کا اصول موضوعہ (Postulate) ہے ہمارے ضمیر کا تقاضا یہ ہے کہ ایک پاک اور اخلاقی صفات سے متصف ہستی موجود ہے، جس نے نیکی اور بدی کا قانون دنیا مین نافذ فرمایا ہے،

اسی طرح سر ولیم ہملٹن[1] لکھتا ہے "خدا کی ہستی اور انسان کے غیر فانی ہونے کے متعلق فقط وہی دلائل سچے اور لاجواب ہین، جو انسان کی مارل نیچر پر مبنی ہین" جو احساس اخلاقی طبیعت کے متعلق ہماری سرشت مین پایا جاتا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نہ صرف اس دنیا مین اخلاقی قوانین پائے جاتے ہین بلکہ ان کا واضع بھی موجود ہے۔

---

[1] سر ولیم ہملٹن، اسکاٹلینڈ کا بڑا منطقی اور فلسفی،

نیکی اپنی ماہیت اور خاصیت مین بدی سے جدا ہے، دنیا مین کوئی زبان ایسی نہین جس مین واجب
جائز، مناسب، اور لازم اپنے اندر سنجیدہ مفہوم نہ رکھتے ہون، کوئی سوسائٹی ایسی نہین جس نے
یہ دعوٰی کیا ہو کہ نیک و بد کا امتیاز محض واہمہ سے پیدا ہوا ہے یا لوگون کے رسم و رواج سے نکلا ہے
کوئی مذہب ایسا نہین جس نے نیکی اور بدی کے فرق کو نظر انداز کر دیا ہو،

اس کے ساتھ ہی ضمیر انسانی بھی ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہین ہو سکتا، جو نیکی اور
بدی مین امتیاز کرتا ہے، کوئی شخص اپنے ضمیر کی رو سے ضمیر کی واقعیت کا انکار نہین کر سکتا،
اگر ہم کہین کہ ضمیر کوئی شے نہین تو ہمارا ضمیر فوراً ہمین جھٹلاتا ہے، ہمارا دل کہتا ہے کہ ہم جھوٹ
بول رہے ہین، جب تک ہم اپنے آپ کو دھوکہ نہ دین ضمیر سے انکار نہین کر سکتے،

ہمارا ضمیر اخلاقی قانون پر گواہی دیتا ہے، جب وہ کسی فعل کو راست قرار دیتا ہے تو گویا
یہ شہادت دیتا ہے کہ یہ فعل اخلاقی قانون سے مطابقت رکھتا ہے، جو کچھ ہم کرتے ہین ضمیر اسکے
متعلق منصف کا کام کرتا ہے، وہ فیصلہ کرتا ہے کہ فلان کام جائز ہے یا ناجائز، ضمیر انسان کا
بنایا ہوا قانون نہین، اس کے معنی یہ ہونگے کہ انسانی مرضی، انسانی مرضی پر حکومت کرتی ہے،
یعنی وہ خود ہی حاکم ہے اور خود ہی محکوم ہے، خود ہی آزاد ہے اور خود ہی غلام ہے، خود ہی غالب ہے
خود ہی مغلوب ہے، ضمیر کا قانون غیر کی مرضی سے نسبت رکھتا ہے، جس مرضی کا ضمیر مظہر ہے وہ
اکثر اوقات ہمارے ارادون کے خلاف حکم کرتی ہے، وہ ضمیر کے وسیلہ ہم سے خطاب کرتی ہے،
ہم پر حکومت کرتی ہے، اگر وہ مرضی خدا کی مرضی نہین تو پھر کسکی مرضی ہو سکتی ہے؟

ہماری تمام طاقتین، جنکا تعلق ضمیر کے ساتھ ہے جو نیک و بد کی شناخت سے علاقہ
رکھتی ہین، اور جن سے فرض کی پہچان پیدا ہوتی ہے، ہم پر یہ بات ظاہر کرتی ہین کہ ہم ایک
طاقت کے روبرو جوابدہ ہین، اپنے افعال کے ذمہ دار ہین، ذمہ داری کا احساس جو ہم مین

پایا جاتا ہے وہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک زبردست اخلاقی طاقت موجود ہے، جس کے حضور ہم سب جوابدہ ہین، ارتکاب گناہ سے ندامت، اکتساب نیکی سے خوشی، بدی کے نتائج سے خوف، اعمال حسنہ کی جزا کی امید سے شادمانی یہ سب احساسات، جنکا انکار نہین ہوسکتا، ملکر ایک ایسے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہین جس کے ساتھ بنی نوع آدم کا شدید تعلق ہے، جو احکم الحاکمین اور مالک یوم الدین ہے،

ارتکاب جرم سے جو ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے اس سے بچنے کی پناہ الحادمین بھی نہین ملتی، بسا اوقات انسان، دوسرے انسان سے، اتنا نہین ڈرتا، جس قدر وہ اس غیر مرئی عادل سے ڈرتا ہے، جسکی ہستی پر اس کا ضمیر گواہی دیتا ہے، اس کا کیا سبب ہے کہ بعض اعمال مین سوسائٹی کوئی مواخذہ نہین کرتی لیکن ان اعمال کے ارتکاب کے بعد ہمارے دلون کو چین نہین ملتا، ہم کیون ڈرتے اور بے چین ہوتے ہین؟ اگر خدا نہین ہے تو پھر نیکی اور بدی مین امتیاز کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب مواخذہ ہی نہین تو مواخذہ کا خدشہ کیسا؟ ایک شخص نے چوری کی، چوری ضرور برا کام ہے لیکن سوسائٹی کے علم مین نہین، اب وہ کس سے ڈرتا ہے؟ جب کسی کو معلوم ہی نہین تو خوف کیسا؟ اس کا دل، اس فعل پر اُسے ملامت کیون کرتا ہے؟ جب مرنے کے بعد کوئی جوابدہی نہین تو، فکر کیسی؟

اگر کوئی یہ کہے کہ سوسائٹی نے نیکی اور بدی کا قانون بنادیا ہے اسی لیے انسان اس کے مطابق کرتا ہے، تو اس جواب سے وہ مشکل حل نہین ہوتی جو ہم نے پیش کی ہے، یعنی سوسائٹی چوبیس گھنٹہ کسی انسان کے پیچھے نہین لگ سکتی، اور جب وہ بند کمرے مین گناہ کرتا ہے تو وہان اُسے کوئی نہین دیکھتا، نہ افشائے راز کا خوف ہوتا ہے مگر انسان نادم ہوتا ہے، اور ڈرتا ہے، اس وقت یہ خیال نہین ہوتا کہ سوسائٹی مجھے مطعون کرے گی، اسی طرح آسائش زندگی حاصل

کرنے کے بجائے ایک شخص سوسائٹی کی پروا نہین کرتا اس کے فتاوی سے نہین ڈرتا، اور اپنے کو خطرہ مین ڈالنا پسند کرتا ہے محض اس بات کی خاطر جسے وہ اپنا فرض سمجھتا ہے بخوشی اپنی گردن جلاد کے حوالہ کر دیتا ہے، جس طرح گناہ کے معاملہ مین وہ سوسائٹی سے ڈرتا ہے اسی طرح اس معاملہ مین اسے سوسائٹی سے ڈرنا چاہیئے تھا، لیکن اب وہ سوسائٹی کی پرواہ نہین کرتا آخر کیون وہ اپنی جان شیرین سے ہاتھ دھوتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ سوسائٹی کے علاوہ ایک زبردست اخلاقی قانون کی پابندی پسند کرتا ہے اور اس سے انحراف کرنا ناجائز سمجھتا ہے، یہ جذبہ اس مین کہان سے پیدا ہوا؟ کوئی سوشل قانون تو ہمین نقصان اٹھانے کے لیے مجبور نہین کر، ہائے پھر کیون ہم جان دینا پسند کرتے ہین؟

ڈاکٹر فلنٹ[1] کہتا ہے، کوئی شخص یہ ثابت نہین کرسکا کہ ضمیر انسانی محض خیالون اور رسمون کا نتیجہ ہے، مل، بین، اسپنسر اور ڈارون[2] ان مین سے کوئی یہ نہ دکھا سکا کہ ضمیر لوگون کے بنائے ہوئے قانون کا نام ہے اول تو لوگون کے بنائے ہوئے قوانین ہر ملک و قوم مین جدا جدا ہین لیکن نیکی اور بدی کا قانون سب جگہ یکسان ہے، یہ یکرنگی کہان سے آگئی؟ تمام دنیا اس پر کیسے متفق ہوگئی کہ چوری، ڈاکہ، جھوٹ بولنا، زنا کرنا، سب بری باتین ہین، اس کے علاوہ جب ہم سوسائٹی کے ہاتھون جرم کی سزا بھگت لیتے ہین پس چاہیئے کہ جرم کی سزا بھگتنے کے بعد ہم خوش و خرم ہون اور ہم محسوس کرین کہ اب ہم بے داغ اور پاک ہین، لیکن ندامت کا اثر زائل نہین ہوتا، اکثر اوقات قبر تک ساتھ رہتا ہے، پھر بعض سوسائٹیان، زنا کے لیے کوئی سزا مقرر نہین کرتین انگریزی عملداری مین رات دن، زنا، ہوتا ہے، ہر شخص کو مجاز ہے کہ جس قدر

---

[1] ڈ(Robert Flint) اسکاٹلینڈ کا فاضل متبحر اور عالم الہیات، اسکی دو کتابین Theism اور (ANTI THEIOUS) مشہور ہین

[2] (C. Darwin) ڈارون مسئلہ ارتقا کا موجد اور سائنس دان جسکی مٹی حضرت اکبر الہ آبادی نے پلید کی ہے،

ایک خطبۂ علمیہ

ابو العلاء معرّی کے متعلق مستشرقینِ یورپ کی غلطیان

(۲)

از جناب مولانا میمن عبد العزیز صاحب راجکوٹی، ادیب اورنیٹل کالج لاہور،

(۹) ابو احمد عبد السلام کی بابت فرماتے ہین کہ اس نے ابن السیرانی کے لکچر سنے تھے جس کو آپنے چھوٹے سیرانی کے نام سے یاد کیا ہے،

یہ سراسر غلط ہے اس لیے کہ ابو احمد سیرانی کے شاگرد تھے نہ کہ ابن السیرانی کے، جس طرح آئندہ حکایت بالتصریح دلالت کرتی ہے،

اصلاح المنطق[1] کے ایک نسخہ سے منقول ہے کہ ابو العلاء المعری کہتے ہین کہ مجھ سے عبد السلام البصری نے کہا (جو بغداد کے دار العلم کے لائبریرین اور میرے مخلص دوست تھے) کہ مین ابو سعید سیرانی کی مجلس مین اس وقت حاضر تھا جبکہ قاری اونسے اصلاح المنطق لابن السکیت پڑھتے ہوئے اس بیت پر پہنچا

ومطویّۃ[2] الاقراب اما نهارها　　فسبت واما لیلها فذمیل

تو ابو سعید بولے اسکو مطوّیّۃ بالکسر بنالو کہ یہ واو رُبّ ہے، مین نے کہا ایها الشیخ! پہلا شعر تو اس بات

---

[1] ابن خلکان ۱۔ ۵۰۰ [2] اونٹنی ایک گروہ کی سانڈنی جو شب و روز ہلکی اور پھر تیلی چال چلتی ہو،

پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بالرفع ہو اور وہ یہ ہے کہ

اتانا نبی اللہ الذی انزل الھدیٰ   ونورٌ واسلامٌ علیک دلیل

دمطویۃ الخ تو انھون نے بالرفع بنوایا، اس موقع پر اون کے صاحبزادہ ابو محمد (ابن السیرافی) حاضر تھے وہ بگڑے اور فوراً اٹھکر اپنی گھی کی دکان فروخت کرکے طلب علم کی طرف متوجہ ہوئے تا آنکہ وہ جلیل القدر فاضل بنگئے اور اصلاح المنطق کی شرح طیار کی، ابو العلاء کہتے ہین مجھسے اس شخص نے کہا جس نے انھین یہ شرح لکھتے ہوئے دیکھا تھا کہ اس کی تصنیف کے وقت ان کے پیش نظر چار سو کتابین تھین، یہ اشعار تہذیب الاصلاح کے نسخہ مطبوعہ کے ص۱۵ پر واقع ہین، یون ہی عبد السلام اور ابن السیرافی قریباً ہم سن تھے

(۲۰) کہتے ہین[1] کہ ابو العلاء کو اس کے ماموں (ابو طاہر) نے شرح کتاب سیبویہ للسیرافی کے نقل کرانے کے لیے لکھا جبکہ ابو العلاء بغداد مین تھا الخ،

مارگولیوتھ صاحب کی یہ وہ فاش اور مہمل غلطی ہے جس نے رسائل کے دسوین اور سوانح کے بیسوین حصہ کا ستیاناس کر دیا ہے، اسی بنا پر وہ ابو بکر احمد (کذا، درست محمد ہے دیکھو رسائل ص۵۵) الصابونی کو ابو العلاء کے بغدادی احباب مین شمار کرتے ہین، اور پھر رسائل نمبر ۱۵ کے تراجم مین بری طرح خبط کر دیا ہے، تعجب ہے کہ ہمارے مصری نابینا عالم ادیب ڈاکٹر طہ حسین نے بھی چشم بصیرت وا نہ کی اور اندھا دھند مارگولیوتھ کے پیچھے ہو لئے[2]،

اس غلطی کا منشا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عنوان رسالہ نمبر کے یہ الفاظ ہین، " وکتب الیٰ ابی طاھر المشرف بن سبیکۃ وھو ببغداد یذکر لہ امر شرح السیرافی وما جریٰ فیہ من التعب"

ممکن ہے کہ یہ غلطی جامع رسائل کی ہو جس طرح خود مارگولیوتھ نے اوسکو غلطی سے ایک اور جگہ نسبت دی ہے لیکن جامع کی بہ نسبت خود مارگولیوتھ صاحب غلطی سے نسبت دیئے جانے کے کہین زیادہ اہل ہین

[1] مجھے تم تک وہ خدا لایا ہے جسنے ہدایت اتاری ہے اور نور اور اسلام جسنے تم تک میری راہ نمائی کی ہے[2] م ۲۵، [3] م ۲۷، [4] ذکرے ۱۹۳۷ م

کہ صرف اس زعم پر کہ ابو العلاء کی رحلت بغداد ثابت ہو انھون نے بتقاضائے ظاہر مضامین محتویہ سے آنکھین بند کرکے ہو کی ضمیر کا مرجع ابو العلاء کو گردانا ہے۔ نحاۃ نے کیا خوب کہا ہے کہ ضمائر مبہمات مین سے ہین میری رائے تو یہ ہے کہ بجائے معارف کے اونکو نکرات مین شمار کیا جائے تاکہ پھر قلیل البضاعۃ لوگ ایسی غلطیون سے محفوظ رہین،

مگر جائے حیرت ہے کہ مارگولیوتھ یہ بھول گئے ہون کہ یہ چارون رسائل متعلقہ شرح ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳، ایک ہی سلسلہ مین منسلک ہین اور عنوان رسالہ ۱۲ و ۱۳ مین یہ تصریح موجود ہے کہ خود ابو طاہر بغداد سے واپس آئے تھے، حالانکہ مارگولیوتھ توان کو حلب مین ٹھلا کر ان کے ہاتھون ابو العلاء کی طرف یعنی بغداد کیطرف شرح کے لیے خط لکھوار ہے ہین، یہی نہین بلکہ مضامین کی طرف مطلقاً توجہ نہین کی رسالہ ۱۰ مین ہے کہ "آپ نے جو نسخہ کے تحصیل کی کیفیت لکھی ہے اوسکو مین سمجھ گیا۔۔۔۔۔

آپ بڑے مہربان ہین اور مین ناحق بار خاطر بنتا ہون، آپ نے حسب معمول کرم کیا، اور مین ناحق لفند ہوا" اسی رسالہ مین ابو عمرو استرابادی کا تذکرہ ہے جنکی طرف اسی مطلب کے لیے رقعہ ۱۱ لکھا گیا ہے اگر ابو العلاء خود بغداد مین ہوتا تو ابو عمرو کی طرف رقعہ کیون بھیجتا، پھر رسالہ نمبر ۱۱ کے اختتام پر ہے "مین آپ کی طرف وہ سلام بھیجتا ہون جس سے کاغذ معطر اور آپ کے خشک راستے سرسبز ہو جائین" مین مارگولیوتھ ہی کے جواب پر قانع ہون اس لیے وہی بتائین کہ خشک راستے مقیم کے ہوتے ہین یا مسافر کے، رسالہ نمبر ۱۲ و ۱۳ مین جسکے عنوان مین ابو طاہر کے بغداد سے واپس آنے کا تصریحاً ذکر ہے ابو العلاء لکھتا ہے "براہ کرم مجھے یہ تو بتائیے کہ میری فرمائش پر آپ نے کتنی رقم صرف کی ہے تاکہ مین فوراً ارسال کردون کہ اگر مین خود بھی موجود ہوتا تو بھی مجھے آپ کے برابر کبھی مطلب برآری مین کامیابی نہ ہوتی" العجب ثم العجب مین حجادی در حجب کہ جب نفس رسالہ اور اوس کے عنوان ہر دو مین ابو طاہر کے بغداد سے واپس ہونیکا ذکر ہے تو مارگولیوتھ صاحب ابو العلاء کو کیون بغداد بھیج رہے ہین؟۔ ابو العلاء نے رحلت بغداد مین

اپنے مامون کے جہاز پر سفر کیا تھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دریائے فرات مین ایک مخصوص جہاز اپنے تجارتی اغراض کی خاطر ہمیشہ محفوظ رکھتے تھے، جس کا بظاہر مارگولیوتھ نے یہ مطلب سمجھا ہے کہ ابو العلاء کے لیے یہ جہاز عمداً مہیا کیا گیا تھا جسکا کوئی ثبوت نہین نیز عقلاً بھی یہ خیال بے معنی ہے کہ ایک شخص اپنے اس سفر کے لیے جس سے وہ واپسی کا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو جس طرح مارگولیوتھ کو بھی تسلیم ہے ایک مستقل جہاز بنوائے، ابو العلاء اپنے مامون کی دائمی سیاحت کے متعلق کہتا ہے،

کان بنی سبیکة فوق طیر یجوبون الغوائر والنجادا

ابا لاسکندر الملک اقتدیتم فما تضعون فی بلد وسادا

یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ بیچارہ غریب ابو طاہر جو بجز تجارت کے اور کوئی مشغلہ نہ رکھتا تھا شرح سیرافی کو جو نحو کی انتہائی کتاب ہے کیا کرتا؟ ہان ابو العلاء کو بیشک اوسکی سخت ضرورت تھی کہ وہ ابھی ابھی تصنیف ہوئی تھی اور ہنوز شام مین اس کے نسخے عام طور پر نہین ملتے تھے، سو ناگزیر ہے کہ شرح کے لیے ابو العلاء نے اپنی رحلت بغداد سے بیشتر ابو طاہر کو لکھا ہو، ورنہ بغداد مین تو اس نے شرح کے بیسیون نسخے دیکھے ہونگے جس طرح وہ اس کے کثیر نسخون کے بغداد مین پائے جانے کا خود ہی[1] ذکر کرتا ہے، اور یون بھی بغداد سے واپس ہو کر ابو العلاء کو کتب نحو کا اتنا شوق نہ رہا تھا جس طرح لزوم مین خود ہی کہتا ہے (ملاحظہ ہو ہماری کتاب) اگر یہ کہا جائے کہ بغیر سابقہ ملاقات کے وہ ان اصحاب کو شرح کی تحصیل کی زحمت کیونکر دے سکتا تھا تو ہم یہ کہین گے کہ قبل از رحلت بغداد ابو العلاء کے اہل بغداد سے دوستانہ تعلقات موجود تھے (ملاحظہ ہو اس کا رقعہ[2] قاضی ابو الطیب کی طرف) یہ بات[3] مارگولیوتھ کو بھی تسلیم ہے کہ بغداد مین ابو طاہر کے بہت سے احباب تھے جنھین ہمیشہ وہ بذریعہ خطوط ابو العلاء کی خاطر و مدارات کی تاکید کرتا رہتا اور یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابو طاہر عموماً

---

[1] رسائل ص ۳۸ اذ کانت عند طلاب العلم بمدینة السلام کثیر العدی لا یسقط و یتعالی [2] رسائل ۲۷۶ [3] ص ۱۳

بغداد آیا جایا کرتا تھا،

(۲۱) کہتے ہین کہ ابو العلاء جب بغداد جاتے ہوئے دریائے فرات مین کشتی پر سوار ہوا تو انبار تک کشتی صحیح و سلامت پہنچ گئی جہان سے ایک اور نہر دریائے دجلہ سے جا ملتی ہے اور بغداد پہنچاتی ہو مگر چونکہ یہ راستہ اس موسم مین ناقابل سفر تھا اس لیے کسی اور راہ (؟؟؟) سے قادسیہ پہنچی الخ،

مارگولیوتھ صاحب کی تحریر مین اس سے بڑھکر حیرت انگیز اور مضحکہ خیز غلطی شاید اور کوئی نہ ہو، بھلا قادسیہ سے جو بادیہ مین واقع ہے اور کوفہ سے ایک مرحلہ پر ہے کشتی سے کیا سروکار، کیا یہان بھی یورپ کے آلات جر ثقیل کی مدد سے کشتی کو خشکی پر چلا دین گے، بہت اچھا مگر اس خشکی کے شہر پر ٹیکس وصول کرنے والے کہان سے آئے کہ وہ تو بندرگاہون پر متعین ہوتے ہین کیا انھین وائرلیس کے ذریعہ یہ اطلاع پہنچ گئی تھی کہ ابو العلاء کی کشتی قوت اعجاز کی مدد سے خشکی پر چلنے والی ہے،

یہ لفظ قارسیہ ہے بالقاف والراء جو نہر عیسےٰ کے کنارے محوّل کے بعد بغداد سے دو فرسنگ کی مسافت پر ایک گاؤن ہے، تبریزی کی شرح السقط مسمی ایضاح السقط و ضوءہ مین یہ لفظ اسی طرح بالقاف والرا ہے، یہان قادسیہ کا نام ایک گاؤن جو سامرا کے قریب نہر دجیل پر واقع ہے مراد نہین لیا جا سکتا کہ جب ابو العلاء کے لیے یہ ممکن ہے کہ بغداد کے ایک قریبی سٹیشن پر اتر سکے تو دور جانے سے کیا فائدہ!

افسوس کہ ڈاکٹر طہٰ نے بھی مارگولیوتھ کی کورانہ پیروی کی ہے دیکھو ذکرے ص ۱۳۰،

اشتباہ کا باعث سقط کے یہ دو بیت ہین،

سارت فزارت بنا الا نبار سالمة	تزجي و تدفع في موج و دفاع
والقادسية ادتها ...	طافوا بها فاناخوا بالجعجاع

تمام نسخ سقط اور طبعہ تنویر مین بھی یہ قادسیہ ہی ہے اور یہ تصحیف و تحریف کوئی آجکی نہین، بلکہ کوئی ساڑھے آٹھ سو سال بیشتر شیخ برہان الدین ابو المظفر ناصر الدین ابن ابی المکارم عبد السید المطرزی بھی

(جو سقط کو اپنے والد سے اور وہ ابو المکارم الابہری سے جو ابو العلاء کے مشہور ترین شاگرد ہین روایت کرتے ہین) اسی تحریف مین مبتلا ہو گئے تھے، حتی کہ ایک فاضل نے اونھین ٹوکا کہ حضرت یہ الفارسیہ ہے نہ کہ القادسیہ مگر جب وہ بضد ہوے تو وہ اونکو خوارزم کے ایک علامہ کے پاس لے گیا جس نے اس فاضل کے حق مین فیصلہ کیا، غلطی تو بارع سے بھی سرزد ہوئی تھی مگر انھون نے ابو العلاء کے جہاز کو کشتی پر چڑھانے کی جانکاہ زحمت نہ اٹھائی، یہ مہم مارگولیوتھ صاحب ہی نے سر کی،

(۲۲) یہ امر مسلم ہے کہ ابو العلاء کے ایک لائبریرین ابو منصور نامی سے دوستانہ تعلقات موجود تھے جنکا ثبوت رسالہ ۱۹ سے ملتا ہے جس مین علاوہ طول طویل دوستانہ اشتیاق کے اس امر کا بھی اظہار ہے کہ مین نے ایک لزومیہ قصیدہ بحر طویل مین بھیجا تھا نہ معلوم وہ پہنچا یا نہین ؟،

یاقوت اور ابن حجر دونون بزرگون نے ابو منصور محمد بن احمد بن طاہر بن حمد الخازن کا ترجمہ دیا ہے جو تنوخی صغیر کے تلمیذ تھے اور انکی ولادت ۳۸۱ھ مین اور وفات ۴۵۰ھ مین واقع ہوئی تھی، یاقوت نے غرس النعمۃ کی کتاب سے ایک دلچسپ حکایت نقل کی ہے کہ شاپور بن ازدشیر وزیر بہاء الدولہ دیلمی کے کتب خانہ مین ابو منصور نامی ایک لائبریرین متعین تھے، شاپور کی وفات کے ایک ایک عرصہ کے بعد کتبخانہ کی سرپرستی شریف مرتضی کے متعلق ہوئی انھون نے ابو منصور کے ساتھ ابو عبد اللہ ابن حمد کو متعین کیا، ابو عبد اللہ آفت کا پرکالہ تھا ہمیشہ ابو منصور کی تضحیک کی فکر مین رہا کرتا حتی کہ اس نے ابو منصور سے کہا کہ حضرت کتابین تو اب تباہ ہو گئین، وہ بولے کیون؟ کہا پسوؤن کی خباثت سے لہذا آپ فوراً سید مرتضی کو اطلاع دین تاکہ وہ آپ کو پسوؤن کے فنا کرنے کی دوا دین جو ان کے ہان ہمیشہ تیار رہتی ہے، یہ بھولے بھالے فرشتے لپکے ہوئے سید مرتضی کے ہان آدھمکے اور مودبانہ طور پر ماجرا عرض کیا، اس پر مرتضی نے کہا ارے پسوؤن سے! ارے پسوؤن سے! خدا ابن حمد کو سنوارے اسے ہمیشہ شرارت و تمسخر ہی کی سوجھتی ہے آپ جائین اور آیندہ

کبھی ابن احمد کی نہ سنین" یا قوت نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اس مین ابن احمد کی کنیت بجائے ابو منصور کے ابو عبد اللہ بتائی گئی ہے نیز اس پر کہ ابن احمد کی ولادت ۳۱۲ھ مین ہوئی ہے اور مرتضیٰ کی وفات ۳۲۶ھ مین سو ابن احمد تیرہ چودہ سال کی عمر مین کیونکر اس عہدۂ جلیلہ پر متمکن ہو سکتا تھا،

اب ذرا مارگولیوتھ صاحب کے چار دعوے سنیے جو حیرت انگیزی مین اپنی آپ ہی نظیر ہین

(ا) علاوہ رسالہ ۱۹ کے سقط کا طائیہ قصیدہ جس کا عنوان "بنام خازن دار العلم بغداد" ہے انھین کو مخاطب کرتا ہے اور (ب) رسالہ ۱۹ مین جس قصیدہ کے ارسال کا ذکر ہے اس سے یہی طائیہ مراد ہے (ج) ابو العلار کا ابو منصور وہی ہے جس کا یا قوت نے بنام محمد بن احمد الخ ترجمہ دیا ہے،

(د) یا قوت کا تعدد کنیت پر شک ظاہر کرنا سراسر وہم ہے،

یہ تھا دعاوی فارغہ کا مجموعہ، حیرت ہے کہ ان مین نہ عقل سے کام لیا گیا ہے اور نہ علم سے بھلا جب وہ ادبار مین اپنی آنکھون سے اس کا سنہ ولایت ۳۱۲ھ کو دیکھ رہے ہین اور پھر خود ہی مقدمہ مین لکھتے ہین کہ ابو العلار بغداد مین اس ابو منصور سے ملا تھا یعنی ۳۹۹ھ تو یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ اپنی ولادت سے ۸۷ سال پیشتر کم از کم جوان ہو کر ابو العلا، کا دوست بنا ان ھذا الا اختلاق سقط کا طائیہ رسالہ ۱۹ کے مذکورہ لزومیہ سے کیونکر مراد ہو سکتا ہے؟ کہ طائیہ سقط مین ہے جس مین لزوم کے دو شعر بھی نہین ہین، رہا طائیہ کا مخاطب تو ابو منصور کے بجائے ابو احمد عبد السلام کا ہونا کہین زیادہ قرین قیاس ہے جنکا ابو العلار کی تالیفات مین بار بار ذکر آیا ہے اور یا قوت کو وہم سے نسبت دینا محض خالی خولی دعوی کی بنا پر کیونکر روا ہو سکتا ہے، آئیے اب یہ ناچیز نو سو سال کے کثیف پردون کو چشم زدن مین الٹ دیتا ہے وللہ الحمد علی ذلک،

یہان تین تاریخی شخص ہین (۱) ابو العلار کے دوست ابو منصور خازن دار الکتب القدیمہ جنکا

لہ حاشیہ ۲ ترجمہ رسالہ ۱۹ ۔ ۲ ۔ ۳ ۔ حاشیہ معجم الادباء ۲، ۲۵۸، ۴ ۔ ۔ ۲۰۴

نام تبصریح ابو العلاء محمد بن علی ہے اور جو صاحب سمٰعیل کی مجلس مین آمد و رفت رکھتے تھے اور بڑے
زبردست ادیب و لغوی تھے انھون نے لغۃ مین الشامل لکھی ہے جو ۱۶ھ مین ان سے پڑھی
گئی تھی، اصل مین یہ رے کے باشندے تھے مگر اصفہان مین ایک عرصہ رہے تھے، غرس النعمہ کی حکایت
مین ابو منصور سے یہی مراد ہے، (ب) ابو منصور ابن حمد جنکا ترجمہ یاقوت اور ابن حجر نے دیا ہے
ان کو ابو العلاء سے ذاتی طور پر کوئی واسطہ نہین ہان ان کے نام کا محمد ہونا نیز ان کے نام کے ساتھ
لفظ خازن کا استعمال ہونا یقیناً وہم کا باعث بنا ہے ہم جزماً کچھ نہین کہہ سکتے کہ یہ کس کتبخانہ کے خازن
تھے یا سرے سے ان کو خازنی سے نسبت دینا ہی وہم ہے؟ (ج) ابو منصور ابن حمد کے برادر ابو غالب
ابن حمد الخازن ان کا نام بھی بد قسمتی سے محمد ہی ہے، لیزبگ یونیورسٹی لائبریری مین شعرائی ذبیل الجمہی
کا ایک نہایت قدیم نسخہ محفوظ ہے جس کے اول و آخر کے ورقون پر متعدد ائمہ کے خطوط سماع ثبت
ہین، جنمین ان ابو غالب الخازن نے قاضی تنوخی صغیر سے دیوان مذکور پڑھتے ہوئے تمام شرکائے
درس علماء کے اسامی دیئے جنمین ان کے برادر ابو منصور ابن حمد کا نام بھی بدون لفظ خازن مذکور ہے،
کیا یہ ممکن نہین کہ ابو غالب خازن ہو جس طرح ان خطوط مین موجود ہے اور ابو منصور نہ ہو اور اس کو
اپنے سابق کے ساتھ اتحاد اسمی کی بنا پر خواہ مخواہ غلطی سے خازن بنا دیا گیا ہو؟ بظاہر غرس النعمہ کا
ابو عبد اللہ ابن حمد یہی ابو غالب ہو جس طرح ابو غالب کے لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابو منصور ابن
حمد کا برادر بزرگ ہے، سو ممکن ہے کہ اسکی دو کنیتین ہون بدین صورت یاقوت کا کم سنی کا اشکال بھی
رفع ہو جائے گا کہ ہمنے ابو منصور صاحب ابی العلاء کے ساتھ دوسرا خازن اس کمسن کے برادر مہتر ابو غالب
کو قرار دیا ہے، فتخلصت قائمۃ من قوب وللہ الحمد، خطوط سماع کے فوٹو کے لیے ملاحظہ ہو جرنل
آر اے ایس، ۱۹۱۱، ۵، ۱۰۱۷، ا سنہ ۱۹۱۱م مین نے یہ مضمون ایک معقول اضافہ کے ساتھ اپنے مضمون مطبوعہ اورینٹیل
کالج میگزین لاہور فروری سنہ ۱۹۲۵ء سے لیا ہے،

(۲۳) کہتے ہیں کہ وہ بغداد کے ایک پرانے حصہ سویقہ ابن غالب میں ٹھہرا،

یہ بیان ناکافی اور موہم ہے، حاشیہ میں وہم نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے، سویقہ ابن غالب کی تصحیح ہمنے پہلے کر دی ہے یعنی کہ وہ سویقہ غالب ہے، بیشک ابو العلا، بغداد پہنچتے ہی سویقہ غالب میں ٹھہرا تھا جس طرح حکایت ابو الطیب میں موجود ہے مگر پھر مستقل قیام کے لئے شاپور کے دار العلم متصل دار الکتب القدیمۃ میں منتقل ہو گیا تھا جو قطیعۃ الفقہاء، واقعہ کرخ بغداد میں تھا ہماری دلیل مہیار دیلمی کے یہ ابیات ہیں،

نَزَلْنَا فِی بَنِی سَاسَانَ دُوْراً | بِهَا تُسْلِی بُیُوْتُكَ فِی قُضَاعَه
إِذَا مَا الضَّیْمُ رَابَكَ فَاسْتَجِیْرِیْ | ذُرَی سَابُوْرَ وَانْتَجِیْ بِقَاعَه

اور خود ابو العلاء کے یہ ابیات (در بغداد)

وَغَنَّتْ لَنَا فِی دَارِ سَابُوْرَ قَیْنَةٌ | مِنَ الْوُرْقِ مِطْرَابُ الْأَصَائِلِ مِیْهَالُ

قاضی تنوخی کو لکھتا ہے بعد از رجوع،

أَیَامَ وَاصَلَتْنِیْ وُدّاً وَتَكْرِمَةً | وَبِالْقَطِیْعَةِ دَارِیْ تَحْفِنُ النَّهْرَا
بِمَحَلَّةِ الْفُقَهَاءِ لَا یَعْشُو الْفَتَی | نَارِیْ وَلَا یَنْضُو الْمَطِیَّ عَنَائِی

تعجب انگیز تو یہ ہے کہ مارگولیوتھ نے کرخ یعنی نئے بغداد سے نکال کر اس کو ایک پرانے حصہ ہی میں مقیم رکھا حالانکہ اوس نے کرخ کی یاد میں لزوم و سقط میں بہت سے ابیات کہے ہیں، چنانچہ بغداد سے روانہ ہوتے ہوے وہ اہل کرخ کو ان الفاظ میں مخاطب کرتا ہے،

وما الفصحاء الصید والبید دارها | بافصح قولا من اِماءکم اللُّکع

اس بحث کا تسلسل ہماری اصل کتاب میں ملاحظہ ہو،

عادات شرقیہ سے بیگانگی | بعض اغلاط اہل مشرق کے عادات سے نابلد ہونے کا نتیجہ ہیں مثلاً

سلام ۲۲، سقط دفیات ابد ۲۳۳،

(۴۶) کہتے ہیں کہ ابو العلاء بار بار اپنے وطن کی جو دماغی اور جسمانی حالت بیان کرتا ہے وہ قابل افسوس ہے لیکن اسکی تصدیق اور کسی نے نہیں کی، پھر فرماتے ہیں کہ ہم معرہ کے لوگوں کی بابت جو کچھ جانتے ہیں وہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم وہان کی دماغی حالت کا اندازہ ابو العلاء کے اپنے بیان سے زیادہ کرین،

گویا آپ ابو العلاء کے وطن کے متعلق خود ابو العلاء سے زیادہ واقف ہیں اور وہ اپنے بیان مین کاذب ہے، سبحان اللہ! وہ بیچارا مشرقی ہے کسر نفسی اوسکی گھٹی مین پڑی ہوئی ہے یعنی کہ خود اپنے کو اور اپنے سے متعلق ہر شے کو اوسکی موجودہ حالت سے کمتر ظاہر کرتا ہے، ابو العلاء لزوم مین کہتا ہے؛

أَتَسْأَلُونَ جُهولاً ان يفيد كُمُ ؟ وتحلبون سفياض عهابيس

کیا مارگولیوتھ صاحب ابو العلاء کو جاہل کہین گے یا دوسرے کے بیان کی مدد پر اسکی تکذیب کو اُٹھ کھڑے ہونگے، نیز ابو العلاء کا مطمح نظر اتنا بلند تھا کہ معرہ اس کے لیے کافی جولانگاہ فراہم کرنیکے قابل نہ تھا اس لیے وہ ابتدائے شباب ہی سے بغداد کا خواب دیکھتا تھا،

کلفنا بالعراق ونحن شرخٌ فلم نلمم بها الا کهولا[1]،

(باقی)

شعر الہند حصہ اول

مصنفہ
مولانا عبد السلام صاحب ندوی،

جس مین قدماء کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات وانقلابات کی تفصیل کی گئی ہے اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ ومقابلہ کیا گیا ہے کتابت وطباعت اور کاغذ اعلےٰ ہے ضخامت ۵۴۴ صفحے قیمت للعہ "منیجر"

---

[1] م ۲۷، ۸۰۰ ہم آغاز شباب ہی سے بغداد کے مشتاق تھے مگر کہین ادھیڑ پن مین جاکر وہان پہنچے،

عربون کے تعلیمی نظریے

ڈاکٹر اے، ایس، ترٹین استاذ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے مندرجہ بالا عنوان سے ایک مضمون جرنل آف انڈین ہسٹری مین لکھا ہے، اس مین وہ تحریر فرماتے ہین:-

"ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے شروع مین ایک مقدمہ لکھا ہے، جو فلسفۂ تاریخ ہے، اس مین اس نے متعدد ابواب تعلیم کے لیے وقف کئے ہین، اگرچہ اس مین نظریون پر زیادہ بحث ہے تاہم اس وقت کے طریقۂ تعلیم کے متعلق بھی واقعات مل جاتے ہین، اس کے خیال کے مطابق وہ شخص تعلیم یافتہ ہے جو تمام علوم سے واقفیت رکھتا ہو اور اساتذۂ فن کی آرا بھی سمجھ سکتا ہو وہ ایک ہی فن کا استاذ نہ ہو اور نہ ایک ہی موضوع پر اتنا وقت خرچ کر دے کہ دوسرون سے ناواقف رہ جائے، تاہم یہ بات خود ابن خلدون ہی کے زمانہ مین مفقود ہو رہی تھی اور اکثر لوگون نے دوسرے علوم سے بے پروا ہو کر اپنے کو ایک ہی موضوع کے لیے وقف کر رکھا تھا، اس کا تعلیمی تخیل خالص ذہنی ہے، وہ علم کے حصول اور دماغ کی تربیت کا خواہان ہے، لیکن تعمیر اخلاق کی طرف اسکی توجہ نہین، تعلیم کی دو قسمین ہین، بالواسطہ اور بلا واسطہ، دوسری قسم مین مکالمہ، مناظرہ، اور قوت مثال بھی شامل ہے اس لیے ایک شخص کو صرف ایک ہی استاذ کے سامنے زانوے شاگردی تہ نہ کرنا چاہیے، اُسے ایک استاذ سے دوسرے کے پاس جانا چاہیے اور اس طرح اُسے اختلاف آرا کے متعلق وہ کچھ معلوم ہو جائیگا جو صرف تعلیم سے ہرگز حاصل نہ ہوتا،

علوم بھی دو قسم کے ہین، ایک وہ جو خود اپنا مقصد ہین، اور دوسرے وہ جو دوسرے علوم کے لیے واسطہ ہین، پہلی قسم مین مذہبی علوم، طبعی علوم اور الٰہیات ہے، دوسری مین عربی ریاضی اور اس قسم کے دوسرے علوم اور منطق ہین، ایک طالب علم کو اپنا زیادہ وقت دوسرے قسم کے علوم کے حصول مین جو کہ صرف واسطہ ہین صرف نہ کرنا چاہیئے، ورنہ وہ اپنے مقصد تک نہین پہنچ سکے گا، تعلیم تدریجی ہونی چاہیئے، ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم لڑکے کی سمجھ کے مطابق دینی چاہیئے، ابن خلدون کا خیال ہے کہ ہر فن کو تین مرتبہ پڑھنا چاہیئے، پہلی مرتبہ صرف اس فن کا خاکہ بتایا جائے، دوسری مرتبہ اصول سے گذر کر فروع کی تعلیم دینی چاہیئے، اور تیسرے درجہ مین کوئی چیز بھی نہ چھوڑنا چاہیئے، یہ ایک صحیح طریقہ ہے جس سے لڑکے کو تدریجاً مانوس کیا جاتا ہے، اوسکی قوت تخیلہ پر زیادہ زور نہین پڑتا اور وہ آئندہ کی تشریح و دقائق کے سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے، بعض اساتذہ اس طریقۂ تعلیم سے ناواقف ہین اور وہ سب سے پہلے مشکل ترین مسائل طلبہ کے سامنے بیان کرتے ہین، یہ ایک غلطی ہے، اس قسم کی خراب تعلیم دماغ پر زور ڈالکر اس کو خراب کر دیتی ہے، طالب علم سمجھتا ہے کہ یہ چیزین علوم کا ضروری جز ہین اس کی امیدون کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور حتی الامکان پڑھنے سے احتراز کرنے لگتا ہے، ان تین درجون مین وقفہ کم ہونا چاہیئے ورنہ طالب علم نے جو پڑھا ہے بھول جاسکتا ہے، تعلیم ایک عادت ہے تکرار سے ایک عادت ڈالی جاسکتی ہے، تکرار سے ایک علم مین کمال حاصل ہوتا ہے، ابن خلدون کی رائے ہے کہ ایک وقت مین ایک ہی چیز پڑھائی جائے اور جب وہ ختم ہو جائے تو دوسری شروع ہو، خود اس کے زمانہ مین اس پر عمل نہ تھا، اس نے ایک علحدہ باب مین بچون کی تعلیم کے متعلق لکھا ہے، قرآن مجید بنیاد تعلیم ہو، اس سے خدا کے متعلق ایمان مستحکم ہوتا ہے کہ لڑکپن مین جن چیزون کا اثر ہوتا ہے وہ دیرپا ہوتا ہے، اس وقت دنیائے اسلام کے مختلف ممالک مین مختلف طریقے رائج تھے، مراکش اور الجزائر مین قرآن مجید اور حروف کی مشق سے تعلیم شروع ہوتی اگر وہ اس مین کامیاب

ہوتا تو یہ اسکی تعلیم کا خاتمہ ہوتا، ان ممالک کے باشندے قرآن پر کافی عبور رکھتے تھے، اسپین مین قرآن مشق تحریر اور نظم سے تعلیم کی ابتدا ہوتی اس کے بعد صرف و نحو اور انشار کا درجہ تھا، اس طرح لڑکا عربی زبان و نظم کے سمجھنے کے قابل ہوجاتا، اس کے ساتھ ہی وہ تحریر و انشار سے بھی واقف ہوجاتا ہی، طرابلس اور ٹیونس مین قرآن وحدیث کی تعلیم ہوتی ہے، اس کے علاوہ مختلف علوم کے اصول بتائے جاتے ہین، مشرق کے مختلف ممالک کے متعلق اس کو زیادہ واقفیت نہین ہے، وہان صرف قرآن ہی نہین پڑھایا جاتا ہے، اور خطاطی ایک مستقل فن کی حیثیت سے ایک مستقل استاذ کے تحت سکھی جاتی ہے افریقہ کی ادب عربی کی تعلیم مکمل نہین ہوتی، کیونکہ وہان صرف قرآن پر زور دیا جاتا ہے اور اس کا طرز تحریر ناقابل نقل ہے، اسپین مین ادب کی اچھی تعلیم ہے، لیکن دوسرے علوم کی حالت خراب ہے، کیونکہ وہان قرآن وحدیث پر زیادہ توجہ نہین کیجاتی، ابن خلدون، قاضی ابوبکر بن العربی کے نصاب کو شرائط کے ساتھ منظور کرتا ہے اس نے مندرجہ ذیل نصاب مقرر کیا ہے،

(۱) عربی اور نظم (۲) حساب، (۳) قرآن شریف (۴) عقائد (۵) اصول فقہ (۶) منطق، (۷) حدیث، مگر اس مین بھی دو خرابیان ہین، (۱) دو فن ایک ساتھ پڑھائے جاتے ہین اور دوسرے بچون کے دل پر قرآن کی اہمیت نقش نہین ہوتی، قرآن کی تعلیم اگر لڑکپن مین دیجائے تو وہ تعمیر اخلاق مین بہت معاون ہوتی ہے، ابن خلدون کے نصاب کی تہ مین مذہبی جذبات کام کرتے ہین،

دوسرا سوال طریقۂ تعلیم کا ہے، باپ بیٹے اور استاد شاگرد مین دوستانہ تعلقات نہ ہونے چاہئین، ضرورت سے زیادہ سختی بے کار ہی نہین مضر بھی ہے، اس سے قوت عمل برباد ہوجاتی ہے، اور تساہل، تکذیب اور ریاکاری کی عادت پیدا ہوتی ہے، قومون اور غلامون کا بھی یہی حال ہے، ایک لڑکے کو تین چھڑی سے زیادہ نہ مارنا چاہیئے، ہارون رشید نے اپنے بچون کے معلم کو جو ہدایات دی تھین ان پر عمل کرنا چاہیئے، لیکن ابن خلدون ایک صاحب تدبر شخص تھا

امام غزالیؒ کا قول ہے کہ تحصیل علم صرف خدا کی عبادت کے لیے ہونی چاہیئے، اس لئے اونھون نے استاذ شاگرد کے فرائض کو بتاکر اپنے نصب العین کو پیش کیا ہے شاگرد کے دس فرائض ہین،

(۱) اعمال وخیالات کی صفائی، (۲) وطن وملک کی بندشون سے آزادی (۳) استاد کی اطاعت (۴) پہلے صرف مصدقہ باتون کو حاصل کرے، (۵) تعلیم کی اصلی غایت "خدا" کو کبھی نہ بھولے (۶) تعلیم تدریجی ہو، (۷) جب تک ایک فن کے لیے جن باتون کی ضرورت ہے اون کو اچھی طرح حاصل نہ کرلیا جائے کوئی فن شروع نہ کیا جائے (۸) مختلف علوم کے مقصد وقیمت کو سمجھے (۹) تعلیم کا مقصد اپنی تعمیر وترقی ہے، (۱۰) مختلف علوم کو غایت کے ساتھ جو تعلق ہے اس کا علم حاصل کرے،

استاد کے فرائض یہ ہین:-

(۱) شاگرد کے ساتھ ملاطفت (۲) مادی نفع اس کا مقصد نہ ہو (۳) طالب علم کو اس وقت تک جبتک کہ اس کا دماغ کسی فن کے سمجھنے کے لائق نہ ہوجائے کوئی چیز نہ سکھائی جائے (۴) استاد کو چاہیئے کہ وہ شاگرد کو برائیون کے متعلق اشارۃً بالواسطہ طریقہ سے سمجھائے (۵) جو فنون پڑھائے ان کا مذاق نہ اڑائے (۶) معلم کو لڑکے کی استعداد اور سمجھ کے مطابق تعلیم دینا چاہیئے (۷) ایک کم علم لڑکے کو وسیع علوم وفنون کا حوالہ دیکر اُسے پست ہمت نہ کرنا چاہیئے (۸) استاد کو صرف تعلیم ہی کا ہوکر رہنا چاہیئے کیونکہ اگر باپ بیٹے کو جسم دیتا ہے تو استاد جان بخشتا ہے، امام غزالی نے جو ہدایات کی ہین ان سے صوفیانہ رنگ صاف جھلکتا ہے،

ابن خلدون کے خیال کے مطابق تحصیل علم کا مقصد صحت فکر ہے اس مین دو چیزین مزاحم ہوتی ہین، الفاظ اور خیالات کا الجھاؤ، یہ وہ چیزین ہین جو آدمی کو اس کے مقصد سے دور کردیتی ہین، الفاظ کا صحیح استعمال اور خیالات کا سلجھاؤ ایک ساتھ کام کرتے ہین، اس لیے انسان کو ان دونون کا سب سے زیادہ لحاظ رکھنا چاہیئے، . . . .

ذرائع تعلیم کے متعلق بھی ابن خلدون کے خاص خیالات ہین اس کے نزدیک کتابون کی بڑی تعداد کی مطلقاً ضرورت نہین، کثرت کتب سے تعلیم مین مزاحمت ہوتی ہے، اور لڑکے کے خیالات مین انتشار پیدا ہوجاتا ہے کہ ہر مصنف اپنے خاص طریقہ سے مسئلہ کو پیش کرنا چاہتا ہے، سیاحت بھی طالبعلم کو بہت کچھ فائدہ پہنچاتی ہے، کتابون کی تعداد انسان کو فائدہ نہین بخشتی، اگر ایک شخص قیروان، قرطبہ، بغداد اور دوسرے مقامات کے ملکی علمار کی تصانیف کو ان کے مخصوص اصطلاحات وطرز بیان کے ساتھ پڑھنا چاہیے تو وہ کبھی ان تمام کتابون کو ختم نہ کرسکے گا، زندگی محدود ہے، اس قسم کی تعلیم بیکاری ہے، بڑی کتابون کی تلخیص بھی کوئی اچھی چیز نہین، تلخیص مین خیالات کو کمترین الفاظ مین بیان کیا جاتا ہے، اس سے مبتدی کے خیالات مین الجھاؤ پیدا ہوجاتا ہے، اور وہ اصول کو فروع سے ملاکر تعلیم کے پہلے ہی اصول کی مخالفت کرتا ہے،

بنی اسرائیل کی غلامی کا ایک اور ثبوت

تقریبًا ایک صدی کا عرصہ گذرا کہ مستشرقین اور ماہرینِ مصریات نے سعی وکوشش سے ہیروغرافی یا خط تصویری کے حروف دریافت کرلئے تھے اور فراعینِ مصر کے کتبے جو تاریخی حیثیت سے خاص اہمیت رکھتے ہین ان کے ذریعہ پڑھے جانے لگے تھے، لیکن یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی تھی کہ ان کتبون مین ان بدبخت یہودیون کا جو عرصہ تک فرعون کے مظالم کا شکار رہے کوئی تذکرہ بھی نہ تھا، ماہرین کا خیال تھا کہ کتاب خروج کے واقعات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے پلیگ کا ظہور اور بالآخر فرعون کی بحر احمر مین غرقابی وہلاکت ایسی چیزین ہین جنکا کہین نہ کہین تذکرہ ضروری تھا، لیکن آج تک اس کا کہین بھی کوئی سراغ نہ لگا، اسی لیے یہ بات بھی طے نہ ہوسکی تھی کہ کونسا فرعون تھا جس نے ان عبرانیون کو مصائب کا شکار بنایا تھا حتی کہ بعض اشخاص کو یہ شبہ پیدا ہوگیا تھا کہ بنی اسرائیل کبھی مصر مین تھے بھی یا نہین،

مگر اب ایک ایسا کتبہ مل گیا ہے، جو نہ صرف انجیل کے اس باب کی تصدیق کرتا ہے بلکہ واضح طور سے اس فرعون کا نام بھی بتاتا ہے، جس نے ان سے سخت کام لیے تھے، وہ رمیس ثانی ہے، اسی کو بعض مورخین رمیس اعظم بھی کہتے ہین اور ۱۳۵۰ ق ۔ م مین تھا،

سب سے عجیب یہ حقیقت ہے کہ یہ کتبہ خود فلسطین کے ایک دیہات بیسن مین جو کسی زمانہ ایک بہت بڑا شہر تھا ملا ہے، انجیل مین اس کا نام بتشیان ہے، یہ بحر جلیلی سے جنوب کی جانب ۲۰ میل اور دریائے جورڈن سے مغرب کی طرف چار میل پر واقع ہے اسی مقام پر پنسلوینیا میوزیم یونیورسٹی (PENNSYLVANIAMUSEUMUNIVERSITY.) کے علمی وفد کے ارکان نے ہزارون برس کے مدفون پتھر کو پایا ہے، یہ پتھر مصری ہیروغرافی سے پر ہے اور اس پر فرعون رمیس ثانی کے دستخط ثبت ہین، جس وقت ارکان نے ان کو صاف کیا اون کو معلوم ہوا کہ یہ حروف خود فرعون کے حکم سے کندہ کئے ہونگے، اس کے بعد ہی ان کی نظر ایک ایسے جملے پر پڑی جس نے اونکو محو حیرت بنا دیا اور ایک دوسرے کا تعجب سے منھ دیکھنے لگا کہ جس چیز کی اتنے دنون سے تلاش وجستجو تھی وہ یوسف مطلوب، مصر کی جگہ خود ارض مقدس مین ملتا ہے، اور کتاب خروج کا ایک ایک حرف اس سے سچا ثابت ہو رہا ہے، اس جملہ کے الفاظ یہ ہین:-

"اس (فرعون) نے [illegible] کو جمع کیا اور اس نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اس کے اعزاز مین اس کے نام پر رمیس میری امین نام شہر دریائے نیل کے مشرقی مرتفع پر بنائین"

یہ عبارت کتاب خروج سے اس قدر ملتی ہوئی کہ اب اس مین کوئی شبہہ نہین رہتا کہ یہ وہی فرعون ہے، کتاب خروج باب اول آیت ۱۱ کے الفاظ یہ ہین،

"اور انھون نے فرعون کے لیے مالدار شہر پتھم اور رمیس بنائے"

اس علاقہ کے اور کتبے اب تک پورے طور سے پڑھے نہین گئے ہین، لیکن اس کی تاریخ

اس سے مذہبی اثر کا بھی پتہ چلتا تھا لوگ پوپون کے نام پر اپنے بچون کے نام رکھتے تھے تاکہ وہ مدت العمر ان کی نگرانی مین رہین، اور چونکہ سیکڑون پوپ تھے، اسلیے نامون کے انتخاب کی گنجائش بہت زیادہ تھی، لیکن جب یورپ کی ترقی کا زمانہ آیا تو لوگ یونانیون اور رومیون کے مشہور لوگون کے نام پر اپنے بچون کے نام رکھنے لگے،

اس کے بعد پروٹسٹنٹ اصلاح مذہبی کا زمانہ آیا اور انجیل کی طرح یورپین زبانون مین تورات کا ترجمہ ہوا تو لوگ ان نامون پر اپنے بچون کے نام رکھنے لگے جو توراۃ اور انجیل مین مذکور تھے، برطانیہ اور ولایات متحدہ امریکہ پروٹسٹنٹ لوگون کا اب تک یہی حال ہے، اور پروٹسٹنٹ مصلح کالفن لوگون کو یہ ترغیب دیتا تھا کہ تورات کے نامون پر اپنے بچون کے نام رکھین،

یورپ بالخصوص شمالی یورپ مین جب صنعتون کا رواج ہوا تو صنعتون کے نام مشہور ہوئے، چنانچہ انگریزی اور جرمنی کے اکثر نام حداد اور نجار وغیرہ ہین، بلکہ انگریزی کی نحوی کتابون مین حداد کو بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے، مثلاً ہم اگر مثال مین "زید آیا" کہتے ہین، تو کہتے ہین کہ "لوہار آیا"

اسلام سے پہلے اہل عرب کے نام باہم مشترک تھے، جس سے مذہبی امتیاز کا پتہ نہین چلتا تھا البتہ یہود جو تورات کے نام مثلاً سموال اور عدی وغیرہ پر نام رکھتے تھے، اس سے مستثنیٰ تھے، مثلاً کلیب امراء القیس، عمرو بن کلثوم اور مہلہل عام طور پر عیسائی تھے، بعض لوگون کا خیال ہے کہ امراء القیس مرقس کا معرب ہے، شام کے عیسائی، مسلمانون کے طرز کے نام رکھتے ہین، مثلاً حسن اور ہند وغیرہ،

عربی دنیا اور یورپ کے ایک حصے پر ترکون کو اقتدار حاصل ہوا تو اونکی زبان مین بعض یورپین نام مثلاً سکندر اور بعض عربی نام داخل ہوگئے، اور ترکی نام بھی رکھنے لگے مثلاً ذہنی، رفقی، رافت، اور حشمت، جدید عربی دور مین شام کے بہت سے عیسائی، اور مصر کے قبطی اپنے بچون کے نام خالص عربی رکھتے تھے، مثلاً لیلی اور سعاد، لیکن ان مین کوئی شخص محمد اور علی کے نام پر نام نہین رکھتا،

اس سے مذہبی اثر کا بھی پتہ چلتا تھا لوگ پوپون کے نام پر اپنے بچون کے نام رکھتے تھے تاکہ وہ مدت العمر ان کی نگرانی مین رہین، اور چونکہ سیکڑون پوپ تھے، اسلیے نامون کے انتخاب کی گنجائش بہت زیادہ تھی، لیکن جب یورپ کی ترقی کا زمانہ آیا تو لوگ یونانیون اور رومیون کے مشہور لوگون کے نام پر اپنے بچون کے نام رکھنے لگے،

اس کے بعد پروٹسٹنٹ اصلاح مذہبی کا زمانہ آیا اور انجیل کی طرح یورپین زبانون مین تورات کا ترجمہ ہوا تو لوگ ان نامون پر اپنے بچون کے نام رکھنے لگے جو تورات اور انجیل مین مذکور تھے، برطانیہ اور ولایات متحدہ امریکہ پروٹسٹنٹ لوگون کا اب تک یہی حال ہے، اور پروٹسٹنٹ مصلح کالفن لوگون کو یہ ترغیب دیتا تھا کہ تورات کے نامون پر اپنے بچون کے نام رکھین،

یورپ بالخصوص شمالی یورپ مین جب صنعتون کا رواج ہوا تو صنعتون کے نام مشہور ہوئے، چنانچہ انگریزی اور جرمنی کے اکثر نام حداد اور نجار وغیرہ ہین، بلکہ انگریزی کی نحوی کتابون مین حداد کو بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے، مثلاً ہم اگر مثال مین "زید آیا" کہتے ہین، تو کہتے ہین کہ "لوہار آیا"

اسلام سے پہلے اہل عرب کے نام باہم مشترک تھے، جس سے مذہبی امتیاز کا پتہ نہین چلتا تھا البتہ یہود جو تورات کے نام مثلاً سموال اور عدی وغیرہ پر نام رکھتے تھے، اس سے مستثنیٰ تھے، مثلاً کلیب امراء القیس، عمرو بن کلثوم اور مہلہل عام طور پر عیسائی تھے، بعض لوگون کا خیال ہے کہ امراء القیس مرقس کا معرب ہے، شام کے عیسائی، مسلمانون کے طرز کے نام رکھتے ہین، مثلاً حسن اور ہند وغیرہ،

عربی دنیا اور یورپ کے ایک حصے پر ترکون کو اقتدار حاصل ہوا تو اونکی زبان مین بعض یورپین نام مثلاً سکندر اور بعض عربی نام داخل ہوگئے، اور ترکی نام بھی رکھنے لگے مثلاً ذہنی، رفقی، رافت، اور حشمت، جدید عربی دور مین شام کے بہت سے عیسائی، اور مصر کے قبطی اپنے بچون کے نام خالص عربی رکھتے تھے، مثلاً لیلی اور سعاد، لیکن ان مین کوئی شخص محمد اور علی کے نام پر نام نہین رکھتا،

ہم مین بالخصوص مشرقی مسیحیون مین اب انگریزی نامون کا عام رواج ہو گیا ہے، اور وہ عربی اسما و القاب سے بالکل میل نہین کھاتے، اور اس سے ہمارے رابطۂ قومیہ کے ضعف اور وطنی شرف کی تحقیر کا اندازہ ہوتا ہے، ہم عرب ہین اس لیے ہمارے نام بھی عربی ہونے چاہئین تاکہ ان سے ہمارے مزاج و مذاق کا اندازہ ہو،

لیکن اس موقع پر یہ بھی نظر انداز نہین کیا جا سکتا کہ مضمون نگار نے عربی نامون کے متعلق بعض اہم لغزشین کی ہین، ابن عائشہ اور ابن فاطمہ جیسی کنیتون کی جو وجہ بتائی ہے وہ قابل تسلیم نہین، کون کہہ سکتا ہے کہ "ابن ام کلثوم" کی وجہ شہرت یہ ہے کہ ان کے باپ مسعود کا پتہ نہ تھا، اصل یہ ہے کہ جب قبیلہ مین کسی کے باپ سے زیادہ اسکی ماں معروف ہوتی تو عموماً لوگ اسکو اسکی ماں ہی کے نسبت سے پکارتے تھے، یہی وجہ ہے کہ لونڈیون کے لڑکے عموماً ماں کی طرف منسوب ہوتے تھے،

امرء القیس، عمرو بن کلثوم، اور کلیب وغیرہ کے عیسائی ہونے کا نظریہ جدید ہے، تاریخ مین اسکی شہادت موجود نہین، ہمکو ان نامون کی نوعیت سے بھی ان کے عیسائی ہونے کا سراغ نہین لگتا،

امرء القیس" کو "مرقس" کی تحریف سمجھنا ایک فاش غلطی ہے، قیس یا "قیش" عربون اور نبطیون کا قدیم دیوتا ہے، اس نام کا ترجمہ قیس کا آدمی یا قیس کا محبوب ہے کیونکہ "مرء" کا اصلی مفہوم "پیارا" ہے اس نام کو انھین نامون مین شمار کرنا چاہئے، جن سے اہل عرب کے قدیم مذہبی خیالات کا پتہ چلتا ہے،

عمرو، کلثوم، کلیب خالص عربی انداز کے اسما ہین، [illegible] متعلق اہل عرب کا عام مذاق یہ تھا کہ وہ اپنے غلامون کو توسعید، نافع، اور انس (صاحب انس) جیسے خوش اسلوب نامون سے پکارتے تھے، مگر خاص اپنے لڑکون کو ایسے الفاظ سے موسوم کرتے تھے جنمین شدت، صلابت، بہادری اور خونریزی کا شائبہ موجود ہو، مثلاً ان کا نام ہوتا تھا جبل (پہاڑ) سرقہ (ڈاکو) شفقی (بدبخت) اسی اصول کے تحت وہ اکثر اپنی اولاد کو زہریلی یا خاردار نباتات، شکاری چڑیون، درندہ جانورون اور موذی کیڑون کے نام سے بھی موسوم کرتے تھے، اسد (شیر) کلب (کتا) اوس (بھیڑیا) عرب کے مشہور قبائل ہین، اس بنا پر کلیب (چھوٹا کتا) اور کلثوم (ہاتھی) بھی خالص عربی انداز کے اسما ہین،

(الہلال مصر)

اخبار علمیۃ

مجلس جغرافیہ کا ایک وفد

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی مجلس جغرافیہ وہان کی دوسری علمی مجالس کے ساتھ ملکر عنقریب ایک وفد تقریبًا تمام دنیا کی سیاحت کے لیے روانہ کریگی، اس وفد کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ مختلف مقامات پر آفتاب کی مختلف درجہ کی حرارت کی پیمائش کرے، یہ کام چار سالون مین ختم ہوگا اور اس سے بہت کچھ علمی و تجارتی فوائد کی امید ہے،

کپڑونکی حفاظت کا ایک نسخہ

ہمارے ریشمی، اونی اور سوتی کپڑے ابھی تک کیڑون کی دست برد سے محفوظ نہین تھے لیکن اب ایک جرمنی ماہر کیمیا نے ایک ایسی دوا ایجاد کی ہے جو اس کیڑے کی نسل ہی کو بالکل تباہ کردیگی، یہ کیڑا ایک دن مین ایکہزار انڈے دیتا ہے، اس دوا مین نہ تو بو ہے اور نہ رنگ اور اس کو کپڑون اور کمرون دونون جگہون پر یکسان استعمال کیا جاسکتا ہے، اس جرمنی عالم کا نام ڈاکٹر مکیک ہے،

عود شباب کا ایک جدید نسخہ

اس وقت تک ڈاکٹرون نے بڑھاپے سے نجات حاصل کرنے اور از سرِ نو جوان بننے کے لیے جو علاج دریافت کیا تھا وہ یہ تھا کہ کسی جوان کے غدود اس شخص کے بدن مین داخل کردیئے جائین مگر ایک نوجوان ڈاکٹر ہیلین جیوز زکی نے دعوی کیا ہے کہ وہ کمزور بڈھون کو تکلیف دینا نہین چاہتا اور نہ غدود کے بدلنے کی زحمت گوارا کرنا ہوگی، بلکہ ایک جوان کے خون کے چند قطرے ایک سوئی کے ذریعہ ایک معمر آدمی کے بدن مین پہنچا دیئے جائین گے اور بس ڈاکٹر مذکور پیرس مین اس کا تجربہ کر رہا ہے اور ایک بڑی حد تک اس مین کامیاب بھی ہوگیا،

آپکی توجہ مین کیونکر خلل نہ پڑے گا

انسان کے لیے ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ جس وقت وہ کسی چیز پر غور کر رہا ہو کوئی ایسی چیز موجود نہ ہو جس سے اسکی توجہ مین خلل پڑے آپ کسی گوشۂ مکان مین بھی رہین گے، تو بھی اس جگہ کا ماحول رہ رہ کر آپ کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرائے گا، اس سے بچنے کے لیے پروفیسر گرنس بیک (Hugo Gernsback) نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے، جس کو پہن لینے سے نہ تو باہر کی کوئی صدا کان مین آتی ہے اور نہ کسی دوسری چیز پر نظر پڑسکتی ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ انکو اس مین ۷۵ فی صدی کامیابی حاصل ہو چکی ہے

ڈنمارک کی جدید تعزیرات

ڈنمارک (یورپ) کی حکومت ایک قدیم حکومت ہے اس لیے وہان کا قانون قدیم قانون تھا، لیکن اب وہان کی تعزیرات مین بہت کچھ ترمیم و اصلاح کر کے بالکل نئے نئے قوانین و دفعات کا نفاذ ہوا ہے، جدید دفعات کے رو سے سزاے موت بالکل موقوف کر دیگئی ہے حبس دوام کی سزا بھی اٹھ گئی اور صرف بادشاہ وقت کے قتل کی کوشش کیلئے مخصوص ہے قید کی بڑی سے بڑی میعاد ۱۰ سال ہے،

بہرون کیلئے جدید طریقۂ علاج

اس وقت تک اگرچہ بہرہ پنے کے متعدد علاج نکل چکے ہین لیکن حال مین ڈاکٹر آرتھ جکبسن نے ایک اور نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، جو جراحت اور دوا، دونون سے آزاد ہے وہ مریض کو ایک ہوائی جہاز پر بٹھاتے ہین، جہاز ہوا مین بلند ہوتا ہے اور کچھ بلندی پر جاکر ناک کے بل نہایت تیزی سے نیچے آتا ہے، اس طرح رفتہ رفتہ بہرہ پن کم ہوتا ہے،

مولانا شبلی مرحوم کی ایک ناتمام غیر مطبوعہ نظم

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی، حیدرآباد دکن

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ذیحجہ ۱۳۴۲ھ کے معارف مین ادبیات کے نیچے، مولانا مرحوم کی ایک ناتمام غیر مطبوعہ نظم جسے "باقیات صالحات ترکان عثمانی" کے عنوان سے شائع کی تھی، اسکی اشاعت کے ساتھ حیدرآباد کے باخبر حلقہ مین ایک شورش پیدا ہو گئی، منشی ظفر الملک علوی اڈیٹر الناظر نے لکھنؤ سے (وہ اس زمانہ مین حیدرآباد مین تھے) اور نواب اکبر یار جنگ نے ہمارے دوست پروفیسر میمن عبد العزیز صاحب کے ذریعہ سے (جو اس وقت حیدرآباد مین تھے) ہمکو ہماری غلطی پر متنبہ کیا، اصل یہ ہے کہ یہ نظم ہم کو اسی طرح ناتمام مولانا کے ہاتھ سے ایک کاغذ پر لکھی ہوئی ملگئی، مضمون کا اندازہ یہ چاہتا تھا کہ یہ کسی اسلامی سلطنت کو مخاطب کرکے لکھی شروع کیگئی تھی، شاعر کو ترکون سے جو محبت تھی اس کو پیش نظر رکھ کر ہم یہ سمجھے کہ یہ نظم جنگ بلقان کے زمانہ مین مولانا نے دولت عثمانیہ پر لکھنی شروع کی تھی، مگر حیدرآباد کے باخبر حلقہ نے یہ بتایا ہے کہ یہ دولت عثمانیہ کو مخاطب کرکے نہین بلکہ دولت آصفیہ کو مخاطب کرکے لکھی گئی ہے، چنانچہ ذیل کے مضمون سے اصل حقیقت ظاہر ہوگی، لیکن جب نظم لکھی گئی تھی تب تو نہین مگر اب جس وقت یہ معارف مین شایع ہوئی، ہم اپنی غلطی کا اقرار کیے بغیر کہتے ہین کہ یہ "دولت عثمانیہ" ہی کو مخاطب کرکے لکھی گئی ہے، مگر وہ دولت عثمانیہ نہین جس کا نام اب جمہوریت ترکیہ ہے

بلکہ وہ "دولت عثمانیہ" جس کے فرمانروا آج نظام الملک اعلیٰ حضرت میر عثمان علیخان ہین، کیا اب بھی احباب حیدرآباد کو اعتراض ہے،

"اڈیٹر"

مولنا شبلی کی جو نظم ماہ ذیحجہ ۱۳۴۳ھ کے "معارف" مین آپ کے حاشیہ کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ:-

آج سے تیس سال قبل ۱۳۱۴ھ مین مولانا مرحوم حیدرآباد تشریف لائے تھے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولانا علی گڈھ کالج سے کنارہ کش ہو چکے تھے اور حیدرآباد نے بھی مولانا کی ابھی سرپرستی نہین کی تھی، اس وقت کے بعض عقیدت مندون نے مولانا کی زبان سے اسلام کے متعلق کچھ جی لگتی باتین سننی چاہی تھین چنانچہ مولوی عزیز مرزا مرحوم، مولوی عبد الغنی وارثی مرحوم مولوی مسعود علیصاحب بی اے (حال مترجم دار الترجمہ) مولوی محمد جامع صاحب (حال مددگار معتمد عدالت) بتاریخ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ ایک جلسہ کا انعقاد کیا جلسہ "کاسماپولین ہوٹل" (جسکو اب محسن الملک کی کوٹھی کہا جاتا ہے) مین ہوا تھا، مولوی خدابخش خان مرحوم جنکی پٹنہ مین لائبریری مشہور ہے جلسہ کے صدر مقرر ہوئے تھے، یہ ان دنون یہان کی عدالت عالیہ کے میر مجلس تھے،

جلسہ مین مولوی عزیز مرزا مرحوم نے عقیدت نامہ (انگریزی مین) پڑھا تھا، مولانا نے اس کا جواب بھی دیا تھا اور اصل موضوع "اعجاز القرآن" پر بحث کرنے سے پیشتر سرزمین دکن کو مخاطب کرکے یون کہا تھا کہ:-

اے دکن اے کہ جہان را سر و سودا با تست
اے کہ مجموعۂ صد یاس و تمنا با تست

یہ نظم ایک ایسی نظم ہے جسکو ایک بڑے مجمع نے خود مولانا مرحوم کی زبان سے سننے کا لطف

اٹھایا تھا اس کے بعد پھر وہ شائع بھی ہوگئی، لوگون نے حفظ بھی کیا اور آج تک مزے لے لیکر وہ اسکو دہراتے ہین، خود راقم الحروف کے پاس اسکی مطبوعہ نقل موجود ہے، بعض خوش وقت شاعرون نے اس کے جواب بھی لکھے،

معارف مین جو بند شائع ہوا ہے اس مین اور قدیم نقل مین کچھ فرق ہی ہے، ظاہر ہے کہ معارف کو اس بند کا مسودہ بھی ملا ہے، بہت ممکن ہے کہ مولانا نے اس کو کسی دوسرے کاغذ پر صاف کر لیا ہو اور وہ مبیضہ جلسہ مین کسی پر جوش نیازمند کے ہاتھون پہنچ گیا ہو،

یہ نظم ترکیب بند کے دو بند ہین دوسرے بند کی ردیف ہی "دکن" ہے صحتِ واقعہ کیلئے پوری نظم درج ذیل ہے:-

اے دکن ایکہ جہان راسر و سودا باتست — اے کہ مجموعۂ صدیاس و تمنا باتست

اے کہ صد نقش زہر پردہ برانگیختۂ — اے کہ صد جلوہ گری ہائے تماشا باتست

زاہد استی کہ سرِ صدق و صفا ہست ترا — شاہد استی کہ دلآویز اداہا باتست

ساز نیرنگی و صد نغمۂ رنگین داری — لوح ارژنگی و صد پیکر زیبا باتست

یادگارِ حشم دیلم و سلجوق استی — مایۂ دولتِ بغداد و بخارا باتست

داستان ہائے عزیزان [illegible] — خبر از قافلۂ یثرب و بطحا باتست

آن پراگندہ نژاد عرب و نسلِ عجم — یعنی آن دفتر اسلام مجزا باتست

گرچہ شیرازۂ امت ہمہ ابتر شدہ است — آن ورق ہائے پراگندہ بیک جا باتست

گرچہ زان میکدہ اکنون اثری نیست بجائے — جرعۂ چند از ان شیشۂ و مینا باتست

گرچہ آن تازہ چمن رفت بتاراج خزان — باز ہم بوئے خوشی زان گل رعنا باتست

گرمیِ صحبت آن میکدہ سر جوش تو ہست — مصر و غرناطہ و بغداد در آغوش تو ہست

اے بزرگان گران پایہ دارکان دکن — اے ہمہ شمع فروزندۂ ایوان دکن،

ہر سر موئے من امروز زبانے شدہ است — بسپاس آوری منت اعیان دکن

پائے تا سر ہمہ در بند کرم ہائے شماست — می توان خواندم از جملہ اسیران دکن

باغریبے چو منے این ہمہ الطاف وکرم — چہ کنم اگر نشوم بندۂ احسان دکن

ہم ز گیرائی اخلاق دلآویز بود — کہ بود رومی وشامی ہمہ مہمان دکن

بوئے خلق است کہ دل می برد م ورنہ مرا — نتواند کہ فریبد گل وریحان دکن

یارب آن باد کہ این تخت گہ دولت ودین — سبز وخرم بود از فیض سلیمان دکن

میر محبوب علیخان نظام آصف جاہ — تاجدار دکن وقیصر وخاقان دکن

صدر جم مرتبہ نواب وقار الامرا، — آنکہ صد پایہ فزود از شرف شان دکن

وان دگر صدر نشینان وعزیزان وطن — کہ بود از دم شان زینت ایوان دکن

ہمہ را بزم طرب باسر وسامان باشد

شبلی خستہ ہم از حاشیہ بوسان باشد

اب ناظرین معارف پر یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ پہلے شعر مین جو ہیچ حرفی لفظ جو نہ معلوم مولانا نے کیون نہین لکھا وہ آخر "اے دکن" ہو کر ان کے قلم سے ادا ہوا، پس سارا خطاب ترکان عثمانی کے باقیات صالحات سے نہین بلکہ مغلیہ شوکت وسطوت کے یادگار سے ہے ۔

سیر الصحابیات

جن مین نہایت مستند حوالون سے ازواج مطہراتؓ، بنات طاہراتؓ اور عام صحابیات کے سوانح اور ان کے اخلاقی ومذہبی علمی کارنامے درج ہین، لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ ضخامت ۲۲۵ قیمت ۱۲؁ "منیجر"

بابُ التّقریظ والانتقاد

اسلامی خلافت کا کارنامہ

مؤلفہ

جناب حاجی محمد موسیٰ خان صاحب رئیس دتاولی، علی گڈھ،

حاجی صاحب ممدوح کا نام قومی کامون کے سلسلہ مین اکثر زبانون پر آیا ہے، مگر ایک مصنف کی حیثیت سے وہ شاید سب سے پہلی دفعہ ظاہر ہوئے ہین، اس کتاب کا نام خود بتا رہا ہے کہ یہ تحریک خلافت کے پرجوش عہد کا کارنامہ ہے، چنانچہ حاجی صاحب نے خود تمہید مین بھی اس کا ذکر کیا ہے، اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ خلافت کا فرض مسلمانون کے سپرد ہو دنیا کے بڑے بڑے ملکون اور قومون کی اخلاقی اور روحانی حالت کیا تھی؟ اور کس درجہ وہ تاریکی، گمراہی اور گندگی مین مبتلا تھین، اس سلسلہ مین مصنف نے یورپ، آفریقہ اور ایشیا کے تین بابون کے نیچے ہر براعظم کے ماتحت ملکون مین سے ایک ایک ملک کی کیفیت ایک ایک فصل مین دکھائی ہے، اس طرح قدیم یونان، رومۃ الکبریٰ، جرمنی، اسپین، فرانس، انگلستان، مصر، کارتھیج، طرابلس، مراکش، حبش، افریقہ کے دیگر ممالک، پھر ایران، ہندوستان، چین، وسط ایشیا، افغانستان، اور عرب کے ملکون اور قومون کی مذہبی اور اخلاقی پستی کا مرقع کھینچا گیا، اور بتایا گیا ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا کی روحانی پستی کس حد تک پہنچ چکی تھی،

واقعات کی تلاش اور جستجو مین مصنف نے خاصی محنت اٹھائی ہے، اور ذرا ذرا سے واقعہ کو

جس سے ان کے دعوی کو مدد مل سکے کتابون کے سینکڑون صفحات سے چنکر یکجا کیا ہے، یورپ کی اخلاقی تاریخ کی تفصیل مین زیادہ تر لیکی کی تاریخ اخلاق یورپ، اور گبن کی تاریخ زوال روم سے اور ہندوستان کے بیان مین سیتارتھ پرکاش، الفنسٹن کی تاریخ ہند، ہندو کلاسیکل ڈکشنری، اور منوسمرتی پر بھروسہ کیا ہے، عرب کے حالات خطبات احمدیہ، اعجاز التنزیل اور اخبار الاندلس سے لیے ہین، خوشی کی بات یہ ہے کہ ماخذ کی زیادہ تر کتابین اردو کی ہین، اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہماری قومی زبان کا سرمایہ کسقدر وسیع ہو گیا ہے،

حاجی صاحب کی اس محنت کو ہم بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہین اور اسلام کی راہ مین اس کو ایک خاص خدمت سمجھتے ہین، اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا کی اخلاقی، روحانی اور مذہبی کیفیت کیا تھی، اور اسلام نے آکر اس مین کیا انقلاب پیدا کیا، اور کس قدر اس پر احسانات کیے یہ اسلام سے پہلے کی دنیا کا آئینہ ہے، جس مین اس مین کروہ ترین صورت نظر آتی ہے، اور اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام نے اس آئینہ مین کیا صیقل پیدا کیا،

ہمارے اردو مطابع مین غلطیون کی تو یون بھی پرسش نہین ہوتی، مگر اس کتاب مین خصوصیت کے ساتھ چھپائی کی غلطیان زیادہ ہین، یونان و روم کی ابتدائی تاریخون کے لیے مصنف نے مشرقی مورخون کو اور ان مین سے بھی متاخرین کو مثلاً آخوند شاہ (روضۃ الصفا) اور ابو الفدا کو ماخذ بنایا ہے، مگر یہ صحیح نہین جبکہ ان قومون کی اصلی تاریخون تک انگریزی کے ذریعہ سے رسائی ممکن تھی، اسی لئے مصنف نے ان قومون کو سام بن نوح یا حضرت ابراہیم کی نسل قرار دینے مین غلطی کی ہے (صفحہ ۲۰) عیسائیون کا حضرت اسمٰعیل کی ہڈیون کو فلسطین سے قسطنطنیہ لے جانا بھی عجیب واقعہ ہے،

چوتھی صدی کے عیسوی مذہب کا جو بیان گبن کے تاریخ زوال روم جلد ۳ باب ۲۸ سے لیا گیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے:-

"اور اس زمانہ مین دھڑے سے ولیون، شہیدون اور راہبون کی مردہ ہڈیون اور تبرکون کی پوجا شروع ہوگئی تثلیثیون کی اس رغبت اور شوق سے ان کے دینی پیشوا پادریون اور درویشون کی دولتمندی کی ہوس مین تحریک ہوئی ان مقدس لوگون نے سمجھ لیا کہ ولیون اور شہیدون کی لاشین اور ہڈیان سونے چاندی اور جواہرات سے زیادہ بیش قیمت ہین یہ خیال جما کر تثلیثی دینی پیشوا اور پادری اس طرف متوجہ ہو گئے، اور تلاش کر کر کے اس بیش قیمت خزانہ کو اپنے گرجون اور خانقاہون مین رکھنے لگے، ان مذہبی ہادیون کے اس طریقہ سے تثلیثیون کی مخلوق پرستی کے شوق مین اور ترقی ہونے لگی، گبن بتاتا ہے کہ سینٹ انڈرو، سینٹ لیوک اور سینٹ ٹیموتھی ان تینون ولیون کی نعشین تین سو برس کے بعد اون کے پرانے قبرستان سے نکالکر بڑے کروفر کے ساتھ قسطنطنیہ مین لاکر باسفورس کے کنارہ پر قسطنطین کے بنائے ہوئے حواریون کے گرجا مین دفن کردیگئین، حضرت اسمٰعیل کی ہڈیان فلسطین سے برآمد کر کے ایک سونے کے برتن مین ریشمین چادر سے ڈھک کر عظیم الشان جلوس کے ساتھ قسطنطنیہ مین لائی گئین جبکی زیارت کے واسطے فلسطین سے قسطنطنیہ تک زائرین کا تانتا بندھا ہوا تھا اور خود شہنشاہ آرکیڈیوس درباری امیرون کو ساتھ لیکر دور تک ان ہڈیون کے استقبال کو گیا تھا، مشرقی دارالسلطنت مین ان ہڈیون کی ویسی آؤ بھگت ہوئی جیسے کوئی زندہ رسول آیا ہو۔"

"تھیوڈوسیس ثانی کے عہد مین بیت المقدس کے ایک راہب یوشن کے خواب کی بشارت پر، ولی استیفانوس کی نعش زمین سے نکالکر سیون کی پہاڑی کے ایک خاص گرجا مین دفن کردیگئی جو اسی غرض سے بنایا گیا تھا، غرض اسی طرح سینکڑون ولیون درویشون اور شہیدون کی نعشین اور ہڈیان تلاش کر کر کے مشرقی اور مغربی رومن تخت گاہون کے گرجون اور خانقاہون مین رکھی جاتی تھین، تثلیثیون کا اعتقاد تھا کہ مرے ہوئے ولی اور شہید جو

آسمان پر حضرت مسیحؑ کے ساتھ بادشاہت کر رہے ہین برابر اپنی رحم کی نظر زمین پر رکھتے ہین اور دعا مانگنے والون کی دعائین سنتے اور سمجھتے ہین دنیا کے کسی حصہ مین بھی ان سے مدد مانگنے سے مدد ملتی ہے، اس زمانہ مین صرف اصل ولیون کی ہڈیون کو تلاش کر کے لانے پر بس نہین کیا جاتا بلکہ بعض لاشون اور ڈھانچون کے فرضی نام رکھکر اوسکی طرف کسی ولی یا شہید کے حالات منسوب کر دیئے جاتے تھے، یہ مخلوق پرستی صرف قسطنطنیہ اور روما کے تثلیثیون ہی مین مروج نہین تھی، بلکہ ان تخت گاہون سے ترغیب پاکر تمام دنیا کے تثلیثیون مین مردہ لاشون اور ہڈیون کی پوجا شروع ہوگئی تھی اور تمام تثلیثی دنیا نہ صرف "باپ بیٹا اور روح القدس" کو مخلوق کے کامون پر حاوی سمجھتی تھی، بلکہ مردہ ولیون شہیدون اور مقدس لوگون کو بھی قاضی الحاجات یقین کرتی تھی،،

کتاب ۰۰۰ صفحون مین تمام ہوئی قیمت عہ منیجر منزل علی گڈھ، یا دتا ولی علیگڈہ کے پتہ سے ملے گی،

دکن مین اُردو،

مؤلفہ

مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی،

اردو زبان کے تمام تذکرہ نویسون نے اگرچہ دکن کو اردو زبان اور اردو شاعری کا مسقط الراس تسلیم کیا ہے، لیکن دکن مین اردو زبان اور اردو شاعری نے دور بدور جس طرح ترقی کی ہے، اسکی تاریخ سے ہمارے تمام تذکرہ نویس بالکل سرسری طور پر گذر گئے ہین، چنانچہ میر صاحب نکات الشعرا مین لکھتے ہین،

مخفی نماند کہ احوال یکے ازین شاعران سمت دکن کہ پُر ... رتبہ اند مگر بعض، چنانچہ ولی و سید عبدالولی و سراج و آزاد کہ معاصر ولی بود سر رشتہ مربوط گوئی بدست اینان

یافتہ می شود باقی سر کلاغ دانست،

میر حسن دکن کے قدیم شعرار مین حبیب دحسن کے تذکرے مین لکھتے ہین،

"اکثر اشعار اینہا در بحر کیت بہ نظر آمدہ چون الفاظش ربط بیکدیگر نداشتند بقلم نیاورد"

لیکن اب زمانے کے ساتھ ساتھ تذکرہ نویسی کی حیثیت بھی بالکل بدلگئی ہے، پہلے صرف وہی شعرار قابل اعتبار خیال کئے جاتے تھے جن کے کلام مین کوئی شاعرانہ لطافت موجود ہو یا کم ازکم اونکا کلام شاعرانہ معیار سے گرا ہوا نہ ہو، چنانچہ ہمارے تمام تذکرون مین اسی قسم کے شعرار کے حالات درج کئے گئے ہین اور اس حیثیت سے شعرائے دکن کی اصلی حیثیت بالکل نظر انداز کردیگئی ہے، لیکن اب تذکرون مین شاعرانہ لطافت سے زیادہ تاریخی تحقیق کی جستجو کیجاتی ہے، اور اس حیثیت سے ہماری نگاہ سب سے پہلے شعرائے دکن پر پڑتی ہے، اور قدرتی طور پر یہ سوالات پیدا ہوتے ہین کہ دکن مین اردو زبان کب پیدا ہوئی؟ وہان نظم ونثر کی ابتدا کب سے ہوئی؟ کس دور مین کون کون سے شعرار پیدا ہوئے اور اُنھون نے اصناف سخن مین سے کس کس صنف مین طبع آزمائی کی؟ ان کے کلام کا کس قدر حصہ محفوظ ہے؟ تقدم کے لحاظ سے نثر ونظم مین کیا نسبت ہے؟ یعنی پہلے نظم وجود مین آئی یا نثر؟ لیکن ان سوالات کے جواب دینے کے لیے جن تاریخی مواد کی ضرورت ہے وہ صرف دکن ہی مین موجود ہین، اور ان خزانون کے وقف عام کردینے کا فرض بھی اہل دکن ہی پر عائد ہوتا ہے، اور ہمین مسرت ہے کہ اب اہل دکن نے اس طرف خاص طور پر توجہ کی ہے، اور زیر تنقید رسالہ اسی توجہ کا نتیجہ ہے،

اس رسالے کے مؤلف نصیرالدین صاحب ہاشمی منشی فاضل ہین جنھون نے قدیم زمانے سے لیکر آج تک دکن مین اردو زبان کی نظم ونثر کو جس قدر ترقی حاصل ہوئی ہے، اوسکی تاریخ مرتب کی ہے، اور سب سے پہلے اردو کے قدیم شعرار مثلاً وجدی، سعدی، سلطان محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، نشاطی غواصی، احمد خلیدی، شاہی، مرزا، شعور، بیچارہ، بحری، طالب

نوری اور مومن کا ذکر کیا ہے، اور ان کے کلام کے نمونے درج کیے ہین، ان نمونون مین اگرچہ غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ سب کچھ ہے، لیکن انھون نے اسکی تحقیق نہین کی ہے کہ اردو زبان مین ان مین کونسی صنف پہلے پیدا ہوئی؟ اور اوس کے پیدا ہونے کے اسباب کیا تھے؟

تاہم انھون نے جو نمونے درج کئے ہین ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانے مین مثنوی گوئی کا زیادہ رواج تھا اور تقریباً ہر شاعر کوئی نہ کوئی مثنوی کہتا تھا. اس لیے اردو شاعری کی ابتدا غزل کے علاوہ کسی مسلسل ہی نظم سے ہوئی ہوگی، مصنف نے اردو کا پہلا شاعر وجدی کو قرار دیا ہے، جنکی دو مثنویان پنچھی نامہ اور تحفۂ عاشقان ملی ہین، پہلی مثنوی منطق الطیر کا، اور دوسری خسرو نامہ کا اردو ترجمہ ہے اور سال ترجمہ ۱۱۰۵ھ پنچھی نامہ ۱۱۵۵ھ مین ترجمہ ہوئی ہے، اسی لیے اس کے مترجم کی شخصیت کی نسبت شکوک ہین،

اس کے بعد مصنف نے اردو نثر کی ابتدا سے بحث کی ہے اور اگرچہ اس سلسلے مین اس تاریخی سوال کو نظرانداز کر دیا ہے کہ اردو زبان مین نثر پہلے عالم وجود مین آئی یا نظم؟ تاہم مولانا محمد حسین آزاد کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ دہ مجلس اردو زبان کی پہلی تصنیف ہے، اور اردو کی متعدد تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان مین نثر و نظم نے ساتھ ساتھ ترقی کی ہے، چنانچہ عہد قطب شاہی مین مولانا [illegible] مین ایک رسالہ لکھا جسکا نام احکام الصلوٰۃ ہے، اسی دور کی دوسری کتاب [illegible] ہے جسکو ملا وجہی نے غالباً حضرت وجیہ الدین گجراتی متوفی ۹۹۸ھ کی تالیف سے ترجمہ کیا ہے، تیسری کتاب شمائل الاتقیا، ہے، جس کے اصل مصنف شیخ برہان الدین اورنگ آبادی نے فارسی مین لکھا تھا، مگر اس کا ترجمہ میران یعقوب نے ۱۰۶۷ھ مین کیا ہے، یہ تصوف مین ہے اور اچھی ضخیم کتاب ہے مصنف نے ان کتابون کی اردو نثر کے نمونے بھی دیدیئے ہین، جس سے اس زمانہ کی اردو زبان کی کیفیت معلوم ہوتی ہے،

غرض اس طرح دکن مین نثر و نظم نے آج تک جس طرح دور بدور ترقی کی ہے اوسکی مسلسل تاریخ لکھی ہے، اور شعراء و مصنفین کی نظم و نثر کے بہ کثرت نمونے دئے ہین، اخیر مین دکن کے اخبارات و رسائل کا بھی تذکرہ کیا ہے، اور انکی فہرست دی ہے، جامعۂ عثمانیہ کا مفصل تذکرہ بھی موجود ہے جس نے موجودہ دور مین اردو زبان کو علمی زبان بنایا ہے، داغ و جلیل اگرچہ دکن کے رہنے والے نہ تھے لیکن چونکہ ان کی شاعری کا غلغلہ دکن ہی سے بلند ہوا ہے، اسلیے اس رسالے مین ان کا تذکرہ بھی موجود ہے، لیکن اردو زبان کے جو بڑے بڑے مصنفین اور انشا پرداز مثلاً مولانا شبلی، مولانا حالی، اور مولانا شرر وغیرہ ہوئے ہین اونکی سرپرستی بھی دکن ہی کی ریاست حیدرآباد نے کی ہے، اس لیے اگر اس سلسلے مین ان کا نام بھی شامل کر لیا جاتا تو اردو کی ترقی مین دکن کا حصہ اور بھی نمایان نظر آتا، بہرحال اردو زبان کی تاریخی تحقیق کی طرف جو قدم بڑھایا گیا ہے اوس کے لحاظ سے گو اس رسالے کو مکمل نہین کہا جا سکتا تاہم اس مین اس قسم کی معلومات کا ایک معتدبہ ذخیرہ موجود ہے اور اردو زبان کا آئندہ مورخ ان سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے، یہ اردو زبان کی محققانہ تاریخ کا پہلا قدم ہے، اور اسلیے مصنف کی یہ محنت بیحد شکرگذاری کے لائق ہے،

کتاب کی ضخامت ۱۸۰ صفحے ہے، قیمت دو روپیے، پتہ:۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب، ترپ بازار، حیدرآباد دکن،

سیر الانصار

حصۂ اول

سیر الصحابہ کا وہ حصہ جس مین انصار کرام رضی اللہ عنہم کے سوانح و حالات اور ان کے فضائل و کمالات مستند ذرائع سے بہ ترتیب حروف تہجی لکھے گئے ہین، ضخامت ۳۶۵ صفحہ، قیمت ؎

الایمان، مولوی مقتدی خانصاحب شروانی نے چھوٹے بچون کے ذہن نشین کرنے کے لیے اٰمنتُ باللہ۔۔۔ کی سلیس اور صاف زبان مین تفسیر لکھی ہے جس کے پڑھنے سے اسلام کے سادہ اور صاف عقائد بچون کی سمجھ مین بہت آسانی سے آسکتے ہین، حجم ۱۵ صفحے کتابت وطباعت بچون کے پڑھنے کے لائق ہے، قیمت ار پتہ مولوی محمد مقتدی خانصاحب شروانی مطبع مسلم یونیورسٹی انسیٹی ٹیوٹ علی گڈہ،

حبیب القواعد اردو، مؤلفہ جناب محمد حبیب اللہ صاحب، یہ اردو کا ابتدائی قاعدہ ہے، طریقۂ تعلیم کے متعلق جابجا ضروری حواشی دیئے گئے ہین، حجم ۳۲ صفحے کتابت وطباعت اچھی ہے، قیمت ۱؍ پتہ مولوی دین محمد صاحب کتب فروش بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۹،

تذکرۃ النُّحاۃ، یہ مولوی محمد جلیل صاحب نے عربی زبان کے چند نحویون کے مجمل تذکرے فارسی مین لکھے ہین، تاکہ عربی مدارس کے صرف ونحو پڑھنے والے طلبہ ان کا مطالعہ کرسکین، حجم ۱۸ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت معمولی ہے، قیمت ۲؍ پتہ:- محمد جلیل صاحب انصاری مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

خدائی انکم ٹکس، یہ خواجہ حسن نظامی صاحب کا ۸۰ صفحون کا ایک رسالہ ہے جس مین پہلے فلسفۂ زکوٰۃ پھر مسائل زکوٰۃ مختصراً بتائے گئے ہین، پھر آیت انما الصدقات للفقراء۔۔۔ پیش کرکے علٰحدہ علٰحدہ اختصار کے ساتھ ہر مصرف کی توضیح کیگئی ہے، کاغذ معمولی کتابت وطباعت اچھی ہے قیمت ۱۰؍ پتہ دفتر حلقہ مشائخ بکڈپو، دہلی،

ازواج النبی، مولوی عبد اللہ الہ دادی صاحب ناظم دعوت وتبلیغ لاہور نے ازواج مطہرات سے متعلق آنحضرت صلعم پر غیر اقوام کی طرف سے جو بے معنی اعتراضات کئے جاتے ہین، اس رسالہ مین

ان کے مدلل جوابات دئے ہین اور ہندؤن، یہودیون اور عیسائیون کی کتابون سے اس کا جواز عملی دکھایا ہے،

۶، صفحے، کاغذ اور کتابت و طباعت معمولی ہے قیمت ۸ر پتہ جمعیت دعوت و تبلیغ اسلام لاہور،

کاشف الاسرار، بہائیت کا فتنہ ایران سے گذر کر برما اور ہندوستان مین داخل ہوچکا ہے، زیر تبصرہ رسالہ مین جناب موسیٰ ابراہیم مانت متعلم بی اے کلاس رنگون یونیورسٹی کالج نے اسرار بہائیت کا پردہ چاک کیا، جہان اس کے فتنے موجود ہون وہان اس رسالہ کے پہنچانے کی ضرورت ہے حجم ۴۳ صفحے کاغذ اور کتابت و طباعت متوسط ہے، انجمن تبلیغ اسلام رنگون کو محصول ڈاک کے دو پیسے بھیج کر کتاب مفت منگائی جاسکتی ہے،

مثنوی فیاض، اس مین جناب محمد فیاض الدین صاحب فیاض نے چھوٹے چھوٹے سبق آموز اخلاقی قصے بطرز مثنوی لکھے ہین، حجم ۱۰۲ صفحے کاغذ اور کتابت و طباعت معمولی ہے قیمت عمر ہے، پتہ محمد فیاض الدین فیاض خطیب تعلقہ مومن آباد ضلع بیڑ (حیدرآباد)

ماہِ نو، مصنفہ جناب محمد مبین صاحب نازش بدایونی، اس ناول مین گذشتہ جنگ یونان و ترکی کی جنگ سقاریہ کے واقعات بتائے گئے ہین تحریک کی نشو و نما کے حالات بھی ہین، لیکن اصول فسانہ نگاری کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے حجم ۸۰ صفحے کاغذ اور کتابت و طباعت محض معمولی ہے قیمت ۶ر پتہ جنٹلمین بک ڈپو امین آباد لکھنؤ،

کی آف ہندوستانی سنپلیفائڈ، یہ ہندوستانی سنپلیفائڈ کی، جسے دی، ڈی، دت نے لکھی ہے اردو تشریح ہے، کلکتہ، لاہور، لکھنؤ وغیرہ کے تاجران کتب سے ملسکتی ہے،

شبیر نامہ، اس کے موضوع کا لب لباب واقعات کربلا کے سلسلہ مین شیعون کی مخالفت ہے، جذبۂ اختلاف سے متجاوز ہو کر بعض صحابہ کرام کی شان مین بھی گستاخیان کیگئی ہین، حجم ۳۶ صفحے، کاغذ اور کتابت وغیرہ محض معمولی، اسلامیہ بک ایجنسی وزیر آباد پنجاب سے ۲ر کے ٹکٹ بھیج کر منگائی جاسکتی ہے،

روئداد مسل مقدمۂ آخرت، مؤلفہ جناب ابوالخیر صاحب وکیل ہائیکورٹ، یہ ،، مضمون کا ایک اصلاحی رسالہ ہے جسمین آیات واحادیث کو پیش کرکے اعمال صالحہ واخلاق حسنہ کی تلقین کیگئی ہے، طرز بیان شستہ ہے، سرخیان قائم کرنے مین جدت کیگئی ہے اس کا مطالعہ مسلمانون کے لیے مفید ہے، قیمت ۲؍ کتابت وطباعت اچھی ہے اور کاغذ متوسط ہے، پتہ جناب ابوالخیر محمد خیراللہ صاحب وکیل درجہ اول بھمکنڈہ ضلع ورنگل حیدرآباد،

ابتدائی تعلیم کی رام کہانی، مصنفہ منشی رام پرشاد صاحب بی اے، یہ اصلاح تعلیم کے سلسلہ کی ایک کتاب ہے، اس مین مصنف نے نہایت وضاحت سے ہندوستانی دیہاتی مدارس کے نقائص بیان کرکے ان کی اصلاحی تدابیر بتائی ہین، پرائمری مدرسہ کے مدرسون کو اسے ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے، حجم ۲۵۲، تقطیع چھوٹی ہے کاغذ اور کتابت وطباعت متوسط ہے، قیمت ۱۲؍ پتہ جناب رام پرشاد صاحب بی اے سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس اٹیہ،

فلسفہ عبادت، مصنفہ مولوی محمد عبداللہ صاحب، اس مین فریضۂ صلوٰۃ پر مختلف نقطۂ نظر سے بحث کرکے ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء . . . کی مفصل توضیح اور آخر مین سورۂ فاتحہ کی مفصل تفسیر بیان کیگئی ہے، عبارت اور طرز ادا موثر ہے، مسلمانون کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہے، اور لوگون مین اسکی اشاعت کی حاجت ہے، حجم ۵۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت اچھی ہے قیمت ۲؍ پتہ:- مولوی محمد عبداللہ صاحب مہتمم مدرسہ اصلاح التعلیم امرتسر،

جلد شانزدہم	ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۵ء	عدد پنجم

مضامین

شذرات

سوا مہینہ مدراس مین قیام کے بعد مین ۹ نومبر کو دار المصنفین واپس آگیا، شہر مدراس مین جنوبی تعلیمی اسلامی انجمن کے زیر اہتمام مسلمان طلبہ کے سامنے، اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے متعلق آٹھ خطبے مسلسل دیئے، ان خطبون کے خلاصے وہان کے روزانہ انگریزی اخبارات ہندو اور ڈیلی اکسپریس مین برابر نکلتے رہے، اور دلچسپی سے سنے اور پڑھے گئے، اکثر حضرات کا اصرار ہے کہ ان خطبات کو علیحدہ رسالہ کی صورت مین شائع کردیا جائے، اس اصرار کی تعمیل کا خیال پیش نظر ہے،

شہر مدراس کے علاوہ اس سلسلہ مین بنگلور مین تین خطبے وانمباڑی مین دو، ترپا تور مین ایک خطبہ مختلف مذہبی عنوانات پر دیے گئے، بنگلور مین "دین کامل" کے عنوان پر پہلا خطبہ بہت بڑے مجمع مین دیا گیا تھا جس مین عام مسلمانون کے علاوہ ریاست میسور کے بعض بڑے ہندو عہدہ دار، اور بعض انگریز اور بنگلور کے اکثر تعلیم یافتہ اصحاب شریک تھے، ایک مسلمان یورپین خاتون جنکا اسلامی نام زینب ہے، وہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ جلسہ مین موجود تھین، اور باوجود اردو کم سمجھ سکنے کے بہت غور سے تقریر سنتی رہین، میری تقریر سے پہلے میسور یونیورسٹی کے فلسفہ کے پروفیسر واڈیا نے جو پارسی ہین، اسلام اور پیغمبر اسلام پر ایک پرمغز تقریر نہایت فصیح و بلیغ انگریزی مین کی، اسلام کی اس خود روشاعت کو دیکھکر حیرت کی ضرورت نہین، کہ آفتاب کی روشنی دنیا مین خود چمکتی ہے، دنیا اس کو نہین چمکاتی،

* * *

بنگلور مین میری دوسری تقریر "زندہ نبی" کے عنوان پر ہوئی، لوگون نے غلط فہمی سے سمجھا کہ اس موضوع کے تحت مین "حیات نبی" کے پرانے مسئلہ پر شاید گفتگو کیجائیگی، مگر تقریر کے بعد معلوم ہوگیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ نبی ہونے کے کیا معنی تھے؟ تقریر مین ثابت کیا گیا کہ محمد رسول اللہ صلعم اپنی سیرت، اپنی کتاب، اپنی سنت اور اپنی تعلیم کے لحاظ سے زندہ ہین، اور اسلیے آئندہ کسی دوسرے مدعی نبوت کے لیے اس دنیا مین جگہ نہین،

پرانے مولویانہ دستور کے مطابق کہ جب کوئی نیا مولوی کسی شہر مین جائے تو اس شہر کے مولویون پر فرض ہوجاتا ہے کہ اس ہمجنس کو مناظرہ اور سوال و جواب کی تحدی کرین، چنانچہ میرے پہنچنے سے پہلے مناظرانہ اشتہارات نکلنے شروع ہوگئے، "دنیاداری کی انتہا

کیون کیسی کہی، مولانا سلیمان ندوی جواب دین، اور اسی طرح "وہابیت کا انکشاف" کے عنوانون سے پانچ اشتہارات تھوڑے تھوڑے دقفہ سے نکالے گئے، اور تمام شہر مین چسپان کئے گئے، مگر یہ دیکھکر ان کو سخت مایوسی ہوئی کہ ان کے اشتہار کا بھی جواب میری طرف سے نہین ملا، بالآخر مجبور ہو کر انھون نے ایک آدمی کے ذریعہ سے میرے پاس مطبوعہ اشتہار بھجوایا کہ مین جواب دون، اشتہار دیکھ کر جائے، اسلئے کہ مجھے غصہ آتا جیسی کہ انکو توقع تھی، مجھے ہنسی آگئی، مین نے کہا کہ مجھے ضروری کامون سے اتنی فرصت نہین کہ اس غیر ضروری کام مین پڑون، انھون نے کہا کہ "سوال کا جواب دینا ایک عالم کا مذہبی فرض ہے" مین نے عرض کی "اگر درحقیقت ایک ناواقف کو ان سوالون کا جواب جاننا مقصود تھا تو اسکی آسان تدبیر یہ تھی کہ میرے پاس آکر یا خاص تحریر بھیجکر جواب حاصل کرنا چاہئے تھا، نہ یہ کہ انکو چھاپ کر کوچہ بکوچہ، مسجد بہ مسجد، دربدر مشتہر کرنا تھا، کہ محبت سلیمان شہر کے ایک ہی گوشہ مین فروکش ہے، وہ بقاعدہ وحدۃ الوجود ہر گوشۂ شہر مین جلوہ نما نہین ہے" اس جواب نے ان کو لاجواب کر دیا،

ہر شہر مین خوب غور سے دیکھئے تو یہ عنصر فاسد ہر جگہ وہی ملے گا جو بریلی کے دار التکفیر سے متاثر ہے، کیا عجیب بات ہے کہ آج مذہب کے نام سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین جو بدعتین ہو رہی ہین ان کو بعینہ حنفیت کے مرادف سمجھا جاتا ہے حالانکہ مذہب حنفی تمامتر اُن سے پاک ہے، مگر ان عالم نما جاہلون اور اُن کے بے علم معتقدونکو کون سمجھائے کہ ان کے نزدیک ان کے عہد سے پہلے کا ہر لکھا ہوا ورق صحیفۂ اسلام کا ہمپایہ اور دین محمدی کا اساس ہے، آج ہر بدعت جو مذہب مین پھیلی ہے اسکو فقہ حنفی کا خاص مسئلہ سمجھا جاتا ہے اور جو اُس کو غلط کہے وہ وہابی اور فاسد العقیدہ ہے اعوذ باللہ من ھذا الجھل،

میری خاموشی نے جو عین حکم قرآنی کی تعمیل تھی کہ واعرض عن الجاھلین اشتہار بازون کو شرمندہ کر دیا، اور انھین معلوم ہو گیا کہ اسلام کے خادمونکا کیا شیوہ ہونا چاہئیے، مین نے اپنی ایک تقریر مین اپنے مفتیون کے فتوی کے جواب نہ دینے کا سبب ان لفظون مین دیا تھا کہ "مجھے کافرون کو مسلمان بنانے سے فرصت نہین جو مسلمانون کو کافر بناؤن" اس جواب کی سچائی ایک خاص واقعہ کی بنا پر ہمارے مخالفون پر بھی روز روشن کی طرح ثابت ہو گئی، اور انھون نے تسلیم کیا، و للہ الحمد،

ناشکری ہوگی اگر مین مدراس کے احباب کا شکریہ نہ ادا کرون، مدراس کے تعلیمی قومی ہیرو سیٹھ حمید حسن صاحب

بی اے ایل ایل، بی (علیگ) جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب، مولانا محمد صدیق صاحب بہاری مبلغ جمعیۃ دعوت و تبلیغ، جناب ایم جمال محمد تاجر چرم، سی عبد الحکیم صاحب، سید جیلانی صاحب، جناب مدیکار عبد العزیز صاحب، جناب اُد، پی، عبد الکریم صاحب، کے حاجی محمد عمر صاحب اور جلال حاجی عبد الکریم صاحب، برادرم مولوی نذیر حسین صاحب برادر زادہ مولانا عبد القادر صاحب قصوری، اور شیخ دوست محمد صاحب پنجابی آخر مین اپنے دو حریف فن افضل العلماء، پروفیسر عبد الحق ایم اے اور شمس العلماء مولوی عبد الرحمن صاحب شاطر مصنف اعجاز عشق کی مہربانیوں کا شکرگذار ہون جنھون نے ہمیشہ مسافر نوازی کا حق ادا کیا،

ایم جمال محمد صاحب جو ان خطبات کے اصلی محرک تھے، وہ مدراس کے ایک روشنخیال شریف اخلاق، فیاض اور عدہ جہ متواضع تاجر ہین، دیگر متفرق عطیون کے، اسو ماہوار وہ صرف تعلیمی درسگاہون پر اپنے پاس سے صرف کرتے ہین مجھے خوشی ہے کہ میری تحریک پر انھون نے پچاس روپیہ ماہوار بمد وظائف دار العلوم ندوۃ العلماء کے لئے بھی مقرر کر دیا ہے جزاہ اللہ خیرًا، ارکان ندوۃ العلماء دل سے اون کے شکرگذار ہین،

مدراس نے ندوۃ العلماء کی ہمیشہ مدد کی ہے، دار الاقامہ کی مد مین بھی اس نے کچھ دیا ہے، مگر مین اپنے اس سفر کے معاوضہ مین دار العلوم مین ایک مسجد کی تعمیر کا خرچ احباب مدراس سے وصول کر کے چھوڑونگا۔ ہمارے [illegible] کرمفرما حاجی جمال عبد الکریم صاحب کو اپنا وعدہ یاد رکھنا چاہئے، سی عبد الحکیم صاحب بھی امید ہے کہ وہ اپنے اکھنڑا کا وعدہ فراموش نہ کرین گے،

مولوی عبد الرحمن صاحب شاطر کو لوگ ان کے اعجاز عشق کے سبب اکثر جانتے ہونگے، وہ شاعر اور فلاسفر ساتھ ہین، وہ اتفاق سے اسٹیشن پر میری مشایعت کی غرض سے جب پہنچے تو گاڑی چل چکی تھی، مگر انھون نے فلسفیانہ ذہانت کی رفتار کو تیز کر کے فلسفہ کے دامن پر داغ لگانا نہ چاہا، اسلئے انھون نے شاعری یہ کی کہ اپنے بھیجے سلمہ ستارے کا ہار جو ان کے شعرون کی طرح نظم تر یا تھی اپنے ہاتھون سے اس گنہگار گلے مین نہ ڈال سکے، تو اسکو ڈاک سے بھیجکر میری عزت افزائی کی،

مدراس مین جو سب سے عجیب چیز دیکھی وہ ایک "شاعری کا گھرانا" تھا، شاطر صاحب کے والد مرحوم فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے شاطر صاحب خود اردو اور فارسی کے برجستہ گو شاعر ہین، انکی اہلیہ محترمہ اور انکی دو صاحبزادیان بھی فارسی کی شاعرہ ہین شاطر صاحب [illegible]

کی کہ مین ان خواتین کو مصرع طرح دون، چنانچہ اپنی واپسی کی مناسبت سے حافظ شیراز کا یہ مصرع زبان پر آیا،

بہ شہر خود روم و شہریار خود باشم،

دو تین گھنٹہ کے بعد انکی اہلیہ نے اس پر تین شعر، اور انکی چھوٹی صاحبزادی نے پانچ شعر کہکر بھیجے، مین دیکھکر دنگ رہ گیا، بڑی صاحبزادی نے ایک اور طرح امتحان دینا منظور کیا کہ نثر مین کوئی واقعہ ان کے حوالہ کردن، وہ اسکو نظم کردینگی مین نے سیرۃ النبی حصہ دوم سے حضرت جابرؓ اور انکے یہودی قرضخواہ کا واقعہ نکالکر دیا، تھوڑی دیر کے بعد انھون نے اوس واقعہ کو شاہنامہ کی بحر اور زبان مین مثنوی کے دس پندرہ شعر مین نظم کرکے بھیجدیئے، نثر مین پہلا فقرہ یہ تھا "حضرت جابرؓ روایت کرتے ہین" انھون نے نظم مین ادا کیا،

روایت کند جابر نامدار

آج ہندوستان مین عورتون کی نفس فارسی تعلیم کمیاب ہے، پھر فارسی مین شعر کہنا اور اس طرح فی البدیہہ شعر کہنا کس درجہ حیرت انگیز ہے، اور یہ سب پرانی طرز تعلیم کے ساتھ انجام پایا ہے، بارک اللہ فی بیت العلم ھذا،

دار العلوم ندوۃ العلما کی امداد کے سلسلہ مین خوست کولری بلوچستان کے پرجوش مسلمانون کا پہلے بھی ہم شکریہ ادا کرچکے ہین، اور آج یہ نادر موقع پھر ہاتھ آیا ہے، خوست کولری انجمن کے صدر مسٹر اوسوال منٹو کی طرف سے دوسو اکتیس ۲۳۱ روپیے پھر وصول ہوئے ہین، ہم بصدق دل ان محسنون کا شکریہ ادا کرتے ہین،

نگار بھوپال کے کسی پچھلے پرچہ مین "خطا کے شہزادے" کے عنوان سے کسی "اہل خطا" کا مضمون شیعی نقطۂ نظر سے نکلا ہے، جسمین ایک مجنونانہ طرز تکلم مین اہل سنت کی کتب حدیث، اور امام اہل سنت حضرت احمد بن حنبل، اور سیرۃ نبوی کے ایک بیان اور اس کے مصنف مرحوم پر بیباکانہ حملے کئے گئے ہین، نفس تنقید مین کوئی برائی نہین، لیکن جس شیطانی طرز تحریر مین وہ مضمون ادا ہوا ہے وہ سخت قابل افسوس ہے، اگر یہ مضمون برطانی ہند مین چھپتا تو یقیناً وہ برطانی قانون مطابع کی زد مین آتا، مگر نہین معلوم اس بارہ مین ریاست بھوپال کے کیا قواعد ہین، مدیر نگار نے ایک خاص شان سے وعدہ کیا ہے، کہ ایک مہینہ کے انتظار کے بعد وہ بالآخر خود اس پر قلم اٹھائین گے،

معارف بھی اس سلسلہ مین کچھ عرض کریگا، مگر نگار کی نگارش دیکھکر: شاید کہ وہی کافی ہو،

نظم ملت

مسلمانون کی پراگندگی اور ان کی پریشان خیالی کی جو داستان اگست اور ستمبر کے پرچون مین لکھی گئی تھی، وہ میرے اتفاقی سفر کے باعث رک گئی تھی، پچھلے دو سلسلون مین دکھایا گیا تھا کہ اس وقت دنیائے اسلام منتشر اور پراگندہ گھرانون کا مجموعہ ہے، جن مین کوئی رئیس بیت نہین، اور اسکا علاج صرف خلافت اور امامت کبری کے منصب کا قیام ہے، لیکن اس منصب کے قیام سے مقصود محض لفظی خلافت اور امامت کا اعادہ نہین، بلکہ معنوی طور سے اس کے اصلی مفہوم مین، مسلمان قومون کی جمعیت کی ریاست اور سرداری ہے، مگر یہ خوب سمجھ لیجئے کہ اس معنوی خلافت و امامت یا مسلمان قومون کی جمعیت کا قیام اوس وقت تک لفظی ہی رہیگا، جب تک تمام مسلمان قومین علحدہ علحدہ مستقل طور پر خود اپنے ملک کے اندر منتظم اور شیرازہ بند نہ ہون، کسی دھاگے مین ایک امام کے باندھنے سے تسبیح نہین بن سکتی، جب تک اس کے سب دانے بھی اوس دھاگے مین پروئے ہوئے نہون،

اس وقت دنیائے اسلام مین دو قسم کی قومین ہین ایک وہ ہین جہان اونکی آبادی کی کثرت ہے، اونکی ملکی تنظیم خود اُن کی قومی تنظیم کے مرادف ہے، ایسے ملک دو قسم کے ہین، ایک تو وہ ہین جو حقیقت مین خودمختار اور آزاد ہین، جیسے ترکی، ایران، افغانستان، یمن، نجد، وغیرہ، ان کو اپنی مضبوطی اور ترقی کی کوشش کرنی چاہیے دوسرے وہ ملک ہین جو برائے نام قومی خودمختاری یا اپنی حکومت رکھتے ہین، جیسے مصر، عراق، شام، حوران

مراکش، تونس، بخارا، آذربائجان وغیرہ، روسی ممالک، انکو حقیقی آزادی اور خودمختاری کی کوشش کرنا چاہیئے، تیسرے وہ ملک ہین جہان گو مسلمانون کی کثرت ہے، مگر ان کو سیاسی آزادی نصیب نہین وہ غیر قومون کی محکوم اور ماتحت ہین، جیسے ملک کاشغر چین کا ماتحت ہے، الجزائر فرانس کا ماتحت ہے، جاوا ہولینڈ کا ماتحت ہے ان ملکون کو اپنی سیاسی آزادی حاصل کرنا ہے اور اس کے بعد مسلمان قومون کی جمعیت مین وہ داخل ہو سکتے ہین، چوتھے وہ ملک ہین جہان گو مسلمانون کی تعداد ہر ایک اسلامی ملک سے زیادہ ہے تاہم ان کو اپنے ملک مین اکثریت حاصل نہین، ایسے بدقسمت ملک دنیا مین صرف دو ہین **ہندوستان** اور **چین**، ان دونون ملکون کی سیاسی اور ملکی آزادی وہان کے مسلمانون کے لیے بھی گو حد درجہ ضروری ہو تاہم ملکی حالت کے اختلاف کی بنا پر ان دونون ملکون کی سیاسی اور ملکی آزادی، اس ملک کے مسلمانون کی تنظیم کے مرادف اور ہم معنی نہین ہو سکتی، اسی لیے ہندوستان و چین کے مسلمانون کو اس مسئلہ پر تمام دنیا کے مسلمانون سے زیادہ اپنا وقت اور اپنی ہمت صرف کرنی چاہیئے،

یہ کوئی چھپا راز نہین کہ آئندہ ہندوستان کی حکومت کی کوئی سی بھی شکل ہو، وہ خواہ ایک آزاد حکومت زیر سایۂ برطانیہ ہو، یا بڑھکر ایک آزاد جمہوریہ بن جائے تاہم وہ کوئی اسلامی حکومت نہ ہوگی، اور اسکی ملکی تنظیم مسلمانون کی ملی تنظیم کے قائم مقام نہین ہو سکتی، اسلیے یہ حد درجہ غور کے قابل حقیقت ہے،

ہندوستان مین ہمارے محترم دوست ڈاکٹر سیف الدین **کچلو** اور ان کے رفقا نے **تنظیم** کے نام سے ایک آل انڈیا مجلس کی بنیاد ڈالی ہے، جہان تک اس کے اصول و مقاصد کا تعلق ہے کوئی عقلمند مسلمان اسکی مخالفت نہین کر سکتا، لیکن ہم اپنے دوست کی خدمت مین یہ عرض کرنا چاہتے ہین کہ جس چیز کو وہ تنظیم سمجھ رہے ہین وہ حقیقت مین تنظیم کے فروع ہین، اصل نہین، شاخین ہین، جڑ نہین، اوصاف و عوارض ہین، جوہر نہین، وہ تنظیم کے نتائج کا رہین تنظیم کا رشتہ نہین، اسلامی فرقون مین مصالحت کا پیغام نیا نہین یہ **ندوۃ العلما** کی پرانی آواز ہے جس پر اوسکو کفر کی سندین ملین، یتیمون اور بیواؤن کا انتظام، مسجدون کی نگرانی، مسلمانون کے اقتصادیات کی اصلاح، مدرسون اور مکتبون کا اجرار اور اسی قبیل کی چیزین تنظیم کے عملی کام ہین، مگر خود تنظیم نہین، تنظیم کے

بغیران کاموں کو انجام دینے کی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے بنیاد کے بغیر دیوار کھڑی کرنا، بلکہ دیوار کے بغیر چھت ڈالنا ہے،

جیساکہ ہمارے دوست اپنی تقریرون مین کہا کرتے ہین کہ وہ تنظیم کے نام سے کوئی نیا پیغام نہین لائے ہین، بلکہ وہی ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کا پیغام ہے جو دوبارہ سنایا جارہا ہے، یا اب یاد دلایا جارہا ہے، واقعہ یہی ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے والی تنظیم کیا تھی؟

کم از کم میرے لئے تنظیم کا تخیل نیا نہین ہے، اس وقت جب ہمارے رہبرون کی وہان تک نگاہین بھی نہ تھین، اسی معارف کے صفحات پر آج سے نو سال پہلے میرے خیالات اوس وقت ظاہر ہو چکے ہین، جب مسٹر مانٹیگو کی تشریف آوری کے موقع پر فرنگی محل کی دعوت پر علما کا وہ شاندار اجتماع محلسرائے فرنگی محل مین ہوا ہے، جس مین علمائے اسلام کی طرف سے یہ سوچا جارہا تھا کہ حکومت سے ہمارے کیا مطالبات ہون، اور سنا ہے کہ یہ طے پایا تھا کہ یہ مطالبہ کیا جائے کہ شرابی اور غیر پابند شرع مسلمان کونسلون کے ممبر نہ ہوسکین، اس مقالہ کا عنوان "مسلمانانِ ہند کی تنظیم مذہبی" ہے اس مین ظاہر کیا گیا تھا کہ جس طرح اسلام کے تمام دور مین، اور خود ہندوستان کے اسلامی عہد مین، اور اس وقت بھی اکثر اسلامی ملکون مین ایک امور مذہبی کا صیغہ صیغہ ہائے حکومت کا ایک جزء تھا، رہا ہے، اور ہے، اسی طرح حکومتِ ہند آج بھی شعبۂ اسلامیہ یا اور کسی نام سے اس صیغہ کو قائم کرے، اور تمام دوسرے صیغون کی طرح اس کی بھی یہ ترتیب اور مقام دار شاخین قائم ہون، اور اس کے ماتحت ہر جگہ مسلمانون کے مذہبی مقدمات طلاق، نکاح، فسخ، وراثت وغیرہ طے ہون، اور مدرسون مکتبون اور اوقاف کا انتظام اور مساجد اور ان کے امامون اور موذنون کی دیکھ بھال سپرد ہو، وہ زمانہ اور تھا، حالات اور تھے، اب زمانہ نے پلٹا کھایا ہے، ترک موالات کی خلیج حائل ہے، اب قومین حکومت کی مدد کے بغیر اپنا کام آپ کرنے کے لیے آمادہ ہورہی ہین، اور اس خیال سے کہ گذشتہ مجوزہ طریقہ تنظیم مین جہان بھلائیان تھین وہان یہ بھی ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ قوم کے گلے مین غلامی کا ایک اور نیا سنہری طوق پڑ جائے اور سرکاری علماء کی تعداد مین اور غیر معمولی اضافہ ہو جائے اس تجویز کے آگے بڑھانے مین ہمیشہ خطرہ رہا،

مسلمانوں کی حقیقی، اصلی اور جوہری تنظیم وہی ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے قائم کیگئی تھی، اور وہ یہ ہے کہ ہر ایسے ملک مین جہان مسلمانوں کی حکومت نہین، اور اکثریت بھی نہین، ایک امارت یا امامت قائم کیجائے خاص قواعد شرعی کے ساتھ انتخاب ہو، اس کے لیے ایک مجلس شوری ہو، اور تمام افراد اس کے ہاتھ پر شرعی بیعت کرین، اور اس کے ہر شرعی حکم کو ایک حکومت کے حکم کی طرح واجب التعمیل سمجھین، جس کا مخالف مذہبًا عاصی اور گنہگار، اور ملت کے رشتہ سے کٹ جانے والا ہوگا،

بدبختی یہ ہے کہ ہم یورپ کے خیالات، افکار اور طریقۂ کار سے اس قدر متأثر ہوگئے ہین کہ جب ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہین، وہی خیالات، وہی اصطلاحات اور وہی صورت حال ہمارے سامنے آجاتی ہے جب ہم اپنی قوم کی شیرازہ بندی کرنا چاہتے ہین، تو انھین کی بتائی ہوئی تدبیر ہم کو سوجھائی دیتی ہے، آزادی سے انھین کی آزادی سمجھ مین آتی ہے، ارگنزیشن، اور ڈسپلن سے انھین کا لفظی ترجمہ تنظیم و ترتیب باقاعدگی خیال مین آتا ہے،

امت محمدیہ کی تنظیم خود بانی امت کی تعلیم کے مطابق ہونی چاہئے، سرکار امت علیہ السّلام نے سب کچھ بتایا ہے، اور کرکے دکھایا ہے، اسی کی تلاش اور جستجو کی ضرورت، اور اسی بنیاد اور اساس پر اپنی لوٹی اور شکستہ دیوار کے درست کرنے کی حاجت ہے، حضرت سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کا جب ظہور ہوا تو عرب کی قوم ہم سے زیادہ منتشر اور پراگندہ تھی، ہم سے زیادہ عداوتوں اور دشمنیوں مین مبتلا تھی، ہم سے زیادہ بدحال اور خستہ وخراب تھی، لیکن حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہدایت اور کوششوں سے اور جناب باری عزاسمہ کی توفیق سے اس طرح متحد، منتظم اور یک رشتہ ہوگئی، کہ کانّہ بُنْیَانٌ مَّرْصُوصٌ گویا کہ یہ ایک دیوار ہو جس مین سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا ہے، اور اوکی سب اینٹین جڑکر ایک ہوگئی ہین، یعنی اونکی فردیت فنا ہوکر جماعت کا جزو ہوگئی ہے،

جسکو ہم تنظیم کہتے ہین، اس کا شرعی نام جو محمد رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے نکلا ہے، وہ جماعت ہے تنظیم کرنے کو "جمع" یا "جمع کلمہ" اور تنظیم ہونے کو اجتماع یا اجتماع کلمہ کہا گیا ہے، اس جماعت کے صدر یا رئیس کا نام امام وامیر اور اس کے ارکان مشورہ کا نام اولوالامر ہے، ڈسپلن کا شرعی نام جسکی تاکید محمد رسول اللہ صلعم نے کی ہے، اطاعت

اور آزادی کے اظہار کا نام قول حق ہے، اگر ہم مسلمانوں کی تنظیم اور شیرازہ بندی کرنا چاہتے ہین اور یقیناً مسلمانون کو زندہ رہنے کے لیے اس تنظیم کی حاجت ہو، بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ بغیر اس کے ہیئت اسلامیہ کا وجود ہی نہین ہو سکتا آج ہمارے سینکڑون کام ہین، ہر کام کے لیے ایک ایک عالمگیر مجلس یا انجمن ہمنے قائم کی ہو، قوم پر اثر رکھنے کے لیے تاکہ ان کے کامون کے لیے ان کو روپیہ ملتا رہے، آج ہر شہر مین ہر اسلامی مجلس اور انجمن دوسری مجلس اور انجمن سے ٹکرا رہی ہے ہمارے ہر کام کی ابتدا گداگری سے ہوتی ہے اور کم از کم دو تین نسلین اینٹ چونے کی عمارت اور فراہمی سرمایہ مین کھپ جاتی ہین اور کارکنون کو اصلی کام کا موقع یا ملتا ہی نہین یا کم ملتا ہے، اور یہ ہماری تباہی کے اسباب ہین، ان سب کا علاج یہ ہو کہ ہماری ہیئت اجتماعی یا جماعت بندی پوری طرح کیجائے، اس کے بغیر یا ہم صرف منتشر اور بکھرے افراد ہین، جماعت نہین اور اسلیے ہم اس حالت میں کسی جماعت اور کسی قوم کا مقابلہ نہین کر سکتے، یا مختلف مجلسون اور انجمنون مین بٹے ہوئے مختلف ٹولیان ہین، جو خود باہم ہاتھا پائی مین مصروف ہین، مختلف خانوادون اور پیرون کے مرید ہین، جو الگ الگ حصون میں بٹے ہوئے ہین، اور آہ! کہ وہ کیفیت ہو جو قرآن پاک نے کبھی نامسلمون کی بتائی تھی، کہ

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ (حشر) بظاہر تو ان کو ایک سمجھے حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوتے ہین،

امت محمدیہ کی شیرازہ بندی کس دھاگے سے ہو، اور اسکی تنظیم کس رسی سے ہو،

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران) اے مسلمانو! اور خدا کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو، اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا،

اور منع کیا کہ تمھاری زندگی ان دوسری قومون کی طرح نہ ہو جنہین کوئی رشتہ اور نظام نہین،

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (آل عمران) اور ان لوگون کی طرح نہ ہو، جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے اور کھلے کھلے احکام کے آنے کے بعد آپس مین اختلاف کرنے لگے اور انھین کو بڑا عذاب ہے،

آخر نتیجہ یہی ہوا جو ہونا تھا، یہ ہر جگہ ناکامی اور رسوائی، ہر جگہ ناکام اور رگڑائے اور ٹوٹے اور نقصان میں ہیں، نہ انکی جماعت کا کوئی نظم ہے، نہ انکا کوئی اجتماعی کام ہے، نہ قومی عزم ہی، نہ دشمنون پر ان کا رعب ہی، اور اس نتیجہ کو خود قرآن ہی نے ظاہر کر دیا تھا، اور مسلمانون کو اس سے مطلع کر دیا تھا،

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا	اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، اور آپس مین جھگڑا نہ کرو
وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ (انفال)	ورنہ تم سست پڑ جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی،

رسول اللہ صلعم کا جب عرب مین ظہور ہوا تو عرب کا قبیلہ قبیلہ جدا تھا اور جیسے آج تمھارا فرقہ فرقہ جدا ہے، اور ہر فرقہ کا دنیا قبیلہ مقصود اور دنیا کعبۂ امید ہی، آپ کی برکت سے دشمن، دوست مختلف متحد، منتشر مجتمع ہو گئے اور قبائل نے ملت، اور افراد نے امت کا پیکر بدلا، اس نظم اور وحدت کا جو نتیجہ نکلا وہ سب کے سامنے ہی، بعثت محمدی کی برکتون مین سے یہ سب سے بڑی برکت ہی جو قومی حیثیت سے عرب کو حاصل ہوئی، خدا نے اسپر احسان جتایا، اور فرمایا،

وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ	اور اپنے اوپر خدا کے احسان کو یاد کرو کہ تم آپس مین دشمن تھے
بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران)	تو اس نے تمھارے دلون کو جوڑ دیا تو اسکی مہربانی سے تم بھائی بھائی ہو گئے،

اسی نظم و اتحاد سے مسلمانون پر خدا کی نصرت اتری، اور جب اتریگی اسی طرح اتریگی، اسی لیے اس نظم و اتحاد کے پیدا کر دینے کو خدا نے اپنا خاص فعل قرار دیا،

ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ	وہی خدا ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانون کے ذریعہ سے تیری
بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ	مدد کی، اور ان مسلمانون کے دلون کو باہم جوڑ دیا اور اگر تو روے
وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (انفال)	زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتا تو ان کے دلون کو نہ جوڑ سکتا لیکن خدا نے ان کو جوڑ دیا، وہ زبردست حکمت والا ہے،

اس نظم و اتحاد، تالیف اور اجتماع کے پیدا کرنے کی اوس زبردست حکمت والے نے تدبیر کیا بتائی ہے؟ سب سے پہلی چیز اطاعت ہے،

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاذْکُرُوا اللّٰہَ	اے مسلمانو! جب کسی گروہ سے مقابلہ آپڑے تو خدا کو بہت یاد

كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَأَطِيعُوا اللهَ وَ	کیا کرو تاکہ تم کامیاب ہو، اور خدا کی اور اس کے رسول کی
رَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ	اطاعت کرو، اور آپس مین نہ جھگڑو، ورنہ پست ہمت ہو جاؤ گے
رِيحُكُمْ (انفال)	اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی،

کسی دوسری قوم سے مسلمانون کو کامیاب مقابلہ کے لیے پہلی شرط خدا کی یاد اور اس پر اعتماد اور بھروسہ ہے، اور دوسری خدا اور اس کے رسول کی اطاعت ہے اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ آپس مین لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرین،

یہ حقیقت سامنے آنی چاہیئے کہ جس طرح رسول کی اطاعت خود خدا کی اطاعت ہی اور رسول کی اطاعت اوسکی اطاعت کے سوا نہین ہے، اسی طرح رسول کے جانشینون کی اطاعت بھی خود رسول کی اطاعت ہی، اسلئے رسول کے بعد ان امرا یا امامون کی اطاعت فرض ہے، جو صحیح طریقہ سے اوسکی نیابت کا حق ادا کرین، قرآن پاک کی اُن تمام آیتون مین جہان رسول کی اطاعت کی تاکید ہے، اگر وہان کوئی قرینہ ایسا نہین ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہان نبوت کی حیثیت ملحوظ ہے، تو وہان رسول کی اطاعت کے ضمن مین اوس کے نائبون اور جانشینون کی اطاعت بھی داخل ہی اور اسی بنا پر احادیث مین امرا اور امامون کی اطاعت مسلمانون پر فرض کیگئی ہے، قرآن پاک کی دوسری آیت مین ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا	اے مسلمانو! خدا کی اطاعت کرو، اور رسول اور اپنے
الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ	سردارون کی اطاعت کرو،

خدا کی اطاعت، رسول کی اطاعت اور امت کے امرا اور امامون کی اطاعت مسلمانون پر واجب ہے، اور یہی ایک صورت مسلمانون کی تنظیم اور شیرازہ بندی کی ہی، اگر خود رسول اللہ صلعم کی حیات مین اولی الامر سردارون اور امامون کی اطاعت واجب تھی تو آپ کے بعد تو اور زیادہ ضروری ہوگی، یہان ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ الرسول اور اولی الامر ایک ہی فعل اطیعوا (اطاعت کرو) کے تحت مین مفعول ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت بعینہ رسول کی اطاعت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اولی الامر کی اطاعت

اسی حالت مین واجب ہی جب کہ اونکا حکم خود رسول کے حکم کی تجدید و تائید ہو،

بعض لوگون نے اولی الامر کے معنی مین اختلاف کیا ہے، مگر یہ تو زبانِ عرب کا لفظ ہے اس کے معنی لغت سے معلوم ہو سکتے ہین، یلی ھذا الامر مشہور محاورہ ہے، احادیث مین سینکڑون دفعہ یہ لفظ ھذا الامر آیا ہے، لیکن اس کے معنی خلافت، حکومت، مسلمانون کی سرداری، اور ریاست کے آئے ہین، حضرت ابوبکر اپنی تقریر مین کہتے ہین کہ یہ اَمْر قریش کے علاوہ کسی اور قبیلہ مین ہوگا، تو عرب تسلیم نہ کرین گے، خود قرآن ایک موقع پر کہتا ہے،

وَاِذَا جَاءَهُمْ اَمْرٌ مِنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ اِلَّا قَلِيْلًا (نساء)

جب ان منافقون کے پاس امن یا خوف (یعنی اچھی یا بری) کی کوئی خبر آتی ہے تو وہ اس کو شہرت دیتے ہین، اور اگر اس خبر کے بارے مین وہ رسول اور سردارون کی طرف رجوع کرتے تو اُن مین سے جو لوگ بات کی حقیقت سمجھتے ہین وہ اسکو سمجھ سکتے، اور اگر خدا کا فضل و کرم نہ ہوتا تو چند لوگون کے سوا تم سب شیطان کی پیروی کرنے لگتے

ان پاک آیتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولی الامر کے کیا معنی ہین؟، یہ ضروری نہین ہے کہ اولی الامر کے معنی صرف قوت قاہرہ اور قوتِ نافذہ والے امراء ہی کے ہون، کیونکہ ظاہر ہے کہ رسول کی موجودگی مین کسی دوسرے کو یہ قوت حاصل نہ تھی، اس وقت رسول کی حیثیت امام اعظم کی تھی، اور دوسرے سردارون کی امام اصغر کی تھی جو اپنے اپنے قبیلون، یا فوج کے دستون، یا درس کی مسندون پر متعین تھے،

اسی آیت مین مسلمانون کی تنظیم اور شیرازہ بندی کا نقشہ بھی ہے، کہ جب دشمن کی کوئی خبر ملے یا اور کوئی اہم واقعہ معلوم ہو تو اس کی اشاعت کی مصلحت کو صرف امامون اور سردارون کے ہاتھ مین سپرد کردینا چاہیئے، اس کی خبر پہلے امامت اور امارت کے مرکزی موقع پر پہنچانی چاہیئے، تاکہ اگر وہ مصلحت سمجھین تو اسکی اشاعت کرین، یا اس خبر کی تحقیق کرین، اور اس تنظیم اور جماعت کے نظام سے روگردانی

نفاق کی علامت اور شیطان کی پیروی ٹھرائی گئی، اور اسی لیے ایسے اشخاص جو اس جماعت کا ساتھ چھوڑ دین اون کو قتل تک کر دینے کی اجازت دیگئی،

ہم نے اوپر کی سطرون مین قرآن کی آیتون سے جو کچھ ثابت کرنا چاہا ہے، وہی احادیث صحیحہ سے ثابت اور واضح ہے، آپ فرماتے ہین،

من اطاعنی اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصی امیری فقد عصانی (بخاری، کتاب الاحکام)

جسنے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی، اور جسنے میری نافرمانی کی، خدا کی نافرمانی کی، اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جسنے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی

آپ فرماتے ہین،

اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبة، (بخاری، احکام)

سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ کوئی حبشی غلام ہی تمپر سردار بنایا گیا ہو جس کا سر سوکھے منقی کی طرح کیون نہ ہو،

پھر ارشاد ہوتا ہے،

من رای من امیرکم شیئا فکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعة شبرا فیموت الامات میتة جاھلیة (بخاری احکام ومسلم کتاب الامارہ)

جو تم مین سے کوئی اپنے امیر سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو صبر کرے کیونکہ کوئی جماعت سے علیحدہ ایک بالشت بھی علیحدہ ہو جائے اور اسی حالت مین مر جائے، تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی

دیکھو یہی جماعت کا لفظ اس حدیث مین قومی نظام کے معنی مین بولا جا رہا ہے، اس بارہ مین سب سے زیادہ صاف اور واضح حدیث حضرت حذیفہ والی روایت ہے، حضرت حذیفہ صحابی کہتے ہین کہ لوگ رسول اللہ صلعم سے خیر اور بھلائی کی نسبت سوال کیا کرتے تھے اور مین شر اور برائی کے بارہ مین دریافت کیا کرتا تھا تاکہ وہ مجھے کہین پا نہ لے، مین نے عرض کی یا رسول اللہ ہم عرب جہالت اور بدی مین مبتلا تھے، خدا اسلام کی یہ بھلائی لایا، توکبھی اس بھلائی کے بعد پھر برائی کا دور بھی آئے گا، ارشاد ہوا، ہان آئے گا، دوبارہ

گذارش کی کہ کیا اس کے بعد پھر بھلائی کا زمانہ آئیگا، فرمایا ہان کسی قدر دل کے بگاڑ کے ساتھ، عرض کی وہ بگاڑ کیا ہوگا، فرمایا کچھ ایسے لوگ ہون گے جو میرے طریقہ کے خلاف چلین گے، اچھی باتین بھی کرین گے، بری باتین بھی کرین گے، گذارش کی، کیا اس اچھائی کے دور کے بعد پھر برائی کا دور بھی آئے گا، فرمایا ہان متفرق لوگ ہین جو جہنم کے دروازون کی طرف لوگون کو بلا رہے ہونگے، جو ان کی بات مانے گا، وہ اس کو دوزخ مین پہنچا دین گے، عرض کی یا رسول اللہ ان کی صفت بیان فرما دیجئے، ارشاد ہوا کہ وہ ہماری ہی قوم کے ہونگے، اور ہماری ہی زبان بولتے ہون گے، عرض کی، حضور! اگر یہ زمانہ میرے سامنے آجائے تو کیا حکم ہے فرمایا، تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم مسلمانون کی جماعت کو اور اس کے امام کو لازم پکڑ عرض کی یا رسول اللہ اگر نہ مسلمانون کی کوئی جماعت ہو اور نہ کوئی ان کا امام ہو تو کیا حکم ہے، فرمایا تو اس وقت ان سب مختلف فرقون کو چھوڑ کر علٰحدہ ہو جاؤ، اگر درخت کی جڑ کھا کر زندگی بسر کرو یہانتک کہ تمکو موت آجائے تو یہ بہتر ہے،

یہ حدیث صحیح بخاری کتاب الفتن اور صحیح مسلم کتاب الامارہ مین ہو کہ یہ حدیث ہماری موجودہ مشکلونکی مختلف گرہون کو کھولتی ہے،

۱ پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ مسلمانون کا نظام وہی اونکی جماعت ہی اور اس جماعت کا رئیس وہی ان کا امام ہے،

۲- اسی امامت کے وجود سے جماعت کا وجود ہی اگر امامت نہین تو جماعت بھی نہین، بلکہ وہ بٹے ہوئے فرقے ہین،

۳- مسلمانون کے تمام قومی اور اجتماعی کام اسی وقت جائز ہین جب پہلے اونکی جماعت کا کوئی امام ہو، اسلئے مسلمانون کی اجتماعی زندگی کا سب سے پہلا کام یہی ہے کہ وہ امام کے نصب و قیام کے بعد ایک جماعت بنجائین،

۴- اگر امامت نہ ہوگی، تو جماعت بھی نہ ہوگی اور جب جماعت نہ ہوگی تو ان کا کوئی کام درست نہ ہوگا،

۵- اسلئے جب مسلمانون مین امام و جماعت نہو تو افراد کو جماعتی کامون کو چھوڑ کر تنہا اپنی ذاتی نجات کی فکر کرنا چاہیئے کہ امام و جماعت نہ ہونے کی صورت مین جماعتی کام کا خیال وقت عزیز کو ضائع کرنا ہے،

بنابرین ان تمام لوگون کو جو مسلمانون کا اجتماعی وجود چاہتے ہین جو ان کے جماعتی کاروبار کو چلانا چاہتے ہین، سب سے پہلے خود مسلمانون کو فرقونکے بجائے جماعت بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اسی کا نام نظم ملت ہے،

اس تخیل پر بعض گوشون سے یہ فقیہانہ اعتراض پیش کیا جاتا ہے کہ کتب فقہ کے دفتر مین کسی ایسی امامت کا وجود نہین جسکے ہاتھ مین احکام کے اجرا کی فوجی اور سیاسی طاقت نہ ہو، سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے مطابق اگر ہم اپنی جماعت بنانا چاہین، تاکہ ہمکو وہ مشروط طاقت حاصل ہو تو پہلے وہ قوت حاصل کرنی چاہیئے جو جماعت کا نتیجہ ہے، یا پہلے جماعت بنانا چاہیئے جسکا نتیجہ قوت ہے؟ اسلام پہلے جماعت بنایا قوت؟ اب اگر اسلام ہندوستان مین قوت سے محروم ہے تو اسکو پہلے قوت بننا چاہیئے یا جماعت؟ آنحضرت صلعم نے ۲۳ برس نبوت کی یعنی مسلمانوں کی امامت فرمائی، مگر ظاہری قوت کی مدت صرف دس برس ہے، تو کیا مکہ معظمہ کے ۱۳ برسون مین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم واجب الاطاعت امام نہ تھے، اور مسلمان آپکے ہر حکم کی بجا آوری کے لیئے مامور نہ تھے کہ آنحضرت صلعم کے دست مبارک مین تنفیذ کی ظاہری قوت نہین، کیا یہ عقیدہ اور یہ استنباط صحیح ہے؟ حبش کے ملک مین مسلمان مہاجرین کی حیثیت ایک جماعت کی، اور حضرت جعفر کی حیثیت ایک نائب امام کی نہ تھی؟ جماعت علت ہے، اور قوت معلول، قوت علت اور جماعت معلول نہین ہے، جماعت پہلے پیدا ہوتی ہے، اور قوت بعد کو، قوت پہلے اور جماعت بعد کو نہین پیدا ہوتی، اور اگر یہ صحیح ہے کہ قوت کے بغیر امامت و پیشوائی اور جماعت کا خیال غلط ہے تو پھر اس باب مین کیا ارشاد ہے کہ محروم القوۃ پیرون کے ہاتھ بیعت جائز ہے یا نہین اور انکی اطاعت واجب ہے یا نہین؟

یہ تو بیچ مین جملۂ معترضہ تھا، اصل یہ ہے کہ مسلمانون کی تنظیم کا اصلی شیرازہ [illegible] کام مرکز ایک واجب الاطاعت شخصیت، اور اس کے ساتھ بحکم وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [illegible] آپس کے مشورے سے ہے) اولو الامر اور ارکان شوریٰ کا وجود ہے کہ خود امام الاولین [illegible]

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ، اور اے رسول یا اے مسلمانون کے امام [illegible]

اس نظم و جماعت کے ماتحت ہمارے تمام کام کسی نزاع کسی تصادم اور کسی باہمی جھگڑے کے بغیر انجام پا سکتے ہین، مسلمانون نے [illegible] سال پہلے اس نقشہ کے مطابق اپنی جماعت، اپنی اطاعت اور مرکزیت کا تھوڑا سا نمونہ پیش کیا تھا اس کا حیرت انگیز نتیجہ انھون نے دیکھا، اگر یہ نقشہ پوری طرح، کامل ہیئت کے ساتھ اور پورے نظام کے ساتھ قائم ہو جائے، تو مسلمان حقیقت مین مسلمان ہو جائین،

اس بحث کے ابھی اور اطراف باقی ہین، اور اس کے متعلق ہم بہت کچھ کہنا چاہتے ہین بشرطیکہ [illegible] سننا بھی چاہین،

فرائض تمدن

بسلسلۂ گذشتہ

از مولوی عبد الباسط صاحب بی اے بھرایونی

جہان ماہرین فلسفہ متفقہ طور پر اس کے حامی ہین کہ نوع انسانی کے تمدن پر اقلیم یا آب وہوا، غذا سرزمین اور مناظر فطرت اپنا کافی اثر ڈالتے ہین وہان یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان مین سب سے زیادہ نتائج جس چیز سے انسانی تمدنی زندگی پر مرتب ہوئے ہین وہ فراہمی دولت ہے، ہر ملک وملت مین جب ایک خاص حد تک دولت جمع ہوجاتی ہے، اس وقت وہ مختلف طریقون سے ترقی کرنا شروع کرتے ہین، خود علم کی ترقی دولت کی افزونی سے وابستہ ہے، جس وقت تک ہر فرد خود اپنی ضروریات زندگی مہیا کرنے مین ہمہ تن مصروف رہے گا، اس وقت تک نہ توکسی کو اعلیٰ ترین مشاغل کا ذوق وشوق ہوگا، اور نہ اوسکی فرصت ملیگی کہ وہ کوئی جدید ترقی کرسکے، اگرکسی سوسائٹی کے تمام افراد اسقدر صرف کردین، جس قدر کہ وہ کماتے ہون تو ان کے پاس کچھ سرمایہ ان لوگون کے لیئے نہیں انداز ہوگا، جو دراصل فراہمی سرمایہ کیلئے فطرۃً ناقابل ہین، لیکن اگر آمدنی خرچ سے زائد ہوگی تو با فراغت لوگون کی ایک ایسی جماعت قائم ہوجائیگی جو زیرکی وفہم اور عقل و دانش مین اپنے سے زیادہ متمدن ممالک سے کسی طرح کم نہ ہونگے اور تھوڑے ہی عرصہ مین ملک ترقی کرتا چلا جائے گا، اس وقت اسکی ضرورت باقی بھی نہ رہیگی کہ تمام اشخاص انفرادی حیثیتون سے علیحدہ علیحدہ رزق رسانی کے لیے محنت کرین بلکہ وہ اپنا وقت اس سے زیادہ کار آمد کام مین صرف کرسکین گے اور علم وعقل کی روشنی مین مختلف طلسمات نیرنگ عالم دیکھ سکین گے، اور اس طرح ایجاد واختراع کا دروازہ کھل جائے گا،

اب ہم اس امر سے بحث کرتے ہین کہ قوانین انسانی اور حقوق الناس متمدن زندگی مین کس درجہ

اثر رکھتے ہین، یہان یہ امر واضح ہوجانا چاہیئے کہ کسی سوسائٹی کی عادلانہ تنظیم کا انحصار صرف اکراہ واجبار پر موقوف ہوتا ہے اسمین سلاطین وقت یا ان کے قوانین مروجہ کو بہت کم دخل ہوتا ہے کیونکہ وہ اقوام جو بالطبع مطلق العنان ہوتی ہین ان کے لیے رعب سلطانی اور قوانین ملک بالکل بے اثر ہوتے ہین، اسی طرح وہ قوم جو اصل معنون مین امن پسند اور عاقل ہوجاتی ہین ان کے لیے بھی قوانین کی فطرۃً کوئی ضرورت باقی نہین رہتی، جو قوانین کہ ایک خاص وقت مین مفید ثابت ہوتے ہین وہی دوسرے وقت بیکار اور بتدریج مضر ہونے لگتے ہین، اس لیے بہترین اصول یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ زندگی کے مختلف شعبوں مین سخت اور قطعی قوانین وضوابط قائم کئے جائین افراد مین اس امر کی کوشش کیجائے کہ ان مین خصائل حسنہ اور اعمال وافعال پسندیدہ پیدا ہون لیکن ابتدا مین ناروا آزادی کی روک تھام کے لیے قوانین کا وجود ضروری ہے چونکہ جس چیز کو لوگ خوف سے کرتے ہین وہ بتدریج عادت ہوجاتی ہے اور پھراسی کو وہ اپنی شوری آزادی سے انجام دینے لگتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ اوّل قانون وجود مین آتا ہے پھر عادت اور پھر نیکی، اصل منشائے قانون لوگون کے حقوق وفرائض کی اقامت اور تنظیم ہے اور یہ دونون چیزین باہم لازم وملزوم ہین، جب ایک شخص کوئی حق رکھتا ہے تو دوسرون پر نہ صرف اس حق کی حرمت فرض ہوجاتی ہے بلکہ ساتھ ہی اس حق کو فلاح عامہ کے لیے استعمال کرنے کا فرض بھی اسی عائد ہوجاتا ہے یعنی حقوق الناس کے یہ معنی ہین کہ رفاہ عام کے لیے اس کو بعض چیزون کا مالک بنا دیا گیا ہے،

حقوق دو قسم کے ہوتے ہین، اول حقوق اللہ دوسرے حقوق العباد یا حقوق الناس، اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ غایت تخلیق اشرف المخلوقات کی بنا یا انتہا صرف ان دونون اقسام کے حقوق کا اپنی زندگی مین کامل طور پر انجام دینا ہے، حقوق اللہ سے وہ حق مراد ہین جو خالق مطلق نے اپنی مخلوق کے ذمہ اپنے متعلق عائد کئے ہین اور ان کی فرضیت نص صریح سے ظاہر ہے ان حقوق کا ادا کرنا ہر فرد انسانی کے لیے خالق کی رضاجوئی کی غرض سے فرض ہے اگر اسکی غایت خوشنودیِ خالق نہ ہوگی تو وہ

حق پورا نہ ہوگا، بلکہ اس کا شمار ریا مین ہوگا،

دوسرے حقوق العباد ہین ان مین سے بعض وہ حقوق جنکا تعلق افراد کو صرف اپنی ذات سے ہوتا ہے اور ان مین سے بعض وہ ہین جو ایک شخص کے ذمہ دوسرے بنی نوع کے حقوق بہ حیثیت نوع انسان مختلف طریقون پر واجب ہوتے ہین، ان مین سے سب سے اوّل ہم ذاتی فرائض کو لیتے ہین، ہر شخص بخوبی واقف ہے کہ ترکیب انسانی دو اجزا سے مرکب ہے اور وہ دونون ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہین ان مین سے ایک جسم دوسرا روح ہے اور باوجود اس کے کہ ان کی طبائع بالکل متغائر ہین لیکن ان دونون مین ایسا عجیب وغریب اتحاد پایا جاتا ہے کہ ایک کے متاثر ہونے پر دوسرا ضرور متاثر ہوتا ہے لہذا ہر انسان پر یہ فرض ہے کہ وہ ان دونون وجودون کی بخوبی حفاظت کرسکے، علامہ لاک بکتا ہے کہ، وہ سعادت وفلاح جس سے دنیا مین فائدہ اُٹھانا انسان کے لیے ممکن ہے اس کے واسطے دو چیزین لازمی ہین اول عقل صحیح دوسرے جسم سالم" یہ دونون نعمتین تمام دیگر نعمتون کی اصل ہین، اور جس شخص کے پاس یہ دونون موجود ہین وہ دراصل بڑا خوش قسمت ہے چونکہ یہی دونون سعادت اور شقاوت کی بنیاد ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو دو قسم کی ضروریات ہوتی ہین ایک روحانی ضروریات جو نفسانی سعادت اور روحانی فلاح کو مستلزم ہین اور دوسری جسمانی ضروریات جو جسمانی سعادت کو مستلزم ہین، اب نفسانی یا روحانی ضروریات تو وہ ہوئین جنکے استعمال مین لانے سے انسانی نفس صحیح سالم اپنے فرائض کی انجام دہی کے قابل رہتا ہے اور جسمانی ضروریات وہ ہین جنکی بدولت جسم تندرست اور ان فرائض کی انجام دہی کے قابل ہو جاتا ہے جو اس دنیوی زندگی مین اس کے ذمہ فرض کیے گئے ہین،

اب ان حقوق الناس مین سے جنکا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے، منجملہ دیگر حقوق کے اہم ترین حقوق، حقوق زندگی، آزادی، ملکیت، معاہدہ اور تعلیم قرار دیے جا سکتے ہین،

انسانی حقوق مین مقدم ترین حق زندہ رہنے کا ہے، اس سے مطلب یہ ہے کہ تکمیل نفس

ایک شخصی چیز ہے، ورنہ اگر اس کو غیر شخصی شے تصور کر لیا جائے تو پھر اس پر شخصی حیات قربان کیجا سکتی ہے لیکن غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جس نفس یا شخصیت کی تکمیل مقصود بالذات ہے وہ دراصل انفرادی نہین ہے بلکہ ایک حد تک اجتماعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض مواقع ایسے پیش آجاتے ہین جہان افراد کی قربانی جماعت کے لئے مستحسن قرار دیجاتی ہے لیکن یہ صورتین دراصل مستثنیات مین سے ہوتی ہین عام طور پر یہ اصول مسلمہ نہین ہے بلکہ عمومی حیثیت سے انسانی فلاح انسانی حیات کے بقا اور تحفظ ہی کی مقتضی ہے اس لئے حرمت حیات کا حق تمام حقوق مین اوّل ہے ،

غیر متمدن اقوام مین اس حق کی حرمت کا لحاظ نہین کیا جاتا اپنے ذاتی فوائد کو ملحوظ رکھکر بچون کو معرض ہلاکت مین ڈالدیتے ہین، اسیران جنگ اکثر تہ تیغ کر دیئے جاتے ہین لیکن متمدن اقوام اس حق کا بہت زیادہ پاس وادب کرتی ہین اور حتی الوسع ان مواقع سے احتراز کرتی ہین جہان اس حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے،

زندگی کے حق کے بعد آزادی کا حق ہے انسان فطری اور خلقی طور پر آزاد پیدا کیا گیا ہے اس کو آزادی کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے کسی ہادی کی ضرورت نہین ہے کیونکہ انسان مین آزادی کا احساس منجملہ ان احساسات کے ہے جسکی طرف انسان فطرۃً مائل ہوتا ہے، یہی وہ آزادی ہے جس کا شعور ہر ذی عقل انسان اپنے نفس مین پاتا ہے، تمام تاریخی واقعات اور حادثات اسی آزادی پر مبنی ہے، وہ کونسی آزادی ہے جس کے حصول کی غرض سے یورپ نے نہایت جانبازی کے ساتھ جہاد کیا ہے اور اپنی عزیز جانین تک قربان کر دین ؛ وہ کونسی آزادی ہے جسکی نسبت ڈیوکو (BE.VEUX) لکھتا ہے کہ "آزادی دنیا کی ہر قسم کی سعادت وفلاح سے افضل ہے" اور جسکی وکٹر ہیگو (VICTOR HUGO) ان الفاظ مین مدح سرائی کرتا ہے کہ "آزادی ایک ایسی ہوا ہے جو نفس انسانی کی زندگی کے لیے ایک ضروری اور لابدی شے ہے"

کیا اس آزادی سے یہ مراد ہے کہ انسان تمام قیود اور ہر قسم کے روابط سے آزاد ہو کر محض بے قید اور مطلق العنان ہو جائے اگر اس آزادی کو اس کے معنی کہا جاتا ہے تو یہ اس لفظ آزادی کا بالکل ناجائز استعمال ہے،

خودسری یا مطلق العنانی کسی حالت مین بھی کسی خوش نظم یا متمدن سوسائٹی مین جائز نہین قرار دیجا سکتی ہے، اس سے تو یہ مراد ہو گی کہ کس جماعت کے ہر فرد کو یہ حق ہو گا کہ وہ جو اس کا دل چاہے کرے، وہ آزادی جس کے اشتیاق مین تمام قومون کے فلاسفر بے چین ہین وہ معتدل آزادی ہے جسکی بدولت انسان اپنی تمام قوتون کو جو قدرت سے اسکو عطا کیگئی ہین بغیر کسی مزاحمت وخوف کے استعمال کر سکے بشرطیکہ وہ ان حدود مقررہ سے متجاوز نہ ہو، جو عادلانہ قوانین نے قرار دیدی ہین کیونکہ اگر ان حدود سے تجاوز ہو گا تو وہ قوم کے دیگر افراد کے لیے مضر ثابت ہو گا، اور اس طرح اصول تمدن کے خلاف ثابت ہو گا اسی معتدل آزادی کے ضمن مین نفس کی آزادی، عقلی آزادی، اور علمی آزادی بھی آسکتی ہین،

حق آزادی کے بعد حق ملکیت ہے، اس آزادی سے جو فرض انسان کے ذمہ عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کو عاقلانہ و عادلانہ طور پر فلاح عامہ کے لیے استعمال کیا جائے، جو اقوام تو اس فرض کی بجا آوری مین کوتاہی کرتی ہین ان کو یہ حق نہین دینا چاہیئے، چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ ابتدائی اقوام مین یہ حق بالکل مفقود ہے، افلاطون کا یہ خیال ہے کہ ایک اعلیٰ نظام حکومت مین تمام چیزین مشترک ہونا چاہئین اس کے نزدیک ملکیت شخصی کا کوئی حق نہین ہے، یہی وہ اصول ہے جسکی بناپر موجودہ زمانہ مین **بالشویک** حق ملکیت کو شخصی ملکیت سے نکالکر ہر فرد بشر پر یکسان مشترک ملکیت مین دینا چاہتے ہین، وہ افلاطون کے اس معنی مین بھی ہم خیال ہین، کہ اقوام مین عقد یا نکاح زن وشو کی رسم محض ایک لغو اور لایعنی شے ہے، توالد وتناسل یا ترقی نسل کے لیے منجملہ دیگر اشیاء کے عورت کو بھی کسی شخص واحد کی ملکیت مین نہ ہونا چاہیئے، اس مشترک یکسان ملکیت سے اقوام کو جو نقصان عظیم پہنچا ہے اس کا اندازہ ان اقوام کی مجموعی

حالت دیکھنے سے بخوبی ہوجاتا ہے جس مین یہ اصول تھوڑے ہی عرصہ تک رائج رہتے ہین،

دیگر اشیا کی مشترکہ ملکیت مین سے جو ایک حد تک ناممکن الوقوع صرف صنف نازک ہی کو لیجئے کہ جن اقوام مین مذہبًا یا رسمًا اس کا رواج ہے وہ متمدن سوسائٹی مین کس نظر سے دیکھی جاتی ہین اگر تعصب سے کام نہ لیا جائے تو انکی نسبت یہ فتویٰ دیدینا ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ وہ دراصل بے حیائی اور بے شرمی کا مجسمہ ہے،

ملکیت کے حق کے بعد ہم "حق معاہدہ" سے بحث کرتے ہین یہ وہ اخلاقی فرض ہے جس سے باہم ایک دوسرے سے جو معاہدہ ہو اسکو پورا کرنے کا فرض انسان کے ذمہ عائد ہوتا ہو، تمدن کے ابتدائی درجات مین معاہدہ دراصل کوئی شے ہی نہین ہوتا اور ایفائے وعدہ سے ہر شخص ناآشنائے محض ہوتا ہے، وہان قوت بازو فیصلہ کن رکن ہوتا ہے ہر وہ فرد جس مین نسبتًا دوسرے اشخاص سے قوت وطاقت زیادہ ہوتی ہے وہ اپنا کام نکال لیتا ہے چنانچہ اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ "جماعتین اپنی طبیعی حالت سے معاہدہ کی طرف ترقی کرتی ہین" جس کے یہ معنی ہین کہ ہر متمدن سوسائٹی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس عہد یا معاہدہ کو جو آپس مین طے ہو ہر حالت مین پوری پابندی کے ساتھ وفا کرے اگر ایفائے عہد کسی سوسائٹی یا جماعت سے مفقود ہوجائے تو اس کے افراد مین اتحاد و موانست ایک منٹ بھی قائم نہین رہ سکتی اور نتیجہ پوری جماعت کی بربادی ہوتا ہے،

اس کے بعد اسی طرح "حق تعلیم" ہے ہم وہ حق مراد لیتے ہین جس کے ذریعہ سے نفس عاقلہ کی تکمیل ہوتی ہے، ایک اعلیٰ نظام اور متمدن سوسائٹی کے لیے یہ صرف تعلیم محض بلکہ اعلیٰ تعلیم ضروری اور لازمی چیز ہے، جس کے بغیر متمدن ہونا بہت دشوار ہے، تمام کتب سیر اس پر شاہد ہین کہ تمام وہ اقوام اور ممالک جو تمدنی ترقیات مین پیچھے ہین وہ ہمیشہ سے تعلیم سے بے بہرہ رہی ہین، غیر متمدن زندگی کے زنگ کو جو چیز صیقل کرکے صاف کرتی ہے اور اس کو ابھار کر متمدن طبقہ سے لاملاتی ہے وہ صرف تعلیم ہے،

اس سے واضح ہوگیا کہ تمام جماعتون کے لیے جو تمدنی زندگی مین فائق ہونا چاہتی ہین یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے افراد کی تعلیم کا اعلیٰ انتظام کرین، آج تمام وہ اقوام جو مدارج تمدن کے ملأ اعلیٰ پر نظر آتی ہین صدیون پہلے سے اپنے افراد کی تعلیم مین منہمک اور سرگردان رہی ہین، جب ان کے نفوس عاقلہ کی پورے طور پر تکمیل ہوچکی تو زمانہ کے متمدن افراد مین شمار ہونے لگی ہین، یہان تعلیم سے مراد کوئی خاص تعلیم مغربی یا مشرقی یا کسی خاص جگہ یا قوم کی نہین ہے بلکہ اس سے مراد وہ تعلیم ہے جسکے ذریعہ سے دماغ نشو ونما پاکر جہالت کی تاریکیون سے نکل جاتا ہے،

ان تمام حقوق الناس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمکو یہ لحوظ رکھنا چاہیئے کہ جس قوم وملت کے ہم فرد ہین اسکی اعلیٰ ترین ترقی اور فلاح وبہبودی کے لیے ہماری زندگی کے نشو ونما کو جو ذرائع اور وسائل درکار ہین ان پر ہمکو پورا پورا حق حاصل ہے اور ان تمام ذرائع اور وسائل کو اسی مقصد کے لیے استعمال کرنا ہمارا تمدنی فرض ہونا چاہیئے،

ترکیب تمدّن

انفرادی ہستیان جب کسی ایک رشتہ مین منسلک ہوتی ہین تو ان کی مختلف صورتین پیدا ہوسکتی ہین، منجملہ ان کے سب سے اول مجموعہ ایک خاندان یا قبیلہ کی صورت مین ظہور پذیر ہوتا ہے، یہ جماعت چند افراد کا باہم رشتہ قرابت سے وابستہ ہونے کا نام ہے اس کا اصل اصول موانست فطری ہوتی ہے اور یہی اس کے قیام کا باعث ہوتی ہے، اس کا مقصد دراصل بیچارگی طفولیت کی حفاظت وخبرگیری اور فطری محبت وموانست کے ساتھ ایک دوسرے سے ربط دائمی ہے، یہ نظام قدرتی طور پر اس خوش اسلوبی سے انجام پاتا ہے کہ کوئی دوسرا نظام ایسا نہین ہوسکتا، ایام طفولیت یا شیرخوارگی مین جو حفاظت یا خبرگیری والدین کرتے ہین وہ کوئی بہتر سے بہتر نظام سلطنت بھی نہین کرسکتا، اسی طرح دوستی کا دائرہ جس قدر کم ہوگا اسی قدر اس مین پائداری اور خلوص زیادہ ہوگا، خاندان کا ایک بزرگ مثل ایک بادشاہ کے

ہوتا ہے اور اس کے خورد سب اس کے احکام کے ماتحت ہوتے ہین حسب مشورہ خاندان وہ تمام امور کی انجام دہی کے لیے حسب مراتب احکام نافذ کرتا ہے اور اس طرح پر تمام خاندانی کام انجام پاتے ہین، اندرونی اور بیرونی تمام معاملات خاندان کے سامنے پیش ہوتے ہین اگر کوئی مسئلہ متنازع فیہ ہوتا ہے تو وہ ہردو فریق کے بیان سنکر بزرگ خاندان کے ہاتھون طے پاتا ہے، سلطنت روم مین ایک بزرگ خاندان کے اختیارات بہت وسیع ہوتے ہین یہانتک کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو قتل کرسکتا تھا گویا خاندان ایک جمہوریت کا نمونہ ہے گو چھوٹے پیمانے پر ہو مگر اصول بالکل یکسان ہین اسی طرح چند خاندان سے ملکر جو ایک جماعت بنتی ہے اس کو قوم کہتے ہین، قوم مین بھی مثل خاندان کے تمام ان حقوق کی بدرجہ اکمل پابندی ہوتی ہے، تمام قوم کا ایک سردار قرار دیدیا جاتا ہے اور اسی کے مشورہ درائے کے مطابق قوم کے تمام مراحل طے پاتے ہین، ہر فرد قوم کا اخلاقی فرض ہوتا ہے کہ وہ تمدنی فرائض کی پابندی کرے، ایک قوم بحیثیت اپنی ذات کے بمقابلہ دوسری اقوام کے متحد ہوتی ہے، بیرونی دشمنون سے محافظت اور اندرونی معاملات کی تنظیم اس کا فرض منصبی ہوتا ہے، جب چند اقوام ملجاتی ہین تو اس سے ایک ملک یا سلطنت کی بنیاد پڑتی ہے اور اس طرح حکومتین اور سلطنتین معرض وجود مین آتی ہین

یہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ خاندانی تعلقات کی بنیاد باہمی فطری محبت پر ہوتی ہے، لیکن اس سلسلہ سے قطع نظر کرکے جب ہم کاروباری زندگی پر سطحی نظر ڈالتے ہین، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہین، چونکہ کاروبار مین صرف باہمی معاہدہ ہی شرط ہوتی ہے اس کو کوئی تعلق فطری جذبات سے نہین ہوتا ہے، وہان تعلقات مربیانہ ہوتے ہین، یہان افسری اور ماتحتی کے تعلقات ہوتے ہین اگرچہ خاندان مین بھی یہی حاکم ومحکوم کا رشتہ ہوتا ہے لیکن نوعیت جداگانہ ہوتی ہے، وہان تو ایک مربی اپنے کمسن متعلقین کی بہ حیثیت مربی تعلیم وتربیت کرتا ہے، یہان صرف ایک معاہدہ ہے جس کیلئے وہ ایک خاص کام کے لیے مقرر ہوتا ہے، اس لیے ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے ایسے قوانین وضوابط مرتب

دیئے جائین جن سے ماتحت لوگون پر تشدد نہ ہو سکے اور حاکم محکوم کو درجہ غلامی تک نہ پہنچا سکین،

زمانہ گذشتہ وحال کا موازنہ ہم کو یہ بتاتا ہے کہ جس قدر زمانہ تمدنی ترقیات مین گام زن نظر آتا ہے اسی قدر خلوص و موانست مین کمی اور بعض رسم ورواج مین ترقی روزافزون ہوتی جاتی ہے، زمانہ سابق مین ایک آقا اور خادم کا باہمی کاروباری تعلق مثل ایک خاندانی تعلق کے ہوتا تھا، جو معاہدہ کاروباری حاکم محکوم مین ہوتا تھا وہ موانست وخلوص کی زنجیر سے مستحکم ہوجاتا تھا، آقا کا اخلاق خادم کے اخلاص پر سیمنٹ کا کام کرتا تھا، یہی وجہ تھی کہ آقا کا برتاؤ مربیانہ ہوتا تھا، اور خادم کا طرزعمل مودبانہ اور مخلصانہ ہوتا تھا، آقا کی خوشحالی اور نیک نامی سے خادم کو دلی مسرت ہوتی تھی، اور اس پر کسی قسم کی مصیبت خادم کے لیے سوہان روح ہوتی تھی، لیکن فی زمانناً یہ واقعات محض افسانہ ہو کر رہ گئے ہین اکثر وفادار خادم اپنے آقاؤن کے لیے اپنی عزیز جانین تک قربان کر دیتے تھے،

اسی طرح استادون اور شاگردون کا برتاؤ مخلصانہ اور مربیانہ ہوتا تھا، شاگرد اپنے اساتذہ کا خیال اپنے والدین سے بھی زیادہ کرتے تھے، ان کے ادب مین اپنی بہبودی و فلاح تصور کرتے تھے کسی خاص علم کے ماہر استاد کی شاگردی کو اپنا فخر جانتے تھے اور صدہا کوس کی منازل پاپیادہ طے کرکے ان کے پاس پہنچتے تھے اور بالآخر ارسطوئے زمان اور افلاطون دوران ہوتے تھے، علمائے سلف کی سوانح اس پر شاہد ہین کہ وہ پہلے شاگردان رشید کو مثل اپنی اولاد کے تربیت دیتے تھے، اور سچے دل سے چاہتے تھے، کہ جو کچھ وہ خود جانتے ہین وہ سب اپنے شاگردون کو ذہن نشین کرادین، یہی وجہ تھی کہ اکثر شاگرد اپنے استاد سے بعض اوقات کسی خاص فن مین زیادہ ماہر ہوجاتے تھے، جن کی قابلیت اور ذہانت پر خود استادون کو بجا طور پر ناز وفخر ہوتا تھا، اور وہ اسکے لیے مایۂ ناز ہوتے تھے، تواریخ وکتب سیر اسکی شاہد ہین کہ اساتذہ اور شاگردون مین جو رشتہ ہوتا تھا وہ بیحد خلوص اور موانست پر مبنی ہوتا تھا، برخلاف اس کے موجودہ زمانہ مین ہر طالب علم یہ سمجھتا ہے کہ وہ کچھ روپیہ خرچ کرتا ہے،

جس کے بدلہ اس کے استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کو تعلیم دیدے اور وہ بھی ایک خاص وقت معینہ پر،
اسی طرح استاد یہ خیال کرتے ہین کہ وہ ایک مقررہ رقم کے عوض، ایک محدود زمانہ تک اپنا کچھ حصۂ وقت
صرف کردین بلالحاظ اس کے کہ اس کا مقصد اصلی حاصل ہو یا فوت، نہ ایک دوسرے کا خیال، نہ ادب نہ
پاس، نہ اخلاص و مودت، نتیجہ یہ ہے کہ شاگرد محض ڈگری یافتہ بے عمل ہوتے ہین،

اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ جب مربیانہ تعلق کسی فطری رشتۂ محبت پر مبنی نہین ہوتا تو اسمین کسی قسم کا خلوص باقی نہین رہتا محض رسمی ضابطہ کی بنا پر
رہ جاتی ہو اور آگے چل کر اس کا یہی نتیجہ ہوتا ہے جو اوپر بیان ہوا ہے، اب اگر کاروباری تعلقات خالص
معاہدانہ حیثیت کے ہونگے تو ایک حد تک ناانصافی کے لیے سدباب ضرور ہو جائے گا اور پھر خود بخود
رفق و وفاداری اور محبت کے جذبات پیدا ہو جائین گے لیکن اگر خود معاہدہ بھی محض رسمًا اور رواجًا ہوگا
تو اس کا اثر بالکل برعکس ہوگا، ضرورت اس امر کی ہے کہ ماتحتی کی سختی اور ناگواری کی صورتون کے کم کرنے
کے لیے معاونت اور اتحاد عمل یعنی تعامل و تعاون کی صورتین اختیار کیجائین تاکہ مودت پیدا ہو،

اگر لوگون کے کاروباری تعلقات کو محض معاہدانہ رکھنا ہے تو ان مربیانہ اور ہمدردانہ فرائض کو جو افراد کے ہاتھو ن
مین نہین چھوڑے جا سکتے ہین ایک خاص جماعت کو من حیث المجموع اپنے ذمہ لینا چاہئے، اگرچہ یہ کام ایک
مرکزی حکومت کا ہے لیکن اس کو ہر شخص خود انجام دیسکتا ہے، مثلًا حفظان صحت کا انتظام وسائل تعلیمی
کی فراہمی، حادثات کی روک تھام بصورت حفظ ماتقدم، اشیائے خوردنی مین میل یا اور قسم کی دھوکہ بازی
کا انسداد، اسی طرح وہ لوگ جو محنت و مزدوری کرنے کی قابلیت بھی نہین رکھتے ان کے لیے ضروریات
زندگی کی فراہمی یہ سب امور تمدنی زندگی کے لیے لازمۂ انسانیت ہین ان تمام امور متذکرہ بالا کو پیش نظر
رکھتے ہوئے ہم اب اس سوال پر غور کرتے ہین کہ آیا کسی قوم کو انفرادیت کی طرف قدم بڑھانا چاہیئے یا اشتراکیت
کی طرف اس مسئلہ پر دو گروہ جداگانہ متضاد رائے رکھتے ہین، جماعت **انفرادیہ** کا یہ خیال ہے کہ
تا امکان افراد کی آزادی کو قائم رکھنا زیادہ اہم ہے لیکن دوسرا گروہ **اشتراکیہ** یہ کہتا ہے کہ اصلی شئے

افراد کے افعال کو فلاح عام کے نقطۂ نظر سے منضبط اور محدود کرنا ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو ان دونون مخالف آرا، کی تطبیق اس صورت سے بآسانی ممکن ہے کہ نہ تو کل کی فلاح بغیر افراد کی فلاح کے ممکن ہے، اور نہ ہر شخص کو انفرادی آزادی بغیر اس شرط کے دیجا سکتی ہے کہ بہ حیثیت مجموعی اس مین کوئی عام فلاح مضمر ہو،

لہذا اب سوال جو کرنے کا ہے وہ یہ ہو کہ کن چیزون مین لوگون کو زیادہ آزادی دینا مستحسن ہے اور کن چیزون مین ان کے افعال کی نگرانی اور تحدید ضروری ہے، بہرحال زمانہ موجودہ عمومی ترقی کے لئے اشتراکیت کا زیادہ حامی نظر آتا ہے اور فی الحقیقت یہی اصل تمدن ہے،

ایک خطبۂ علمیہ

ابو العلاء معرّی کے متعلق مستشرقین یورپ کی غلطیان

(۳)

از جناب مولانا میمن عبد العزیز صاحب راجکوٹی ادیب اورنیٹل کالج، لاہور

عصبیت بہت سے اغلاط مسیحی تعصب یا ملّی منافرت کا نتیجہ ہین، مثلاً

(۲۵) انھون نے ابو العلاء کے غیر معمولی حافظہ کے متعلق جو حکایات مشہور ہین ان کی بلا وجہ تکذیب[1] کی ہے حالانکہ بعض تو روایت و درایت ہر دو اصول پر صحیح اترتی ہین، ایک حکایت کے راوی تو تبریزی ہین جو ابو العلاء کے خاص الخاص شاگرد ہین اور انکی بابت علماے رجال کا یہ قول ہے وکان ثقۃ فیما یرویہ، تبریزی سے سمعانی صاحب انساب راوی ہین جو دو ایک واسطہ[2] سے اُن تک پہنچتے ہین وکلھم ثقات ہمنے اپنی کتاب مین ان سے کہین زیادہ محیر العقول واقعات اصمعی اور امام بخاری کے حافظہ کے متعلق نقل کیے ہین، تو کیا مارگولیوتھ صاحب انکی بھی تکذیب کرین گے،

اکل امرئ الفی اباہ مقصرا   معادٍ لاھل المکرمات الاوائل[3]

امت اسلامیہ اور خاصۃً عرب جس فطری مزیت پر اقوام عالم کو چیلنج دے سکتے ہین وہ یہی غیر معمولی حافظہ ہی

---

[1] م ۱۵۱، [2] یعنی کہ السمعانی عن ابوالیقی عن التبریزی [3] کیا ہر وہ شخص جس کے اسلاف کوتاہ کار ہون کا گذارے اسلاف دیگر لوگون کے فضلے سے صمت نخاصمول لیگا،

جس نے الغیث المسجم کی فصل حفظ وعیان اور نکت الہمیان و مقدمۂ الصبح المنبی کا مطالعہ کیا ہے وہ کیسے ابو العلار

کے حافظ کی تکذیب کرے گا، جسکو اس کے معاصر ابن القارح نے نہ یہی کہ زوردار الفاظ مین تسلیم کیا ہے،

بلکہ اسکی بنا پر ابو العلاء کو ابن خالویہ ابو علی الفارسی اور ابو الطیب اللغوی وغیرہ پر ترجیح دی ہے،

ولم تزل قلة الانصاف قاطعة ❊ بین الرجال وان کانوا ذوی رحم

ہان اگر سرد سیر ممالک مین بباعث کثافت اخلاط وامشاج وغلظ طبیعت ومزاج ایسی نادر مثالین نہ ملین

تو نہ سہی، مگر اس کے یہ معنی نہین کہ دیدہ و دانستہ ان کے فضائل سے انکار کیا جائے، کہ ممالک گرم سیر نے

بحمد اللہ ہر زمانہ مین مافوق العادہ حافظہ کی صدہا درمثالین پیش کی ہین، ابھی کوئی دس پندرہ سال کا عرصہ

ہوا ہوگا کہ اخبارون نے ایک مدراسی لڑکی کا حال چھاپا تھا جس نے قریبًا دس برس کی عمر مین علاوہ چند ویدون

کے سنسکرت کی چند منظوم کتابین بھی ازبر کر لی تھین اور جس چیز کو وہ ایک بار سن پاتی تھی اس کو کبھی نہ بھولتی

اس لئے ڈاکٹرون کے مشورے سے روزانہ اوسکو ایک تنہا کمرے مین بند کر دیا جاتا تا کہ ادھر ادھر کی آوازین

اس کے دماغ کو مشوش نہ کرین، کیا مارگولیوتھ صاحب کوئی ایسا آدمی اپنی قوم مین بتائین گے جس کو

دس لاکھ حدیثون کے برابر نثر عبارت یاد ہو،

(۲۶) کہتے ہین[1] کہ وہ قصہ جس مین یہ ہے کہ جب ابو العلاء اپنی رحلت شام مین لاذقیہ کی طرف سے

گذرا تو ایک مسیحی راہب نے اسلام کی طرف اس کے دل مین کچھ شکوک پیدا کر دیئے جن سے وہ اپنے

تئین تا دم زیست نجات نہ دلیکا، ممکن ہے درست ہو مگر اسلامی روایات مین راہب کا نام اس

درجہ مطعون چلا آتا ہے کہ وہ ہمین اس قصہ کو نگاہ شک سے دیکھنے مین حق بجانب ٹھہراتا ہے،

گویا آپ ایک بدیہی بات کو جو روزمرہ مشاہدہ مین آتی ہے اپنے پادر ہوا استدلال سے

نظری بنانا چاہتے ہین، حالانکہ اس قصہ کا راوی ذہبی ہے اور اغلبًا قفطی سے جو ابو العلاء کا ہم وطن ہے

[1] م ۱۶۱، سطر ۵ بے انصافی ہمیشہ لوگون مین قطع تعلقات کا باعث بنتی ہے خواہ وہ قریبی عزیز ہی کیون نہ ہو،

لزوم مین ایسے صدہا ابیات ہین جو ابو العلا، کی احبار و رہبان سے غیر معمولی واقفیت اور دلچسپی کا پتہ دیتے ہین ملاحظہ ہو میری تالیف نظرۃ فی النجوم من اللزوم، سوا اسلامی روایات کا اس مین کیا قصور آپ اپنی حیات مین جو اعمال کرتے ہین ان کا حقیقی عکس یہان دیکھ لین، ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے،

(۲۷ و ۲۸) داود[1] اور جگھون پر حضرت نے مسیحیت کے عشق مین ایسی باتین لکھی ہین جنکا یہان ذکر کرنا اور پھر رد کرنا ناحق قارئین کے وقت کو ضائع کرنا تھا،

(۲۹) آپ[2] فرماتے ہین کہ ابو العلاء نے اپنی طویل عزلت (۴۰۰ - ۴۴۹ ھ) کو علاوہ تعلیم و تصنیف کے مشغلہ کے شطرنج و نرد کھیلنے مین صرف کیا الخ،

یہ بات بتاتی ہے کہ مارگولیوتھ صاحب نے ہنوز ابو العلاء کو پہچانا ہی نہین ہے، بیشک ثعالبی نے یہ قصہ نقل کیا ہے ملاحظہ ہو تتمۃ الیتیمۃ نسخۂ خطیۂ پیرس جس کے الفاظ یہ ہین کان[3] حدثنی ابو الحسن الدلفی المصیصی الشاعر وہو من لقیتہ قدیما وحدیثا فی مدۃ ثلثین سنۃ قال لقیت بمعرۃ النعمان عجبا من العجب رأیت اعمی شاعرا ظریفا یلعب بالشطرنج والنرد ویدخل فی کل فن من الجد والہزل الخ مگر شاید فی مدۃ ثلثین سنۃ کو بالکل بھول گئے،

ثعالبی کی وفات ۴۲۹ھ مین ہوئی تھی اور یقینی ہے کہ اس نے وفات سے پہلے تتمہ طیار کیا ہوگا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ابو الحسن الدلفی نے ابو العلاء کو قریبًا ۳۹۹ھ مین دیکھا ہو بلکہ اس سے بھی بیشتر، ابو العلاء اس سے زیادہ عاقل تھا کہ اپنی عزلت کے قیمتی وقت کو عبث ضائع کرے، وہو القائل

جنیت ذنبا دالھی خاطری وسن عشرین حولا فلما انبہ اعتذرا

اس غلطی کا محل نمبر ۲۳ کے بعد تھا مگر سہوًا یہان درج ہوگئی،

---

[1] م ص ۵۳۰، [2] م ۳۰، [3] مجھ سے ابو الحسن دلفی نے بیان کیا تھا جس سے مین بہت پہلے اور ابھی بھی کوئی تیس سال کی مدت مین ملا ہون کہ مین نے معرہ مین ایک حیرت انگیز بات دیکھی یعنی کہ ایک ظریف الطبع نابینا کو دیکھا جو شطرنج نرد کھیلتا تھا اور سنجیدگی اور مزاح کے ہر باب مین دسترس رکھتا تھا،

نکلسن کے اغلاط

(۳۰) دائرہ[1] مین لکھتے ہین کہ ابو العلاء بغداد سے واپس آکر ۴۹ سال عزلت گزین رہا اور افکار[2] مین کہتے ہین کہ وہ بعد از رجوع پچاس سال جیا،

حیرت ہے کہ ایک شخص کی دو رزبانین ہون اور دونون باہم دگر متناقض، واقعہ یہ ہے کہ بعد از رجوع وہ ۴۸ سال اور قریبًا ایک ماہ عزلت گزینی مین جیا، اسلیے کہ وہ خود رسائل[3] مین لکھتا ہے کہ مین ۲۴ رمضان سنہ ۴۰۰ھ کو بغداد سے روانہ ہوگیا، سو بظاہر اوائل ذی الحجہ یا اواخر ذی القعدہ مین معرہ پہنچا ہوگا، جہان وہ ربیع الاول سنہ ۴۴۹ھ مین مرا جس طرح تمام مورخین نے بلاخلاف لکھا ہے یعنی صفدی، عباسی، ابو الفداء، یافعی، ابن الاثیر، ابن الانباری، سمعانی، یاقوت، ابن خلکان اور سیوطی وغیرہ نے،

(۳۱) آداب[4] مین ہے کہ وہ ۸۴ سال کی عمر مین مرا، اس قول کی تکذیب کے لیے ہمین جملہ سابق الذکر مؤلفین کی کتب کی ورق گردانی کی ضرورت نہین بلکہ خود نکلسن دائرہ[5] مین اپنے قول کی اس طرح تکذیب کرتا ہے یعنی کہ وہ سنہ ۳۶۳ھ مین پیدا ہوا اور سنہ ۴۴۹ھ مین مرا۔ ظاہر ہے کہ اس حساب سے اوسکی عمر ۸۶ سال کی ہوتی ہو۔ وھو الصواب جس طرح معجم الادبا[6] مین تصریحًا مذکور ہے و عاش ستا و ثمانین سنۃ، ہان مگر یہ یاد رہے کہ مارگیولیوتھ نے ستا کو شیئا لکھا ہے جو ناقابل معافی تصحیف ہے، ابو البرکات عبد ابن الانباری راوی ہین کہ ابوبکر الصولی نے اس حدیث کو جب روایت کیا من صام رمضان واتبعہ شیئا من شوال الخ تو محمد بن العباس نے کہا، ایہا الشیخ یہ نیچے کے نقطے اوپر لگا لیجئے، مگر وہ کچھ نہ سمجھے تو پھر کہا کہ اسکو ستا بنا لیجئے چنانچہ انھون نے بنا لیا، کیا مین مارگولیوتھ صاحب سے بھی یہی توقع رکھون؟ چند کے لیے عربی مین علی العموم لفظ نیف آتا ہے

[1] ص ۷، [2] ص ۴، [3] ص ۳۲، [4] ص ۳۲۳، [5] ص ۵، و ۷، [6] ص ۱۰۰، [7] نزہتہ الالبار ص ۴۳ ، [8] نزہتہ الالبار ص ۲۱۲

نہ کہ شی،

(۳۲) دائرہ[1] مین ہو کہ ابو العلاء ۴۰۰ھ تک معرہ مین رہا اور پھر بغداد جانے کا ارادہ کیا، اس مہمل غلطی کی تکذیب کے لیے مارگولیوتھ[2] کا یہ قول جو عربی تواریخ مین بھی بالاتفاق موجود ہے بہت کافی ہے یعنی ابو العلاء ۳۹۸ھ مین معرہ سے بغداد کی طرف روانہ ہوا اور ۴۰۰ھ مین معرہ واپس آگیا،

(۳۳) دائرہ[3] مین لکھتے ہین کہ سقط کی بہترین شرح خود ابو العلاء کی شرح ضوء السقط ہے اور اس کے شاگرد تبریزی کی شرح بھی لکھی ہے،

اس دعوی کی تکذیب کے لیے مارگولیوتھ[4] کا یہ قول کافی ہے کہ تبریزی کی شرح نہ واحد شرح ہے نہ بہترین اور ابن[5] خلکان کا یہ قول کہ ابن السید البطلیوسی کی شرح خود ابو العلاء کی شرح سے بہتر ہے،

(۳۴) آداب[6] مین لکھتے ہین کہ ابو العلاء کی وفات سے دس سال پیشتر ناصر خسرو معرہ پہنچا اور دائرہ[7] مین ہو کہ ناصر خسرو اسکی وفات سے گیارہ سال پہلے ۴۳۸ھ مین معرہ پہنچا دونون قول متناقض ہین نیز ناصر خسرو رجب ۴۳۸ھ مین معرہ پہنچا ملاحظہ ہو اس کا سفرنامہ[8] یعنی ابو العلاء کی وفات سے دس سال سات ماہ پیشتر، صاحب ذکری[9] کہتے ہین کہ وہ ۴۲۶ھ مین پہنچا تھا اور اس سنہ کو اسماء اعداد مین لکھا ہے اور پھر اس پر اپنے خیالات و مستنبطات کی اونچی عمارتین کھڑی کی ہین، سبحان اللہ یہ خوب! صاحب ذکری تو فارسی نہ جاننے کا خود ہی معترف ہے مگر نکلسن صاحب تو فارسی کے توپروفیسر تھے،

(۳۵) انکار[10] مین ہے کہ ابو العلاء کے زیادہ تر رسائل بغداد سے واپس آن کر لکھے گئے ہین، مین نے بہت غور کیا ہے جس طرح مجھے پہلے مارگولیوتھ صاحب نے بھی کافی زحمت اٹھائی ہے، مگر

---

[1] ۵، [2] م ۴۴، [3] ۷۶ [4] م ۳۵، [5] ۱۰ [6] ۲۷۵، [7] ۳۲۲، [8] ۷۶،

[8] مطبوعہ برلن ص ۱۴ و ۱۵، [9] ۴۲۰، [10] ۸۴،

یہ حکم ہم سے نہین بن آیا، ابو العلاء کے بیشتر رسائل کے متعلق کوئی حتمی حکم لگانا دور از کار ہے، اور پیشتر وپیستر ہر دو قسم کے رسائل کی تعداد تقریباً مساوی ہے،

(۳۶) افکار اور دائرہ مین رہن المحبین کا املا یون ہے Rahnulmahbasyan اور چاہیئے یون Rahnulmahbiyyina یعنی بکسر با،،

(۳۷) کہتے ہین[1] کہ وہ اپنے والد کی وفات کے وقت ۱۴ برس کا تھا، صاحب ذکری[2] نے بھی ایسا ہی لکھا ہے،

مگر قرین قیاس یہ ہے کہ اوسکو تقریباً ۱۵ سال کا فرض کیا جائے بشمول سنہ ولادت یعنی ۳۶۳ھ اس کے والد ۳۷۷ھ مین مرے تھے جس طرح خریدہ اور ادبار مین ہے،

(۳۸) آداب[3] مین ہے کہ ابو العلاء رحلت شام سے واپس آنکر تا رحلت بغداد ۱۵ سال معرہ مین مقیم رہا، انسب یہ ہے کہ ۱۵ سال نوماہ کہا جائے یا تقریباً ۱۶ سال، تفصیل کے لیے ہماری کتاب ملاحظہ فرمائین،

(۳۹) آداب[4] مین ہے کہ وہ اپنی رحلت شام سے بیس سال کی عمر مین معرہ واپس پہنچا، مجھے اس بات کا کوئی ثبوت نہین ملتا بلکہ اوس کا صغار مین ایک سال رہ کر گوشت نہ کھانا جس کے راوی ابن حجر ہین یقیناً اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ۲۰ سال کی عمر کے بعد بھی اپنے ملک مین سیاحت کرتا رہا تھا، بظاہر ۲۰ سال کی عمر کو ختم سفر سے اس لیے نسبت دی ہے کہ خود ابو العلاء رسائل مین لکھتا ہے کہ مین نے ۲۰ سال کے بعد کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہین کئے، مگر یہ استنتاج غلط ہے اس لیے کہ ممکن بلکہ اغلب ہو کہ وہ اس عمر کے بعد بغرض سیر کتب نہ بغرض تعلم سیاحت کرتا رہا ہو،

(۴۰) آداب[5] مین ابو العلاء کے ایک بیت واقع لزوم ۲ ÷ ۲۸۰ از طبعۂ اولی مصر جو لزوم طبعۂ دوم مصر ۲ ÷ ۲۴۲ مین واقع ہے،

[1] افکار ۵۴، [2] ۸۱۴، [3] ۳۱۳، [4] ۳۱۳، [5] ۳۲۴،

غدوت ابن وقتی ما تقضّی نسیتہ　　وماھو آتٍ لا اُحسّ لہ طعما

کا مطلب یہ بتاتے ہین کہ ابو العلار اپنے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ مین اپنے عصر کا (ممتاز) فرزند ہون،

مگر ان کا یہ ترجمہ سراسر غلط ہے، ابو العلار کا خیال یہ ہے کہ انسان کو موجودہ حالات کی بنا پر قیاس

کیا جاتا ہے، مفی ماضی اور آیندہ کے متعلق کوئی حتمی حکم نہین لگایا جا سکتا، ہمارے پاس اس کے ثبوت

مین لزوم کے یہ ابیات ہین،

انت ابن وقتک والماضی حدیث کری　　ولا حلاوۃ للباقی الذی غبرا

خذ الآن فیما نحن فیہ وخلّیا　　غدا فھو لم یقدم وامس فقد مرّا

گویا ابو العلار نے قریبًا ابن الوقت سے وہی معنی مراد لئے ہین جو ڈپٹی نذیر احمد مرحوم نے اپنی ایک

کتاب کو ابن الوقت کے نام سے موسوم کرتے مین، اگر نکلسن صاحب سابق الذکر ہم معنی ابیات

پر غور کر لیتے تو اس غلطی سے بچ جاتے،

مارگولیوتھ اور نکلسن کے مشترکہ اغلاط

(۱۴) مارگولیوتھ لکھتا ہے[1] کہ ابو العلار کا ننھال اور ددیال دونون مذہبی خیالات مین آزاد تھے،

جنکا اثر ابو العلار پر بھی پڑا، اس نظم سے جو صفدی نے نقل کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انھین کی

اقتدار مین حج نہین کیا الخ.

اور نکلسن کہتا ہے[2] کہ یہ حقیقت کہ نہ اس کے والد نے حج کیا نہ اس کے چچاؤن اور ماموؤن نے جنکو

وہ اپنے لیے بطور مثال پیش کرتا ہے اس کے مذہبی معتقدات کی تشکیل مین اہمیت سے خالی نہین،

عصبیت کی اس سے بڑھکر مثال پیش کرنا ناممکن ہے، اس لیے کہ اسی حکایت کو جس مین مندرجہ

ذیل اشعار بھی موجود ہین،

---

[1] م ۱۴۰، [2] انکارہ ۱۴۰،

قالوا هرمت ولم تطرق تهامة فی | مشاة و فد و لا رکبان اجمال
فقلت انی ضریر والذین لهم | رأی رأوا غیر فرض الحج امثالی
ما حج جدی ولم یحجج ابی واخی | ولا ابن عمی ولم یعرف منی خالی
وحج عنهم قضاء بعد ما ارتحلوا | قوم سیقضون عنی بعد ترحالی الخ

خود مار گولیوتھ نے ایک اور جگہ نہایت سخت تمسخر آمیز لہجہ مین بطور تغلیط ٹھکرا دیا ہے،[۱] اور یہان اس کے ایک جزوسے ایک بڑے واقعہ پر استشہاد کر رہے ہین، سبحان اللہ! کیا منصفانہ بدیانتی کی اس سے زیادہ بھدی نظیر کہین اور ملسکیگی؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ قصہ سراسر لغو اور بے ثبوت ہے جس طرح صاحب ذکرے نے بھی اسکی سخت تردید کی ہے اور اس کا اصل ماخذ یعنی سر العالمین للغزالی نہ غزالی کی تصنیف ہے اور نہ کسی عالم کی، بلکہ وہ تو کسی نالائق جاہل کی جو عربی کے دو حروف بھی نہین جانتا گھڑنت ہے، جس طرح مولانا شبلی نے بھی الغزالی مین انکار کیا ہے؛ غزالی ابو العلار کی وفات کے کئی سال بعد عالم وجود مین آئے ہین، مگر اس کتاب مین وہ ایک اور جگہ مدعی ہین کہ خود ابو العلار نے مجھے ذیل کے اشعار سنائے ہین، اس پر طرہ یہ کہ وہ اشعار بشار اور جریر کے ہین جو ابو العلار سے تین سو سال پہلے ہوئے ہین،

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا، | الا یا ایہا الساقی ادر کاسا وناولہا

بیشک ابو العلار نے حج نہین کیا تھا جس کا باعث بظاہر اسکی معذوری تھی، ہم اس مدعی کے اثبات کے لئے لزوم کے چند اشعار پیش کرتے ہین،

اشدت الی ارض الحجاز تحملا | فعاقتک عنہ عائقات الحوائج

---

[۱] تونے حجاز کے سفر کا ارادہ کیا مگر کچھ عوائق مانع ہوئے، تو اپنے خالق کے خوف سے اس ناقہ پر سوار ہو گیا، جو کمان کی طرح خمیدہ ہو گئی، سو اگر تو منی مین پہنچا تو انتہائی تمنا بڑے گناہون کی مغفرت ہو گی، لا م ۱۳۴

من خوف بارئك امتطيت نجيبة — عادت لسيرك مثل قوس البارى

فاذا اوردت منى قنايات المنى — ملقى جرائم فى الحياة كيا سا

کوئی صحیح الذوق آدمی ان ابیات کو پڑھکر یہ نہین کہہ سکتا کہ ابو العلاء اصل حج کا مخالف تھا،

ان یسمعوا ریبة طاروا بها فرحا[عہ] — عنی وما سمعوا من صالح دفنوا

صم اذا سمعوا خیرا ذکرتُ به — وان ذکرت بشر عندهم اذنوا

ہان ابو العلاء ان حجاج کا سخت دشمن تھا جو حج کرکے اپنے اعمال قبیحہ کی فہرست مین بے دھڑک اضافہ کرنے لگتے تھے کہ،

صبح الشیخ ما سروا — بعد ما حج واستلم

سقط الزند مین حجاج کے بدرقہ رو کی زبان سے ایک لامیہ کہا ہے جو بیت ہمتون کو بیت العتیق کی طرف ان الفاظ مین گدگدیان لیکر اٹھاتا ہے،

وسریت تحت المدجنات ممارسا هول الهما

فی فتیة تزجی الی البیت الحرام نعالها

تبغی بمکة حاجة — قدر العزیز مآلها

حتی تقضیت طوافها — سبعا وزرت جبالها

وسمعت عند صباحها — ومسائها اهلالها

تتجو رضا الملك الذی — منح الملوك جلالها[عہ]

عہ اگر وہ میری کوئی برائی سن پاتے ہین تو خندان خندان اسے لے اڑتے ہین اور اگر کوئی بھلائی ہوتی ہو تو اسکو دفن کر دیتے ہین، اگر میرا خیر سے مذکور ہو تو بہرے بنجاتے ہین اور اگر شر سے ہو تو کان دھرتے ہین، عہ اور تو اندھیری گھٹاؤن مین بڑی مشقتین جھیلکر رات تون رات چل پڑا ہی ان جوانون کیساتھ جو بیت الحرام کیطرف پیادہ پا جارہے ہین، تو ایک ضرورت سے مکہ جاتا ہی جس سے مقصد ذات الٰہی ہی، حتی کہ تونے پورے سات طواف کرلیے اور وہان کے پہاڑ دیکھے، اور تونے صبح وشام تلبیہ کی بلند آواز سنی، تیری تمنا اس خدا کی رضا جوئی تھی جس نے بادشاہون کو جلال بخشا ہے،

(۴۲) مارگولیوتھ کہتا ہے کہ ابو العلاء نے قرآن کا چیلنج منظور کر لیا الخ، اور نکلسن آداب مین کہ ابو العلاء کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے مین کلام تھا اسی بنا پر محمدؐ کے چیلنج کو اس نے منظور کر لیا اور ایک برابر کی کتاب طیار کی الخ ان کے علاوہ براؤن نے لٹریری ہسٹری آف پرشیا مین بھی اس خیال کو دہرایا ہے، اور اصل مین یہ زعم فاسد گولڈزیہر نے زیڈ ڈی ایم جی کے مضمون کے ذریعہ تمام یورپ مین پھونک دیا ہے، جسکا ہم اپنے مضمون مطبوعۂ معارف فروری ۱۹۲۵ء مین پورا پورا رد کر چکے ہین، مگر یہان ہم خود ابو العلاء کی شہادت درسنہ ۴۲۴ھ قرآن کے اعجاز کے متعلق نقل کرتے ہین جو الفصول کی تصنیف کے قریبًا دس پندرہ سال بعد کی ہے، ہر ملحد اور مسلم اور گمراہ اور راہرو کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس کتاب نے جو محمد صلعم خدا کی طرف سے لائے ہین اپنے اعجاز کے ذریعہ سب کو مبہوت کر دیا ہے الخ

(۴۳-۴۷) مارگولیوتھ بحوالہ تاریخ الاسلام راوی ہے کہ جب ابو العلاء (۳۸۳ھ مین) شام کی رحلت سے واپس آیا تو اسے ایک وقف مین سے سالانہ ۳۰ دینار ملنے لگے، مگر ذہبی کے اپنے الفاظ یہ ہین، له وقف یحصل منه فی العام نحو ثلثین دینا را قدر منها لمن یخدمه النصف .... واتفق انه عوض فی الوقف المذکور من جهته امیر حلب فسافر الی بغداد

نکلسن نے دو جگہ اسی طرح لکھا ہے مگر آداب مین اتنا اور اضافہ ہے کہ اوسکی بجز ان ۳۰ دیناروں کے اور کوئی آمدنی نہ تھی اور افکار مین یہ ہے کہ شاید اُسکی کچھ اور بھی آمدنی ہوگی جو اس کو بصیغۂ تعلیم حاصل ہوتی ہو، ظاہر ہے کہ یہ دونون قول صریحًا متناقض ہین، مگر اس سے بڑھکر حیرت انگیز یہ تناقض ہے کہ خود افکار ہی مین لکھتے ہین، کہ اُس کو اپنے تلامذہ سے معتد بہ رقوم ملتی تھین، پہلے حوالہ افکار مین "شاید" اور "کچھ" یہ دو مریض لفظ تھے اور دوسرے مین انکی بجائے "معتد بہ" کا زبردست لفظ ہے، حالانکہ دونون حوالے ایک ہی کتاب کے ہین، درحقیقت یہ مارگولیوتھ کی تقلید ہے جو کہتے ہین کہ

لہ م ۳۲ ۵ ۳۱۸ سلہ الغفران ۱۵۰ لکہ م ۱۹ ۵ ۲۱۹ کہ افکار ۱۲۹ دائرہ ۳۱۳ ۱۲۵ م ۴۳

یہ بات کوئی خلاف عادت نہین کہ دور دراز کے طلبہ اپنے استاذ کو اپنی عقیدت کا ٹھوس ثبوت دیئے بغیر واپس نہ جاتے ہون، پھر مارگولیوتھ ایک اور جگہ لکھتے ہین[۱] کہ ابو العلار کی تعلیم قدرتی طور پر زرطلبی کی زندگی کیلئے طیاری تھی، ایک اور جگہ ہے[۲] کہ ہر چند ابو العلار بار بار یہ خیال دہراتا ہو کہ اسکی نظمین صلہ کی طمع مین نہین طیار کیگئین ..... پھر ڈاکٹر ریو سے ناقل ہین کہ سقط کا پہلا قصیدہ سعید الدولہ نبیرۂ سیف الدولہ کی مدح مین ہے الخ یعنی گویا بقول مارگولیوتھ یہ قصیدہ ابو العلار کے طالب زر ہونے کی اول شہادت ہے،

مارگولیوتھ بہت بیتاب نظر آتے ہین کہ کسی طرح ابو العلار کو طامع شعرار کی صف مین لا کھڑا کرین،

مگر تحقیق یہ ہے کہ مذکورۂ بالا رقم ۳۰ دینار تھی جسکا بیشتر حصہ نہ کہ نصف اوس کا خادم لیتا تھا تصریح ابو العلار[۳] مین برخلاف ذہبی کے یہ کہو نگا کہ یہ قلیل رقم اس کو بغداد سے واپس ہونے کے بعد ملتی تھی کہ خود ابو العلا تصریحًا اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ سفر بغداد سے پہلے وہ کچھ ثروت رکھتا تھا[۴] اور ظاہر ہے کہ ۳۰ دینار کو ثروت سے نہین تعبیر کیا جاسکتا، مگر مارگولیوتھ اور نکلسن کی یہ اپنی ایجاد ہے، کہ یہ حقیر رقم اوسکو رحلتِ شام کے بعد سے ملنے لگی تو ذہبی کی عبارت ہرگز اس مفہوم پر نہین دلالت کرتی بلکہ بظاہر اس رحلت سے پہلے بھی اس کو مذکورہ رقم ملتی ہو گی،

رہی یہ بات کہ اوسے اپنے طلبہ سے کوئی اجرت ملتی ہو تو یہ حکم عادات مشرق اور حالات ابو العلار سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے، کیا ابو العلار ان دونون کی طرح کیمبرج اور اکسفورڈ کا کوئی پروفیسر تھا یا متفرق شائقین کو ٹیوشنون پر پڑھاتا پھرتا، نہین بلکہ ابو العلار الٹا اپنے طلبہ کی امداد کیا کرتا تھا، ذہبی راوی ہین[۵] کہ وہ اون طلبہ سے جو اوسکی طرف رحلت کرکے آتے یہ عذر کیا کرتا کہ وہ بے بضاعت ہے اور معرہ کے متمول لوگ تو بخل کے لیے مشہور ہی ہین اور اس بات پر اوسکو سخت تأسف تھا ہین نے

---

[۱] ص ۸۱، [۲] ص ۱۱۵، [۳] معجم الادبار ۱: ۱۰۲، [۴] سقط مع تنویر ۲: ۹۱ امیری بغداد سے واپسی کا باعث علالت والدہ اور فقدان ثروت تھا خدا نے دونون کو میری واپسی سے پہلے زندہ رکھا مگر اوس کے بعد دونون پر موت کا حکم قضا کردیا، [۵] ص ۱۴۰

لزدم مین اسی معنی مین چند ابیات دیکھے ہین،

ینوون فی القوم هذا اسراضه یمن	لوگ میرے پاس آتے ہین ایک یمن کا ہے تو دوسرا
من البلاد وهذا اسراه الطبس	طبس (خراسان کے ایک ضلع) کا، کہتے
قالوا سمعنا حدیثا عنك قلت لهم	ہین ہم نے تمھارا شہرہ سنا ہے، مین کہتا ہون
لایبعد الله الا معشر لبسوا	خدا ملمع کارون کو دور کرے!
اعاننا الله کل فی معیشته	خدا ہم سب کی دستگیری کرے، کہ ہر ایک اپنی
یلقی العناء فدری فوقنا لبس!	گزران مین زحمت برداشت کر رہا ہی، سو آسمان ہمپر برس!
ماذا تریدون لامال تیسر لی	تم چاہتے کیا ہو کہ نہ میرے پاس مال ہے جس کو
فیستماح ولاعلم فیقتبس	مانگو اور نہ علم جس سے مستفید ہو،
اتسألون جهولا ان یفیدکم	کیا تم ایک جاہل سے افادہ چاہتے ہو،
وتحلبون سفیاض عها یبس	اور کیا بے دودھ کی اونٹنی کو دوہتے ہو جس کا پستان خشک ہے
انا الشقی بانی لا اطیق لکم	مین بدنصیب ہون جو تمھاری اعانت نہین کرسکتا،
معونة وصروف الدهر تحتبس	ہان زمانہ کی گردشین تنگ حال کردیتی ہین،

قفطی راوی ہین کہ ایک روز طلبہ نے مل کر ابوالعلاء سے حلب کے تربوز کی خواہش ظاہر کی، ابوالعلاء نے آدمی بھیجکر وہ منگائے جنکو ان سب نے ملکر کھایا اور کچھ حصہ ابوالعلاء کے لیے الگ کردیا جو یونہی پڑے پڑے سوکھ گیا اور ابوالعلاء نے اس کو ہاتھ تک نہ لگایا، یہ حکایت نص صریح ہے کہ ابوالعلاء طلبہ کی امداد کرتا تھا نہ کہ علی العکس، اسی طرح ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (۳ ص ۳۱۵) مین ابوالعلاء کے شاگرد رشید تبریزی سے روایت کی ہو کہ مین دمشق کی جامع مسجد مین خطیب بغدادی سے ادب کی کتابین پڑھا کرتا تھا ایک روز خطیب میرے حجرہ مین آنکر مجھے ۵ دینار دیگئے اور کہا انکی قلمین خرید لانا، پھر ایک مرتبہ اور اسی طرح

قریباً اتنی ہی رقم دیگئے،

مارگولیوتھ اور نکلسن ہردو نے وقف کا ترجمہ کہین ٹرسٹ فنڈ سے اور کہین پنشن سے کیا ہے مگر حقیقت یہ ہی کہ ابو العلار کے چند مکانات تھے جن سے کرایہ آتا تھا اور کچھ زمین جو سالانہ کچھ پھل دیا کرتی تھی جس طرح خود ابو العلار کے اپنے بیانون سے ہمنے اپنی کتاب مین ثابت کیا ہے، ظاہر ہے کہ ایسی آمد پر ہر دو لفظون کا اطلاق مشکل ہے،

یہ قول بھی کتنا بادر ہوا ہے کہ ابو العلار کی تعلیم زرطلبی کے لیے ہو، حالانکہ سینکڑون جگہ وہ اس سے انکاری ہی نیز ذہبی وغیرہ کہتے ہین کہ وہ بڑا عالی ہمت تھا کسی کا احسان نہ اٹھاتا ورنہ اگر شاعری اور مدح خوانی کو ذریعۂ معاش بنانا چاہتا تو اسے یقیناً دنیوی ریاست حاصل ہوجاتی، ہمین ان اسنادون کی بھی ضرورت نہین ہے کہ ابو العلار کی پوری زندگی قناعت کا بہترین نمونہ اور مثال ہے، گویا مارگولیوتھ صاحب اس کو یورپ کی للچائی ہوئی اور مادہ پرست آنکھون سے اپنی طرح جوع البقر مین مبتلا دیکھتے ہین حالانکہ ابو العلار اپنے لڑکپن کے قصائد کے متعلق خود مقدمۂ سقط مین کہتا ہو "مین نے اپنی مدح سے رؤسا کے کانون کو دستک نہین دی' نہ کسی سے صلہ ملنے کی طمع مین یہ تعریفین لکھی ہین، میرا مقصد تو صرف طبع آزمائی اور مشق سخن تھا وبس! اللہ کے ہزار ہا شکر ہین کہ اُس نے قوت لایموت سے میرا پردہ ڈھانک رکھا ہے اور مجھے وہ قناعت بخشی ہے جو میرے لیے ایک بڑی ثروت کے برابر ہے"! کیا یہ دونون صاحبان ابو العلار سے راستبازی مین کچھ زیادہ بڑھے ہوئے ہین، مین مانتا ہون کہ ریو صاحب نے سچ کہا ہے جس طرح سقط نسخۂ پیرس کے عنوان مین ہے کہ اس کا پہلا قصیدہ سعید الدولہ کی مدح مین ہے، مگر اے کاش کہ یہ مدعی اسی قصیدہ کے عنوان پر نظر ڈالتا، جس مین ہے" ولم یکن من طلاب الفوائد "، اور مطبوعہ نسخہ مین من طلاب الفوائد ہے' اس تصریح کے بعد یہ کہنا کہ سقط کی مدائح زرطلبی کے لیے ہین صاف ہٹ دھرمی' مکابرہ اور

عصبیت جاہلیت نہین تو اور کیا ہے یہ اس کے لڑکپن کا بیت ہے،

قنعت فخلت ان النجم دونی — وسیان التقنع والجهاد

(۷۸) دو نو ن صاحب کہتے ہین کہ ابو العلاء کا سفر بغداد تلاش معاش یا قسمت آزمائی یا طلب ملازمت کیلئے تھا، مگر ابو العلاء تو خود بغداد مین اور وہان سے پلٹ کربھی یہ کہہ رہا ہے،

سیطلبنی رزقی الذی لو طلبته — مجھے میری روزی خود ہی ڈھونڈھیگی کہ میرے ڈھونڈھنے

لما زاد والدنیا حظوظ واقبال — سے وہ کسی طرح بڑھیگی نہین، اس لیے کہ دنیا بخت واقبال کا نام ہے

رحلت لم آت قرواشا ازاوره — مین بغداد سے واپس ہوا مین مہذب صاحب البطیحہ اور

ولا المهذب ابغی النیل تقویتا — قرواش صاحب موصل سے روزی مانگنے نہ آیا تھا،

والموت احسن بالنفس التی الفت — اوس شخص کے لیے جو خوگر قناعت ہو بھیک مانگنے

عز القناعة من ان تسأل القوتا — سے تو مرجانا کہین بہتر ہے،

وکم ماجد فی سیف دجلة لم اشم — ساحل دجلہ مین بہت سے فیاض (شریف تھے جنکی بارش

له بارقا والمرء کالمزن هطّال، — کا مین منتظر نہ رہا، حالانکہ وہ ابر کی طرح ریزان تھے،

وافی تیممت العراق لغیر ما — مین اس مقصد سے بغداد نہ گیا تھا جس سے ذوالرمہ بلال

تیممه غیلان عند بلال — بن ابی بردۃ بن ابی موسی الاشعری کے پاس پہنچا تھا،

ناظرین مختار ہین چاہین ابو العلاء کی تصدیق کرین اور چاہین اوس کے مادہ پرست سوانح نگارون کی

له ۱۵۷۰، سقط، ۵۲ م ۲۱ افکار ۷۶ م، آداب ۳۱۳، وغیرہ،

پھر دونون صاحب فرماتے ہین کہ ایسے انکاری اشعار سے تو ابو العلار گویا خود اپنے مقصد کو شکست دیتا تھا، اے سبحان اللہ! شاید آپ نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ہے، ھلا شققت عن قلبہ،

(۴۸) دونون کہتے ہین[1] کہ ابو العلار بغداد سے واپس آنکر تو بحیثیر رہین یعنی مقتنع علی النبات بنا الخ

یہ قول ابو العلار کے اپنے بیان کے خلاف ہے وہ صاف لکھتا ہے[2] "جب ناچیز کی عمر ۳۰ سال کو پہنچی تو اس نے مدۃ العمر کا روزہ اور اقتناع علی النبات شروع کر دیا" یعنی کہ ۳۹۳ھ[3] مین رحلت بغداد سے کوئی ساڑھے پانچ سال پیشتر، اس کے علاوہ ہمارے پاس ایک زبردست بیرونی شہادت بھی موجود ہے، قال ابن حجر انہ بقی فی صنعاء سنۃ لایاکل اللحم یعنی بقول ابن حجر وہ صنعا شام مین ایک سال گوشت خوری سے مجتنب رہا، یہ متفق علیہ ہے کہ وہ بغداد سے واپس آنکر پھر اپنے کنج تنہائی سے کہین باہر نہین نکلا، اسلیے یہ صنعار کی رحلت حتماً قبل از رحلت بغداد واقع ہوئی ہے، یہ غلطی کہ ابو العلار کے جین ازم یا برہمن ازم سے ملتے ہوئے خیالات بغداد سے پلٹ کر بر روئے کار آئے ہین، قریب قریب تمام سوانح نگارون کی مشترکہ لغزش ہے، ہان یہ صحیح ہے کہ ان خیالات کا علم دنیا کو بعد ہی کو ہوا، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے انکی سخت پابندی واپس آنکر ہی کی ہو جبکہ وہ اپنی آئندہ زندگی کے لیے راہِ عمل سوچ چکا تھا،

(۴۹) دونون فرماتے ہین[4] کہ وہ جاتے ہوئے حلب[5] روانہ ہوا،

گمر افسوس کہ خود مسافر انکی تصدیق کرنے کو طیار نہین وہ تو صاف کہتا ہے[6]،

مانکبت حلب فی الابداء والانکفاء الانخ — مین بغداد جاتے اور آتے حلب سے اسلیے روگردان رہا کہ الخ

ناظرین کے لیے یہ بات مایۂ حیرت ہوگی کہ ناشر و ترجمان رسائل ایسا کہے،

(۵۰) رسائل ص۲ مین ہے فیذ تکنیذۃ فنیق النجوم، یعنی کہ ستارون کے سانڈھ کی سی عزلت

---

[1] م ۳۰، و ۲ و ۳ آداب ۵، ۲ دائرہ ۶۰، [2] لزوم ا ۹۹ × ۱، [3] ۳۹۳ھ ۱۲، [4] افکار ۲۶۴، [5] ۔ [6] رسائل ص ۲۹،

اس مین مارگولیوتھ اور نکلسن ہر دو فنیق کو کوئی ستارہ سمجھ بیٹھے ہین[1]،

یہ زعم غلط ہے فنیق نام کا دنیا مین کوئی ستارہ نہین اصل مین فنیق سانڈھ اونٹ کو کہتے ہین

اور چونکہ سہیل تمام ستارون سے الگ تھلگ اور مستبد سا نظر آتا ہے اس لیے اس کو مجازاً فنیق کہتے

ہین، کتاب الازمنہ مین[2] امام ابوعلی مرزوقی چند اشعار دیتے ہین جنمین سے ایک یہ ہے،

شآمیۃ الا سہیلا کانہ　　فنیق عدا عن شولہ وھو جافر[3]

یہ ایک مارگولیوتھ کی غلطی ہے جس کا ذکر پہلے رہ گیا تھا،

(۱۵) داعی الدعاۃ[4] نے مصر سے ابوالعلار سے گوشت خوری کے ترک پر خط وکتابت کی،

یہ صحیح نہین کہ داعی الدعاۃ خود کہتا ہے[5] فلما سمت بی المرامی الی الشام وسمعت ان الشیخ

وفقہ اللہ الخ یہ پوری عبارت کوئی شک کی گنجائش نہین چھوڑتی، صاحب ذکری نے بھی مارگولیوتھ

کی اندھی تقلید کی ہے دیکھو ذکری ص ۶۹،

حیرت در حیرت

یاقوت نے فلک المعانی سے نقل کیا ہے[6] کہ بعض نادان لوگ موت کو خدا کی طرف سے ظلم

خیال کرتے ہین، معری بھی انھین مین سے ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدا نے اس پر داعی الدعاۃ کو مسلط کر دیا

اور دونون مین کچھ رسائل دائر ہوئے جنکا انجام اس پر ہوا کہ داعی نے اس کو حلب مین آنے کے لیے لکھا

تاکہ اگر وہ اسلام لائے تو اُسے بیت المال سے ایک گران قدر رقم دیجائے، جب ابوالعلار کو یہ معلوم

ہوا کہ یا مجھے قتل کیا جائیگا یا جبراً مسلمان بنالیا جائے گا تو خود ہی زہر کھا کر مرگیا،

---

[1] ترجمہ رسائل ۴۳ دانکار، ۱۸، [2] ۲ ص ۳۲۲ و ۳۲۳ و ۳۸۱، [3] وہ سارے تارے شامی ہین بجز سہیل کے (جو یمانی ہے) گویا وہ کوئی سانڈ ہے جو جفتی چھوڑ کر سانڈنیون سے الگ تھلگ ہو گیا ہو، [4] م ۴۴۰ و جرنل آرا ے ایس حاشیہ ۳ ص ۱۴۳ سنہ ۱۹۰۲ء [5] ادبار ۱ ص ۲۰۹، [6] ادبار ۱ ص ۱۹۴،

فلک المعانی ابویعلی ابن الہباریہ کی تالیف ہے، ملاحظہ ہو کشف الظنون، یاقوت نے اس سے جابجا نقل کیا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ ایاصوفیہ لائبریری قسطنطنیہ مین موجود ہے، دیکھو اس کے دفتر مطبوعہ ۱۳۰۴ھ کا نمبر ۴۰۵۰، ابن الہباریہ ایک نہایت گندہ دہن اور بدزبان شاعر ہے، تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ کوئی بھلا آدمی اسکی ہجو سے نہین بچا، دیکھو ابن خلکان وغیرہ، ایسی حالت مین ابوالعلاء کا اسکی مذمت سے نہ بچ سکنا اسکی فضیلت کی دلیل ہے،

واذا اتتک مذمتی من ناقص ۔۔۔ فھی الشھادۃ لی بانی کامل[1]

خیر اس کا تو ہمنے اپنی کتاب مین پورے طور پر رد کر دیا ہے، اسی طرح ابوالعلاء کے زہر کھا کر مرجانے کا، کسی مورخ نے ذکر نہین کیا، اور ابن الہباریہ ثقہ نہین لہذا یہ قول مردود ہے،

اب سنیئے ڈاکٹر طٰہٰ حسین مذکورالصدر قصہ کو غرس النعمہ کے نام سے نقل کر کے لکھتے ہین کہ "اس مہمل واقعہ کی خود یاقوت ہی نے تکذیب کر دی ہے اور حیرت اس پر ہے کہ فرنچ مستشرق سلامون نے یاقوت کی عبارت کا مطلب بالکل نہین سمجھا اور یہ خیال کیا کہ خود یاقوت ہی اس قول کا قائل ہے، اس لیے اس بیچارہ پر ناحق لے دے کی ہے، اگر وہ یاقوت کی عبارت پر ذرا غور کرتا تو اپنے تئین رد کی اس طویل زحمت سے چھڑا لیتا"

ناچیز کہتا ہے کہ بیشک سلمون نے غلطی سے یاقوت کی طرف اس قول کو منسوب کیا، مگر یا حضرت آپ بھی ذرا اپنے گریبان مین منہ ڈالئے، کہ آپ بھی مصیب نہین ہین، بیچارے غرس النعمہ کو اس حکایت سے کیا سروکار، ذرا میرے کہنے سے پھر معجم الادبار کا مطالعہ کیجئے، اور ہان! یہ یاد رہے کہ فلک المعانی ابن الہباریہ کی کتاب ہے نہ کہ غرس النعمہ کی، کیا آپ مجھے اجازت دینگے کہ مین اس مقام پر ہمارے متفقد دوست ابوالعلاء کا ایک بیت پڑھون،

[1] جب تم کو کسی خامکار کی زبان سے میری برائی پہونچے تو وہ گویا میری فضیلت کی پختہ دلیل ہے، [2] ذکری ص ۲۲۵،

وبصیرا لاقوام مثلی اعمی   فھلموا فی حندس نتصادم

راقم کو زندگی مین یہ مشغلہ بالکل نہین بھاتا کہ اورون کی طرح لوگون پر زبان طعن دراز کرکے اپنے لیے راستہ صاف کرے، مگر چونکہ مستشرقین کا عموماً ہمارے ہان آج تک ایک ہی پہلو دکھایا گیا ہے، اس لیے بتقاضائے سنت الٰہی ضرور تھا کہ یہ باب مضامین سے سراسر خالی نہ رکھا جائے، مین اچھی طرح جانتا ہون کہ انسان کا کوئی کام خامیون سے خالی نہین رہ سکتا، اسلیے مین اپنے کو بری بنا کر بازار مصر مین نہین پیش کرسکتا، ہان یہ خیال میرے لیے فی الجملہ مایۂ طانیت ہے کہ حتی المقدور مین نے دعوٰون سے اپنے تئین بچایا ہے نیز یہ کہ اگر خدا کو منظور ہوا تو ہمارے ملک کے مبہوت الحواس مدعیان علم مستشرقین کو آئندہ پھر معصومیت سے نسبت دینے کی جسارت نہ کرسکین گے،

یہی نہین بلکہ مضمون بہت سی انوکھی تحقیقات پر مشتمل ہے اس لیے امید ہے کہ طالبان حق اس کے حقیقی فوائد پر نظر رکھین گے،

الا لیقل من شاء ماشاء انما   یلوم الفتی فیما استطاع من الامر[2]

تصوف اسلام

یعنی

اسلامی تصوف کا عطر، قدما صوفیہ کے حالات اور ان کی تصانیف پر تبصرہ مولفہ مولوی عبد الماجد صاحب بی اے، لکھائی چھپائی عمدہ ضخامت ۲۰۰ صفحہ قیمت عہ،

"منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ"

[1] قوم کا بینا بھی میری طرح اندھا ہی ہے سو آؤ ہم اندھیرے مین باہم دگر سرمارین،

[2] سے بھی جو جس کسی کے جی مین آئے کہڈالے کہ انسان اسی امر مین قابل سرزنش ہوسکتا ہے، جو اس کے بس کا ہو،

ابرق

ہندوستان مین ابرق کے مفاد و مضار

از
مولوی نور الہدیٰ صاحب ندوی متعلم بی اے کلاس کلکتہ

"کلکتہ یونیورسٹی سے طلبہ ہر سال کسی پروفیسر کی نگرانی مین تاریخی اور قابل دید مقامات کی سیر کو بھیجے جاتے ہین،

مولوی نور الہدیٰ صاحب ندوی کو اس تقریب سے کوڈرما ضلع ہزاری باغ کی ایک ابرق کی کان کے دیکھنے کا موقع ملا، موصوف یہ پہلا ہوا تحفہ وہین سے ساتھ لائے ہین، اس مضمون کے پڑھنے سے ایک معمولی گریجویٹ اور ایک عربی خوان ندوی گریجویٹ کے اختلاف نظر اور طریقۂ تحقیق اور طرز ادا اور انشاپردازی کا فرق محسوس کرلینگے" "اڈیٹر"

ہندوستان کی جغرافیائی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر اے اسی اکرجی نے لکھا ہے کہ یہ "دنیا کا نچوڑ ہے"[1] اس زبردست صداقت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ یہان اگر ایک طرف بقول لارڈ مکالے وہ لوگ بستے ہین جو عجیب و غریب ستارون کی پرستش کرتے ہین، تو دوسری طرف وہ قوم بھی آباد ہے جو عجیب و غریب حروف داہنے ہاتھ سے بائین ہاتھ کی طرف لکھتی ہے[2] یہان اگر ایک صوبہ ایسا ہے جس کے باشندے سخت جون کی چلچلاتی دھوپ مین بھی سر ڈھانکنا ضروری نہین سمجھتے تو ایک صوبہ ایسا بھی ہے جس کے بسنے والے کو ہر فصل و ہر موسم مین نصف تھان کی پگڑی باندھے بغیر چین نہین آتا، یہان اگر ایک جگہ ایسی ہے جہان قطب شمالی جیسی سردی پڑتی ہے، تو دوسری جگہ ایسی بھی ہے جہان خط استوا جیسی گرمی، اس کی سرزمین مین اگر ہیرے کی کان ہے، تو کوئلہ کا خزانہ بھی ہے، اگر سونے کی اینٹین مدفون ہین تو لوہے کا گنجینہ بھی ہے، اس کے ایک حصہ مین اگر ڈھائی تولے وزن کا ململ تھان تیار ہوتا ہے، تو دوسرے مین

---

[1] ملاحظہ ہو پروفیسر موصوف کی مختصر تاریخ ہند، صفحہ اول، [2] ملاحظہ ہو لارڈ موصوف کا مضمون "ٹرائل آف وارن ہیسٹنگز"

گزی گاڑھے کی صنعت بھی جاری ہے، اگر کہین ریشمی کپڑون پرستارے کا گنگا جمنی جال بنا جاتا ہے تو کہین سوتی ململ پرچکن کی دستکاری بھی ہوتی ہے، الغرض ہمہ گیری کی پوری پوری شان ہندوستان کی رگ و پے سے نمایان ہے، تپتے ہوئے صحرا، وسیع سمندر، بلند پہاڑ، گھنے جنگل، سرسبز و شاداب کھیت، ہرے بھرے باغ، مختصر یہ کہ اسکی فضائے بسیط کسی چیز سے خالی نہین!

ابرق انھی بے شمار دولتون مین سے ایک ابرک یا ابرق بھی ہے[1]، مگر غالباً عام ہندوستان اب بھی اس سے ناواقف ہو کہ اس کا یہ مخفی خزانہ کیا قیمت رکھتا ہے اور کہان کہان مدفون ہے، حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اور بعض معدنی اشیاء مین ہندوستان مخصوص حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح ابرق کے معادن اور اقسام کے اعتبار سے بھی غیر ممالک کے معاون پر اس کو ایک خاص تفوق حاصل ہے،

کہان کہان پایا جاتا ہے عام طور پر ابرق کے معادن امریکہ، کناڈا، برزیل، آرگنٹائن، پیرو، اسٹریلیا، جنوبی اور مشرقی افریقہ مین پائے جاتے ہین، ان کے علاوہ انگلستان، روس اور جاپان مین بھی اس کا وجود ہے مگر اس سے تجارت نہین ہو سکتی، لیکن ہندوستان ابرق کی دولت مین ان تمام ملکون سے بڑھا ہوا ہے جہان اس کی تجارت ہوتی ہے،

کس طرح پایا جاتا ہے ابتدا مین ماہرین کا خیال تھا کہ ابرق زمین کی سطح سے کچھ ہی نیچے پایا جاتا ہے، اس لئے اس زمانہ مین تقریباً سو سوا سو فٹ کی گہرائی تک پہونچنے کے بعد کان کو بیکار سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا تھا، مگر اب جدید

---

[1] ابرک فارسی ہے اور ابرق عربی اس کے علاوہ عربی مین ایک لفظ "طلق" بھی ہے، صاحب غیاث اللغات فرماتے ہیں "نوعے از سنگ سفید و براق کہ طبق بر طبق باشد، آن را ابرق نیز گویند.... ظاہراً ابرق معرب ابرک است چون در طبق بر طبق بودن با ابر مشابہ است لہذا ابرک بکاف تصغیر اسم آن سنگ شدہ یا آنکہ اسم تفضیل است از برق" بمعنی درخشندگی، بلحاظ درخشندگی اسم آن سنگ شدہ،
قریب قریب یہی عبارت منتخب اللغات کی بھی ہے، مگر صاحب فرہنگ آنند راج ابرق کا ہندی مرادف لفظ بھی بتاتے ہین،

"بپارسی ابرک و بہ ہندی ابھرک خوانند"

اور اس کی تصدیق کشف اللغات سے بھی ہوتی ہے، جس کا ایک نسخۂ قلمی مرقومہ "سنہ یکہزار و یکصد و سی و چہارم ہجری" اس وقت ہمارے سامنے ہے، اس کی یہ عبارت ہے:-

"طلق بفتح طا و سکون لام یکنوع دار دلیست از سنگ کہ بزبان (؟) ابھرک گویند"

تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جس قدر زیادہ گہرائی بڑھتی جائے گی اسی قدر زیادہ بہتر ابرق دستیاب ہوگا اور مقدار میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوگا، اس نظریہ نے ابرق نکالنے کے اخراجات کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے، ڈائنامائٹ کا خرچ لازمی ہو گیا ہے، قیمتی انجن اور دوسری برقی مشینیں منگانی پڑتی ہیں، ان تمام ساز و سامان پر بھی کام کرنے والوں اور معادن کے مالکوں کے لئے مشکلات میں کمی نہیں ہوتی، کیونکہ ابرق کی رگیں[1] کچھ اس طرح واقع ہوئی ہیں کہ وہ بظاہر بغیر کسی سبب کے کہیں تو عمق زمین میں غائب ہو جاتی ہیں اور کہیں پھر ابھر آتی ہیں بعض حالتوں میں یہ چار چار سو فٹ تک نفوذ کرتی چلی جاتی ہیں، اکثر مشاہدے ایسے بھی ہوئے ہیں کہ سو دو سو فٹ کی گہرائی میں ڈوبنے کے بعد ابھری ہیں اور ایسی مثالیں تو بے شمار ہیں کہ تیس چالیس فٹ نیچے جانے کے بعد ان کا کہیں پتہ نہیں

[1] قدرتی طور پر ابرق پتھروں کے اندر پتلی یا موٹی دھاریوں کی شکل میں لوچ کھاتا ہوا پایا جاتا ہے، اسکی شکل بالکل ویسی ہوتی ہے جیسے انسان کے جسم میں رگیں ہوتی ہیں، اسی لحاظ سے اس کو بھی رگ کہتے ہیں،

ملا ہے ان مشکلات کی وجہ سے آج بھی باین ہمہ اسباب و وسائل تمام معدنیات مین ابرق کا کام سب سے زیادہ مشکل
جو سمجھا جاتا ہے نقشہ بالا سے معلوم ہوگا کہ ابرق کس کس شکل مین پایا جاتا ہے۔
ان کے علاوہ بھی ایسی بے شمار رگین ہین جو اپنے پیچ وخم مین آپ اپنی مثال ہین مختصر یہ کہ ان نسون کے
آڑے ترچھے ہونے کی کوئی حد نہین، یہی وجہ ہے کہ ابرق کے معادن مین نہ تو کوئلے کی کانون کی طرح روشنی کا کوئی
معقول انتظام ہوسکتا ہے اور نہ راستہ صاف اور کھلا ہوا بنایا جاسکتا ہے، عام طور پر موم بتی کی مدد سے مزدور کام کرتے ہین اور
اور اگر کوئی سیاح دیکھنے کو آتا ہے، تو اس کے لئے بھی یہی شمع ہدایت ہوتی ہے، عجیب پرلطف نظارہ ہوتا ہے، گذشتہ جاڑون
مین مجھے بھی اس کا اتفاق ہوا، کوڈرما، ضلع ہزاری باغ مین ابرق کی غالباً سب سے بڑی کان ہے، نام بھی مناسب یعنی
بڑھیا کان رکھا گیا ہے، اس کی گہرائی ساڑھے سات سو فٹ کے قریب ہے، تقریباً چھ سو فٹ تک لکڑی کی سیڑھیان بنائی
گئی ہین مگر اس قدر تنگ کہ معلوم ہوتا ہے تہ خانہ مین جا رہے ہین، اور لطف یہ کہ ہر وقت حالت رکوع مین رہنا
پڑتا ہے، ورنہ سرکشی کی فوراً سزا مل جائے، پھر بھی سرکش انسان کو سمجھ کہان! دو چار ٹھوکرین کھا ہی جاتا ہے، اکثر تو
ابرق کے ابروے خمدار سے اچھی طرح گھائل ہوجاتے ہین! ہان تو مین بھی سر بکف نیچے اترنے کو تیار ہوا، چار پانچ آدمی ساتھ
تھے، مسٹر سی ہارٹن جو اس وقت اس کے منیجر تھے رہبر بنے ایک ایک بڑی موم بتی جلا کر سب کے ہاتھ مین دی گئی اور احتیاطاً
ایک بکس موم بتی اور دیا سلائی ایک چپراسی لیکر پیچھے ہولیا، معدن کا دروازہ کھلا، اور سب نے سرنگون ہوکر تعظیم کی، اور اندر
داخل ہوئے، راستہ کیا تھا لکھنؤ کی بھول بھلیان کی یاد تازہ ہو رہی تھی، ہر قدم پر رخ بدل جاتا تھا، دائین بائین،
صحیفۂ فطرت کی ضخیم جلدین تو بر تو ابرق کی شکل مین انسانون کی بصیرت کے لئے کھلی تھین اور زبان حال سے پکار
پکار کر کہہ رہی تھین کہ ؎

ہر ورق دفتریست معرفت کردگار

راستہ اس قدر تنگ اور تاریک تھا کہ ہر قدم پر گوشۂ لحد یاد آجاتا تھا، غرض یہ کہ ہر چہار طرف عبرت و موعظت
کا ایک دفتر کھلا ملتا تھا، اور ہم لوگ اس سے متاثر ہوتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے تھے، تقریباً ایک گھنٹہ مین دس بارہ

سیڑھیان طے ہوئین اور آخری منزل نظر آئی، ادھر حالت بھی پست ہو چکی تھی، دیر تک آرام لینا پڑا، اس کے بعد چڑھائی شروع ہوئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے پاؤن پکڑ لئے ہین، اُٹھتے ہی نہ تھے، دس دس قدم پر پانچ پانچ منٹ آرام لینے کی ضرورت ہوتی تھی، ان وجوہ سے اوپر کا سفر بڑی دیر مین طے ہوا، اور جب سطح بالا پر پہونچے تو سب پر نیم بے ہوشی طاری ہو گئی،

بہر حال ہم نے دیکھا کہ ابرق چٹانون کے اندر دبا ہوا اس طرح پایا جاتا ہے، اور ہلکی ہوئی پتلی ہر قسم کی دھاریان کچھ اس طرح پیچ وخم کے ساتھ لاکھون من پتھر کے اندر گھسی ہوتی ہین کہ انھین بے ساختہ چٹانون کی رگین کہنے کو جی چاہتا ہے، شاید اسی مناسبت سے انگریزی مین ان کو "وین" (VEIN.) کہتے ہین، اور چونکہ یہ دھاریان چوڑائی مین طبق برطبق ہوتی ہین اس لئے ابرق کی سلون کو "بک" (BOOK) کہا جاتا ہے،

ابرق کی قسمین | ابرق کی متعدد قسمین ہین، اور رانعی کے اعتبار سے اس کی رنگت بھی مختلف ہوتی ہے، سبز، سیاہ، سرخ، زرد، سفید ہر قسم کا ابرق پایا جاتا ہے، مگر سب مین اعلیٰ قسم وہ ہے جس کی رنگت یاقوتی ہوتی ہے، عرصہ ہوا کہ ماہرین معدنیات نے کافی تحقیق وتفتیش کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ بنگال کا یاقوتی ابرق دنیا بھر کے معدن سے بہتر ہے، لیکن حکومت نے اس وقت تک اس کی اہمیت کو نہین سمجھا جب تک کہ گذشتہ مہیب جنگ کا آغاز نہ ہو گیا، محکمۂ جنگ نے جب ابرق کی کثیر مقدار طلب کی تو آنکھین کھلین مگر وقت گذر چکا تھا، اور جرمن تجار جن کے ہاتھ مین اس وقت ہندوستان کی تجارت تھی جہاز بھر بھر کر ابرق پہلے ہی سے جرمنی روانہ کر چکے تھے، اس وقت سرطامس ہولینڈ ناظم محکمۂ اسلحہ جات کی سراسیمگی قابل دید ہو گی! بہر حال اس وقت تو جس طرح بھی ہو سکا ضرورت پوری کی گئی مگر اس کے بعد سے حکومت برابر اس کی طرف متوجہ ہے، اور ۱۹۲۳ء مین اس کی پوری روک تھام لئے قوانین بھی نافذ کر چکی ہے،

زمانۂ قدیم مین ابرق کا استعمال | ابرق زمانۂ قدیم مین کسی مفید کام مین نہین استعمال کیا جاتا تھا، بلکہ محض نمائشی چیزون کی زیب وزینت بڑھانے مین صرف ہوتا تھا، چنانچہ "یادگار سلف" کے طور پر اس کا ایک مشاہدہ آپ کو اس وقت ہو سکتا ہے جب آپ کسی کپڑا رنگنے والے کی دوکان پر چند لمحہ کیلئے کھڑے ہو جایئے، "وہ ابرق

کا سفوف رنگ گھولتے وقت پانی مین ملا دیتا ہے، اس طرح یہ ذرّات کپڑے مین چپک جاتے ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تارے جڑ دیئے ہین، اسی طرح کھلونے بنانے مین ابرق استعمال ہوتا تھا، حکما اکثر اس کا کشتہ بھی تیار کرتے تھے، جو مختلف امراض کے لئے اکسیر سمجھا جاتا تھا[۱] مختصر یہ کہ آج کل کی جدید تحقیقات سے اس وقت دنیا واقف نہ تھی، اسی وجہ سے لوگ سطحی خزائن کھود کر اس کو نکال لیتے تھے، اور پتھر کاٹنا اور مشینون سے کام لینا ضروری نہین سمجھتے تھے، اسی مناسبت سے مزدورون کو نقد کچھ نہ دیا جاتا تھا بلکہ غلہ وغیرہ کی قسم سے کچھ دے دلا دیتے تھے، اس بیان کی تصدیق کے لئے کوئی تاریخی حوالہ تو نہین مگر کہا جاتا ہے، کہ یہ طرز عمل کئی سو برس تک قائم رہا،

عہد حاضرہ مین ابرق کا استعمال مگر آج صحیح طور پر ہم کہہ سکتے ہین کہ ابرق کس قدر مفید چیز ہے، ماہرین کا یہ فیصلہ ہے کہ ابرق پر بندوق کی گولی نہین اثر کرتی، آگ اس کا کچھ بگاڑ نہین سکتی[۲] اور بجلی اپنی تمام حاکمانہ طاقتون کے باوجود بھی اس کے آگے سر نہین مار سکتی، ان خصوصیات کی بنا پر آجکل ابرق اور برق دونون لازم ملزوم سمجھے جاتے ہین، یعنی بجلی کی عجیب وغریب طاقت سے جن خطرات کا اندیشہ ہے ان کو روکنے کے لئے بجلی کے تارون کے اوپر ابرق کی ایک تہ جما دی جاتی ہے، جس تختہ پر بجلی کو پیدا یا ناپید کرنے کا بٹن لگا ہوتا ہے اس مین بھی ابرق ہی کا استعمال ہوتا ہے، شیشہ کی جگہ یورپ مین اب کثرت سے ابرق ہی لگایا جاتا ہے، کیونکہ شیشہ مین زیادہ گرمی برداشت کرنے کی طاقت نہین، جہازون کے وہ حوض جن مین پانی کھولایا جاتا ہے ابرق ہی کی چادرون سے ڈھکے ہوتے ہین، بلون کی چمنیون مین بھی اسی سے مدد لی جاتی ہے، اور ڈائنا مائٹ کی طرح پھٹنے والے بارود بھی اسی سے بنائے جاتے ہین جنکا مخصوص نام "مائیکا پاؤڈر (mica powder) ہے،

[۱] پرانے لوگون کا یہ بھی خیال تھا کہ ابرق کو پانی مین حل کیا جانا ممکن ہے چنانچہ عربی ادب کا طالب علم غالباً اس مشہور فقرے سے ناواقف نہ ہوگا کہ "من حل الطلق استغنی عن الخلق" ،، اس مفہوم کا ایک شعر شیخ آذری کا بھی ہے، ؎

معنی حل طلق حلول قناعت است — این نکتہ یاد گیر کہ من کیمیا گرم

[۲] اگلے لوگون کا بھی خیال ہے کہ "چون بر چیزے بمالند آتش آنرا نہ سوزد" (غیاث اللغات ۱۳۵، ملاحظہ ہو ای، سی جرجی کی انڈین اکنامکس صفحہ ۹۰ طبع دوم)

ہندوستان مین بھی اب ماشاء اللہ ابرق کی مصنوعات ترقی پذیر ہین، لالٹین کی چمنیان، لیمپ کی ہانڈیان اسی کی بننے لگی ہین، ان کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے چراغ اسی سے روشن ہین، اکثر مقامات پر میونسپلٹی نے بھی سڑکون کی لالٹینون مین شیشہ کی جگہ ابرق ہی کا استعمال شروع کیا ہے،

ابرق کی قیمت پہلے کہین گذارش کرچکا ہون کہ یاقوتی رنگ کا ابرق نہایت عمدہ اور قیمتی سمجھا جاتا ہے، دوران گفتگو مین مین نے مسٹر مارٹن سے اس کے متعلق استفسار کیا تو انھون نے کہا کہ معمولی قسم کا ابرق بیس پچیس روپیہ من بکتا ہے، مگر اعلیٰ قسم کے یاقوتی ابرق کی قیمت چار ہزار روپیہ من تک بڑھ جاتی ہے، قیمت کی زیادتی اور کمی مین ابرق کی سلون کے طول وعرض کو بھی دخل ہے، لیکن گرانی کی اصلی وجہ شاید یہ ہو کہ خرچ سے پیداوار بہت کم ہے، یعنی بقول مسٹر مارٹن دس فی صدی مانگ پوری ہوتی ہے،

ابرق اور دوسری معدنی اشیاء مین فرق دوسری معدنی اشیاء کے برخلاف ابرق کان سے نکالے جانے کے بعد ہی خرید وفروخت کے قابل ہوجاتا ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ ہندوستان مین بھی اس کی کوئی منڈی ہوتی مگر افسوس ہے کہ ایسا نہین جتنی مقدار ابرق کی نکلتی ہے، وہ غیر ممالک مثلاً امریکہ اور یورپ بھیجدی جاتی ہے، اس لئے یہان جو ابرق ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ مین منتقل ہوتا رہتا ہے، اس کا اکثر حصہ مسٹر مارٹن کے بیان کے مطابق مسروقہ ہوتا ہے، اور یہ بعید از قیاس نہین کیونکہ اس پورے رقبہ کی حفاظت جس مین ابرق کے خزائن ہین ایک امر محال نظر آتی ہے، مزدور نہایت آسانی سے دس بیس سیر ابرق تھوڑی زمین کھود کر نکال لے سکتا ہے جس سے اسکو کوڑیون مول بیچنے پر بھی ایک معقول رقم مل جاسکتی ہے، یہ حال کوئلے کا نہین، اولاً تو اگر کوئی مزدور سیر آدھ سیر کوئلہ چوری کر بھی لے تو مالکون کو اس کی کوئی پرواہ نہین ہوگی کیونکہ اس کی قیمت ایک پیسہ فی سیر سے کبھی زیادہ نہین ہوسکتی، دوسرے دس سیر کوئلہ بغیر سر پر اٹھائے نہین لیجایا جاسکتا لیکن ابرق اس سے بالکل مختلف ہے، اس کے ایک سیر کی بھی قیمت ہے اسلئے کوئی مالک چشم پوشی نہین کرسکتا دوسرے کہ یہ ایک وزنی چیز ہے، اور نہایت آسانی سے اس کی چھوٹی چھوٹی سلین غائب کردی جاسکتی ہین، اس کی قیمت کا حساب من سے کیا

جاتا ہے، اور کوئلے کی قیمت کا ٹن سے،

یہی اسباب ہین جنکی بنا پر معادن کے اندر کام کرنے والون کی سخت نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ چلتے وقت نہایت آسانی سے ہر روز ایک ٹکڑا اپنے کپڑون مین چھپاکر اس طرح لے جاسکتے ہین کہ نگرانی کرنے والون کو خبر نہ ہو کیونکہ وزنی ہونے کی وجہ سے بظاہر اس مین ضخامت نہ ہوگی، اس بدعت کو روکنے کے لئے مالکان معادن ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگارہے ہین مگر کوئی تدبیر کارگر نہین ہوتی، جن اضلاع مین ابرق کے معادن ہین، وہان کے مقدمات کی فہرست دیکھئے، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہان کی عدالتون مین نصف سے زیادہ مقدمات صرف ابرق سے تعلق رکھتے ہین، کوڈرما ضلع ہزاری باغ کے علاقہ مین ایک سب انسپکٹر پولیس اپنے عملہ کے ساتھ صرف ابرق کی چوری کے مقدمات کی تحقیقات کے لئے مقرر ہے،

ہندوستان مین ابرق کے معادن ہندوستان مین ابرق کے معادن مدراس، راجپوتانہ، ٹراونکور، سیلون، مونگیر، گیا اور ہزاری باغ مین ہین، لیکن ان تمام مین کمیت اور کیفیت دونون کے اعتبار سے ہزاری باغ کے معادن سر فہرست ہین، اس ضلع کی بڑی بڑی کانین کوڈرما خاص محال[1] کے جنگلون اور ڈومچانچ، مستوڈیھ، گانوان بہت گانوان

[1] اِس "خاص محال"، کے فقرے نے بھولی ہوئی داستانِ غم یاد دلادی، اس لئے ابرق کے صحیفۂ فطرت سے سبق لینے سے پہلے ذرا تاریخ کے خون چکان اوراق کو ملاحظہ فرمالیجئے کہ یہ رقبہ حکومت کے خاص قبضہ و تصرف مین کس طرح آیا ویسے تو ماشاءاللہ آجکل زمینداروں کی طاقت توڑنے کیلئے ہر روز نئے نئے قوانین نافذ ہوتے ہی رہتے ہین مگر یہ نئی قدغن صرف اس لئے ہے کہ ہندوستان کے باشندے کسی قدر پڑھ لکھ لینے کے بعد پہلے سے زیادہ کچھ سمجھدار ہوگئے ہین لیکن اب سے ایک صدی پہلے جب یہ عقل کے کورے تھے تو ان کو زیر کرنے کے لئے آڑے ترچھے تیرون کی ضرورت نہ تھی، بلکہ "سرکار بہادر" کے فقرے ہی مین وہ بجلی تھی جو دفعۃً ان کے خرمنِ ہوش و حواس کو خاکستر کردیتی تھی،

"بندوبست دوامی"، کے وقت کوڈرما کے مالک راجہ برد جو موہن ساہی کے مراقعہ پر اس رقبہ کی الگ پیمائش ہوئی، اسوقت اس مین باون محلی اور بارہ داخلی مواضعات شامل تھے، اب سوال یہ ہے کہ اتنا بڑا رقبہ کس طرح ہضم ہوسکا اور طریقۂ کار کیا تھا،

بھنڈاری، موہیسری اور چرکی کی زمینداریوں مین واقع ہوئی ہین، ابرق کی شہ رگ انھی مقامات سے ہوکر گذری ہے اور اس کا زیادہ حصہ جنگل مین ہے،

ہزاری باغ کے معاون کو ہندوستان کے دیگر اضلاع کے معاون پر اس لئے تفوق حاصل ہے کہ یہان صرف اعلیٰ قسم کا ابرق پایا جاتا ہے، بنگال مین جس وقت پتہ چلا کہ یاقوتی ابرق وہان موجود ہے، اسی وقت سے ہندوستان کو اس خاص باب مین ایک اہمیت حاصل ہوگئی تھی مگر آج ہزاری باغ کے یاقوتی ابرق کی وجہ سے ہندوستان تمام دیگر ممالک سے آگے بڑھا ہوا ہے، اور کوڈرما بلا استثنا یاقوتی ابرق کا مخزن ہے، جس کے مقابلہ مین راجپوتانہ اور مدراس کا سبز و سفید ابرق کوئی قیمت نہین رکھتا،

ہزاری باغ مین ڈرھیا کان کے علاوہ اور بھی بہت سی بڑی کانین موجود ہین جنکی مجموعی تعداد اگر شمار کی جائے تو ساری اکائیان طے کرجائے گی، یہ معاون تقریباً ۵۰ × ۵۰۰ میل کے رقبۂ زمین پر پھیلے ہوئے ہین،

ابرق کی پیداوار | اوپر کہین بیان کیا جاچکا ہے کہ ابرق کی مانگ یوماً فیوماً بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ابتک

لہ (بقیہ نوٹ صفحہ ماقبل) اس قصہ کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ہمین بندوبست دوامی" سے چند قدم پیچھے ہٹنا پڑیگا سنہ ۱۷۷۴ء مین ایسٹ انڈیا کمپنی نے نواب اقبال علی خان کو گدی بگری ڈیہہ سے جو کوڈرما کے پاس ہی ایک الگ زمینداری تھی، بے دخل کردیا اور سنہ ۱۷۷۶ء مین اسکا ہنگامی نظم و نسخ وہان کے ٹکیت (راجہ کوڈرما اور دوسرے زمینداروں کا اعزازی لقب، مگر یہان اس سے مراد راجہ کوڈرما ہی ہے) کے حوالہ کیا سنہ ۱۸۰۰ء مین یہ بندوبست ہمیشہ کے لئے ہوگیا، اس کے کچھ دن بعد ٹکیت یعنی راجہ کوڈرما سے کہا گیا کہ اسکو خرید لو، چنانچہ حسب الحکم "دسرکار بہادر" راجہ برو جو موہن ساہی کی موت کے بعد ٹیپ نرائن ساہی نے یہ زمینداری خرید کر کوڈرما کے رقبہ مین شامل کرلی اور اس طرح اپنی دولت صرف کرکے اپنی ریاست کے پورے رقبہ مین ایسا گھن لگایا جو بیس بائیس برس مین سب کو کھا گیا، "سوقت اس پورے علاقہ کی مال گذاری چھیاسی روپیہ، چھ آنہ، پانچ پائی، تھی، اس خریداری کے بعد سے بیس بائیس برس تک کیا ہوا؟ اس کا جواب تاریخ اپنی پرمعنی خاموش زبان سے دیتی ہے، مگر اس کے بعد ہم دیکھتے ہین کہ سنہ ۱۸۴۱ء مین ٹیپ نرائن ساہی ڈاکہ زنی اور ڈاکوون کی حمایت کرنے کے جرم مین ماخوذ ہوتا ہے، اور اس کی پوری جائداد کو حکومت اپنے حفاظت مین لے لیتی ہے، اور بالآخر ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۴۲ء کو بموجب حکمنامہ شاہی عدد ۱۵۰۰ اس کو شاہی مقبوضات مین شامل کرلیا جاتا ہے، پھر بھی ٹکڑے پارچے ریاست کے حقدارون کو دیکر اشک شوئی کردی جاتی ہے، کہ اس وقت زخم تازہ تھا مگر آج ہم دیکھتے ہین کہ اسی خاندان کے افراد کے لئے، ع

صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

کیونکہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ایک آواز میں ان منتشر اجزاء کو اکٹھا کرکے جون کا تون بنا دیا گیا ہے، (ملاحظہ ہو" فائنل رپورٹ سروے اینڈ سٹلمنٹ، کوڈرما گورنمنٹ اسٹیٹ تیار کردہ سنہ ۱۹۰۲ء)

دس فیصدی سے زیادہ مطالبہ نہین پورا ہوسکا، شاید آپ یہ سنکر تعجب کرین گے کہ آپ کا ہندوستان اِس دس فیصدی مین ۷ کا حصہ دار ہے، یعنی دنیا کے تمام معادن مل کر ۳ فیصدی مانگ پوری کرتے ہین، اور تنہا ہندوستان ساڑھے سات فیصدی ابرق پیدا کرتا ہے اور اس مین قریب قریب پوری مقدار صرف ضلع ہزاری باغ کے دفائن سے نکالی جاتی ہے،

ابرق کی تجارت کس کے ہاتھ مین ہے یون تو آج کل ہزاری باغ مین ابرق کی خرید و فروخت کرنے والونکی تعداد بے شمار ہے اس لئے کہ جس کسی کو دس پندرہ سیر کسی صورت سے بھی ہر روز ابرق مل جاتا ہے وہ تاجر ہے، مگر جو لوگ واقعی اس کی تجارت کرتے ہین اور غیر ممالک سے ان کا لین دین ہے ان مین سے قابل ذکر مسرس ایف کرٹیمین اینڈ کمپنی لمیٹڈ، چھوٹا ناگ پور مایکا سنڈیکیٹ لمیٹڈ، ہواری بلر اینڈ کمپنی، مسرس ویس اینڈ کمپنی، مسرس برڈ اینڈ کمپنی، اور ٹاٹا اینڈ سنز لمیٹڈ ہین، ان کے علاوہ اور بھی چھوٹی بیس بائیس کمپنیان ہین جو باقاعدہ طور پر ابرق کا کاروبار کرتی ہین اور مال باہر بھیجتی ہین، درج بالا کمپنیون مین سے اول الذکر بہت سرمایہ دار اور قدیم کمپنی ہے، جو ہندوستان مین آئی، اس نے تاجر کے علاوہ ایک اچھے خاصے زمیندار کی حیثیت پیدا کرلی ہے، اِس زمینداری سے بھی اس کی آمدنی ہزارون روپیہ ہوتی ہے، اس کے قبضہ مین متعدد بڑی بڑی کانین ہین، بڑھیا کان بھی اسی کا سرمایہ ہے،

اس کمپنی کی دولت کا اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے، کہ سیکڑون انگریز تنخواہ دار ملازمین اس مین کام کرتے ہین، اور ان کا باہم ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ ہوا کرتا ہے، یہ کمپنی ہندوستان مین تقریباً ایک صدی پہلے بغرض تجارت آئی تھی مگر اس کا پہلا سفر سودمند ہونے کی بجائے مضرت رسان ثابت ہوا، اور شدید ترین نقصان اٹھانے کے بعد بیک بینی و دوگوش اس کو یہان سے چلا جانا پڑا، لیکن اس ناکامی نے اس کے عزم کو متزلزل نہ ہونے دیا اور کارکنون نے دوچند ہمت سے کام لیکر پھر کاروبار شروع کردیا، اسی استقلال کا نتیجہ ہے کہ آج ہزاری باغ کے معادن کے وسیع رقبہ پر اس کمپنی کی حکومت ہے، اور صحیح طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اس کے

کارکن اپنی سعی پیہم کی بدولت جنگل مین منگل منا رہے ہین،

کوڈرما ابرق ایسوسی ایشن عہد حاضرہ مین مرکزیت کا جو عالمگیر خیال پھیل گیا ہے، اس سے تاجرون کا یہ طبقہ بھی نہ بچ سکا، چنانچہ چند سال سے ان لوگون نے بھی کوڈرما مائیکا ایسوسی ایشن (KODERMA MIOA ASSOOIA-TION) کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے جو جلسے کرکے تجاویز پاس کرتی ہے اور اپنے مطالبات حکومت کے سامنے پیش کرتی ہے، ۱۹۲۳ء مین ابرق کی تجارت کے متعلق جن قوانین کا نفاذ ہوا ہے وہ مسٹر برے (MR.J.RAY) نمایندۂ معدنیات بہار کونسل کی مساعی اور اسی انجمن کی احتجاج کا نتیجہ ہین،

اس ایسوسی ایشن نے گذشتہ جاڑون مین اپنا ایک خاص اجلاس کیا تھا، یہ اجلاس بعض وجوہ سے بہت زیادہ اہم سمجھا گیا، ہندوستان کے مختلف صوبون نے کافی جوش وخروش کے ساتھ اس مین حصّہ لیا اور اپنے نمایندے بھیجے، متعدد تجاویز کے علاوہ اس اجلاس کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ ابرق کی طرف گورنمنٹ کی توجہ خاص طور پر مبذول کرائی جائے تاکہ معادن کی پوری حفاظت ہوسکے اور اس کی پیداوار مین ترقی ہو،

اِن مقاصد کے حصول کے لئے انجمن کی طرف سے حکومت کے سامنے ایک یادداشت بھی پیش کیگئی تھی جس پر ارباب حل وعقد غور وفکر کررہے ہین، ارکانِ انجمن کا اصرار ہے کہ حکومت درج ذیل امور پر توجہ کرے اور ان پر قانونی قلعی پھیر دے :-

(۱) بغیر لائسنس کے ابرق کی تجارت نہ ہو،

(۲) ابرق جنگلی پیداوار سمجھا جائے، اور قانون جنگلات کے ماتحت کردیا جائے،

(۳) اگر زمیندار چاہین تو وہ بھی اپنے جنگلون کو جن مین ابرق کے خزائن ہین اس قانون کے ماتحت کردین

(۴) درج ذیل فرائض کی انجام دہی کے لئے حکومت ایک افسر مقرر کرے جو معدنیات کا ماہر ہو۔

(الف) معادن کا معائنہ کرے،

(ب) معادِن مین کوئی نقص نہ پیدا ہونے دے، ان کو برباد ہونے سے بچائے تاکہ اس کا اثر ملک

کی تجارت پر پڑے گا،

(ج) ابرق کے تاجرون کے کھاتہ پتر کا محاسبہ کرے، ان کے ذخائر پر نظر رکھے تاکہ دیانت سے تجارت ہو سکے اور مسروقہ مال ان مین خلط ملط نہ ہو،

(د) اُن مقامات کی تلاشی لے جہان اُسے مسروقہ ابرق پائے جانے کا شبہہ ہو،

(ر) یہ بھی دیکھے کہ آیا واقعی مسروقہ ابرق اس معدن سے نکل سکتا ہے جس مین سے چوری جانے کی اس کو اطلاع پہنچی ہے،

(س) لائسنس کے لئے تمام درخواستین اپنی معرفت ڈپٹی کمشنر کے پاس بھجوائے،

(ص) لائسنس کی منظوری یا عدم منظوری سے پہلے ڈپٹی کمشنر، معادن کے ذمہ دار افسر ایس ڈی او۔ ہزاری باغ، گرہی ڈیہہ، نواداسے اس کے متعلق استصواب رائے کرے، اس علاقہ کے تھانہ کی رائے بھی دریافت کرے، کوڈرما مائیکا ایسوسی ایشن یا اس قسم کی دوسری انجمن سے اگر کوئی موجود ہو مشورہ کرے، ان سب کے علاوہ اگر ضرورت ہو تو لائسنس طلب کرنے والے کے چال چلن کے متعلق انفرادی حیثیت سے بھی تحقیقات کرے، اس کے بعد حسب آرار لائسنس کی منظوری یا عدم منظوری عمل مین آئے، اگر کافی اسباب کے بغیر کوئی لائسنس نامنظور نہ کیا جائے، پھر بھی ڈپٹی کمشنر کوئی سبب ظاہر نہین کر سکتا،

(ط) ہر لائسنس کے لئے فیس اور ضمانت مقرر کی جائے،

(ع) ابرق کے تاجر اور خرید و فروخت کرنے والے معقول طور پر اپنے افسر معائنہ کے اخراجات ادا کرین

اس باب مین تاجرون کو درج ذیل امور پر توجہ کرنی چاہئے، تاکہ ان کے مالیات پر براہ راست کوئی زد نہ پڑے

(۱) گورنمنٹ سے منظوری کی سند حاصل کرین،

(۲) زرِ ضمانت ادا کرین،

(۳) ٹھیکہ دار زرِ نذرانہ ادا کرین،

(۴) خیال رکھین کہ خرچ سے آمدنی کم نہو،

(۵) نفع یا نقصان کا صحیح حساب پیش کرین،

(۶) ابرق کے ٹھیکہ مین پیداوار کا صحیح حساب رکھین،

(۷) محاصل ادا کرین،

(ف) ابرق کے ایک تاجر کے لئے ضروری ہے کہ ایک معلوم مقام پر اس کا گودام ہو جہان افسر معائنہ جاکر اس کی دیکھ بھال کرے،

(ک) ہر تاجر یا معدن کا مالک وہ رسیدین دکھلایا کرے جن سے معلوم ہو کہ اُس نے کس کے ہاتھ ابرق بیچا ہے اور کس سے خریدا ہے، ان رسیدون مین ابرق کے بل کا وزن اور طول وعرض بھی ظاہر کیا جائے، رسیدون اور حساب کے رجسٹر مین تطبیق بھی ہونی چاہئے،

خاتمہ | درج بالا سطرون کے مطالعہ کے بعد ابرق کی اہمیت قارئین کرام کے ذہن نشین ہو گئی ہو گی اور یہ بھی سمجھ مین آگیا ہو گا کہ اس کی تجارت پر اس قدر قدغن کیون ہے، حقیقت یہ ہے کہ بجلی کے روز افزون کارنامون نے ابرق کو اس قدر اہم بنا دیا ہے، جنگی ضرورتون مین جہان کہین بھی بجلی کی حیرت انگیز طاقت کارفرما ہوتی ہے، ابرق کو اس کا دستِ راست سمجھا جاتا ہے، چنانچہ یہی وہ جنگی ضرورتین ہین جنکی طرف متوجہ کرکے کوڈرما ایسوسی ایشن کے ارکین کوشش کر رہے ہین کہ اس کی تجارت قانونی شکنجہ مین ڈال دی جائے، اور اسکو "شاہی ملک" (ROYAL ASSET) مین شامل کر لیا جائے، لیکن اگر ان مطالبات کو حکومت نے تسلیم کر لیا تو چھوٹے چھوٹے دیسی تاجر اس "جنگِ زرگری" مین بری طرح شکست کھائین گے، اور ان کو ابرق کی تجارت سے دست بردار ہو جانا پڑیگا، کیونکہ لائسنس کی منظوری مین اِس قسم کی شرائط پیش کی گئی ہین کہ اگر ایک معمولی تاجر اپنی درخواست آگے بڑھانے کی کوشش کرے تو ہر قدم پر اس کو "کشتیِ زر" کی ضرورت ہو گی، اور اس کے ہان اِس جنس گران کی کساد بازاری کچھ خلاف توقع نہین! اگر یہ منزل بھی کسی طرح طے ہو گئی تو پھر ایسوسی ایشن

اور پولیس سے اپنے چال چلن کی تصدیق کے لئے دوچار ہونا پڑیگا، اور ایسے ایسوسی ایشن سے جس کی باگ
"سفید بنیوں" کے ہاتھ مین ہے، یہ امید رکھنی ایک فعل عبث ہے کہ وہ ہندوستانیون کو اس کا موقع دیں گے،
ان سب پر مستزاد وہ محاصل ہین جن کی ادائگی ان کی مالی مشکلات مین اور اضافہ کردے گی،

مذکورۂ بالا حقیقتون کے جان لینے کے بعد ہم کیا توقع کرسکتے ہین کہ ہندوستان اپنے اس "کنز مخفی"
سے کچھ بھی فائدہ اٹھاسکے گا، ہان ایسا اسی وقت ممکن ہے جب دولت مند ہندوستانی تجار سرمایہ دار اور
زمیندار اس کی طرف کافی توجہ کرین اور اس جذبہ کے ساتھ ابرق کے معادن حاصل کرین کہ یہ ہماری دولت
ہے اس سے فائدہ اُٹھانا ہمارا پیدائشی حق ہے، اگر ایسا نہ ہوا تو نیل کی کوٹھیون کے مالکون کی طرح ابرق کے
معادن کے مالک بھی اپنے دیہاتی پروسیون پر مظالم توڑین گے، گو آج بھی وہ کچھ مہربانی سے پیش نہین آتے
مگر قوانین کے اجرا اور تجاویز کی منظوری کے بعد تو یقینی آنکھین بدل جائین گی اور دو سال کا ایک دن آپ
سن لین گے کہ ابرق کی تجارت مین ہندوستان کا ایک ہاتھ بھی نہین،

"افادیت اور خارجیت، ضمیریت اور تصوریت"

اور

اسلام کے عروج وزوال کا سبب

از مولوی الف دین صاحب سیالکوٹ

"افادیت" کا تعلق خارجیت یا بیرونی ماحول سے ہے اور "ضمیریت" کا تعلق تصوریت یا انسان کے خود اپنے اندرون سے ہے، افادیت کا مابہ الامتیاز "خارجیت" ہے تو ضمیریت کا امتیازی نشان "تصوریت" ہے،

جب "افادیت" مناسب اور معتدل حد سے متجاوز ہو جائے تو اس کا نتیجہ افراد یا اقوام میں جیسی کہ صورت ہو، یہ ہوتا ہے کہ وہ افراد یا قوم پرلے درجہ کی طماع، لالچی، فریبی، مکار، زر پرست، خود غرض اور مادہ پرستی اس کے بیشتر افراد کو لامذہبی کیطرف مائل کر دیتی ہے، جیساکہ آج فرنگستان کی حالت ہے"

دوسری طرف جب "تصوریت" میں غلو کیا جائے تو اسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ پرلے درجے کی خود انکاری نفس کشی، جائز خواہشوں کی بھی موت، رہبانیت اور فرائض زندگی کی بجاآوری سے غفلت اور بالآخر جمود و خمود جیسا کہ ہندوستان، ایران اور دیگر ممالک ایشیا میں دیکھا جاتا ہے، اس مفہوم میں سارا ایشیا باستثنائے عرب تصوریت پسند ہی،

عرب نے امتِ وسطیٰ اٹھی اور قائم بالذات، حی قیوم، عادل ومنصف خدا کے تصور کے ماتحت دنیا کے سامنے یہ حقیقت پیش کی کہ نہ تو اس قسم کی ماحول پسندی جو افادیئین میں ہے، اور نہ اس طرح کی اندرون پسندی جو تصوریین میں ہے سچی اور اخلاقی زندگی کا معیار ہو سکتی ہے، کیونکہ ان میں افراط و تفریط ہے، نہ سرے سے خدا فراموشی اور نہ ویدانتی تصور حلول، نشان زندگی ہے، بلکہ اصلی

اور اخلاقی زندگی اور صراط مستقیم تو میانہ روی اور خدا کی ربوبیت عامہ کے تصور کے ماتحت "اعدلوا هو اقرب للتقوی" مین ہے،

دیکھو! بیکن کے زمانہ اور ملکہ الزبتھ کے عہد کا فرنگستان کیا تھا اور اس کے مقابلہ مین اکبر اور ابو الفضل اور راجہ ٹوڈرمل کا ہندوستان، عہد صفویہ کا ایران اور عہد عثمانیہ کا فرنگستانی روم کیسا شاندار تھا، اگر مسلمان اندلس مین کمزور ہوگئے تو اس مین کوئی کلام نہین کہ انھین دنون انھون نے قسطنطنیہ مین ایک زبردست حکومت قائم کی جس سے سولھوین اور سترھوین صدی عیسوی مین سارا فرنگستان لرزہ براندام رہا،

تاریخی حقائق کی روشنی مین بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے، کہ جب نیا دور شائستگی دنیا مین شروع ہوا، تو ایشیا کو فرنگستان کی بہ نسبت زیادہ امید افزا مواقع حاصل تھے، بلکہ ایشیا کے مقابلہ مین فرنگستان کی کوئی حیثیت نہ تھی،

پھر سوال یہ ہے کہ کیون فرنگستان بڑھ گیا اور اس کے مقابلہ مین ایشیا، سیاسی، اور اقتصادی رنگ مین بلکہ مین کہونگا کہ مذہبی حیثیت سے بھی کمزور ہو گیا،

اس سوال کا جواب واقعات کی روشنی مین میری رائے مین یہ ہے، کہ سولھوین صدی عیسوی کے آغاز تک، فرنگستان، ایک دور از کار اور بعید از عقل، بیہودہ اور لاطائل مذہب کے شکنجہ مین گرفتار تھا، اس کا جان و مال، اسکی آزادی، اس کی قوت فیصلہ غرضکہ ہر ایک چیز پاپائی عقیدہ پر قربان کردی گئی تھی، جب مذہبی اصلاح نے ۱۵۲۰ء مین اُسے پاپائی استبداد سے نجات دلائی تو مذہب کے خلاف اس زور اور شدت کے ساتھ ردّ عمل شروع ہوا کہ لامذہبی تک نوبت پہنچ گئی، شکسپیر ۱۵۶۴ء تا ۱۶۱۶ء نے ایک اعلیٰ اور کار آمد ادبیات کی بنیاد رکھی، بیکن ۱۵۶۱ء تا ۱۶۲۶ء نے علمی فلسفہ کی بنیادین قائم کین، علوم طبیعی، اختراع آلات، اور صنعت و حرفت کی طرف توجہ ہوئی، تلاش معاش

اور اقتصادی ضروریات کی وجہ سے ایک تجارتی کمپنی قائم کی گئی کہ وہ ہندوستان مین جائے، اسی طرح دیگر ممالک فرنگ سے فرانسیسی، ڈچ اور پرتگالی وغیرہ بیرونی ممالک مین نکل آئے،

ادھر ہندوستان مین سانکھیا کپل اور یوگ پتنجلی اور ان کے ساتھ ساتھ بھگوت گیتا کی شرح ویدانتی نقطۂ نظر سے جو شنکر اچاریہ نے مدتین گذرین کی تھی، مذہبی رنگ مین ہندؤن کے دل و دماغ پر مسلط تھی، معیشت سے فارغ البالی تھی، ایران کی سرحدون اور قرب وجوار مین بقول سید امیر علی اور پھر خود اندرون ایران مین ہندؤن کا ویدانتی تصور پھیلا ہوا تھا، یہی حال عثمانیہ قلمرو کا تھا، مذہب ویدانت کی شکل مین تبدیل ہو گیا تھا اور فراوانی پیداوار اور زرخیزی اراضیات نے اقتصادیات کی طرف سے بے پرواہ کر دیا تھا، بیرونی تاجرون کو مراعات دیگئین، دہی دکاندار وہی صناع اور حرفتکار تھے، ایران، ہندوستان، ایشیائی روم بلکہ قسطنطنیہ مین بھی نامور اور قادر الکلام شعراے فارسی کے لیے ویدانت نے طبع آزمائی کا سامان بہم پہنچایا، فلسفۂ ویدانت کے اداے مطالب کے لیے زبان فارسی کچھ ایسی موزون واقع ہوئی ہے، کہ شاید کوئی اور زبان اس بات مین اس کا مقابلہ نہین کر سکتی،

اس خود انکارانہ فلسفۂ زندگی کا یہ اثر ہوا کہ جہان فرنگستان مین افادی نقطۂ نظر سے جذبات کی تہذیب اور ماحول کی اصلاح کا کام کیا جا رہا تھا، شعراء مناظر قدرت اور ضروریات زندگی پر دلکش اور مؤثر نظمین لکھ رہے تھے، سائنس کے نئے نئے انکشافات، اور مختلف علوم و فنون کو ترقی دینے کے لیے اقتصادی زاویۂ نگاہ سے مختلف سوسائٹیان قائم ہو رہی تھین، ادہر ہندوستان اور ایران مین ادبیات ویدانت کے موجودہ طومار مین اضافہ کرنے کے لیے مشاعرے قائم ہو رہے تھے، وجودی فلسفہ کچھ ایسے بلیغ انداز مین منظوم کیا گیا ہے، کہ خواص وعوام اُسے پڑھتے، قوالون سے سنتے اور بے اختیار وجد مین آکر سر دھنتے ہین،

جہان ڈیکارٹ فرانسیسی (سنہ ۱۵۹۶ء تا ۱۶۵۰ء) باتباع امام غزالی (م سنہ ۱۱۱۲ء) جدید فلسفہ کی بنیادین

اسلامی اصول پر قائم کرکے ایک قائم بالذات خدا کا تصور اور روح وجسم کے حقوق وفرائض پر ایک معنی خیز تبصرہ کر رہا ہے، وہان ہم دیکھتے ہین، کہ ابوالفضل قلم واکبری مین مارا مارا پھر رہا ہے، کہ وہ نئے دین الٰہی کیلئے جو ویدانت پر مبنی تھا، کسی مناسب اور موزون مقام پر معبد تعمیر کرے حضرت آزاد بیان کرتے ہین، کہ ملک کشمیر چھوٹی ڈل کے کنارے پر یہ معبد بنایا گیا، اور اس کے دروازے پر ہلالی ایرانی کے یہ اشعار کندہ کئے گئے،

اے تیر غمت را دلِ عشاق نشانہ — خلقے بتو مشغول تو غائب ز میانہ

گہ معتکفِ مسجد وگہ ساکن دیرم — یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بخانہ

حاجی برہ کعبہ ومن طالب دیدار — او خانہ ہمی جوید و من صاحب خانہ

یہ ویدانتی تصور خدا اسلامیون کی سیاسی اور اقتصادی زوال کا ذمہ دار ہے، حضرت اورنگ زیب نے اس مین اصلاح کرنی چاہی، مگر نقارخانہ مین طوطی کی آواز نہ سنی گئی، اس سے پہلے ہی اس سیلاب کی روک تھام کے لیے حضرت ابن حزم اندلسی پانچوین صدی ہجری، (جسکو ویدانتی غلط نفسیات نے "ظاہری" خطاب دیا ہی) امام ابن جوزی استاد حضرت سعدی چھٹی صدی ہجری، علامہ ابن تیمیہ آٹھوین صدی ہجری کے شروع اور مجدد الف ثانی شیخ سرہندی گیارہوین صدی ہجری، اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بارہوین صدی ہجری مین اُٹھے، مگر ان کے ارشادات سے سوائے چند خواص کے عوام نے فائدہ نہ اُٹھایا، وجہ یہ ہوئی کہ ایک تو وہ نثر مین تھے اور فلسفہ ویدانت منظوم، نثر مین لوگ بمقابلہ نظم کم دلچسپی لیتے ہین، اور دوسرا یہ کہ سہل انگار قوم کا مذاق بگڑا ہوا تھا، اب عالم اسلام حضرت ابن سعود کی طرف دیکھ رہا ہے اور بعض درد دل رکھنے والے مسلمان یہ امید لگائے بیٹھے ہین کہ انشاء اللہ پھر کتاب وسنت سے تمسک کا دور آئے گا، آجکل ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈرڈ نے ایک کتاب موسوم بہ "جدید دنیائے اسلام" لکھی ہے جسمین اس نے بوجوہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر اتحادِ اسلام پھر زندہ ہوگا تو اسے تحریک وہابیت زندہ کریگی،

کیونکہ یہ لوگ صدر اوّل کے ابتدائی، سادہ اور مضبوط اخلاق اسلامی کے پیرو ہین،

ڈاکٹر موصوف نے کتاب کے مقدمہ مین اسلامیون کے سیاسی زوال کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ پیر پرستی اور ہندوستان کے ویدانتی اثرات نے توحید کو مسخ کر دیا، اور ایران کا پرپیچ عقیدۂ تشیع بھی کسی حد تک اس کا ذمہ دار ہے،

مختصر یہ کہ افادی مادہ پرست خدا کو بھول گئے اور لالچی اور طامع بن گئے، ضمیری تصوریت مین غلو کرتے ہوئے ویدانتی بن گئے، تو اُسے عمل شل ہو گئے اور اخلاقی ذمہ داری اُٹھ گئی، اگرچہ اخلاقی زندگی جسکا نام "خود دریابی" ہے، حاصل کرنا ہے تو وہ اسلامی اصول کے اتباع مین حاصل ہو گی،

فرنگستان کے ضمیرئیین مین بھی، کانٹ اور بعض دیگر حکما، تصوریت کے میدان مین ہندو ویدانتیون کے لگ بھگ پہنچ گئے، مگر حسیّین یا طبعیین، بلکہ خود ان کے پیرؤن نے بھی ان پر سخت حملے کیے، اسلیے یہ ویدانتی اثر عام طور پر فرنگستان مین نہ پھیلا، یہان ہندوستان مین تعلیم عام نہ تھی، اور نہ بحیثیت مجموعی کوئی جماعت اس کے مقابلے مین آمادہ کار ہوئی، برخلاف اس کے ویدانت خاص وعام کی رگ وپے مین سرایت کئے ہوئے تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان ایران اور روم مین، مسلمان اس سے متاثر اور سیاسی طور پر کمزور اور اقتصادی رنگ مین سقیم الحال ہو گئے،

ویدانتی ہند باہمہ کثرت تعداد اور راجاؤن کی کثیر فوج کے بیرونی حملہ آورون سکندر، محمد بن قاسم، محمود اور محمد غوری کی قلیل فوج کا مقابلہ نہ کر سکا کیونکہ ویدانتی افسردگی کی وجہ سے سرگرمی اعمال رخصت ہو چکی تھی،

تلخیص و تبصرہ

جبل دروز
کے
جغرافی و تاریخی حالات

دروزیوں کی اس شورش جدیدہ کے بعد ان کے متعلق اردو میں کافی معلومات آچکے ہیں جن سے ان کے اصل، مذہبی، تمدنی، اخلاقی اور تاریخی حالات پر روشنی پڑتی ہے، لیکن الہلال مصر کے اکتوبر کے نمبر میں جبل دروز اور دروزیوں کے متعلق بعض اور معلومات یکجا کئے گئے ہیں جن سے جبل دروز کے جغرافی اور تاریخی حالات پر مزید روشنی پڑتی ہے، اسکی تلخیص ذیل میں دی جاتی ہے،

حدود اربعہ | اس سرزمین کا قدیم تاریخی نام "جبل حوران" ہے، اور اب یہ "جبل دروز" کے نام سے مشہور ہے، اسکے حدود اربعہ یہ ہیں:

شمال میں اراضی "لجا" یا "غوطۃ الشام" مغرب میں "اللجاۃ" ہے اور جنوب میں "حیاتہ" یا حدود حکومت شرق اردن واقع ہے، اور شرق میں "الصفا"، "الرحبۃ" اور "جبال الحارۃ" ہے،

زراعت | اس کا پورا رقبہ ۲۰۹۰ مربع کیلومیٹر (ایک کیلومیٹر ۰ اگز کا ہوتا ہے) اس پورے رقبہ میں سے ۲۴۰۰ ایکڑ زمین میں گیہون کی کاشت ہوتی ہے، اور ۶۰۰ ایکڑ زمین جو کی کاشت کے لیے اور ۵۰۰ ایکڑ زمین چنے کی کاشت کے لیے مخصوص ہے اور ۲۲۵۰ ایکڑ زمین میں اور دوسرے قسم کی کاشت ہوتی ہے،

آبادی | ۱۹۲۵ء کی مردم شماری کے لحاظ سے دروزیوں کی مجموعی تعداد ۵۲۰۶۴ ہے، ان میں سے ۴۵۶۴ عیسائی

ہین جنکی حالت نہایت غیر مربوط اور زبون ہی، ان میں سو۔۰۰ ۵ اشخاص فوجی خدمات پر مامور ہین،

قبائل | ان مین اپنے شرف وعزت کے لحاظ سے مختلف قبائل ہین، ذیل میں چند قبائل کے نام دیئے جاتے ہین، جو اسی ترتیب کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مقابل مین معزز سمجھے جاتے ہین، ان کے نام یہ ہین:- اطرش، عامر، ہنیدی، حلبی، نصار، ابو عاف ابو فخر قلعانی، عزام، نصر، بربور، حجلی، ابو علی اور شومری وغیرہ،

قریے | ان قبائل کی آبادی مختلف قریون مین ہے جنکی مجموعی تعداد ۱۲۸ ہے، جن مین سے چند مشہور قریے یہ ہین، عری، صرخد، شہبہ، قریتہ، قنوات، سالی، طربا، قلبان، عرمان، ملح، ہوایا، تعلبہ، عاہرہ، مجدل، سحن، لاہتی، نمراء، شقا، رساس، اور غریہ، ان قریون کا صدر مقام سویدا ہی، یہین امیر الجبل کا قیام رہتا ہے،

خانہ بدوش | یہ اعداد وشمار توان قبائل کے تھے جو ان قریون مین رہتے سہتے ہین، لیکن بہت سے قبائل خانہ بدوشی کی زندگی بھی گذارتے ہین، اور مختلف موسمون کے لحاظ سے مختلف مقامات پر خیمے نصب کرکے بدوی زندگی بسر کرتے ہین، ان قبائل کی نہ آج تک مردم شماری ہو سکی اور نہ ابھی تک ان مین مدنیت کی کوئی بوباس آئی ہے، ان مین سے بعض چند بڑے قبائل کے نام حسب، جواہرہ، حواسنہ، عنایقہ، شنابلہ، رولا، مداحلہ، حوازمہ، طرافشہ، مساعید، عصاخیر، شرفات، اعضات، اور مرشد ہین، یہ تمام قبائل اہل من قبیلہ باہل و قبیلہ زبید، کی شاخین ہین،

طبقۂ نسوان وصنعت وتجارت | دروزیون مین بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے یہان مردون کے دوش بدوش عورتین بھی تمام کامون مین حصہ لیتی ہین، ان کا ایک بڑا طبقہ جنگون مین شرکت کرتا ہے، ان کی صنعت وحرفت زیادہ تر عورتون ہی کے ہاتھون مین ہے، مختلف صنعتون مین سے پارچہ بافی، دری سازی اور لبادہ وغیرہ بنانے کا کام عورتین ہی انجام دیتی ہین، ان کی سب سے بڑی صنعت دری سازی ہے ۱۸۹۶ء مین جب دروزی مع اہل وعیال قسطنطنیہ کی طرف جلاوطن کیے گیے تھے، تو انھی ایام مین انھون نے اوران مین سے بالخصوص عورتون نے دری سازی مین کافی مشق بہم پہنچائی تھی، پھر وطن واپس آکر ان لوگون نے

اس صنعت کو کافی فروغ دیا ان کی ایک صنعت "اطباق" ہے، یعنی گیہون اور جو وغیرہ مین طرح طرح سے نہایت خوبصورت نقش و نگار بناتے ہین، جو تیار ہوکر دیوارون کی زینت مین کام آتے ہین، یہ کام اکثر عورتین ہی انجام دیتی ہین، ان کی تجارت کی منڈی دمشق ہے، لیکن انھین اپنی صنعت و حرفت و تجارت سے کوئی زیادہ فائدہ نہین پہنچتا، کیونکہ ان کی طبیعتون مین بیحد اسراف ہے، اور اسی کی بدولت یہ تاجران دمشق کے اکثر مقروض رہتے ہین،

آثار قدیمہ | جبل دروز مین آثار قدیمہ مین بہت سی چیزین ہین سوایدا مین ایک "قصر نعمان غسانی" ہے جسکی چوتھی صدی عیسوی مین تعمیر ہوئی تھی، لیکن اب اس کے صرف کھنڈر باقی رہ گئے ہین، اسی طرح رومانیون کی یادگار کے سلسلہ مین تین نہایت وسیع حوض اور چند ستون ہین، اور چند ستونون کی نسبت یونانیون کی طرف بھی کیجاتی ہے،

آثار مذہبی کے سلسلہ مین قنوات مین ہیکل "شمس" ہیکل "بعل" اور ہیکل "مشتری" ہین، اسی طرح صرخد مین ایک نہایت قدیم عالیشان قلعہ ہے، اور کہا جاتا ہے کہ وہین نبطیون اور عربون کے مشہور بت لات کا پتھر بھی کسی نہ کسی طرح پہنچ گیا ہے، اسی طرح شہبہ اور خربہ وغیرہ مین بھی بہت سی قدیم یادگارین موجود ہین،

دروز پر مختلف انقلابات | جبل حوران یا جبل دروز دونون کے متعلق مختلف کتب تاریخ کا خلاصہ یہ ہے:-

اس سرزمین پر فتح اسلامی سے پیشتر عیسائی حکمران تھے، پھر یہ ایک سو پچاسی برس تک مسلمانون کے قبضہ مین رہی، اس کے بعد دو سو چودہ برس تک عیسائی اور یہودی حکومت کرتے رہے، پھر یہ دروزیون کے ہمسایہ بدویون کے ہاتھ مین آگئی، سات سو چار برس تک اس پر مختلف انقلابات ہوئے، یہانتک کہ امیر علم الدین بن معن نے ۱۵۰ سپاہیون کی معیت مین اس پر قبضہ کیا،

بنو حمدان | امیر علم الدین بن معن کی طرف سے حمدان الحمدان جبل دروز مین نائب قرار پایا، جب ہستا

بدویون کو جبل دروز مین اس جدید انقلاب کی اطلاع ملی تو وہ حمدان الحمدان کے قلعہ پر چڑھ آئے لیکن وہ پہلے سے مستعد بیٹھا تھا اسلیئے بدویون کو ہزیمت اٹھا کر پسپا ہونا پڑا،

امیر شمس الدین اپنی کامرانی کے بعد لبنان واپس آگیا، اور حمدان جبل دروز کا مستقل والی مقرر ہوگیا لیکن اس وقت جبل دروز صرف پانچ قریون کے مجموعہ کا نام تھا، اسلیئے حمدان کو اس کے توسیع کی فکر ہوئی آخر اس نے توسیع حکومت کی غرض سے اپنی حکمت عملی سے چند اصول وضع کیے، اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ جبل دروز کی ترقی کا اصل سبب یہی اصول ہین، اور اسی دن سے دروزیون مین ترقی کی روح سرایت کرگئی اور اکثر ہمسایہ بدویون پر چھاپے مار مار کر اپنی حکومت مین وسعت پیدا کرتے گئے،

حمدان کے وضع کردہ اصول یہ تھے،

۱- ہمسایون کے مال و دولت دروزیون کے لیے مباح ہین،

۲- دروزیون کی معیشت ہمیشہ مامون و محفوظ رہیگی انھین زراعت کے لیے وسیع اراضی دیجائیگی،

۳- مذہبی پیشوائی کی تاسیس اور دروزی ان مذہبی پیشواؤن کا تمام وکمال احترام کرینگے،

۱۶۸۵ء سے ۱۸۶۹ء تک جبل دروز پر بنو حمدان قابض و متصرف رہے، اس اثنا مین دروزیون اور دیگر اقوام اور حکومتون سے متعدد لڑائیان ہوئین جن مین دروزی اکثر و بیشتر فاتح و غالب رہے، اور اسی قلیل مدت مین سرزمین دروزین کافی سرسبزی و شادابی پیدا ہوگئی، اور انکی آبادی ۱۵۰۰ سے تجاوز کرکے ۱۳۰۰۰ تک پہنچ گئی،

خاندان اطرش بنو حمدان ایک سو چوراسی برس تک جبل دروز کی مذہبی پیشوائی اور حکومت پر قابض رہے، پھر ۱۸۶۹ء مین ابراہیم پاشا بن اسمعیل الاطرش دروز کے صدر مقام سویدا مین فاتحانہ داخل ہوا اور اسی دن سے دروزیوں کی مذہبی پیشوائی اور انکی حکومت اس کے ہاتھ مین چلی گئی اور دروزیون اور حکومت عثمانیہ کی جو جنگ سب سے زیادہ مشہور ہے وہ ۱۸۷۹ء مین اسی کے عہد مین ہوئی تھی، پھر

دروزیون کی ایک دوسری جنگ ۱۸۷۹ء مین کرک سے ہوئی، لیکن اسی اثنا مین دروزیون مین اشتراکی تحریک پیدا ہوئی کاشتکارون اور مزدورون وغیرہ مین کامل اتحاد ہوگیا اور وہ لوگ سربرآوردہ لوگون کے خلاف جنگ کی تیاری مین مصروف ہو گئے، جب شبلی بک کو جو ابراہیم پاشا کے حقیقی بھائی تھے اسکی اطلاع ہوئی تو وہ بھی اپنی جمعیت متحد کرنے مین مشغول ہو گئے، یہان تک کہ ۱۸۸۶ء مین ایک خونریز جنگ برپا ہوگئی جس مین بہت سخت کشت وخون ہوا، بنو طرشان بے خانمان بھاگ بھاگے پھرے، آخر انھین حوران مین پناہ گزین ہونے کا موقع ملا اور اس بغاوت مین عوام مشائخ و زعمار پر پوری طرح فتحیاب ہوئے، لیکن بعد مین یہ بغاوت فروع ہوگئی، مگر ابھی دروزی پوری طرح مطمئن نہ ہوئے پائے تھے کہ ۱۸۸۹ء مین انکی دولت عثمانیہ سے جنگ چھڑ گئی اور اسی سلسلہ مین ۱۸۹۰ء مین شبلی بک گرفتار کر لیے گئے جنھین دروزیون نے ایک ہولناک جنگ کے بعد قلعہ مزارعہ سے رہا کرایا،

۱۸۹۲ء مین ابراہیم پاشا کا انتقال ہوگیا اور انکی جگہ پر ان کے بھائی شبلی بک سرفراز ہوئے شبلی نے سب سے پہلے ۱۸۹۳ء مین ایک جنگ کے بعد دروز اور حوارنہ مین صلح کرائی،

حکومت عثمانیہ اور جبل دروز پھر اسی سنہ مین جبل دروز پر حکومت عثمانیہ کا غلبہ ہوگیا اور اس نے وہان کے بہت سے سربرآوردہ اشخاص کو جلاوطن کر دیا انھین مین شبلی بک اور ابو طلال وہبہ بک عامر بھی تھے پھران زعمار کی عدم موجودگی مین ۱۸۹۴ء سے ۱۸۹۵ء تک مختلف چھ لڑائیان ہوئین یہانتک کہ ۱۸۹۶ء مین حکومت عثمانیہ کو دروز پر پورا تسلط حاصل ہو گیا، پھر ۱۸۹۷ء مین حکومت نے بہت سے سربرآوردہ لوگون کو دوبارہ جلاوطن کیا اور اس جلاوطنی کے بعد وہاں حکومت کیلیے کامل امن وامان حاصل ہوگیا،

اس کے بعد ۱۸۹۸ء مین وہان بغاوت کی پھر ایک نئی لہر دوڑ گئی، اس بغاوت مین دروزیون کا سب سے اہم مطالبہ جلاوطن زعمار کی واپسی تھی، اس موقع پر حکومت عثمانیہ کو سپر ڈالنی پڑی اور شاہی اعزاز و اکرام کے ساتھ جلاوطن زعمار اپنے وطن واپس کئے گئے، پھر ۱۹۰۲ء مین شبلی بک کا انتقال ہو گیا،

اور انکی جگہ ان کے حقیقی بھائی یحیی بک نے لی، ان کے عہد مین بہت سی لڑائیان ہوئین جنمین سب سے اہم وہ لڑائی ہے جو ان مین اور عرب "صنیر" کے درمیان ۱۹۰۷ء مین ہوئی، نیز شہر بصری "اسکی شام" کی فتح اور ۱۹۰۹ء مین اس کے قلعہ کا محاصرہ ہوا، اس کے بعد شامی پاشا فاروقی متعین ہوئے، جنھون نے امان دینے کے بعد اکثر زعما کو گرفتار کر لیا، اور ان مین اکثر کے متعلق مختلف فیصلے، مثلاً سزائے موت وغیرہ کے گئے۔

۱۹۱۴ء مین یحیی بک نے وفات پائی اور امیر سلیم بن محمود جو یحیی بک کے حقیقی بھائی تھے جبل دروز کے زعیم مقرر ہوئے انھون نے اپنے وطن کے فلاح وبہبود کے لحاظ سے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جمال پاشا پر زور ڈالا کہ دروزیون کو عساکر عثمانیہ مین جبری فوجی خدمت سے بری کر دیا جائے،

جب عالمگیر جنگ کی بدولت مصائب کا اضافہ ہوا اور شام، لبنان اور فلسطین کے لوگون پر مظالم ہوئے اور بہت سے لوگ سخت قحط سالی کی مصیبت مین مبتلا ہوگئے تو دروزان نے عموماً اور جبل دروز نے خصوصاً پناہگزینون کے لیے عام طور پر اپنے دروازے کھول دیئے اور اختتام جنگ تک اس انسانی فرض کو ادا کرتے رہے، لیکن اس کے ساتھ انھین یہ بھی کرنا پڑا کہ گیہون کے رسد خانہ کا دروازہ جمال پاشا اور سلطنت عثمانیہ کے سامنے بند کر دیا اور ان کے گیہون کے تمام ذخائر کو جو بکثرت تھا پناہگزینون اور شام کے خریدارون کے لیے محفوظ کر لیا، اور اگر ان کے رسد خانہ مین اس کا ذخیرہ نہ ہوتا تو ۱۹۱۷ء مین دمشق مین بھی قحط کا وہی اثر پڑتا جو دوسرے ممالک پر پڑا تھا اور فی الحقیقت عالمگیر جنگ مین جبل دروز دو حصون مین منقسم تھا ایک حصہ امیر سلیم اطرش کی سرداری مین دولت عثمانیہ کا جانبدار تھا اور دوسرا سلطان پاشا اطرش کی قیادت مین حلفار کا حامی تھا اور اسی نے بادیہ شام مین سب سے پہلی مرتبہ علم بغاوت بلند کیا اور ۱۹۱۸ء مین دمشق مین فاتحانہ داخل ہوا، پھر اس کے بعد حکومت عثمانیہ اور دول حلفا مین معاہدون کے رو سے جو کچھ طے ہوا اور جو جو واقعات ظہور پذیر ہوئے اور جبل دروز مین آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب نظرون کے سامنے ہے،

(الہلال مصر بحوالہ الرسالہ)

اخبار علمیہ

مچھلی کی موم بتی، الاسکا مین ایک قسم کی مچھلی پائی جاتی ہے، جسے اگر خشک کر کے جلایا جائے تو موم بتی کا کام دیتی ہے،

ایک بادشاہ کی قبر ناروے کے ایک مقام اُولن سیکر کے قریب ایک بڑا ٹیلہ ہے جو ۰۰ فٹ بلند اور ۳۰۰ فٹ مربع ہے، مقامی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹیلہ ایک لامعلوم بادشاہ کا مقبرہ ہے جس مین وہ دو سفید گھوڑون کے بیچ مین آرام سے آخری نیند سو رہا ہے، ۱۸۳۸ء مین ٹیلہ کو کھودنے کا کام شروع کیا گیا تھا مگر بعض مہلک واقعات کی وجہ سے ترک کر دیا گیا، ماہرین اثریات اب ایک مرتبہ پھر اس روایات کی تصدیق و تکذیب کی تحقیقات کا سامان کر رہے ہین،

ایک نئی گھڑی کی ایجاد، اب تک جتنی گھڑیان ایجاد ہوئی تھین اُن مین وقت دو سوئیون کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا تھا، مگر اب انگلستان مین ایک مربع قسم کی گھڑی نکلی ہے جن مین یہ دونون سوئیان موجود نہین ہین بلکہ ان کے ساتھ گھنٹہ منٹ کے نشانات بھی غائب ہین، گھڑی کے اوپر صرف دو سوراخ بنے ہوے ہین، ایک سے گھنٹہ کے حروف نکلتے رہتے ہین اور دوسرے سے منٹ کے، جہان ایک منٹ ختم ہوا وہ منٹ فوراً اندر چلا جاتا ہے، اور دوسرا باہر نکل آتا ہے، اس مین ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے، کہ آدمی ان اعداد کو زیادہ آسانی اور فاصلہ سے بھی پڑھ سکتا ہے،

ہوائی جہاز کی پرواز اور اسکی آواز، اس وقت تک ہوائی جہازون کی پرواز کے وقت بہت سخت آواز ہوتی تھی اور دشمن کو دور ہی سے اس کے آنیکی اطلاع مل جاتی تھی، مگر اب یہ کوشش کی جارہی ہے، کہ اس کے پرون اور پہیون کی ایسی ساخت ہو کہ یہ آواز بالکل جاتی رہے، چنانچہ بعض ماہرین نے اس کی کوشش شروع کردی ہے، اور وہ اس مین بہت کچھ کامیاب بھی ہوئے،

سفری لاسلکی، لاسلکی تار نے جو عمومیت دنیا مین حاصل کی ہے وہ بیان سے مستغنی ہے، لیکن جدت پسند شائقین کی تمنا وخواہش کو کیا کیجئے کہ وہ صرف گھر ہی مین اس سے متمتع ہونے کے خواہشمند نہین ہین، بلکہ ہر جگہ اور ہر مقام پر اس سے حظ اٹھانا چاہتے ہین، اسی ضرورت وشوق کو دیکھکر انجنیرون نے اس قسم کے چھوٹے چھوٹے سٹ تیار کرتے ہین جو آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجائے جاسکتے ہین، نیز عام موٹرون کو بھی ان سے مزین کیا جارہا ہے،

افسانہ نویسی کی آمدنی، ہمارے ہندوستان مین افسانہ نویسی معیوب کیون نہو اور افسانہ نویس مالی مشکلات مین کتنا ہی گرفتار کیون نہو، علم دوست وادبیات پسند یورپ مین ایسا نہین ہے، حال ہی مین ایک مشہور افسانہ نویس نائٹ سر رائڈر ہیگرڈ کا انتقال ہوا ہے اور انھون نے ۶۱،۲۵ پونڈ جو تمامتر اسی ایک ذریعہ کی آمدنی تھی چھوڑے ہین،

اسی سلسلہ مین دوسرے افسانہ نویسون کی آمدنی معلوم کرنا بھی باعث دلچسپی ہوگا،

چارلس گرویس ۱۰۰۰۰ پونڈ، جارج کنارڈ ۲۰۰۰۰ پونڈ، مسز ہمفری وارڈ ۱۱۳۰۰ پونڈ،

مسز موصوفہ کی جو آمدنی دکھائی گئی ہے وہ وہ ہے جو ان کے خیراتی کامون کے بعد بچ رہی تھی ورنہ ان کے صرف ایک افسانہ ہلبک آف بنسڈل (HELBECK OF BANNISDALE) مین ان کو

۰۰۰،۲۱ پونڈ ملے تھے، اوسمنڈ کو اپنے ایک افسانہ [illegible] کی بابت [illegible] ۰۰۰،۲۵ پونڈ، اور ڈواڈیٹ کو [illegible] معاوضہ کے ملے ... ۰۰۰،۴ پونڈ ملے، جارج الیٹ کو "مڈل مارچ" کے لئے ۰۰۰،۸ پونڈ ملے تھے، بیکنسفیلڈ کو دو قصون کے لئے ۲۴ ہزار، چارلس ڈکنیس ۰۰۰،۸ پونڈ، تھامس ہارڈی ۰۰۰،۳، چارلس ریڈ ۰۰۰،۳ پونڈ، کنگزلی ۰۰۰،۲ پونڈ، اور لائل ۰۰۰،۵ پونڈ، مری کوریلی ۰۰۰،۴ پونڈ،
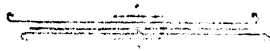
ایک جدید براعظم، نیویارک (امریکہ) کا ایک ماہر طبعیات و ارضیات ڈوون فیرفکس نالٹی کا دعویٰ ہے کہ وسط پیسفک مین امریکہ کو عنقریب ایک جدید براعظم ہاتھ لگیگا، اس کا بیان ہے، اجزائے ہوائی رفتہ رفتہ سطح آب سے بلند تر ہو رہے ہین، اور بہت جلد جاپان کے برابر ایک ملک بن جائیگا، اس کے ساتھ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس انقلاب ارضی کے لئے کوئی زلزلہ وغیرہ نہ ہوگا،
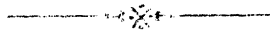
لاسلکی اور بائسکوپ کے فلم، ابھی تک صرف آدمیون کی تصاویر لاسلکی طریقہ سے لی جاتی تھین، اس کے بعد یہ ترقی ہوئی کہ ان مین رنگ آمیزی بھی اس ذریعہ کی جانے لگی حتی کہ چیک تک اس ذریعہ بھیجا جاتا ہے، مگر اب اس ترقی پسند فن نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے، اور بائسکوپ کے فلم بھی عنقریب اس سے لئے جائینگے اور ہین، امید کی جاتی ہے، کہ اس کے متعلق ضروری تجربات کی تکمیل کے بعد یہ کام جلد شروع ہو جائیگا،

ہوائی تاخت سے محفوظ رہنے کا ایک جدید طریقہ، دشمن کی ہوائی تاخت سے محفوظ رہنے کے لئے یون تو متعدد دفاعی آلات وسامان پیدا کرلئے گئے ہین، مگر سب سے حال کی چیز ایک جال ہے، یہ جال توپ سے گولون کی [illegible] رہتے ہین [illegible] ہوائی جہاز کی سمت مین چھوڑا جاتا ہے، وہ

اوپر جا کر پھیل جاتے ہین اور پھر دشمن کے جہاز کو مچھلی کی طرح اپنے اندر لیکر نیچے گرا دیتے ہین،

کیڑون کا عجائب خانہ، امریکہ کے عجائب خانہ تاریخ طبعیات کے افسر اعلیٰ ڈاکٹر فرنیک، ای لٹز نے نکسیڈو (نیویارک) مین صرف کیڑون کا ایک عجائب خانہ قائم کیا ہے، اس مین اس وقت تک ۷۶۰ اقسام کے کیڑے لائے جاچکے ہین،

ایک عمارت پر رقص کی سحرکاری، حال ہی مین بوسٹن (امریکہ) مین ایک ناچ گھر کے گرجانے سے تقریباً پچاس آدمیون کی جانین ضائع ہوئین، عمارت بظاہر مضبوط و مستحکم تھی، اور اس عمارت کے گرنے کا سبب معلوم نہ ہوسکا تھا، مگر اب پتہ چلا ہے، کہ اس کی اصلی وجہ ایک خاص قسم کا رقص تھا جس کے اثر سے یہ عمارت بیٹھ گئی، اگر اس انہدام اور رقص مین علت و معلول کا یہ سلسلہ صحیح ہے تو آج سے اسکا انکار نکرنا چاہیے کہ "ذوق رقص"، "خانہ ویرانی" کا باعث ہے،

بعض مفید جراثیم، ایک فرانسیسی ماہر جراثیم ڈاکٹر آر ڈی، لا، وال نے پیرس کے مشہور اخبار لی ایکو ڈی پیری (صدائے پیرس) مین ایک مضمون لکھ کر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ اگرچہ ہمارے تمام امراض جراثیم کی وجہ سے ہوتے ہین اور یہ جراثیم بعض مرئی اور بعض غیر مرئی ہوتے ہین مگر حیرت یہ ہے کہ بعض جراثیم ایسے ہین جو ان امراضی جراثیم سے بھی چھوٹے ہین اور وہ ان جراثیم کے دشمن اور ان مین مرض پیدا کرتے ہین، اس لئے اگر ان جراثیم کی نسل کو بڑھانے کی کوشش کی گئی تو بنی نوع انسان کے لئے بہت ہی مفید ہوگا اور تمام امراضی جراثیم اپنے ان دشمن جراثیم کے شکار ہوجائین گے،

باب التقریظ والانتقاد

حجۃ الاسلام

مصنفہ

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

اسلام مین مناظرہ وتردید کا رواج نہایت قدیم زمانہ سے ہے، علم کلام اگرچہ اب ایک مستقل علم ہو گیا ہے لیکن اس کی تدوین بھی اسی غرض سے ہوئی کہ دوسرے مذاہب کی تردید کی جائے اور ان کے مقابل مین مذہب اسلام کی صداقت وفضیلت ثابت کی جائے، اس کے بعد فقہ کی مختلف شاخین قائم ہوئین تو فقہا مین مناظرہ کا سلسلہ قائم ہوا اور ایک مدت تک قائم رہا لیکن باانیہمہ ان مذہبی نبرد آزماؤن نے تہذیب واخلاق کا دامن ہاتھ سے نہین چھوڑا اور ان مین معقول دلائل کے سوا کسی کی زبان سخت ونالائم کلمات سے آلودہ نہین ہوئی، چنانچہ علم کلام صرف متین وپرمغز دلائل کا مجموعہ ہے، اور قدیم فقہا کے مناظرے بھی نہایت مہذب وشایستہ ہین، لیکن اس کے بعد حالات بدل گئے، اور مناظرے زیادہ تر طنز وتشنیع کا مجموعہ ہو گئے، ہندوستان مین زیادہ تر شخصی مناظرے ہوئے یعنی کسی مذہب کے دو شخصون مین مناظرہ ہوا قدرتی طور پر دونون مین سخت کلامی ہونے لگی، اس کے بعد قومی کشمکش پیدا ہوئی تو زیادہ تر عیسائیون آریہ سماجیون اور مسلمانون مین مناظرے ہوے، لیکن جیسا کہ باہمی کشمکش کا نتیجہ ہوتا ہے، یہ بھی اپنی اصلی متانت قائم نہ رکھ سکے، سب سے بڑھکر یہ کہ عموماً مناظرے کسی خاص مسئلے پر ہوئے، اس لئے اردو لٹریچر مین بمشکل کوئی کتاب ایسی مل سکتی ہے، جو تمام مذاہب کی تردید مین متانت کیسا تھ لکھی گئی ہو، لیکن زیر ریویو کتاب نے اس کمی کو بہت کچھ پورا کر دیا ہے،

مصنف نے اس کتاب کی ابتدائی تقسیم ایک مقدمہ، پندرہ باب اور ایک خاتمہ مین کی تھی، لیکن چونکہ

ان مباحث مین کتاب کی ضخامت ایک ہزار صفحے سے زیادہ کردی اس لئے اُنھون نے اس کو کئی چھوٹے چھوٹے حصون مین تقسیم کرکے شایع کرنا مناسب سمجھا، چنانچہ یہ حصہ ایک مقدمہ اور ابتدائی پانچ ابواب پر مشتمل ہے، مقدمہ مین دہریہ عقائد سے بحث کی گئی ہے، اور وجود باری، الہام، روح، جزا و سزا، انبیا و رسل وغیرہ اہم مسائل پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے، اس کے بعد ابواب شروع ہوئے ہین جنمین حسب ذیل مسائل ہین،

باب اوّل، صفات باری تعالیٰ، توحید، قدرت، خالقیت، ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، صفت علم وحدت فی العبادات،

باب دوم، مذاہب عالم، شریعت اسلام،

باب سوم، قرآن مجید، قرآن مجید ایک مکمل اور ناطق کتاب ہے، تعلیمات قرآنی کا نمونہ، قرآن مجید غیر مسلم لوگون کی نگاہ مین،

باب چہارم آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آنحضرت کے متعلق پیشینگوئیان، آنحضرت صلعم کے اقوال وحالات زندگی کی حفاظت آنحضرت صلعم کی زندگی مین انسانی زندگی کے تمام شعبے موجود ہین، آنحضرت صلعم کی زندگی مین اعلیٰ ترین اخلاقی نمونے، غیر مسلم محققین کی شہادتین،

باب پنجم، بعض اعتراضات، عقل کا دخل، اسلام اور تلوار، نکاح ثانی اور طلاق، آنحضرت صلعم کی ذات مبارک پر حملہ بیجا کا جواب، ان ابواب مین انھون نے اسلام، ہندو دھرم، بودھ مت، عیسائی ملت، مجوسیت، اور یہودی مذہب کے عقائد وخیالات کو پیش نظر رکھا ہے، اور ان سب کی تردید اور ان کے مقابلہ مین نہایت متانت کے ساتھ اسلام کی صداقت وتفضیلت ثابت کی ہے، اس لئے اس کو بجائے مناظرہ کے جدید علم کلام کی ایک کتاب خیال کرنا چاہئے،

کتاب کا پہلا باب جس مین دہریون کے عقائد سے بحث کی گئی ہے، بالکل عقلی ہے، اور ہمارے قدیم علم کلام مین ان مسائل کے متعلق نہایت مدلل بحث موجود ہے، لیکن مصنف نے ان مسائل کو جن دلائل سے

ثابت کیا ہے ان کے متعلق قدیم علم کلام کی کسی کتاب کا حوالہ نہین دیا، بلکہ ہمارا خیال ہے کہ انھون نے خود خطابی دلائل قائم کئے ہین اور زیادہ تر مثالون سے ان مسائل کو ثابت کیا ہے، جو عوام کے لئے دلچسپ اور مؤثر تو ہو سکتے ہین لیکن ایک پڑھا لکھا دہریہ ان پر آسانی سے ایمان نہین لا سکتا، بقیہ ابواب کے مسائل اسلامی لٹریچر کے متداول مسائل ہین، اور ان پر مسلمان اور یورپین مصنفین نے بہت کچھ لکھا ہے، اور اس کتاب مین ان تمام معلومات کو نہایت جامعیت کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے، ضخامت ۱۹۷ صفحے اور تقطیع ۲۰×۲۶ ہے، کتابت وطباعت اچھی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت عہ منیجر عبرت نجیب آباد،

مطبوعات جدیدہ

درجات الیقین، یہ علامہ ابن تیمیہ کے ایک نہایت مختصر رسالہ کا ترجمہ ہے، جس مین کتاب وسنت سے "یقین" کے تین مراتب "علم الیقین"، "عین الیقین" اور "حق الیقین" قرار دیکر ہر ایک کی تشریح کی گئی ہے، اسی سلسلہ مین مراتب وجد و ذوق، حلاوت ایمان، محبت خدا اور توحید اخلاص کی بھی توضیح کی گئی ہے، ترجمہ سلیس اور عام فہم ہے، آخر مین متن عربی بھی ہے حجم ۱۴ صفحے کاغذ معمولی اور کتابت وطباعت متوسط ہے، قیمت ۲ر پتہ محمد شریف عبدالغنی تاجران کتب کشمیری بازار لاہور،

العقیدۃ الواسطیہ، یہ علامہ ابن تیمیہ کے دوسرے رسالہ کا صاف سلیس اور عام فہم ترجمہ ہے، اسمین عقائد اہل السنۃ والجماعہ مین سے ایک ایک عقیدہ کو علحدہ علحدہ مختصر وجامع و مانع الفاظ مین پیش کرکے ہر ایک کی مختصر تشریح کی گئی ہے، مسلمانون کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا، حجم مع متن عربی ۴۰ صفحے، کتابت اچھی ہے کاغذ چکنا اور باریک جس کی وجہ سے روشنائی ہر صفحہ کے دوسرے پشت پر پھوٹ گئی ہے، اسی لئے طباعت بھی اچھی نہین معلوم ہوتی، قیمت ۲ر، سابق پتہ پر یہ بھی طلب کیجئے،

الوصیۃ الصغریٰ، یہ بھی علامہ ابن تیمیہ کے ایک رسالہ کا ترجمہ ہے، اس مین چند سوالات کے جوابات دئے گئے ہین، مثلاً کوئی ایسا عمل خیر بتایا جائے جس سے فلاح دارین حاصل ہو، اس کے جواب مین تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، پھر تقویٰ کی ضروری تشریح درج ہے، کسی ایسے عمل کی ہدایت کی جائے جو فرائض و واجبات کے بعد سب پر فوقیت رکھتا ہو، اس کے جواب مین "استخارہ" بتایا گیا ہے، پھر استخارہ کی کتاب وسنت سے مختصر تشریح ہے، ذریعۂ معاش کیلئے کسی کسب کے اختیار کرنے کے جواب مین ہدایت کی گئی ہے کہ بہترین کسب "توکل" ہے پھر توکل کی مختصر توضیح کی گئی ہے، اور حصول معاش کیلئے دستکاری

تجارت، فن تعمیر اور زراعت وغیرہ مین سے کسی ایک کو اپنے ماحول کے اعتبار سے منتخب کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، سب سے آخر مین یہ سوال ہے کہ علم حدیث کی کوئی ایسی کتاب بتائی جائے جس پر اعتماد کامل ہو، اس کے جواب مین نشار نبی اکرم صلعم کو سمجھ کر اسے اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، پھر کتابون مین سے بہ صحیح بخاری کے مطالعہ کو مفید بتایا گیا ہے، اور یہ بھی تصریح کی گئی ہے، کہ صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتابون کی طرف بھی رجوع کرنا چاہئے، رسالہ مسلمانون کے لئے مفید ہے، ترجمہ مین تمام حسن خوبی موجود ہے، حجم مع متن عربی ۲۰۳ صفحے، کاغذ معمولی کتابت و طباعت معمولی ہے قیمت ۴ر سابق پتہ پر یہ بھی طلب کی جائے،

اُردو کا جدید قاعدہ مع آرگومنٹ، یہ اردو کا جدید قاعدہ ہے جسے جناب محمد شریف خان صاحب ملک نے ترتیب دیا ہے، کتاب تین قسمون مین منقسم ہے، پہلی قسم مین اشکال دوسری مین تلفظ حروف بتانے کی کوشش کی گئی ہے، تیسری قسم مین چند اشیا پیش کرکے بچون مین واقفیت عامہ پیدا کرنے کی غرض سے چند چیزون کے حالات بتائے گئے ہین، کتاب کے ابتدائی حصہ مین ہر صفحہ پر فٹ نوٹ مین اساتذہ کو طریقہ تعلیم کے متعلق ہدایتین دی گئی ہین، کتاب مین بعض فروگذاشتین اور بعض تشریح طلب الفاظ ہین مثلاً بچون کو "بسم اللہ" سے روشناس نہین کیا گیا، یا صفحہ اول کے فٹ نوٹ مین ایک لفظ متروک ہے، یا صفحہ ۴ کی پہلی سطر مین "مواشی" "پڑے چر رہے ہین، یا مثلاً صفحہ ۲۰ کی آخری سطر مین "یہان "ٹھیر" "دھر" سکتا ہون کہ ان "کی" "انتظار دیکھیو، کتاب مجموعی حیثیت سے بچون کے لئے مفید ہے، حجم ۴۰ صفحے تقطیع چھوٹی ہے، کاغذ متوسط اور کتابت و طباعت اچھی ہے، قیمت ۴ر ملک صاحب نے اپنے اصول کی تشریح ایک مستقل "ارگومنٹ" مین کی ہے، اس کی قیمت ۲ر ہے، پتہ منیجر صاحب الہلال بک ڈپو نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور،

عوامل النحو، مولوی مشتاق احمد صاحب چھپراوی مقیم رنگون نے نحو عربی کے مشہور رسالہ "مایۂ عامل" مین بعض مفید اور کارآمد اضافہ کرکے اسے "عوامل النحو" کے نام سے شایع کیا ہے، رسالہ بچون کے لئے مفید ہے حجم ۱۶ صفحے کتابت جلی ہے، کتابت و طباعت اور کاغذ معمولی ہے، قیمت ۵ر پتہ ضیار الدین صاحب فیروز اسٹریٹ نمبر ۲۰ رنگون،

علم الصرف حصہ اوّل و دوم و سوم، مولوی مشتاق احمد صاحب نے اس رسالہ کے حصہ اول دوم

مین عربی علم صرف کے عام قواعد مع گردان وغیرہ مرتب و منتظم صورت مین لکھے ہین حجم ۳۲ صفحے کاغذ اور کتابت و طباعت محض معمولی ہے، قیمت ۴ر اور حصۂ سوم مین محض تعلیل کے قاعدے مختلف مثالین دیکر سمجھائے گئے ہین حجم ۲۰ صفحے کتابت و طباعت اور کاغذ محض معمولی ہے قیمت [illegible] یہ رسائل مبتدیون کے لئے مفید اور رواج دیئے جانے کے قابل ہین،

پتہ ضیاء الدین صاحب فیروز اسٹریٹ نمبر ۲۸ رنگون،

حمایت اخلاق، مولوی محمد عبد الوہاب صاحب عندلیب حیدرآبادی نے بطرز مثنوی بہت سے واقعات نظم کئے ہین جن مین اخلاق حسنہ کی دعوت دی گئی ہے، اور برائیون سے بچنے کی ہدایتین ہین، واقعات مین جابجا کتاب و سنت سے استشہاد لائے ہین، مثنوی کا مطالعہ مسلمانون کے لئے مفید ہے، حجم ۲۲ صفحے کاغذ اور کتابت و طباعت متوسط ہے قیمت ۲ر، پتہ دفتر رسالہ واعظ شاہ علی بنڈہ حیدرآباد دکن،

فقراے اسلام، اس کتاب مین مولٰنا عبد السلام صاحب ندوی نے بزرگان سلف مین سے تقریباً ایسے پچیس اشخاص کے ترجمے کتب سیر و رجال سے جمع کئے ہین جنھون نے نہایت عسرت و تنگدستی اور فقر و فاقہ کے باوجود مذہبی و اخلاقی خدمات انجام دیئے، اور جنکی دینی برکتون سے مسلمان ہمیشہ مستفید ہوتے رہین گے، ایسی کتابین انلوگون کیلئے قابل عبرت و بصیرت ہین جو مذہبی و اخلاقی خدمات انجام دیتے ہین مالی مشکلات سے گھبرا جاتے ہین حجم ۱۳۲ صفحے کتابت و طباعت اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۱۲ر پتہ منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ منڈی بہاء الدین پنجاب

سیرۃ غوث الاعظم، مولفہ مولوی محمد زاہد صاحب قادری، یہ حضرت عبد القادر گیلانی کی مختصر سوانحعمری ہے، اسکی ابتدا مین ۷ صفحہ کا ایک مقدمہ ہے جسمین معجزات انبیاء و کرامات اولیاء کے امکان و وقوع پر بحث کی گئی ہے، پھر چند صفحون مین حمد، نعت اور منقبت غوث اعظم مین اشعار ہین پھر چند صفحون مین شیخ کے فضائل و مناقب دیئے گئے ہین جنمین چند کتابون کے حوالے دیکھ قصے نقل کئے ہین جنمین صحت کا بہت کم التزام کیا گیا ہے، اس کے بعد سوانح حیات ہین آخر مین "تعلیمات و ہدایات" کا باب ہے، ضرورت تھی کہ اس باب کو وسعت دیجاتی اور دکھایا جاتا کہ ان کے صحیح فضائل و مناقب انکی یہی صحیح اسلامی تعلیمات ہین سب سے آخر مین قصیدہ غوثیہ مع ترجمہ اردو ملحق ہے، حجم ۷۰ صفحے کتابت و طباعت اچھی اور کاغذ متوسط ہے قیمت ۸ر پتہ منیجر بالی

مجلد شانزدہم	ماہ جمادی الاول ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۵ء	عدد ششم

مضامین

شذرات

نومبر کی ۲۸ و ۲۹ کو **ندوۃ العلماء** کا سالانہ جلسہ شہر انبالہ میں منعقد ہوا، پرانی اصطلاح کے مطابق ایک جلسہ کی کامیابی کے جو شرائط ہیں وہ بہمہ وجوہ مکمل تھے، ہزاروں مہمان بھی تھے، علماء اور واعظین کا مجمع بھی تھا، قومی کارکنون اور رہبروں کی جمعیت بھی تھی، ڈائس پر معززین کی نشست بھی تھی، استقبال کے جلوس بھی تھے، اور اسلامیہ اسکول انبالہ کے بوائے اسکاوٹس کی خوبصورت مگر پُرہیبت صفین بھی تھیں، مگران تمام محاسنِ نظر کے ساتھ جو چیز سب سے زیادہ دلکش اور مسرت افزا تھی، وہ مختلف الخیال علمائے دین اور رہبرانِ ملت کا دوش بدوش اجتماع تھا، جسکا منظر یوں بھی اور خصوصاً ان دنوں مسلمان دیکھنے کو ترستے ہیں،

علماء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد صاحب جوناگڈھی، مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء، مولانا مناظر حسن استاذ الحدیث جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب استاذ التفسیر جامعۂ عثمانیہ، صدر یار جنگ مولانا شروانی، نواب حسام الملک مولوی سید علی حسن خان، مولانا عبد الماجد بی، اے دریابادی، مولانا فاخر الہ آبادی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب پٹیالوی، مصنف رحمۃ للعلمین، مولوی حاجی سر رحیم بخش صاحب، مولانا عبد الرحمن نگرامی ندوی، مولانا مسعود علی ندوی، مولانا حاجی حفیظ اللہ صاحب مدرس اعلیٰ دار العلوم، مولانا خلیل الرحمن صاحب سہارنپوری، مولانا قاری عبد السلام صاحب عباسی، مولانا عبد الرحیم صاحب ریواڑی مدرس عربی، سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری، مولوی اکرام اللہ خان صاحب ندوی، مصنف ایجوکیشنل کانفرنس، مولانا

شاہ نظام الدین صاحب جھجری، مولوی عقیل الرحمن صاحب ندوی سہارنپوری، مولوی فضل قدیر صاحب ندوی مہتمم مدرسہ اسلامیہ، مولوی محمد حسن صاحب ندوی واعظ، مولوی عبد الغفور صاحب شہر ندوی اور خادم العلما سید سلیمان ندوی، رہبران قومی اور معززین میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو، منشی سید شمس الدین صاحب سابق سکرٹری حمایت اسلام لاہور، آنریبل شیخ عبد القادر، غازی عبد الرحمان، منشی احتشام علی صاحب رئیس لکھنؤ نواب زادہ صاحب کرنالی، منشی وحید الحسن صاحب رئیس اناؤ، اور دیگر اعیان واکابر موجود تھے،

جلسہ میں عام مجلسوں کے خلاف دستور، صرف تین تجویزیں پیش ہوئیں، ایک دار الاقامہ کی تعمیر کے لیے ہر صوبہ سے ۵ ہزار کا مطالبہ، اور دوسری تجویز جس کو ندوۃ العلما کے اس اجلاس کا حاصل کہنا چاہیے حسب ذیل تھی،

ندوۃ العلما تیس سال سے جماعت علمائے کرام اور عامۃ المسلمین کی خدمت میں یہ دعوت پیش کر رہا ہے کہ اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے فرقہ وارانہ نزاع اور مذہبی بحث ومباحثہ کے غلط طریقوں کو جنسے ملت کی پراگندگی، اور انتشار کو ترقی ہوتی ہے، بند کریں، اسلیے یہ مجلس اس وقت جماعت علما، اور عام مسلمانوں میں جو بعض مذہبی تنازعات غلط طریقہ سے پھیل رہے ہیں ان پر سخت افسوس ظاہر کرتی ہے اور استدعا کرتی ہے کہ مسلمانوں میں اس رسوا کن تفرقہ پردازی سے پرہیز کیا جائے،

سید سلیمان نے اسکو پیش کیا، اور مولانا خلیل الرحمن صاحب سہارنپوری، مولانا عبد الرحیم ریواڑی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، قاضی محمد سلیمان صاحب نے تائید کی،

تیسری تجویز اگر انجام کو پہنچ جائے تو اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمت ہو، پنجاب اور اودھ کے بعض اضلاع، اور بمبئی کی بعض قومیں ترکہ اور میراث میں اصول اسلام کے بجائے رسم ورواج کو شریعت

قرار دیتی ہیں، پنجاب کے جیسے خطہ میں شریعت اسلامیہ کی یہ توہین حد درجہ افسوس کے قابل ہے، امسال قاضی محمد سلیمان صاحب نے اس تجویز کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا اور مسلمانان پنجاب سے درخواست کی کہ وہ اس قابل شرم رواج کو چھوڑ کر شریعت اسلام کو اپنا اصول بنائیں، اور ضرورت ظاہر کی کہ قانونی حیثیت سے ندوہ اس کے متعلق کچھ کرے، اور مسلمانوں میں اسکے لیے باقاعدہ تبلیغ و وعظ کا کام انجام دے، بات تو صحیح ہے، مگر مشکل یہ ہے کہ یہ کام باہر سے کرنے کا جس قدر ہے اوس سے زیادہ خود مقامی علماء کو ادھر متوجہ کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی نے اپنی تائیدی تقریر میں ادھر ہی توجہ دلائی،

جلسہ میں جو تقریریں ہوئیں، ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہمارے عزیز دوست مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی تقریر "روح اسلام" پر تھی، مولانا شیروانی کی تقریر حسب دستور دلآویز، مؤثر اور صحابہ کرام کے واقعات سے لبریز تھی، عنوانِ تقریر "حیات قرآنی" تھا، ہمارے برادر عزیز مولانا عبد الرحمن نگرامی، ندوی کی تقریر "مقاصد ندوہ" پر مدلل و دلکش تھی، اور ان کے متعلق ڈاکٹر کچلو کا یہ قول کہ "ہمکو ایسے ہی مولویوں کی ضرورت ہے" بالکل صحیح ہے، شیخ عبد القادر کی تقریر علوم مشرقی و مغربی کی باہمی ترکیب و امتزاج پر مدلل اور معقول تھی،

پنجاب میں ندوہ کے لیے سرمایہ فراہم کرنے کا کام ڈاکٹر کچلو، عبد الرحمن صاحب غازی، مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی، میر شمس الدین صاحب، میر غلام بھیک صاحب نیرنگ، اور مولانا داؤد غزنوی نے اپنے ذمہ لیا ہے، ہمارے مخدوم مولانا عبد القادر صاحب قصوری اس مجلس کے صدر اور میر نیرنگ صاحب اس کے سکرٹری ہونگے، یہ ارکان پنجاب میں دورہ کرکے ۱۵ ہزار کی رقم بالفعل فراہم کرینگے کئی سال ہوئے سیٹھ چھوٹانی صاحب بمبئی، اور سیٹھ عبد اللہ ہارون صاحب کراچی کسی جلسہ کی تقریب سے لکھنؤ آئے تھے، ندوۃ العلماء کے طلبہ نے دیگر مہمانوں کے ساتھ ان کو بھی مدعو کیا تھا، ان

دونوں بزرگوں نے وعدہ کیا تھا کہ ندوہ کے علما، اور طلبہ اگر دیگر ممالک میں تعلیم یا تبلیغ کے لیے جانا چاہیں گے تو وہ اپنے صرف سے اس کا انتظام کر دیں گے، سیٹھ چھوٹانی صاحب کا وعدہ تو ابھی تک پورا نہیں ہوا ہے، مگر سیٹھ عبداللہ ہارون صاحب نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، مولوی نور الحق صاحب ندوی پشاوری ان کے وظیفہ سے مصر تعلیم کی غرض سے بھیجے گئے ہیں، خدا سیٹھ صاحب کو جزائے خیر دے،

مولوی نور الحق صاحب نومبر میں مصر پہنچے، بالفعل جامع ازہر کے رُواق الافغان میں مقیم ہیں، جامع ازہر کی تعلیم کے متعلق اُن کی رائے اچھی نہیں، بہرحال بعض مدرسین اور علما، کا وجود وہاں غنیمت ہے، دیکھیں ہمارے یہ عزیز وہاں سے کیا لیکر آتے ہیں، ع آوازِ دہل شنیدن از دور خوش است،

مسلم یونیورسٹی میں مولوی عبدالحق صاحب مرحوم حقی بغدادی کی وفات سے ایک عربی استاذ کی جو جگہ خالی ہو گئی تھی، اس کے لیے اون کے قائم مقام کی تلاش تھی، ہم کو خوشی اور مسرت ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے ارکان نے اس کے لیے ہمارے دوست مولانا میمن عبدالعزیز صاحب راجکوٹی (سابق پروفیسر عربی اورنٹیل کالج لاہور) کا انتخاب کیا ہے، یونیورسٹی کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ایسا باکمال فرد اب اس کے احاطہ میں ہے، ارکان نے اس موقع پر بعید دانشمندی کو راہ دی کہ انگریزی یونیورسٹی کے کاغذی سندوں، یا صاحب زبان عرب کے نمائشی نام پر اہلیت، قابلیت اور فضل و کمال کو ترجیح دی، ہم کو اپنے دوست سے بھی کہنا ہے کہ ملت کی اس چہل سالہ علمی امانت کی وہ پوری قدر کرینگے، اونکی صلاحیت، اور حسن ذوق سے یہ بھی امید ہے کہ وہ یونیورسٹی کی فضا سے خود متأثر ہونے کے بجائے خود اسکو متأثر بنائیں گے کہ مدرسۃ العلوم کے پرانے عہد کی جھلک پھر کچھ نظر آنے لگے،

ڈاکٹر محمد علی صاحب ایک غائبانہ کرم فرما مغل اسٹریٹ رنگون سے اپنے ایک مکرمت نامہ کے ذریعہ مطلع فرماتے ہیں کہ ڑاونکور جہاں اب تک کوئی باقاعدہ اسلامی درسگاہ نہ تھی، اپنی ذاتی کوششوں سے مدرسہ محمدیہ نام ایک درسگاہ چار سال سے قائم کی ہے، زمین، مدرسہ کی عمارت اور ضروریات مہیا ہیں، صرف دارالاقامہ کی کمی ہے جس کے لیے وہ مسلمانوں سے اعانت کے خواستگار ہیں، مدرسہ میں ان کے بیان کے مطابق اس وقت ۱۲۰ بچے تعلیم پا رہے ہیں جن میں نومسلم اور غریب بچے بھی داخل ہیں، کیا اعاظم مدراس کے ناظرین میں سے کوئی صاحب اس مدرسہ کے واقعی حالات سے مطلع فرمائیں گے، جبکہ یہ علاقہ اب مسلمانوں کی خاص توجہ کا مستحق ہے،

جناب محمد اکبر صاحب نے اٹالہ، الہ آباد سے اپنی انجمن شعب الانصار کے کچھ حالات اور معاینہ کرنے والے اصحاب کی کچھ رائیں بھیجی ہیں، انجمن کے تحت میں ایک لڑکوں کا مکتب، ایک لڑکیوں کا مکتب، ایک کتب خانہ اور ایک دارالمطالعہ ہے، لڑکوں کی تعداد ۱۰۰، لڑکیوں کی ۹۵ ہے، کتب خانہ میں ایک ہزار کتابیں ہیں، دارالمطالعہ میں متعدد اخبار اور رسالے آتے ہیں، الہ آباد میں مسلمانوں کے قومی کام کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہی ہے، اس انجمن کا موجودہ کام یقیناً تحسین کا مستحق ہے، ضرورت ہے کہ الہ آباد کے مسلمان اس غریب انجمن کی طرف توجہ کریں،

کرناٹک کے علاقہ میں تاریخی شہر ارکاٹ کے قریب ترپاتور مسلمانوں کا خاص قصبہ ہے، مدراس کے دورہ میں دوستوں کی دعوت پر وہاں بھی حاضری کا اتفاق ہوا، یہاں غالب آبادی مسلمانوں کی ہے، چند مخلص کارکن ہیں، ان کی کوششوں کا نتیجہ ایک انجمن محمدیہ ہے، اس کے تحت میں لڑکوں کا ایک مدرسہ ہے، مدرسہ دیکھا، لڑکوں کی تعداد ۱۸۰ ہے، ۷ مدرس ہیں، ان کا امتحان لیا، اردو، تامل، انگریزی، قرآن پاک، دینیات، حساب و جغرافیہ کی تعلیم ہوتی ہے، پانچ سال کا نصاب ہے، لوگوں سے معلوم ہوا کہ ارکاٹ کی ترقی کے عہد میں یہ قصبہ بھی علم و فضل کا مرکز تھا، اور یہاں بڑے بڑے فضلا گذرے ہیں، مگر اب مدت سے یہاں خاک اڑ رہی ہے، اس حالت کا چند مخلصوں کو احساس ہوا، اور یہ انجمن اور یہ

مدرسہ وجود میں آیا، مگر یہاں بھی وہی رونا ہے جو ہر جگہ ہے، یعنی مالی امداد کی کمی، ہمارے خیال میں اس مقام کو حضور شہزادۂ ارکاٹ کے خاندان سے ایک خاص تعلق ہے، کیا امیر محل کے ذی حس ارباب کرم اوس کی اعانت کی طرف توجہ کریں گے؟ کسی زمانہ میں یہ سرکار نظام کی مملکت محروسہ کا بھی جزو رہا ہے، یہ تعلق بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا، اس نسبتِ تقریب میں کرناٹک کا یہ علاقہ بھی برار کی برابری کا مدعی ہے،

اردو کی ترقی بھی ایک اعجوبہ ہے، ان علاقوں میں ہمارے ہندو بھائی ہندی کی اشاعت کے درپئے ہیں، اور ہزاروں روپیے ماہوار اوسمیں خرچ کر رہے ہیں، مگر اس بیسیوں بولیوں والی سرزمین میں اس کا حسن قبول مشکل ہے، مگر یہ دیکھکر کیسی حیرت ہوتی ہے کہ اسی سرزمین میں اردو کس طرح بڑھ رہی ہے، اس مدرسہ کے چھوٹے چھوٹے کمسن بچے، اپنی مادری زبان اردی یعنی مسلمانی ٹامل کے بعد جس دوسری زبان میں بے تکلف بول رہے تھے، وہ اردو تھی، اردو کتابوں کو سمجھکر پڑھ رہے تھے، انگریزی کا پہلے اردی ٹامل میں اور اردی سے اردو میں ترجمہ کرتے جاتے تھے، اردو کا یہ درجہ بنارس کی ہندی کو احاطۂ مدراس کے عین قلب میں کبھی میسر آسکیگا؟ مسلمان اگر تھوڑی توجہ کریں تو اردو کہاں سے کہاں پہنچ سکتی ہے؟

جون ۲۵ء کے معارف میں بسلسلۂ شذرات یہ ذکر تھا کہ اسلامی علوم اور اسلامی زبانوں کی ترقی کیلئے یورپ کیا کیا کر رہا ہے، اور مسلمان کس طرح غافل ہیں، اسی تقریب سے جرمنی کے نئے رسالہ اسلامیکا اور اوسکے مضامین کے مختصر عنوانات کا ذکر کیا گیا تھا جسمیں ایک پروفیسر نکلسن کے مضمون کا بھی حوالہ تھا، اوس کے متعلق معارف نے لکھا تھا کہ "پروفیسر نکلسن کا مضمون ڈاکٹر اقبال پر ہے، جو یورپ میں ڈاکٹر صاحب کا سب سے بڑا معترف اور مداح ہے"

پنجاب کے ایک مضمون نگار صاحب کو جو کہتے ہیں، کہ وہ اسلامیکا کے خریدار ہیں، اب پانچ چھ مہینوں کے بعد غصہ آیا ہے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر یوں ہی سن سنا کر معارف نے اسلامیکا کا ذکر کیوں کیا، حالانکہ وہ دیکھکر بھی معارف کے بیان میں کوئی غلطی نہ نکال سکے، یہی ایک غلطی نظر آئی کہ پروفیسر نکلسن کا مضمون ڈاکٹر اقبال پر نہیں، بلکہ ڈاکٹر صاحب کی کتاب پیام مشرق پر ہے، دوسری غلطی یہ بتائی گئی ہے کہ یورپ میں ڈاکٹر صاحب کے سب سے بڑے معترف اور مداح صرف نکلسن ہی نہیں ہیں بلکہ اور بھی بیسیوں ہیں، اور تیسری غلطی یا الزام یہ قائم کیا گیا ہے کہ معارف نے پیام مشرق پر مفصل ریویو لکھنے کا وعدہ کیا تھا، وہ اب تک کیوں پورا نہ ہوا اور اس کے بعد اقبال کے یورپین مداحوں، اور ہندوستان کے غیر مسلم معترفوں کی طویل فہرست دی گئی ہے، جنھوں نے وقتاً فوقتاً ڈاکٹر اقبال پر کچھ لکھا ہے اور یہی فہرست اس مضمون کا اصلی اور طویل مواد ہے،

اگر اس بحث میں ڈاکٹر اقبال کی شخصیت درمیان میں نہ ہوتی، تو ہم اس کا ذکر بھی نہ کرتے، معارف کی اس تقریب سے مضمون نگار کا اقبال کی مدح وستایش اور ان کے معترفوں کی اس تفصیل پر مضمون لکھنے اور معارف سے باز پرس کرنے پر ایک چشمہ کے کنارے، بھیڑیئے اور بکری کے بچے کا مشہور مکالمہ یاد آگیا، صاحب مضمون کو اگر ڈاکٹر اقبال کی اس حیثیت کو نمایاں کرنا تھا، تو اس کے لیے معارف کے تذکرہ کو سبب باعث بنانا ذہانت اور طباعی کا کوئی عمدہ ثبوت نہیں ہے، ڈاکٹر اقبال کی ہر حیثیت کو نمایاں کرنا ہر قدر شناس کا فرض ہے، اور اس کیلئے خود ڈاکٹر اقبال کے فضل و کمال کے علاوہ کسی اور سبب باعث کی تقریب و تمہید کے تلاش کرنے کی حاجت نہیں،

معارف اسلامیکا پر ریویو نہیں کر رہا تھا جو اس کے تمام خط و خال کا نقشہ کھینچتا، صرف سلسلۂ سخن میں یورپ کی علمی کوششوں کو جو وہ اسلامی علوم اور زبانوں کے متعلق کر رہا ہے ذکر کر کے مسلمانوں کو متنبہ کرنا چاہتا تھا، اُس پر تقریظ نہیں لکھ رہا تھا،

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد،

معارف کی اس کوشش کا تو احسان مانئے کہ وہ علمی خبروں کو قدر دانوں کے کانوں تک پہنچاتا رہتا ہے، آپ اسلامیکا کے اصلی خریدار تھے، آپ کو بھی معارف کے چھ مہینوں کے بعد پھر بھی معارف ہی کی تقریب سے اوس کے ذکر کی توفیق ملی،

معارف کو ڈاکٹر اقبال کی خدمت میں ہمیشہ سے نیاز حاصل تھا اور ہے، شاید آپکو معلوم نہ ہو کہ بانگِ درا کی اشاعت کیلئے جہاں اور ہزاروں شائقین کی فرمائشیں ہونگی، وہاں اڈیٹر معارف کی تحریک کو بھی دخل ہے، اسرارِ خودی کے انگریزی ترجمہ پر انگریزی میں جس قدر تقریظیں نکلیں وہ معارف ہی کے بدولت اردو میں پھیلیں، اور آپنے بھی انھیں کا آخر حوالہ دیا، پیام مشرق پر گو تفصیلی ریویو کا موقع نہ ملا تاہم شذرہ میں جو مختصر رائے اس پر ظاہر کی گئی اس سے زیادہ کوئی اور کیا کہہ سکتا ہے؟

چونکہ معارف یوپی سے شایع ہوتا ہے، اسلئے مضمون نگار صاحب معارف کیساتھ سارے یوپی پر برس پڑے ہیں، فرماتے ہیں:

"اقبال یوپی کے تھکے ہوئے لوگوں کی خانہ جنگیوں سے آزاد رہتا ہے اور اسکے قدردان بھی وہی لوگ ہیں جو ان تنگ خیالیوں سے بالا ہیں"

اس فقرہ کو کامریڈ کے اڈیٹر نہ سن لیں، کہ پنجاب کی "خانہ جنگیوں" پر حسب معمول ایک اور طویل آرٹکل لکھ ڈالیں، پنجاب کے لڑکے کیا خانہ جنگیوں سے تھک کر اب "صوبہ جنگی" کے لیے تیاری کر رہے ہیں، ہم اسکیلئے پہلے ہی سے سپر ڈال دیتے ہیں،

"مضمون نگار" کا اب بھی غصہ نہیں اترا ہے، یوپی سے بڑھکر اب سارے ہندوستان کے اخبارات اور رسالوں پر غصہ ہے کہ دسمبر ۱۹۲۱ء کے دلی کانفرنس میں ڈاکٹر اقبال کو ملک الشعراء کا خطاب دیا گیا تھا، پھر بھی

"ملک کے علمبرداران ادب اور اڈیٹران اخبار کا ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس خطاب سے یاد نہ کرنا محض تعصب پر مبنی ہے

مگر ہم اپنے ملک کا کہاں تک گلہ کریں"۔

ہمارے خیال میں مضمون نگار صاحب اقبال کے اصلی جوہر کو خود نہیں پہچانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ شہرت کی انتہا اور حسن قبول کا آخری خطاب کیا ہے، اقبال کے لیے آج بھی "ملک الشعراء" اور "سر" اور "ترجمانِ حقیقت" کے نقلی خطابات کی احتیاج ننگ ہے کمال نہیں، شہرت کی انتہا یہ ہے کہ تنہا نام "ہزار شاہی القاب" اور معززانہ خطابات سے بالاتر ہو جاتا ہے، سعدی، حافظ، غالب کیلئے خطابات فخر نہیں ہیں، یہ نام خود دوسرے باکمالوں کے لیے آج فخر کی نسبت ہیں،

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست۔

مقالات

مُسلمانونکی بے تعصّبی کی ایک اور دستاویز

ڈاکٹر منگانا کی کوششیں

مسلمانوں کیلئے ڈاکٹر منگانا کا نام گوش آشنا ہوگا، یہ انگلستان کے کتبخانۂ ریلنڈس Rylands library کے قلمی نسخوں کے نائب ناظر ہیں، اس تقریب سے وہ اپنے قلمی نسخوں کی ہمیشہ "تلاشی" لیا کرتے ہیں، کہ لوگوں میں ہیجان پیدا کرنے کی کوئی چیز برآمد کرکے دنیا کو خبردار کریں، اس سلسلہ میں سنہ ۱۹۱۲ء سے انھوں نے خاص مسلمانوں کی طرف توجہ کی ہے، اور ان کی بڑی کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں کے اس فخر کو مٹا دیا جائے کہ اُن کا آسمانی صحیفہ ہر قسم کی غلطیوں، تحریفوں، اور آمیزشوں سے پاک ہے، چنانچہ اس ناپاک ارادہ کے لیے انھوں نے قرآن مجید کا ایک نیا نسخہ اپنے کتبخانہ سے نکالا اور اس کو موجودہ نسخوں کے مطابق کرکے بتایا کہ دس پانچ جگہ اُن کے نسخہ سے مسلمانوں کا قرآن مختلف ہے، اسی زمانہ میں علمائے محققین نے جنمیں حضرت الاستاذ مرحوم بھی تھے، یہ ثابت کردیا کہ یہ املا کا فقط فرق اور طرز ہے، جس کے پڑھنے میں ڈاکٹر صاحب نے یہ غلطی فرمائی ہے، اور کہیں کہیں قواعد کے رو سے ان کا نسخہ خود غلط ہے، قیاس چاہتا ہے کہ کسی جاہل عیسائی نے یہ نسخہ اپنے لیے خود لکھا ہوگا،

اس فتنہ کے فرو ہونے کے بعد اس سال ۱۹۲۵ء کے آغاز میں انھوں نے ایک نیا جال پھیلایا، سریانی خط میں قرآن مجید کا ایک نسخہ دریافت کیا، اور اس کو مسلمانوں کے قرآن سے ملا کر کچھ اختلافات نکالے، اور ریوٹر کی زبان سے حسب معمول اوسکی تمام دنیا میں تشہیر کی، یہ نسخہ بھی سریانی خط میں کسی عیسائی کا ترتیب دیا ہوا ہے، چنانچہ یہ ترکیب بھی اونکی کارگر نہ ہوئی، اور دنیا نے اون کو متعصب ہی سمجھا، اور مسلمانوں نے تو اونکی نسبت جو خیال کیا کیا، چنانچہ مسلمانوں میں جسقدر اون کی پہلی حرکت پر ہیجان پیدا ہوا تھا، دوسری پر نہیں ہوا، مصر و ہندوستان کے ایک دو عالموں کے علاوہ اور کسی نے اوسکی طرف توجہ بھی نہ کی، اور اسکو التفات کے لائق بھی نہ سمجھا،

ڈاکٹر صاحب یہ خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اون کی یہ کوششیں بیسود ہیں، اور یہ مسلمانوں کے عقائد کی بنیاد کو ہرگز نہ ہلا سکیں گی، تاہم وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی پاکدامن معصوم کی بدنامی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اسکی نسبت کہیں کچھ کہا گیا ہے، اس طرح کہنے میں تو بات آجائے گی وہ خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو،

اسلامی علوم وفنون اور عربی زبان کی واقفیت کا معیار یورپ میں معمولی حرف شناسی بھی ہے ہمارے ڈاکٹر صاحب کی فضیلت کا درجہ بھی اس سے زیادہ اونچا نہیں معلوم ہوتا جیساکہ قرآن کے نسخوں کے بعض املاؤں کے پیش کرنے سے ظاہر ہوتا ہے،

ڈاکٹر صاحب نے اس کے بعد ترکوں کی نئی اٹھان، اور نئے میلان خاطر کو دیکھکر ان کو عیسائیت کی طرف مائل کرنے کی ایک نئی تدبیر سوچی، اپنے کتبخانہ کے انبار سے چند پرانے کاغذات نکال لائے جن سے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام سے پہلے وسطی ایشیا کے بڑے حصہ کے لوگ جنھیں موجودہ عثمانی ترکوں کے اسلاف بھی ہیں، مذہبًا عیسائی تھے، یہ تحقیق ایسی بنیادوں پر قائم ہے جنکی معاصر اسلامی تاریخیں کبھی تائید نہیں کر سکتیں تاہم وہ اسلیے پھیلائی جارہی ہیں کہ شاید یہ چیز ترکی کے اس انقلاب میں کچھ کارآمد ہو جائے،

اس کے بعد موصل میں عیسائیوں کے اخراج کا قصہ پیش آتا ہے، جنگ کے بعد سے عراق میں کمی نئی قوم اسلیے تصنیف ہو رہی ہے کہ یورپین سلطنت کسی ملک پر اس وقت تک کامیاب حکومت نہیں کر سکتی

جب تک اس میں لڑانے کے لیے مختلف قومیں پیدا نہ ہوں، اس نئی قوم کا نام "اسیرین عیسائی" رکھا گیا ہے ضرورت ہے کہ بغداد کی نئی خلافت میں جس کا ہارون الرشید امیر فیصل ہے، عیسائیوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ حقوق دیئے جائیں اس کام کے لیے اہل سیاست تو کچھ کر ہی رہے ہونگے، لیکن اہل علم اصحاب جو سیاسیات کے شور و غوغا سے یکسو ہو کر تنہائی کے گوشوں میں بظاہر علم کی خدمت کر رہے ہیں، انھوں نے بھی اپنے خدمات پیش کر دیئے ہیں، چنانچہ اس کے لیے بھی حسب معمول ڈاکٹر منگانا اپنے مطالعہ کے کمرے سے ایک نیا کاغذ لیکر سامنے آئے ہیں یہ بغداد کے ایک عباسی خلیفہ کا فرمان ہے جو اوسنے اپنی عیسائی رعایا کو عنایت کیا تھا، اس میں عیسائیوں کے ساتھ ہر طرح کی مراعات، رواداری اور حقوق کا وعدہ کیا ہے، ڈاکٹر صاحب اکتوبر ۱۹۲۵ء کی بیچ کی تاریخوں میں اپنی اس نئی دریافت کو رویٹر کی زبانی ان لفظوں میں مشتہر کیا کہ "ڈاکٹر منگانا نے مکتفی خلیفہ دوم کا ایک فرمان دریافت کیا ہے جس میں عیسائیوں کو قومی حیثیت سے بہت سی مراعاتیں دی گئی ہیں"۔ واقف کاروں نے "مکتفی خلیفہ دوم" سنکر اوسی وقت ڈاکٹر صاحب کی اس عظیم الشان تاریخی تحقیق پر مسکرا دیا، اس کے چند روز کے بعد ڈاکٹر صاحب کو ہوش آیا اور اپنے تاریخی بیان کی تصحیح کی کہ "مکتفی خلیفہ دوم" نہیں، لوگ "خلیفہ مکتفی دوم" پڑھیں، چنانچہ یہ تصحیح اوسی زمانہ میں ہندوستان پہنچ گئی، اور اب مانچسٹر گارجین کے ذریعہ سے کامرڈ مورخہ ۴ دسمبر ۱۹۲۵ء میں اوسکی جو پوری روئداد آئی ہے، اس میں بھی مکتفی دوم کا نام جلی حرفوں میں موجود ہے، مگر ہمارے بیسویں صدی کے انگریز مؤرخ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ بغداد کے خلفائے عباسیہ میں کبھی ایک لقب کے دو خلیفہ نہیں گذرے ہیں، اسلیے عباسی خلیفوں کے نام میں اول اور دوم لگانا مضحکہ خیز ہے،

ڈاکٹر صاحب نے کسی یورپین زبان میں عباسیہ کی کوئی بے احتیاطی سے چھپی ہوئی تاریخ پڑھی ہوگی جس میں ک اور ق کا فرق نمایاں نہ کیا گیا ہوگا، حالانکہ مستشرقین نے اس باب میں بڑی احتیاط کی ہے، اور عربی کے خاص خاص الفاظ کے لکھنے اور پہچاننے کی الگ الگ علامتیں مقرر کر دی ہیں، اور وہ عام طور سے اب مستعمل ہیں جنسے حروف کی الگ الگ شناخت ہو گئی ہے، اور ڈاکٹر صاحب بھی اُس کو سمجھ سکتے تھے،

بغداد کے عباسی خلفاء میں دو خلیفہ گذرے ہیں ایک کا نام ملتفی باللہ ہے جس نے ۲۹۵ھ میں وفات پائی، دوسرا مقتفی لامراللہ ہے جس نے ۵۵۵ھ میں وفات پائی ہے، اس فرمان کا تعلق مکتفی باللہ سے نہیں ہے، نہ اول سے نہ دوم سے، بلکہ مقتفی لامراللہ سے ہے، اور ان دو ناموں میں، انکی شخصیتوں میں، ان کے کارناموں میں، اور ان کے زمانوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے،

اب اس عجیب وغریب اور قیمتی فرمان کی اصلیت سنیئے، یہ فرمان کا اصل کاغذ نہیں ہے، بلکہ ایک کتاب کی تحریر ہے، خلفاء اور سلاطین کے درباروں میں انکی طرف سے مراسلات، خطوط اور فرامین لکھنے کے لیے اپنے اپنے زمانہ کے مشہور ادیب اور انشا پرداز منتخب ہوتے تھے، یہ ادیب انشا پرداز اپنے مراسلات اور تحریروں پر جو محنت صرف کرتے تھے۔ اس کو باقی رکھنا چاہتے تھے، اور لوگ بھی انکی اس کدوکاوش کی قدر کرتے تھے، اور انکی فصاحت وبلاغت وانشا کے یہ نمونے مختلف مجموعوں میں جمع کرتے تھے، ان کو رسائل ومنشآت عربی وفارسی میں کہتے ہیں، چنانچہ ان دونوں زمانوں میں بیشمار ایسے مجموعے موجود ہیں،

خلیفہ مقتفی، خلیفہ مقتدر کے بعد یعنی تقریباً سوا سو برس کے بعد عباسی خلافت نے نئے برگ وساز پیدا کئے، سلجوقی سلاطین کا زور گھٹا، اور نور الدین وصلاح الدین جیسے دیندار اور طاقتور سلاطین نے عباسی خلافت کے آگے جھک کر اس میں نئی قوت پیدا کر دی، خلیفہ مقتفی خود بھی نہایت لائق، دیندار، اور طاقتور تھا، اس نے عراق میں عباسیوں کی حکومت کو از سر نو ترتیب دیا، اور ملک میں خلافت کا وقار اور اثر دوبارہ پیدا کیا، بڑے بڑے نامور لوگ اس کے گرد جمع ہوئے، منجملہ اُس کے کتابت اور انشاء کے منصب پر اس نے اپنے زمانہ کے ادیب ابونصر کو فائز کیا جس نے ۵۴۵ھ میں وفات پائی،

ادیب ابونصر کے ایک لائق اور فاضل بھائی ابو المعالی کافی الکفاۃ محمد بن ابی سعید تھے جو ابن حمدون کے نام سے مشہور ہیں، یہ خلیفہ مستنجد باللہ کے جو ۵۵۵ھ میں مقتفی کے بعد تخت نشیں ہوا تھا، کاتب الانشاء رہے تھے، ابن حمدون نے فن محاضرہ میں تذکرہ نام ایک کتاب لکھی ہے، جس کے متعلق اہل ادب کی متفقہ رائے ہے کہ یہ اپنے موضوع

بہترین کتاب ہی تاریخ، ادب، لغت، نوادر، اور شعر و شاعری کا بیش بہا مجموعہ ہے لیکن یہی کتاب مصنف کی نکبت اور مصیبت کا باعث ہوئی، مستنجد باللہ کے مطالعہ سے جب یہ کتاب گذری تو اس نے اس میں ایسے واقعات پائے جس سے اس کو یہ خیال ہوا کہ ہماری سلطنت پر اس میں بیجا اعتراضات ہیں، مصنف قید ہوا، اور ۵۶۲ھ میں مرکر اس سے آزاد ہوا،

ابن حمدون نے اپنے اسی تذکرہ میں ابو نصر کا لکھا ہوا وہ فرمان نقل کیا ہے جو خلیفہ مقتفی لامر اللہ نے عیسائیوں کو عطا کیا تھا، ڈاکٹر منگانا نے اسی فرمان کو تذکرہ سے نقل کرکے بیسویں صدی میں ایک تاریخی انکشاف کیا ہے، ایک زمانہ میں اس تذکرہ کے نسخے اس کثرت سے لوگوں کے پاس تھے کہ ابن خلکان لکھتا ہے، ھو مشھور دکثیر الوجود لیکن آج یہ حالت ہے کہ ہم کو اس کا حال سات سمندر پار کے ایک انگریز محقق سے معلوم ہوتا ہے،

بہرحال ابن حمدون کے اس تذکرہ کے حوالہ سے ڈاکٹر منگانا نے خلیفہ مقتفی لامر اللہ کے جس فرمان کو شائع کیا ہے، اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، اس نے انگلستان میں کسی سبب سے بڑی اہمیت حاصل کی بڑے بڑے اخبارات نے اس پر نوٹ لکھے، ریوٹر نے اپنے برقی پیغاموں میں اوسکو داخل کیا، اور اس کے ذریعہ سے تمام دنیا میں اس واقعہ کی شہرت ہوئی، اور اسی تقریب سے اخبارات نے خلفائے اسلام کی بے تعصبی اور رواداری پر موافقانہ مضمون لکھے، ہمارے ملک کے انگریزی اخبارات نے بھی اس سے دلچسپی لی، مدراس کے اینگلو انڈین اخبار نے اکتوبر کی کسی بیچ کی تاریخ میں اس پر ایک خاص افتتاحی مقالہ لکھا، اور اُس اثر کو جو اس اہم دستاویز کی اشاعت سے مسلمان خلفاء کی بے تعصبی کے متعلق پیدا ہوا تھا، زائل کرنا چاہا، اور ثابت کیا کہ یہ ایک خلیفہ وقت کا ذاتی فعل تھا، جس سے تمام خلفاء کے طرز عمل پر استدلال نہیں کیا جا سکتا تھا، پھر اسی سلسلہ میں مسلمانوں کے عہد میں ذمیوں کے حقوق کی بحث چھیڑ دی ہے، یہ ایک پرانی اور فرسودہ بحث ہے، حضرت الاستاذ نے اسپر جو کچھ لکھا ہے، وہ اس بحث پر آخر چیز ہے،

بہرحال اس قسم کے اخباروں کو چھوڑکر عموماً تمام اخباروں نے اس دستاویز کو خلفائے اسلام کی بے تعصبی اور رواداری کا بہتر ثبوت تسلیم کیا ہے، ڈاکٹر منگانا کا مقصد جو کچھ ہو مگر اسکی اشاعت سے اسلام کو فائدہ پہنچا،

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

یہ سند نسطوری عیسائیوں کے پٹریارک عبدیشو سوم (سنہ ۱۱۳۶ء تا سنہ ۱۱۶ء) کو خلیفہ کی طرف سے دی گئی تھی، اس کی نسبت ڈاکٹر گپی ([illegible] G : DT) جو مذکورہ بالا کتبخانہ کے لائبریرین ہیں اپنی تعلیق (نوٹ) میں لکھتے ہیں،

"وہ کہ یہ سند اگلے خلفاء کی اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ کامل رواداری اور حفاظت کی پالیسی کو ثابت کرتی ہے،"

ڈاکٹر منگانا اس سند کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ اس پر حسب ذیل تعلیق (نوٹ) لکھتے ہیں:

یہ ضرورت ہمیشہ محسوس کیجاتی ہے کہ ایک مستند بیان اس کے متعلق پیش کیا جائے کہ جس زمانہ میں اسلام کے ہاتھ میں لاکھوں عیسائیوں کی موت و حیات کا فیصلہ تھا، اسلام اور عیسائیت کے درمیان سرکاری روابط کس قسم کے تھے، انفرادی حیثیت سے ممکن ہے کہ عیسائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے ایذائیں پہنچی ہوں، ایسی مثالیں تاریخ میں بھی کہیں کہیں ملینگی کہ کسی صوبہ کے گورنر یا قاضی نے مذہبی جنون میں آکر یا کسی نیم دیوانہ شیخ اور مُلّا نے اپنے کسی مجنونانہ تخیل کی بنا پر عیسائیوں پر ظلم کئے ہیں، خلفاء میں سے بھی ایک دو نے مثلاً متوکل نے ضرور عیسائیوں کے خلاف بعض تکلیف دہ احکام نافذ کئے تھے، لیکن ان واقعات کو اگرچہ انکی تعداد کسی قدر زیادہ ہو اصول مذہب اور قانون کے خلاف سمجھنا چاہیئے اور وہ لوگ جنکی وجہ سے یہ واقعات سرزد ہوئے اسی طرح قانون کی خلاف ورزی کے مجرم تھے جس طرح ہر مجرم ہوتا ہے،

اسلام کا اس بارے میں جو طرز عمل رہا ہے وہ اس چارٹر (سند فرمان) میں صاف الفاظ میں درج ہے جو شک و شبہہ کی گنجائش کے بغیر اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ باوجودیکہ اسلام کا نظام سلطنت بعض تمدنی امور میں مکمل نہ رہا ہو، لیکن اس کا دامن ناروا داری کے دھبہ سے پاک تھا،

یہ فرمان ایک عباسی خلیفہ کے ایوان حکومت سے جاری ہوا، لیکن کیا کوئی انگریز بادشاہ، ڈنمارک کی ملکہ یا فرانس کا پریسیڈنٹ اس بیسویں صدی میں اس سے زیادہ روادارانہ فرمان اپنی بیشمار مسلمان رعایا کے حق میں لکھ سکتا ہے؟ جس طرح انجیل، انکوئزیشن کے مظالم کی محرک نہیں کہی جاسکتی، اسی طرح قرآن کی

طرف بھی وہ مظالم منسوب نہیں کیے جا سکتے جو اوائل میں عیسائیوں کے ساتھ بعض اوقات برتے گئے، یا قتل عام کے وہ واقعات جو ماضی قریب کی تاریخ میں ہوئے ہیں۔

سیاسیات جاہ پسندی کے ولولے (شخصی اقتدار پسندی) اور اقتصادی مصالح مذہب سے بالکل مختلف چیز ہیں

ڈاکٹر صاحب نے ان اخیر سطروں میں جو کچھ فرمایا ہے، اس کے بدلہ میں یہ لکھتے تو اچھا تھا کہ جن صدیوں میں عیسائی مسلمان ملکوں میں اس امن و آسائش سے رہتے تھے، ان صدیوں میں مسلمان عیسائی ملکوں میں کس طرح رہتے تھے اور کیا ان کے لیے ممکن تھا کہ وہ یورپ کے کسی ملک میں اُس عہد میں گذر کر سکیں؟

بہرحال اب اوس سند کو پڑھنا چاہیئے جو خلیفہ مقتفی لامراللہ نے اپنی عیسائی رعایا کو عطا کیا تھا، عبارت تمامتر تکلف اور آورد کے انداز میں ہے، آدھی عبارت حمد و نعت میں ہے، اصل مطلب یہاں سے شروع ہوتا ہے

فرمان

حمد ہو اس خدا کے لیے جس نے امیرالمومنین کو اسکی آبائی میراث شرفِ خلافت سے ممتاز اور خلعتِ امامت سے آراستہ کیا جو خدا کی بہترین نعمت ہو اور جس نے اس کو منصب عالی دیا جسکے سامنے تعظیم کے لیے گردنیں جھک جاتی ہیں اور جسکی بناپر ہر طرح کے دینی و دنیاوی اعزازات اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں جسنے اپنے دائرہ حکومت میں عدل و انصاف کے ستارے اس طرح روشن کر دیئے ہیں کہ وہ کبھی غروب نہیں ہوتے اور جس نے مساعی تجارت کو ایسا فروغ بخشا ہے کہ خریدار کو کسی قسم کا نقصان، بندش اور مضرت نہیں پہنچ سکتی، اس نے اپنے حسنِ سیاست سے بلادِ اسلام کی ایسی حفاظت کی ہے کہ اسکی رعایا ہر خطرہ سے محفوظ، اور اس کا اشغاف پانی ہر آلائش سے پاک ہے، اور تیغِ اسلام کی باڑھ میں دندانے نہیں پڑ سکتے اور پیروانِ دین پر کسی قسم کی آنچ نہیں آسکتی، اس نے علاوہ برین اپنی رعایا کو ایک ایسا عطیہ دیا ہے جس نے ان کو ہر آزار سے دور کر دیا ہے اور اُن کے نیزوں کو تیز ہونے کے بعد پھر سیدھا کر دیا ہے اور انکی منتشر اسباب فلاح کو جمع اور ذرائعِ ترقی میں اضافہ کر دیا ہے،

اس کی رعایا کو اس کے انصاف کے ہاتھوں نے گھیر رکھا ہے اور وہ خوش ہیں، کہ اسکی عنایتوں سے انھوں نے مصائب وآلام کو دور پھینکدیا اور راحت وآرام کی راہ میں داخل ہوئے، ہر طرح کی فراوانی کے باعث انھون نے اپنے دلوں میں ٹھان لیا ہے کہ وہ اس کے فرمانبردار، اور اس کے مورثوں کے لیے دعاگو رہیں گے، انھوں نے اب اپنی توقعات کو بلند کر لیا ہے، حالانکہ پہلے وہ توقعات بند شوں میں تھیں اور انھوں نے اپنے تمام دشمنوں کو پامال کر دیا ہے جو اُن پر حملہ آور تھے،

وہ (امیرالمومنیں) بذات خود خدا سے صرف یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کو اس عطیہ کے شکر کی توفیق دے، اور خلیفہ کا بار بار اس کا تذکرہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس عطیہ میں جو کچھ خود اسنے دیا ہو وہ اسکی بہت زیادہ قدر کرتا ہے، اس (خلیفہ) کی کامیابی صرف خدا کے ذریعہ سے ہوگی، اور وہ اسی کی طرف آخر کار رجوع کرے گا،

چونکہ خدا نے امیرالمومنین کو اپنے بندوں کے معاملات کا منتظم بنایا ہے اور اپنی زمین اپنے بلاد کا بار اس کے اوپر ڈالا ہے، اسلیے وہ اپنی رعایا پر نہایت باخبر آنکھوں سے حکومت کرتا ہے اور انکی فلاح کی نہایت خبرگیری کے ساتھ حفاظت کرتا اور انکی بہبود کے لیے اس توجہ سے کام کرتا ہے کہ وہ ان کے تمام اندیشوں کو مٹا دیتا ہے، اور ان کی رسیوں کو جوڑ دیتا ہے اور ان کی چراگاہوں کو گھاس سے بھر دیتا ہے اور انکی تمام دلی خواہشوں کو پورا کر دیتا ہے؛

اس کی یہ توجہ محض مسلمانوں ہی پر نہیں ہے بلکہ وہ تمام لوگ جنکے ساتھ امیرالمومنیں کا معاہدہ ہے خواہ وہ دور ہوں یا نزدیک اور رعایا کے مختلف طبقوں مین سے جو اہل کتاب اس عہد محافظت کی شرائط میں داخل ہیں جنکی شریعت نے ذمیوں کے متعلق ذمہ داری کی ہے، اس کا (خلیفہ کا) ظل عاطفت ان سب تک پہنچتا ہے، چنانچہ انکی آنکھیں اور ان کے کان اس کے گواہ ہیں،

میں نے تیری درخواست امیرالمومنیں کے سامنے پیش کی اور عرض کیا کیا تو اپنی قوم کے وفادار

لوگوں میں سب سے لائق اور سب سے زیادہ نیکی اور اصلاح (Sanctinees) سے قریب ہے، اور تجھ میں وہ تمام اوصاف اور خوبیاں جمع ہیں جو تجھے سب سے ممتاز بنا دیتی ہیں اور عہدۂ جاثلیق (Catholicate) کے لیے تمام ضروری شرائط، اوصاف اور خوبیوں کا تو جامع ہے، میرے ساتھ، عیسائیون کا ایک وفد بھی تھا جو اس عہدہ کے تمام قواعد سے واقف تھا، انھون نے یہ عرضداشت پیش کی کہ وہ تیرے حقوق کی جانچ اور تحقیق کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ ایک جاثلیق (Catholicos) کی ضرورت ہے جو ان کے (عیسائیوں کے) معاملات کی نگرانی اور ان کی اجتماعی ضرورتوں کا انتظام کرے، اور ان لوگوں نے اپنی متفقہ مرضی سے فیصلہ کر کے تجھ کو اپنے مذہب کی سرداری کا شرف بخشا ہے تاکہ تم لوگوں کے معاملات کا انتظام ہو اور تمھاری ضرورتیں پوری کیجائیں اور تم میں سے زبردست اور زیردست سب کے ساتھ انصاف ہو، انھوں نے درخواست کی کہ تیرے انتخاب کی توثیق بذریعہ فرمان کردی جائے تاکہ اس عہدہ کا اساس مستقل اور اسکی بنیاد مضبوط ہو جائے،

لہذا امیرالمومنین نے حکم دیا کہ انکی درخواست منظور کیگئی اور ان کی خواہش پوری کیگئی، اسلام کی امامت کبریٰ (خدا اس کے احکام کو ہمیشہ کامیابی کا تاج پہنائے) کا یہ فرمان بذریعہ اس (تحریر) کے عطا کیا جاتا ہے۔ تو ان تمام نسطوری عیسائیوں کا جاثلیق Catholicos ہو جو اس دارالاسلام (بغداد) اور دیگر بلادِ اسلام میں آباد ہیں تجھکو ان کا سردار کیا جاتا ہے، اور نیز یونانی، یعقوبی اور ملکیہ فرقوں کا بھی خواہ ان کی نمایندگی یہاں کیگئی ہو یا نہ کیگئی ہو، اور جو ان (نسطوریوں) کے ساتھ کسی دوسرے ملک میں مخالفت رکھتے ہیں،

تیرے تمام اہل مذہب میں صرف تجھ کو، گرجاؤں میں اور مذہبی جلسہ گاہوں میں کیتھولیکیٹ کے نشانات پہننے کا اختیار ہے، کسی آرچ بشپ، بشپ یا ڈیکن کو ان کے پہننے کا یا ان میں شرکت

کرنے کا استحقاق نہ ہوگا کیونکہ اس بات کی نشانیاں ہیں کہ وہ اس عالی منصب اور عزت کے ماتحت ہیں جو تجھے بخشی گئیں،

اگر ان عہدہ داروں میں سے کوئی تیرے ساتھ مخاصمت یا اختلاف کرے گا یا تیرے احکام سے بغاوت کرے گا اور تیرے فیصلوں کو نہ مانے گا اس پر مقدمہ چلا کر سزا دیجائے گی تا آنکہ وہ باز آجائے اور اسکی صدمت جائے تاکہ دوسروں کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہو اور تمھارے قوانین کے احکام کلیۃً محفوظ رہیں،

امیرالمومنین نے اپنے پیشرو ائمہ سے مستند طریق عمل کے اتباع میں جو انھوں نے تیرے پیشرو جاثلیقوں کے ساتھ برتے تھے یہ قانونی حقوق تیرے پیرؤوں کو عطا کیا ہے،

کہ تیری جان و مال اور تیری قوم کی جان و مال کی حفاظت کیجائیگی،

تمھاری بہبود کی ترقی میں کوشش کیجائے گی تمھارے طریق دفن و کفن کا احترام کیا جائے گا،

تمھارے گرجاؤں اور خانقاہوں کی حفاظت کیجائے گی،

اس معاہدہ کی شرائط کی تعبیر میں ہم اس طریق عمل کے پابند ہیں جو اپنے اصول کے سخت پابند (آرتھوڈاکس) خلفا کا تھا اور جسکی اتباع ہمارے ائمہ اسلاف رضی اللہ عنہم کرتے رہے، یہ کہ ہم تم سے راضی رہیں گے بشرطیکہ تم Capitation tax (جزیہ) ادا کرتے رہو جو تمھارے عاقل بالغ اور ذی مقدرت مردوں سے لیا جائے گا نابالغ مرد اور عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں یہ ٹکس شرع کے ریمانہ اصول کی سخت پابندی کے ساتھ سال میں ایک مرتبہ وصول کیا جائے گا،

امیرالمومنین نے اپنی مہربانی سے عیسائیوں کے مختلف فرقوں کی نزاعات میں حکم بننا منظور کرلیا ہے تاکہ زبردست سے زیردست کا انصاف حاصل کیا جائے اور گمراہوں کو راہ پر لایا جائے اور ان کی مذہبی ضروریات کے لحاظ سے انکی خبرگیری کیجائے اور وہ اپنے مذہب پر صاف اور سیدھی

راہ سے عمل کر سکیں،

ان انعامات کا جو تجھ کو عطا کیے گیے ہیں مستحق ہیں جو تیری روح کی خواہشوں کو پورا کرتے ہیں اور امیر المومنین کے لیے شکر گذاری، احسان مندی، اور وفاداری کے ثبوت میں دعا اور طلب رحمت کیا کر،

تمام آرچ بشپ، پادری اور بشپ جن کے نام اوپر لیے گئے ہیں اُن کا فرض ہے کہ اس طرح سے امیر المومنین کی اطاعت کریں اور تابعداری اور فرماں برداری سے اوس کی مہربانی حاصل کریں،

پیام امن

از

مولوی عبد الماجد صاحب بی اے

موسیو جیرڈ بال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات در بارۂ امن عالم و اخوت انسانی و خون آشامی دول یورپ کی ترجمانی ہے اس کے بعد مولوی صاحب موصوف کا تبصرہ ہے جس مین انھین مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے اردو مین بالکل نئے خیالات ہین، لکھائی چھپائی و کاغذ اعلیٰ ضخامت ۱۶۰ صفحے قیمت ۴ر

"منیجر"

دنیا میں قرآن شریف کے نایاب نسخے اور اونکی خصوصیات و کیفیات،

(۲)

از

شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ، کلکتہ،

(سلسلہ مارچ ۱۹۲۵ء)

خدیو مصر کے کتب خانہ کے قرآن شریف،

نمبر ۱۲ ، یہ نصف اول، مصحف شریف، ہرن کی کھال پر خط کوفی میں لکھا گیا ہے، طلاکاری سے مرصع و مزین ہے، ۱۹ سطور اور ۲۰۹ اوراق ہیں، دو لوح میں مجلد ہیں، خرما کی چھال اور تنہ کی جلدیں ہیں، اور آخر میں معمولی خط میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق[1] کی تحریر ہے:-

"ان ھذا المصحف بخط الامام الصادق عن اللہ الامین جعفر بن الامام محمد الباقر

بن الامام ابی الحسن علی زین العابدین بن الامام السبط الحسین بن الامام علی

بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ و رضی عنھم"

نمبر ۱۳ - یہ مصحف شریف بھی ہرن کی کھال پر خط کوفی میں لکھا ہوا ہے، اوراق ۲۳۲، اور سطور ۱۸ ہیں، بہت سے اوراق بوسیدہ اور مفقود ہیں ان کی جگہ نئے سفید اوراق لگا دیئے گئے ہیں اور معمولی خط سے لکھا ہوا ہے، ۳۶۸ھ میں، احمد بن اسکاف نے وراقی کی تھی، ابوالنجم طارق نے اس مصحف کو جامع عتیق

[1] ۸۳ھ ۷۰۲ء میں مدینہ میں امام جعفرؓ پیدا ہوئے، اور ۱۴۸ھ ۷۶۵ء میں اسی شہر میں ابوجعفر المنصور کے عہد خلافت میں انتقال ہوا،

مصر میں وقف کیا تھا، پہلے ورق پر یہ عبارت مرقوم ہے :-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، ھذا المصحف حبس للہ عز وجل لا یباع ولا یوھب ولا یورث (و) لا یملک ولا یتلف بوجہ تلف حتی یرث اللہ جل عز الارض و من علیھا (وھو) خیر الوارثین، (حبسہ) ابو النجم طارق رجاء ثواب اللہ والدار الاخرۃ۔ ۔ ۔ رحم اللہ من قرأ علیہ ودعا لمحبسہ بالمغفرۃ والرحمۃ"

نمبر ۱۴، یہ مصحف بھی ہرن کی کھال پر خط کوفی میں لکھا ہوا ہے، ۱۰۲ اوراق ہیں، سطروں کی تعداد کا ذکر نہیں ہے،

نمبر ۱۵، ۱۶، ۱۷، یہ تینوں کلام مجید بھی اس قسم کے ہیں اور ان کے اوراق علی الترتیب ۶۵، ۸۴ اور ۴۳ ہیں،

نمبر ۱۸، یہ قرآن شریف ہرن کی کھال پر خط کوفی میں ابتدائی رسم خط کے مطابق بغیر شکل اور نقطوں کے مرقوم ہے، کیڑوں نے متعدد جگہوں میں سوراخ کر دیئے ہیں، قرآن شریف کے آخر میں غیر خط کوفی میں ایک نوٹ ہے، کہ محمد بن عمر الطنبومی الشافعی الازہری نے ۱۲۴۶ھ میں اسکی کتابت وزیر اعظم الحاج محمد علی باشا کی اعانت سے تمام کی ہے،

"قد تم ھذا المصحف الشریف علی ید محمد بن عمر الطنبومی الشافعی الازھری باسعاف وامداد الوزیر الاعظم الحاج محمد علی باشا ۱۲۴۷ھ"،

سطر قلم کوفی کا ۱۲-۱۰ اور اوراق ۳۴۰ ہیں، اور سطر غیر قلم کوفی کا ۱۱، اور عدد اوراق ۲۲۸ ہیں، تمام اوراق ۵۶۸ ہوئے، اس کے خط کوفی کے حصہ کی نسبت یہ خیال ہے کہ یہ مصحف حضرت عثمان بن عفانؓ کا ہے جسے وہ تلاوت فرمایا کرتے تھے، شہادت کے وقت کے خون کا اس میں اثر ہے، مقریزی نے اپنے خطط میں جامع عتیق کے ذکر میں اس کو بیان کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ خلیفہ مقتدر کے کتب خانہ سے اسے برآمد کیا گیا ہے جس کو ابوبکر خازنی

جامع عتیق میں دیدیا اور ایک منقوش و مرصع لکڑی اس میں لگا دی، اور اس میں نبت ابی بکر بن عبد العزیز بن مروان کے اسمار تھے، اور یہ اسمار ۳۵۸ھ تک دیکھے گئے اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک جماعت نے حضرت عثمان رض کے قرآن ہونے سے انکار کیا ہے، اور ایک شخص کی حکایت سے ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچا ہے، اور پھر مقریزی نے بیان کیا کہ جس قرآن کو اس نے دیکھا تھا اس کے پشت پر عبارت ذیل مرقوم تھی،

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین ھذا المصحف الجامع لکتاب اللہ جل ثناؤہ وتقدست اسمائہ ۔ حملہ المبارک مسعود بن سعد الهيتي لجماعة المسلمين القراء التالين له المتقربين الى اللہ جل ذکرہ بقرأته والمتعلمين له ليكون محفوظا ابدا وقصد بایداعه فسطاط مصر فی الجامع العتیق لیحفظ حفظ مثله سایر مصاحف المسلمین، وذلك فی یوم الثلاثاء مستهل ذی القعدة ۳۴۷ھ"

نمبر ۱۹، یہ مصحف خط مغربی میں مرقوم ہے، طلاکار اور الوان سے مرصع ومزین ہے، سلطان محمد کے کتب خانہ کے لیے ۱۱۲۴ھ میں لکھا گیا ہے، سطور ۲۳، اور اوراق ۲۶۳ ہیں،

نمبر ۲۰، یہ مصحف بھی خط مغربی میں محمد اولاف کاتب نے لکھا ہے، کیڑوں نے سوراخ کر دیئے ہیں، سطور ۱۳، اور اوراق ۲۶۳ ہیں،

نمبر ۲۱، یہ مصحف بھی خط مغربی میں ہے، کاتب مبارک بن محمد کوری ہیں، سطور ۱۸، اور اوراق ۱۸۸ ہیں،

نمبر ۲۲، یہ بھی خط مغربی میں ۱۲۶۲ھ کی تحریر ہے، سطور ۱۶ اوراق ۱۲۹ ہیں صرف نصف ثانی ہے،

نمبر ۲۳، سورۂ مریم سے آخر قرآن تک قلم مغربی، زرافشان اور محلی بالذہب ہے، سطور مختلف تعداد پر ہیں، اور اوراق ۱۱۲،

نمبر ۲۴، یہ بھی مغربی قلم ہے، سطور ۱۶ اور اوراق ۱۰۹ ہیں، صرف نصف اوّل ہے، مگر ناتمام ہے، اثنائے ربع سے سورۂ نور کے اور سورہ عنکبوت کے آخر ربع تک مجلد ہے،

نمبر ۲۵، قلم مغربی میں مرقوم، سطر ۱۶، تعداد اوراق ۲۲ ہے، صرف سورۃ جمعہ کے آخر تک ہے،

نمبر ۲۶، قلم مغربی، کاتب یونس بن محمد الاندلسی نے ۱۱۶۶ھ میں تمام کیا ہے، سطر ۹ اوراق ۲۰ ہیں،

دولت فاطمیہ کے مصاحف،

نمبر ۲۷، یہ قرآن شریف، قلم جلی میں مسعود بن محمد الکاتب الاصفہانی نے لکھا ہے، غرہ ذی القعدہ ۵۵۵ھ میں کتابت ختم ہوئی محلّی بالذہب الالوان ہے، اول اوراق اور ... قرآن کا ایک ورق کرم خوردہ ہے، سطر ۱۱ اور اوراق ۱۰۱ ہیں،

نمبر ۲۸، جلی قلم کا لکھا ہوا ہے محلّی بالذہب ہے، سطر ۱۱ اوراق ۱۸ ہیں، سورۃ بروج سے اخیر تک کرم خوردہ ہے،

اوّل قرن رابع کے اجزاء مکتوبہ،

نمبر ۲۹، جز اول، سورۃ الحجر، نسخ میں، اس تحریر کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ابی علی محمد بن مقلہ جو مشہور[1]

[1] ابن مقلہ کا نام محمد بن علی تھا مقلہ اس کے پردادا کا نام تھا، اسکی ولادت بعد عصر جمعرات ۹ شوال ۲۷۲ھ میں ہوئی تھی، وہ مختلف فنون یعنی فقہ تفسیر، قرأت، ادب میں نہایت ممتاز خصوصاً علم ترسل و انشاء و املاء و مکاتبات میں سب سے فایق ہو گیا، اس نے چھ قسم کے خطوط ایجاد کئے جنکے نام یہ ہیں، محقق، ثلث، نسخ، توقیع، رقاع، ریحان، اہل عجم نے خط توقیع سے خط تعلیق ایجاد کیا، جیسا جامی؟ فرماتے ہیں،

کاتباں را ہفت خط باشد بطرز مختلف ... ثلث و ریحان و محقق نسخ و توقیع و رقاع ؛
بعد ازاں تعلیق آن خط است کش اہل عجم ... از خط توقیع استنباط کردند اختراع

ابن مقلہ کا حسن خط بھی مثال میں آیا ہے، ؎

فصاحت سحبان، وخط ابن مقلہ ... وحکمت لقمان، وزہد ابن ادھم

ابن مقلہ بہت بڑے فاضل اور خوشنویس ہونے کے علاوہ بڑا مدبر بھی تھا، تاریخ میں اس کا نام نہایت روشن ہے، اسے کہیں وزیر اور دبیر لکھا ہے، خلیفہ مقتدر کے زمانہ میں ابوالحسن بن علی بن فرات نے اپنی وزارت کے کل کام اس کے حوالہ کر دیئے، من بعد اسکی شادی ایک معزز خاندان میں ہوئی اسکی بی بی نہایت مالدار تھی، پھر ادبار کا زمانہ آیا بہت سے مصائب برداشت کیے، قاہر باللہ کے زمانہ میں خوف جان سے پوشیدہ ہو گیا، الراضی باللہ کے زمانہ میں ابن رائق وزیر کی صلاح سے ابن مقلہ کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا گیا، اور قید کر دیا گیا، قید خانہ میں وہ ہاتھ دیکھ کر رویا کرتا تھا اور یہ شعر پڑھتا تھا، :- خدمت بها الخلفاء وکتبت بها القرآن الکریم بخطین دفعتین تقطع جالما تقطع ایدی اللصوص :- (مین نے اس ہاتھ سے خلیفوں کی خدمت کی اور دو خط میں دو بار کلام مجید لکھا، اس طرح کاٹا گیا جسطرح ڈاکوؤں کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں، ابن مقلہ قید خانہ میں مرض اسہال میں اتوار کے دن دسویں شوال ۳۲۸ھ میں انتقال کیا، پوری حالت کیلئے ابن خلکان ملاحظہ ہو،

کاتب تھا اسی نے ۷۳۱ھ میں لکھا ہے، اور ہر سطر کے نیچے فارسی ترجمہ ہے، اور جدول ومطلا بالذہب ہے، نہایت مرصع و مزین ہے، سطور ۹، اور اوراق ۱۶۰ ہیں،

مصاحف مکتوبہ دولت ایوبیہ کے زمانہ کے

نمبر ۳۰، یہ قرآن عبد الرحمن بن ابی الفتح نے ۶۶۲ھ میں ملک معظم ابن ابی المظفر سعد بن زنگی اتابک کے کتب خانہ کے لیے لکھا تھا، خط نسخ ہے، اس کے اول میں ایک رسالہ ہے جس میں بیان قرأت عشرہ اور اس کے اصطلاحات ہیں اور ہر سورۃ کے شروع میں تعداد آیات بیان کیا ہے اور نزول سورت کہ مکی ہے یا مدنی اس کا بھی ذکر کیا ہے، اور تعداد کلمات اور حروف کا بھی ذکر ہے، سطر گیارہ، اور اوراق ۴۰۹ ہیں مطلا مذہب بھی ہے،

نمبر ۳۱، اس قرآن پاک کو اسمٰعیل بن ابراہیم بن احمد نے ۶۳۵ھ میں خط جلی میں لکھا ہے، ہر آیت محلّی بالذہب ہے اور کل سورتوں کی ابتدا بھی مرصع و مزین ہے بعض اوراق نمی سے مرطوب اور ترقیع ہیں، سطریں ۱۱- اور اوراق ۳۹۵ ہیں،

نمبر ۳۲، یہ قرآن شریف مسعود بن محمد بن مسعود الخطاط اصفہانی نے ۵ ذی القعدہ ۶۴۰ھ کو معمولی خط میں لکھا، اور یہ قرآن اول کا حصہ سورہ کہف تک دو نسخے ہیں اور ثانی آخر قرآن تک ہے، سطر ۹، اور اوراق نصف اول کا ۱۹۷، اور ثانی کا ۲۰۸ ہیں، اور دونوں نسخوں کے ابتدائی حصے مطلا و مذہب ہیں،

مصاحف مکتوبہ ممالیک بحریہ کے عہد کے

نمبر ۳۳- قرآن شریف، خط ثلث جلی قلم سونے کے پانی سے لکھا گیا، سلطان ملک ناصر محمد بن قلاؤن نے ۷۳۰ھ میں وقف کیا تھا، سطر ۸، اور اوراق ۳۰۰ ہیں، آخر کے ورق کا اوپر کا حصہ خراب ہے،

نمبر ۳۴- جلی قلم کا لکھا ہوا ہے، مطلا و مرصع بھی ہے، اس قرآن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ سلطان حسن نے وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اور اوراق ۳۷۴ ہیں، بعض اوراق خراب ہیں،

نمبر ۳۳، جلی قلم کی تحریر ہے، اور محلی بالذہب والالوان ہے، اس قرآن پاک کو سلطان ملک اشرف کی والدہ ماجدہ خوندبرکہ نے ۷۶۹ھ میں وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اوراق ۳۲۰ ہیں،

نمبر۳۶، جلی قلم سے لکھا گیا، مطلا و مرصع بھی ہے، اس قرآن پاک کو سلطان اشرف ابی المظفر شعبان ابن المقر اشرف حسین بن سلطان ناصر محمد بن قلاؤن صالحی نے شعبان ۷۷۰ھ میں وقف کیا تھا، سطر ۱۱- اور اوراق ۴۱۰ ہیں،

نمبر۳۷، اس قرآن پاک کو بھی ملک اشرف ابی المظفر شعبان نے ماہ ذی القعدہ ۷۶۹ھ میں وقف کیا تھا، اور ۷۵۰ھ میں خلیل بن محمد بن عبد الرحمن الحنفی نے لکھا تھا، یہ بھی مطلا و مرصع ہے، سطر ۱۱، اور اوراق ۴۱۴ ہیں،

نمبر۳۸، اس قرآن شریف کو بھی ملک اشرف ابی المظفر شعبان نے ماہ شعبان ۷۷۰ھ میں وقف کیا تھا، خط جلی ہے، اول سے آخر سورہ اسریٰ تک دو جلدوں میں ہے، اوراق ۳۵۹ ہیں، اور ثانی آخر قرآن تک ہے، اس کے اوراق ۴۲۵ اور دونوں کی سطریں ۹ ہیں، دونوں مطلا و مرصع ہیں،

نمبر۳۹، اس کو بھی اسی سلطان شعبان نے ۷۷۰ھ میں وقف کیا تھا، خط بھی جلی ہے، اور اس کے کاتب علی بن محمد المکتب الاشرفی ہیں، سنہ کتابت ۷۶۷ھ ہے، محلی بالذہب والالوان ہے، اور ہر سورت کے اول میں اس کا نام اور تعداد آیات کوفی خط میں لکھی ہوئی ہے، مگر تعداد کلمات و حروف خط ثلث سے لکھی ہوئی ہے، اور اخیر میں طلا سے عدد آیات، اور عدد احکام امر و نہی، وعد و وعید، قصص، اخبار، عبر، امثال، حلال، حرام، دعا، تسبیح، اور آیات ناسخ و منسوخ لکھا ہوا ہے، بعض اوراق ترقیع شدہ ہیں، سطر ۱۳، اور اوراق ۲۱۷ ہیں

نمبر۴۰، یہ قرآن شریف خط ثلث اور نسخ میں لکھا گیا ہے، بیان ہے کہ اسے امیر سیف الدین الجای الیوسفی نے وقف کیا تھا، مطلا و مذہب ہے، سطر ۱۳، اور اوراق ۵۷۰ ہیں،

نمبر۴۱، اس قرآن شریف کو محمد المکتب الشہابی نے المقر الاشرف کے حکم سے ۷۷۰ھ میں لکھا تھا، جلی قلم ہے، محلی بالذہب والالوان ہے، یہ قرآن شریف مصحف الکاف کے نام سے مشہور ہے، اکرم خوردہ بھی ہے،

سطر ۱۱، اوراق ۳۲۹ ہیں،

نمبر ۲۴، یہ قرآن شریف خط نسخ میں یاقوت مستعصمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ۶۹۰ھ کتابت کی تاریخ ہے، محلی بالذہب والالوان ہے، سطر ۷، ۱۱، اوراق ۱۹۲ ہیں،

اس کے سابق مضمون میں مین نے معارف نمبر ۳ جلد ۹ کے صفحہ ۲۰۲ میں یاقوت مستعصمی کے ۵ نسخوں کا ذکر کیا ہے یہ نسخہ ملاکر ۶ نسخے ہوئے،

نمبر ۳۴، یہ قرآن شریف شیخ عبد الفتاح العریف کے ترکہ کا گویا ایک تمسک ہے، خط جلی میں لکھا ہوا ہے، مطلا و مرصع بھی ہے، سطر ۱۱، اوراق ۴۰۶ ہیں،

نمبر ۴۴، معمولی قلم سے لکھا گیا ہے، اور ہر سطر کے نیچے مختصر تفسیر بھی ہے، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۱ ہیں،

نمبر ۵۴، یہ قرآن شریف خط جلی میں احمد بن محمد بن کمال الانصاری نے جو شہر قاہرہ کے طبیب تھے ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۶ء میں لکھا تھا، اس کے ساتھ ایک رسالہ رسم مصحف میں کاتب موصوف نے لکھا ہے، وہ رسالہ مطلا و مذہب ہے، سطر ۱۱، اوراق ۳۱۸ ہیں،

نمبر ۶۴، یہ قرآن پاک خط ثلث میں محمود بن حسین بن علی النجوانی نے ۶۶۲ھ میں لکھا ہے، مطلا و مرصع ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۰۹ ہیں،

نمبر ۷۴، اس قرآن شریف کو جلی قلم میں عبد اللہ شافعی نے تقریباً ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء مین لکھا تھا، مطلا و مرصع ہے سطر ۱۳، اوراق ۲۴۸ ہین،

نمبر ۸۴، جلی قلم سے حسن بن قاسم جعفری نے ماہ رمضان کے اخیر عشرہ ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۷ء میں لکھا ہے، یہ قرآن بھی محلی بالذہب ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۵۰ ہیں،

نمبر ۹۴، اس قرآن پاک کو جلی قلم سے موسیٰ محمد بن حسن تنوخی، مالکی، اشرفی نے شہر ربیع الثانی ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء میں قاہرہ میں لکھا تھا، پھر ۸، شوال ۱۲۹۵ھ میں سید احمد بن ادریس حسنی نے مقام امام شافعی رضہ میں وقف کردیا

مذہب و مرصع ہے، سطر ۹، اوراق ۲۹۰ ہیں،

نمبر ۵۰، تاریخ کتابت ۱۲۴۳ھ؁ (۱۲۴۲ع) ہے، خط ثلث میں لکھا گیا ہے، مذہب و مرصع بھی ہے ۱۲۶۶ھ؁ (۱۸۴۹ع) میں محمد آغا نے وقف کیا ہے، سطر ۱۱، اوراق ۴۹۲ ہیں،

نمبر ۵۱، جلی قلم میں عبد الرحمن بن صایغ نے ساٹھ دن میں اس قرآن پاک کو لکھا ہے، ذی الحجہ ۸۰۱ھ؁ (۱۳۹۸ع) کتابت سے فراغت حاصل کی تھی، یہ قرآن شریف محلّی بالذہب و الالوان بھی ہے، سلطان برقوق نے اسے وقف کیا ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۵۹ ہیں،

نمبر ۵۲، خط ثلث میں طلا سے لکھا گیا اور مداد اسود کار دل ہے، اور محلّی بالذہب و الالوان ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۵۵ ہیں، اسے بھی سلطان برقوق نے وقف کیا تھا،

نمبر ۵۳، یہ قرآن شریف بھی ۸۱۴ھ؁ (۱۴۱۱ع) میں عبد الرحمن بن صایغ نے قلم جلی سے لکھا تھا، اول، در آخر قرآن اور اوائل سورتوں اور آخر آیات کا محلّی بالذہب ہے، سطر ۱۱، اوراق ۴۰۸ ہیں، اس قرآن پاک کو سلطان برقوق کے لڑکے سلطان فرج نے وقف کیا تھا،

نمبر ۵۴ اس قرآن شریف کو سلطان برقوق کے لڑکے، سلطان ملک ناصر فرج کے کتب خانہ کیلئے عبد الرحمن بن صایغ نے قلم جلی سے لکھا تھا، اور ماہ رمضان ۸۱۴ھ؁ (۱۴۱۱ع) میں لکھنے سے فراغت حاصل کی تھی، یہ قرآن بھی محلّی بالذہب و الالوان ہے، سطر ۱۱، اوراق ۴۵۲ ہیں، سلطان المؤید شیخ ابی نصر نے اسے وقف کیا تھا،

نمبر ۵۵، یہ قرآن پاک قلم جلی میں موسیٰ بن اسمٰعیل کنانی حنفی، معروف بالجینی کا لکھا ہوا ہی، کاتب موصوف نے ماہ شعبان ۸۲۰ھ؁ (۱۴۱۷ع) کتابت سے فراغت حاصل کی، یہ بھی محلّی بالذہب و الالوان ہے، اسے ملک المؤید شیخ ابی نصر نے وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اوراق ۴۳۲ ہیں،

نمبر ۵۶، قرآن شریف، اس کو جانم سیفی جانی بیک دوادار الکبیر نے قلم جلی سے ملک اشرف ابی النصر قایتبائی کے کتب خانہ کے لیے لکھا تھا، اور یہ قرآن پاک بہت بڑا ہے کتب خانہ خدیویہ میں ہے، سطر ۱۱ اور

اوراق ۲۲۸ ہیں،

نمبر ۵۷، قلم جلی سے لکھا گیا ہے مُحلّی بالذہب والالوان ہے، سنہری جلد بھی ہے سطر ۱۳، اوراق ۳۰۵ ہیں،

نمبر ۵۸، یہ قرآن شریف خط نسخ میں سعد الحافظ سرای نے لکھا ہے، ماہ رمضان ۸۶۰ھ ۱۴۵۵ء میں اسنے لکھنے سے فراغت پائی تھی، یہ بھی مُحلّی بالذہب والالوان ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۹۰ ہیں،

نمبر ۵۹، اس قرآن پاک کو محمد آفندی الشہیر بعزابی روزنامچی، جو دیوان مصر کا کاتب تھا اسکی لڑکی عائشہ نے ماہ صفر ۱۲۶۶ھ ۱۸۵۰ء میں وقف کیا تھا، سطر ۱۳، اوراق ۴۸۴ ہیں، خط ثلث ہے، مُحلّی بالذہب بھی ہے، سنہ کتابت ۹۰۲ھ ۱۴۹۶ء ہے،

نمبر ۶۰، یہ قرآن پاک ۳۳ھ میں معمولی خط میں لکھا گیا ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء میں ولی الدین آفندی خصوصی جو محمد علی پاشا کے کتب خانہ کا کاتب تھا وقف کیا تھا، مُحلّی بالذہب اور مرصع بھی ہے، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۹ ہیں،

نمبر ۶۱، قرآن پاک کو قلم جلی میں خطاب بن عمر الانجاوی نے لکھا اور ۸۷۹ھ ۱۴۷۴ء میں کتابت ختم کی، یہ قرآن شریف المقر الاشرف مولوی امیر کبیر سیفی جانی بیگ امیراخور کبیر کے کتب خانہ کے لیے لکھا گیا تھا، یہ بھی مُحلّی بالذہب والالوان ہے، سطر ۱۳، اور اوراق ۳۰۵ ہیں،

نمبر ۶۲، قلم جلی سے احمد بن علی الفیومی نے ملک الاشرف قانصوہ الغوری کے حکم سے لکھا، اور ماہ رمضان ۹۰۸ھ ۱۵۰۲ء میں کتابت ختم ہوئی تھی، یہ بھی مُحلّی بالذہب الالوان ہے، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۰ ہیں، اس قرآن پاک کے اول میں دو صحیفے ہیں جو طلا سے لکھے ہوئے ہیں،

نمبر ۶۳، اس قرآن کو خط ثلث میں احمد بن محمود الدمشی نے لکھا ہے، ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء میں لکھکر فراغت حاصل کی، مُحلّی بالذہب والالوان ہے، سلطان برقوق نے اسے بھی وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اوراق ۴۰۳ ہیں،

نمبر ۶۴، قلم جلی سے ابی عمرو کی روایت رسم مصحف کے طور پر لکھا گیا ہے، جو ایک رسالہ اخیر سے مفہوم ہوتا ہے، اس میں دو صحیفے اوّل میں ہیں جو طلا سے لکھے گئے ہیں، اور اخیر میں ایک رسالہ رسم

مصحف پر ہے، ملک الاشرف ابی نصر قایتبائی نے ۹۰۱؁ھ ۱۴۹۶ء میں وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اوراق ۳۸۰ ہیں،

نمبر ۶۵، قلم جلی ہے، ملک ظاہر ابی سعید خوشقدم کے کتب خانہ کے لیے لکھا گیا، اس قرآن شریف کے اول میں ایک رسالہ ہے جس میں یہ بیان ہے کہ کاتب کو کتابت مصحف میں کن چیزوں کا التزام رکھنا ملحوظ رکھنا چاہیئے، محلّی بالذہب ہے، سطر ۱۲، اوراق ۳۱۹، اور جلد منقوش ہے،

نمبر ۶۶، جلی قلم سے لکھا ہے، اور جس لفظ میں جلال وشان ہے، اسے سونے سے لکھا ہے، محلّی بالذہب بھی ہے، سلطان اشرف برسبائی نے ۸۳۶؁ھ ۱۴۳۳ء میں وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اوراق ۳۰۲ ہیں،

نمبر ۶۷، اس قرآن شریف کو ابراہیم بن احمد بن عثمان الرقی نے قلم جلی میں لکھا، اور ۸۳۰؁ھ ۱۴۲۶ء میں کتابت سے فارغ ہوا، حاشیہ میں قرأت و تجوید ہے، اسمارقرأت اور اس کے رموز ہیں، محلّی بالذہب بھی ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۳۱ ہیں، اس قرآن کو بھی سلطان اشرف ابی النصر برسبای نے ۸۴۱؁ھ ۱۴۳۷ء میں وقف کیا تھا،

نمبر ۶۸، اس قرآن پاک کو خطاب بن عمر الانجاوی نے یاقوت مستعصمی کے طرز پر خط نسخ میں لکھا ہے، ۸۹۸؁ھ میں لکھنے سے فراغت حاصل کی تھی، اور ۱۹ محرم ۹۰۱؁ھ ۱۴۹۵ء میں ملک الاشرف ابی النصر قایتبائی نے وقف کیا تھا، محلّی بالذہب بھی ہے، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۸ ہیں،

نمبر ۶۹، خط نسخ میں مملوک قائم بن جانم جو طبقہ زمامیہ ملکی الاشرفی سے تھا، اس نے لکھا تھا، شعبان ۹۱۱؁ھ ۱۵۰۵ء میں کتابت سے فارغ ہوا تھا، عبدالرحمٰن کتخدا نے وقف کیا تھا، یہ قرآن محلّی بالذہب بھی ہے، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۲ ہیں،

نمبر ۷۰، اس قرآن پاک کو عبداللہ بن حجاج البرادی نے قلم جلی سے ۸۴۳؁ھ ۱۴۳۹ء میں لکھا تھا، ابراہیم کتخدا کی لڑکی عائشہ نے اسے وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اوراق ۴۴ ہیں اور محلّی بالذہب ہے،

نمبر ۷۱، مملوک کرتبائی بن اتبائی شاگرد محمد بن علی السہیلی نے قلم جلی سے اس قرآن پاک کو ۸۹۱؁ھ ۱۴۸۶ء

میں لکھا، شروع میں علم قرأت پر ایک مقدمہ ہے، سلطان قایتبائی نے اپنی جامع مسجد کے لیے جو دمیاط کے اطراف میں واقع ہے ۸۸۰ھ/۱۴۷۵ء میں وقف کیا تھا، محلّی بالذہب بھی ہے، سطر ۱۱، اوراق ۴۵۸ میں

نمبر۲، یہ قرآن شریف بھی یاقوت مستعصمی کے طرز پر خط نسخ میں لکھا ہوا ہے، حاشیہ پر علم تفسیر کے تقاسیم سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں، اول اور آخر سے مخروم ہے، محلّی بالذہب بھی ہے، سطر ۹ اوراق ۳۸۹ ہیں،

نمبر۳، اس قرآن پاک کو علی بن اخی قاسم بن رستم الرفاعی نے خط ثلث اور خط نسخ میں لکھا، اور رمضان ۸۸۵ھ/۱۴۸۰ء میں کتابت سے فارغ ہوا، محلّی بالذہب ہے ملک الاشرف ابی النصر قایتبائی نے اسے بھی وقف کیا تھا، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۶ ہیں،

نمبر۴، یہ قرآن شریف جو دولت ممالیک البحریہ و برجیہ کے مصاحف مکتوبہ میں سے ہے نہایت دلچسپ اور بیش قیمت ہے، دلچسپ تو تاریخی حیثیت سے ہے، اور طرز تحریر و ترتیب کے لحاظ سے بیش بہا اور عجیب ہے،

سیدہ[1] نفیسہ کی جو اسحٰق موتمن کی بی بی تھی، ایک مسجد مصر میں تھی، اس میں یہ قرآن پاک تھا،

---

[1] سیدہ نفیسہ ابی محمد الحسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ کی صاحبزادی اور مؤتمن اسحٰق بن جعفر صادق رضؓ کی بیوی ہیں، نہایت صالحہ زاہدہ اور متقی عورتوں میں تھیں، ابن خلکان کا بیان ہے: "وکانت نفیسۃ من النساء الصالحات التقیات" اہل مصر کا ان سے اعتقاد عظیم ہے، ابن خلکان کے زمانہ تک باقی تھا جیسا کہ وہ کہتا ہے: "وهو الی الآن باق کما کان" امام شافعیؓ جب مصر میں تشریف لائے تو سیدہ نفیسہ سے ملے اور حدیثیں سنیں، رمضان ۲۰۸ھ/۸۲۳ء میں مصر میں ان کا انتقال ہوا، ان کے شوہر مؤتمن اسحٰق نے ارادہ کیا کہ سیدہ نفیسہ کو مدینہ میں مدفون کریں مگر مصریوں نے خوش اعتقادی کے باعث اصرار کیا، کہ مصر میں ان کا مقبرہ ہو، چنانچہ قاہرہ و مصر کے مابین مدفون ہوئیں، ان کا مقبرہ اجابت دعا کیلیے مشہور ہے، (تفصیل کے لیے شعرانی ملاحظہ ہو)،

وہاں سے چوری گیا اور دس سال بعد پھر اسی مسجد کے دروازہ پر لٹکا ہوا پایا گیا، حسین بیگ حسنی کو اس تعجب خیز واقعہ کی خبر پہنچی وہ آیا اور قرآن پاک کو لیا، اس کو اچھی طرح اور مضبوطی سے سرخ مرکو کے چمڑے سے مجلد اور جلد ساز سے صاف اور ستھرا کرکے درست کرایا، اور جہاں جہاں خراب ہوگیا تھا اسکی بھی ترمیم کی، اس کے اخیر میں خط جدید میں تین اوراق ہیں جنکو محمد وہبی نے ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۶ء میں لکھکر چسپاں کیا تھا، اور تحت کلمات میں تفسیر ہے، اور حاشیہ پر قرآت ہیں، اور حاشیہ اخیر ورق خط جدید میں ہے جسکو خیرت آفندی نے لکھا ہے جس میں یہ تاریخی قصہ ہے، جو اوپر ذکر کیا گیا،

خط ثلث میں یہ قرآن لکھا ہوا ہے، حاشیہ مطلا و مذہب ہے، اسمائے سور اور عدد آیات سونے سے لکھے گئے ہیں، اور سیاہ روشنائی سے مجدول ہے، اور اول میں آٹھ اوراق مجدولہ و منقش اور طلاکار ہین، ان میں نصفیں، ثلاث، ارباع، اسمائے قرار سبعہ اور ان سورتوں کا جنمیں ناسخ و منسوخ ہے اور جنمیں نہیں ہے، اور مطابق نزول آیتوں کی ترتیب کا بیان ہے، نیز اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں، مختلف اشخاص کو متفرق طور پر یاد تھا، اور بیان سبب جمع قرآن کا مصاحف میں، اور بیان کہ قرآن لوح محفوظ سے بیت العزۃ تک جملہ واحدہ کرکے نازل ہوا، اور اس کے بعد حسب ضرورت منجم ہوتا تھا سطر ۱۱، اور اوراق ۳۸۲ ہین،

دولت عثمانیہ کے مصاحف مکتوبہ ما

نمبر ۵، اس قرآن شریف کو محمد بن احمد خلیلی تبریزی نے ۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء میں خط نسخ میں لکھا ہے، ایک سطر تو طلائی ہے اور ایک سطر سیاہ روشنائی کی ہے، مطلا و مرصع ہے ۱۰۳۲ھ ۱۶۲۲ء میں سلطان محمد خان کی والدہ صفیہ نے وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اوراق ۲۵ ہیں،

نمبر ۷، ابراہیم خلیل معروف بہ شبنکشی نے خط ثلث میں اس قرآن پاک کو لکھا ہے، شہر ربیع الاول ختم ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء میں کاتب کو تحریر سے فراغت ہوئی تھی، مذہب و مرصع ہے ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء میں حاجی عنبر آغا باش آغائی

برنجی قادن آفندی نے مصر میں وقف کیا تھا، سطرہ ۱۱، اوراق ۳۰۴ ہیں،

نمبر ۷، قطب الدین کاتب نے خط نسخ میں اس قرآن کو لکھا تھا، اس میں چار تفاسیر ہیں، دو تو حاشیہ پر ہیں، انوار التنزیل للبیضاوی، و جواہر التفسیر للمولی حسین الکاشفی، اور تفسیر جلالین اور اخر تفسیر فارسی میں صلب میں ہے، اور یہ مصحف منقش و محلی بالذہب ہے، سطر ۹، اوراق ۷۰۰ ہیں،

نمبر ۸، محمد رو ح اللہ ابن حافظ محمد لاہوری نے خط نسخ میں اس قرآن کو لکھا ہے اور ۱۱۴۵ھ کے رجب میں کتابت سے فراغت حاصل کی، تیس اوراق میں تیس پارے لکھے ہوئے ہیں، اور ہر سطر کے اول کا الف سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے، محلی بالذہب والالوان ہے، سطر ۱۴، ہیں،

نمبر ۹، اس قرآن شریف کو بھی کاتب مذکور روح اللہ نے نسخ میں لکھا ہے، تاریخ کتابت ۱۱۵۳ھ ہے، اسکے بھی تیس اوراق ہیں ایک ایک ورق میں ایک ایک پارہ ہے، جیسا ماسبق کا قرآن شریف ہے، اور ہر سطر کے اول میں الف کو سرخ روشنائی سے بھی لکھا ہے، یہ قرآن منقش و محلی بالذہب والالوان ہے سطر ۱۴،

نمبر ۱۰، سلیمان کاتب نے معمولی خط میں اس قرآن کو لکھا ہے، اور ۱۲۸۴ھ میں کتابت سے فراغت پائی، محلی بالذہب والالوان ہے، ۱۲۹۱ھ میں حاجی سرور آغا تابع والدۃ المرحوم حسین بیگ نے وقف کیا تھا، سطرہ ۱۱، اوراق ۳۶۳ ہیں،

نمبر ۱۱، سید حافظ عثمان رشدی ابن خلیل جو محمد راسم کے تلامیذ سے ہیں، ۱۲۵۹ھ میں خط نسخ میں اس قرآن پاک کو لکھا تھا، محلی بالذہب والالوان ہے، سطرہ ۱۱، اوراق ۲۰۲ ہیں،

نمبر ۱۲، بہاء الدین محمد بن شیخ ابی الفضل اللاہجانی نے خط نسخ میں اس قرآن شریف کو لکھا ہے، ۱۰۹۳ھ کے ربیع الاول میں کتابت سے فراغت حاصل کی، اول قرآن میں ایک فارسی رسالہ ہے، اور بین السطور میں سرخ روشنائی سے بعض کلمات کی تفسیر لکھی ہوئی ہے، اور حاشیہ پر بعض تفاسیر طبری وغیرہ ہیں، محلی بالذہب والالوان ہے، ۱۲۴۷ھ میں یعقوب آفندی بن عبد اللہ نے جو محمد علی پاشا والی مصر کے مملوک وزیر کا مصاحب

سوم خزینہ مصر تھا وقف کیا تھا، سطر ۱۳، اوراق ۳۰۴ ہیں،

نمبر ۸۳، سید حافظ احمد معروف بشالی زادہ کاتب نے اس قرآن کو ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) میں خط نسخ میں لکھا، اور ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۴ء) میں الہامی پاشا کی والدہ ماجدہ نے وقف کیا، دایرون سے مرصع و مزین ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۰ ہیں،

نمبر ۸۴، سید حافظ اسمٰعیل حقی جو سید محمد الحلمی کے تلامیذ سے ہیں، ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) میں خط نسخ میں اس قرآن پاک کو لکھا، ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۴ء) میں الہامی پاشا کی والدہ ماجدہ نے بھی اسکو وقف کیا، یہ بھی اسی طرح مرصع و مزین ہے سطر ۱۵، اوراق ۳۰۰ ہیں

نمبر ۸۵، حاجی حافظ برہان الدین المعروف بعجر حافظ زادہ کاتب نے ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) میں خط نسخ میں اس قرآن کو لکھا، اور الہامی پاشا کی والدہ نے اسے بھی وقف کیا ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۴ ہیں،

نمبر ۸۶، سید محمد حمدی نے جو ابی ابکر وصفی کے شاگردون میں سے تھے ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۸ء) میں خط نسخ میں لکھا تھا، سلطان عبدالعزیز خاں کی والدہ نے وقف کیا، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۵ ہیں، چھوٹے دائروں سے مرصع و مزین ہے،

نمبر ۸۷، احمد خلوصی ابن حاجی خلیل نے جو ابراہیم ادھمی الصاری کے تلامیذ سے ہیں، خط نسخ میں اس قرآن کو لکھا تھا، ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء) میں ولی پاشا کی دختر عائشہ خانم نے وقف کیا تھا، ماسبق قرآن کی طرح یہ بھی مرصع ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۳ ہیں،

نمبر ۸۸، یہ قرآن معمولی قلم کا لکھا ہوا ہے، ہر سطر کا اول و آخر سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے اور حاشیہ پر اسی روشنائی سے بعض قرأت بھی لکھی ہوئی ہیں، ۱۱۴۲ھ (۱۷۳۰ء) میں شیخ عبدالرحمن انصاری کی لڑکی نے وقف کیا تھا، سطر ۱۷، اوراق ۱۴ ہیں،

نمبر ۸۹، عبدالکریم بن احمد طلوسی نے معمولی خط میں ۱۰۸۶ھ (۱۶۷۶ء) میں اس قرآن کو لکھا تھا، سرخ روشنائی سے بین السطور میں بعض کلمات کی تفسیر لکھی ہوئی ہے، محمد آغا المعروف بگی شہری نے اسے وقف کیا، سطر ۱۱، اوراق ۳۰۳ ہیں،

نمبر ۹۰، سلیمان جردلی (حافظ قرآن) نے ۱۲۰۳ھ (۱۷۹۰ء) میں اس قرآن کو لکھا ہر صفحہ میں تین سطریں

خط ثلث میں اور درمیان کی سطر سرخ روشنائی سے ہے، امیر رضوان نے اسے وقف کیا، سطر، اوراق ہیں،

نمبر ۹۱- یہ قرآن شریف اول و آخر سطر ارزق رنگ سے اور وسط سطر سونے سے لکھا ہوا ہے،

خط ثلث اور نسخ میں ہے، محلی بالذہب والالوان ہے، ۱۲۰۴ھ (۱۷۸۹ء) میں امیر اللوا ایوب بیگ دفتدار مصر نے وقف کیا، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۰ ہیں،

نمبر ۹۲، سلیمان یساری نے نسخ میں اس قرآن کو ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) میں لکھا، خدیو اسمعیل کی حرم چشم آفت خانم نے ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) میں وقف کیا، محلّی بالذہب ہے، سطر ۱۱، اوراق ۳۹۵ ہیں،

نمبر ۹۳، علی حلمی نے جو حافظ اسمعیل کے تلامذہ سے ہیں خط نسخ میں اس قرآن کو لکھا ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں علی آفندی مرشد نے وقف کیا، منقش و مرصع بھی ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۴ ہیں،

نمبر ۹۴، سعیدی بن اسمٰعیل حامدی نے ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں خط نسخ میں اس قرآن پاک کو لکھا اور اسی سنہ میں حسن کامی پاشا کی حرم رفیعہ خانم کے غلام شعبان آغا نے وقف کیا، یہ قرآن شریف دایرون اور رنگون سے مرصع ہے، سطر ۱۵ اوراق ۳۰۲ ہیں،

کتب خانہ مصطفےٰ پاشا میں دولت عثمانیہ کے مصاحف مکتوبہ

نمبر ۹۵- اسماعیل یساری زادہ نے جو حسین آفندی خفاف زادہ کے تلامیذ سے تھے خط نسخ میں یہ قرآن شریف ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۲ء) میں لکھا تھا، مصطفےٰ جو جہانگیری کے نام سے مشہور تھے، انھوں نے طلاکاری و نقوش اس میں کئے تھے اور اول کے دونوں مرصع و نقوش کے وسط میں ایک ورق ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ ہے، سطر ۱۵ اوراق ۳۰۰ ہیں،

نمبر ۹۶، سلیمان الوہبی، القادری جو ابراہیم شوقی من خلفا اسماعیل الزہدی کے تلامذہ سے ہیں، انھوں نے اس قرآن شریف کو ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء) میں خط نسخ میں لکھا تھا، مطلا، مذہب، منقش ہے، دعائے ختم قرآن آخیر میں ہے سطر ۱۵، اوراق ۴۲۲ ہیں،

نمبر۹۷، خط نسخ میں احمد المعروف بنابلی، ساکن غلطہ نے ۱۱۹۵ھ ۱۷۸۱ء میں اس قرآن پاک کو لکھا ہے، مطلا و مزین ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۷۲ ہیں،

قارئین کرام! آپ کو تعجب ہوگا کہ کاتب مذکور کا یہ ۸۳ واں قرآن ہے، اس نے اس کے قبل ۸۲ قرآن شریف کے مکمل نسخے لکھے ہیں، سبحان اللہ کیسے اگلے لوگ تھے، اللھم اغفرلہ،

نمبر۹۸، سید عبداللہ المعروف بالامام جو حافظ عثمان کے شاگردوں میں ہیں، انھوں نے ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۶ء میں اس قرآن پاک کو خط نسخ میں لکھا ہے، عبداللہ مصطفےٰ نے اس قرآن کو مرصع و منقش کیا، سطر ۱۵، اوراق ۴۸۳ ہیں،

نمبر۹۹، احمد اللہ المعروف بابن الشیخ نے نسخ میں اس قرآن کو لکھا تھا، اس کے اخیر فارسی زبان میں دعائیں ہیں، اور دعائے ختم قرآن عربی میں ہے، سطر ۱۲، اوراق ۵۵۳ ہیں،

نمبر۱۰۰، ابن علاء الدین محمد بن محمد الحسینی نے ۱۲۱۷ھ میں، حاجی میرزا محمد باقر زادہ کے حکم سے خط نسخ میں اس قرآن پاک کو لکھا، حاشیہ اور سطروں کے نیچے فارسی تفسیر ہے اور اخیر میں دعائے ختم قرآن ہے، تمامی قرآن پاک مطلا و منقش ہے، سطر ۱۲، اوراق ۳۱۷ ہیں،

نمبر۱۰۱، سورۂ فتح اور فاتحۃ الکتاب، شاہ محمود نیشاپوری نے خط تعلیق میں ۹۶۵ھ ۱۵۵۷ء میں لکھا تھا، منقش و محلی بالذہب ہے، سطر ۷، اوراق ۹ ہیں، مجلد ایک ہی میں ہے،

نمبر۱۰۲، احمد قرہ حصاری، نے جو سید اسد اللہ الکرمانی کے تلامذہ میں ہیں ۹۴۴ھ ۱۵۳۷ء میں اس سورہ انعام کو خط ثلث اور نسخ میں لکھا تھا، نہایت ہی مطلا و مرصع و مزین ہے، سطر ۱۳، اوراق ۱۲ ہیں،

نمبر۱۰۳، یاقوت مستعصمی نے خط نسخ میں اس قرآن پاک کو ۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء میں لکھا ہے، اور اس میں یہ التزام کیا ہے کہ ہر صفحہ کی آخری آیت، اور دوسرے صفحہ کی اول آیت کو منقش و محلی بالذہب کیا ہے، اور اول میں ترکی عبارت ہے، جو ختم جنت مکان محمد علی پاشا کی تاریخ ولادت نواسہ مصطفےٰ فاضل پاشا ۱۲۴۵ھ ۱۸۲۹ء پر متضمن ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۲ ہیں،

نمبر۴، ۱۔ سورۂ فاتحہ، انعام، کہف، سبا اور سورۂ فاطر سوا ے اخیر کی دو آیتوں کے خط نسخ میں یاقوت مستعصمی نے لکھا ہے، یہ منقش و مذہب ہے سطر ۱۱، اوراق ۵۰ ہیں،

حضرات ذیہہ دو نسخوں کا اور اضافہ یاقوت مستعصمی کے خط میں ہوا تو اب مجموعہ آٹھ نسخے میرے مضمون میں ہوئے دولت عثمانیہ کے مصاحف مکتوبہ میں جو مصطفے پاشا فاضل کے کتب خانہ میں تھے، ان میں ایک نسخہ نہایت ہی دلچسپ ہے، جو ملا علی قاری کے دوست خاص کا ہے، اس نسخے سے پتہ چلتا ہے کہ ملا علی قاری صرف فاضل و محدث ہی نہ تھے، بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے، مسٹر براکلمن نے اپنی جرمن فہرست میں علامہ موصوف کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۰۰ا بتائی تھی، ان کی تصانیف زیادہ تر حدیث میں ہیں، علامہ موصوف کو اس قدر دماغی کاموں کے علاوہ قرآن پاک کے لکھنے کا بھی شوق تھا، اور اسے وہ سعادت دارین تصور فرماتے تھے علامہ موصوف کا پورا نام علی بن سلطان محمد القاری الہروی تھا، ۱۰ صدی ہجری کے اواخر میں پیدا ہوئے اور ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء میں آپ کا انتقال ہوا،

نمبر۵، ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء میں علامہ موصوف نے خط نسخ میں اس قرآن پاک کو لکھا ہے، منقش و محلی بالذہب ہے، سطر ۱۵، اوراق ۴۱۶ ہیں، اخیر میں دعا ختم قرآن ہے،

نمبر۶، ۱۱ عم پارہ کا ربع، عبد اللہ بن محمد بن محمود ہمدانی نے ملک ناصر محمد کے حکم سے ۷۱۳ھ / ۱۳۱۳ء میں خط ثلث میں لکھا ہے اور تمام لکھائی سونے کی ہے، اور نہایت ہی مطلا، مذہب اور مرصع و منقش ہے ۷۲۶ھ / ۱۳۲۵ء میں امیر سیف الدین بکتمر بن عبد اللہ ساقی نے اسے وقف کیا، یہ ربع پارہ بھی دولت مملوکیہ بحریہ کا ایک بیش بہا جوہر تھا، سطر ۵، اوراق ۷۳ ہیں،

نمبر۷، ۱۱ تیسرا، پانچواں، آٹھواں، نواں، گیارہواں، اٹھائیسواں، اور انتیسواں یہ سات پارے احمد اصفہانی نے خط ثلث اور نسخ میں ملک ناصر ابو سعید کے مدرسہ میں لکھا ہے، اور ۷۳۸ھ / ۱۳۳۸ء میں کتابت تمام ہوئی ہے، نہایت ہی محلی بالذہب ہے، سطر ۱۱، اوراق علی الترتیب ۱۷، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۷، ۱۶، ۱۸ ہیں،

ذیل میں خدیو مصر کے کتب خانہ کے قرآن کے کاتبوں کی فہرست مرتب کی گئی ہے جو اعلیٰ درجہ کے کاتب تھے اور اس فہرست میں نوعیتِ تحریر و سنہ کتابت کو بھی بیان کیا گیا ہے، معارف کے قارئین کرام کے لیے تذکرۂ خوشنویسان میں ۱۰۰ کاتبوں کا اضافہ ہو جائے گا، جو صاحب علم مکمل طور پر خوشنویسوں کی لائف لکھنے پر آمادہ ہو جائیں گے، ان کے لیے کم سے کم ۱۰۰ کاتبوں کی فہرست آسانی سے مل جائے گی جن میں ۸۰ تو نسخ میں، اور ۱۴ ثلث میں، دو تعلیق میں، تین خط مغربی اور ایک کوفی میں، اور بقیہ خط معتاد میں اعلیٰ درجہ کے ماہر تھے،

کاتبوں کے نام	نوعیت تحریر	سنہ کتابت
(۱) علی محمد بن مقلہ،	نسخ	۳۰۸ھ / ۹۲۰ء،
(۲) مسعود بن محمد الکاتب اصفہانی،	"	۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء،
(۳) عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی الفتح،	"	۵۹۹ھ / ۱۲۰۲ء،
(۴) مسعود بن محمد ابن مسعود الخطاط اصفہانی	"	۶۰۷ھ / ۱۲۱۰ء،
(۵) یاقوت مستعصمی (دو قرآن مع تاریخ اور ایک بلا تاریخ	")	۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء،

اس کاتب کے ۵ تحریرات ایک تو بانکی پور پبلک لائبریری کا قرآن دوسرا احتشام الدولہ مدراس لائبریری کا قرآن، تیسرا قرآن ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء نصف اول واجد حسین کتب فروش لکھنؤ، نصف آخر عبدالحسین لکھنؤ، اور اسکی تحریر دیوان حادرہ رامپور لائبریری، اور دیوان علی کا کچھ حصہ حیدرآباد دکن منشی سید علی حسین مرحوم کے کتبخانہ میں اور ۵ قرآن یورپ کے کتب خانوں میں مندرج ہیں، اس کاتب کا نام جمال الدین یاقوت رومی المستعصمی، یا عبداللہ المستعصمی ابو الدر ہے، ۶۹۸ھ / ۱۲۹۸ء میں اسکی وفات ہے،

کاتبوں کے نام	نوعیت تحریر	سنہ کتابت
(۶) احمد بن محمد بن کمال الانصاری (قاہرہ)	"	۷۴۴ھ / ۱۳۴۳ء
(۷) ابن خلیل بن محمد بن عبدالرحمٰن الحنفی،	"	۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء

کاتبون کے نام	نوعیت تحریر	سنہ کتابت
(۸) علی بن محمد المکتب الاشرفی	نسخ	سنہ ۷۷۴ھ ۱۳۷۲ء
(۹) محمد المکتب الشہابی	"	سنہ ۷۷۶ھ ۱۳۷۴ء
(۱۰) عبد الشافعی،	"	سنہ ۷۴۰ھ ۱۳۳۹ء
(۱۱) حسن بن قاسم جعفری،	"	سنہ ۷۲۳ھ ۱۳۲۲ء
(۱۲) موسیٰ بن محمد بن حسن التنوخی، مالکی، اشرفی (قاری)	"	سنہ ۷۷۶ھ ۱۳۷۴
(۱۳) مبارک شاہ	"	؟
(۱۴) عبد الرحمن بن صائغ (متن قرآن شریف اس کاتب کا ہی)		سنہ ۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء
(۱۵) احمد اصفہانی	"	سنہ ۸۰۹ھ ۱۴۰۷ء
(۱۶) موسیٰ بن اسمٰعیل الکنانی الحنفی معروف بالجینی	"	سنہ ۸۲۰ھ ۱۴۱۷ء
(۱۷) جانم سیفی جانی بیگ (ابی النصر ملک الاشرف کا زمانہ)	"	—
(۱۸) سعد الحافظ السرای	"	سنہ ۸۵۹ھ ۱۴۵۵ء
(۱۹) ابراہیم بن احمد بن عثمان الرقی،	"	سنہ ۸۳۰ھ ۱۴۲۶ء
(۲۰) خطاب بن عمر الدنجادی .	"	سنہ ۸۸۹ھ ۱۴۸۴ء
(۲۱) احمد بن علی الفیومی،	"	سنہ ۹۰۸ھ ۱۵۰۲ء
(۲۲) عبد اللہ بن جاح البرادی،	"	سنہ ۸۴۳ھ ۱۴۳۹ء
(۲۳) ملوک کربائی بن اقبائی، تلمیذ محمد بن علی السہیلی	"	سنہ ۸۷۹ھ ۱۴۷۴ء
(۲۴) علی بن اخی قاسم بن رستم الرفاعی،	"	سنہ ۸۸۵ھ ۱۴۸۰ء
(۲۵) احمد بن جمال الدین الحافظ الاصفہانی	"	سنہ ۹۰۶ھ ۱۵۰۰ء

کاتبوں کے نام	نوعیت تحریر	سنہ کتابت
(۲۶) مملوک قائم بن جانم،	نسخ	سنہ ۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء
(۲۷) عبداللہ بن امر اللہ	"	سنہ ۸۴۰ھ ۱۴۳۶ء
(۲۸) محمد بن احمد خلیلی التبریزی	"	سنہ ۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء
(۲۹) قطب الدین،	"	؟
(۳۰) محمد روح اللہ بن حافظ محمد حسین لاہوری (دو قرآن اسکے قلم کے ہیں)	"	سنہ ۱۱۰۷ھ ۱۶۹۵ء
(۳۱) بہاء الدین محمد بن الشیخ ابی الفضل لاہجانی	"	سنہ ۱۰۹۷ھ ۱۶۸۲ء
(۳۲) عبدالقادر بن عیسیٰ،	"	سنہ ۱۱۰۳ھ ۱۶۹۲ء
(۳۳) حبیب الداعی، از تلامیذ حسن الرشدی (دو قرآن لکھا ہے)	سنہ ۱۱۸۵ھ	سنہ ۱۱۸۸ھ
(۳۴) احمد العطائی، از تلامیذ اسمعیل وہبی آفندی،	"	سنہ "
(۳۵) محمد سعید المعروف بمصری، از تلامیذ احمد الشاکری	"	سنہ "
(۳۶) مصطفیٰ بردی، از تلامیذ محمد نوری،	"	سنہ "
(۳۷) عبدالرحمٰن السعید، یا قوتی،	"	سنہ "
(۳۸) احمد الشکری مصری، از تلامیذ محمد نوری،	"	سنہ "
(۳۹) اسمعیل الظہوری،	"	سنہ "
(۴۰) صالح النجیب،	"	سنہ "
(۴۱) احمد ابی العز الاحمدی الشافعی	"	سنہ ۱۱۵۸ھ
(۴۲) محمد بن تمام،		؟
(۴۳) حاجی اسمعیل بن ابراہیم السطمونی،	"	سنہ ۱۰۶۲ھ

کاتبوں کے نام	نوعیت تحریر	سنہ کتابت
(۴۴) غیاث الدین محمد بن احمد حلبی التبریزی	نسخ	سنہ ۹۷۷ھ
(۴۵) ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی	"	سنہ ۱۰۰۰ھ ۱۵۹۱ء
(۴۶) اسمعیل بیاری زادہ از تلامیذ حسین آفندی المعروف نجفاف زادہ،		سنہ ۱۱۶۶ھ
(۴۷) حافظ عثمان،	"	سنہ ۱۰۳۸ھ
(۴۸) احمد المعروف بنا بلی، ساکن غلطہ،	"	سنہ ۱۱۹۵ھ ۱۷۸۰ء
(۴۹) عبد اللہ المعروف با مام از تلامیذ حافظ عثمان	"	سنہ ۱۱۱۸ھ
(۵۰) حمد اللہ المعروف بابن الشیخ (اس کے دو قرآن ہیں، تاریخ نہیں)		؟
(۵۱) سید حافظ عثمان المعروف بقایش زادہ،	"	سنہ ۱۱۴۳ھ
(۵۲) حافظ احمد،	"	سنہ ۱۰۹۳ھ
(۵۳) علاء الدین محمد بن محمد حسینی،	"	سنہ ۱۱۴۰ھ ۱۷۲۷ء
(۵۴) سید مصطفی الملقب بالزہدی، ابن محمد آفندی، ابن حاجی مصطفی،		سنہ ۱۱۹۸ھ
(۵۵) حافظ یوسف، کاتب السرای العامرہ،	"	"
(۵۶) درویش علی،	"	سنہ ۱۰۸۹ھ
(۵۷) احمد القرہ حصاری، از تلامیذ اسد اللہ الکرمانی،	"	سنہ ۹۴۴ھ ۱۵۳۷ء
(۵۸) علی بن اخی بن رستم الرفاعی،	ثلث	سنہ ۸۸۵ھ ۱۴۸۰ء
(۵۹) علی بن احمد بن امیر علی بن لاجین البہائی	"	سنہ ۹۰۳ھ ۱۴۹۷ء
(۶۰) محمد علی الامام	"	؟
(۶۱) احمد اصفہانی	"	سنہ ۷۶۹ھ ۱۳۸۷ء

کاتبوں کے نام	نوعیت تحریر	سنہ کتابت
(۶۲) عبداللہ بن نصراللہ	ثلث	سنہ ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء
(۶۳) یحیی بن الحسن بن احمد القاضی القوشی العراقی	"	سنہ ۷۵۶ھ / ۱۳۵۶ء
(۶۴) عبداللہ بن محمد بن محمود، ہمدانی،	"	سنہ ۷۱۳ھ / ۱۳۱۳ء
(۶۵) احمد بن محمود الدشی	"	سنہ ۷۸۹ھ / ۱۳۸۷ء
(۶۶) احمد القرہ حصاری، از تلامیذ اسداللہ الکرمانی،	"	سنہ ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء
(۶۷) محمود بن حسین بن علی المنجوانی،	"	سنہ ۷۶۲ھ / ۱۳۶۰ء
(۶۸) وہبی،	"	سنہ ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء
(۶۹) خیرت آفندی،	"	؟
(۷۰) ابراہیم خلیل المعروف بالشکشی،	"	سنہ ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء
(۷۱) محمد بن کزل العیساوی،	نسخ	؟
(۷۲) ابن عبدالسمیع محمد امین التبریزی،	"	سنہ ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء
(۷۳) سید حافظ عثمان رشدی بن خلیل از تلامیذ محمد راسم،	"	سنہ ۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء
(۷۴) حافظ احمد، المعروف لشاملی زادہ	"	سنہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء
(۷۵) حافظ اسمعیل حقی، از تلامیذ سید محمد حلمی،	"	سنہ ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء
(۷۶) حافظ برہان الدین، المعروف تاجر حافظ زادہ،	"	سنہ ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء
(۷۷) سید محمد حمدی، از تلامیذ ابی بکر وصفی،	"	سنہ ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۸ء
(۷۸) احمد خلوصی ابن حاجی خلیل، از تلامیذ ابراہیم ادھمی لکھا گیا	"	سنہ ۱۲۲۸ھ / ۱۸۱۳ء
(۷۹) عبداللہ الراسخ، از تلامیذ عبداللہ الصدقی	"	سنہ ۱۲۹۶ھ

کاتبون کے نام	نوعیت تحریر	سنہ کتابت
(۸۰) سید سلیمان النطفی، از تلامیذ امام زادہ،	"	سنہ ۱۲۱۵
(۸۱) شیخ صالح	"	سنہ ۱۲۳۶
(۸۲) سلیمان لیاری،	"	سنہ ۱۲۸۵
(۸۳) علی الحلمی، از تلامیذ حافظ اسمٰعیل،	"	سنہ ۱۲۸۶
(۸۴) محمد سعیدی ابن اسمٰعیل حامدی،	"	سنہ ۱۲۸۴
(۸۵) شیخ مصطفٰی القیسی، از تلامیذ حسن بن محمد الجورمی	"	سنہ ۱۲۳۲ھ
(۸۶) سید عبد اللہ الزہدی،	"	سنہ ۱۲۶۶
(۸۷) سید صالح، المعروف بجشیر،	"	سنہ ۱۲۱۱
(۸۸) سلیمان الوہبی القادری، الاشرفی، از تلامیذ ابراہیم شوقی،	"	سنہ ۱۲۴۲
(۸۹) محمد عطاء اللہ، المعروف بعرب زادہ،	نستعلیق	سنہ ۱۲۸۶
(۹۰) شاہ محمود نیشاپوری،	"	سنہ ۶۵۶ھ / ۱۵۵۷ء
(۹۱) محمد حمدی بکوتاہی، المعروف بحافظ الکتب، از تلامیذ سید عثمان المعروف بدلاور،	نسخ	سنہ ۱۲۴۶ھ / ء
(۹۲) سید حافظ محمد راشد المعروف بتربت دار حضرت خالد بن زید ابی ایوب الانصاری،		سنہ ۱۲۶۵ھ
(۹۳) سید عبد اللہ،	"	?
(۹۴) محمد امین المعروف بعزتی،	"	سنہ ۱۲۰۰ھ
(۹۵) سید صالح صلاحی	"	سنہ ۱۲۰۳
(۹۶) محمد بن عمر الطنبوی الشافعی،	نسخ	سنہ ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ء
(۹۷) ابوالحسن بن ابی طاہر،	معمولی	سنہ ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء

کاتبوں کے نام	نوعیت تحریر	سنہ کتابت
(۹۸) محمد ابی الخیر المقری ابن صالح السواق،	معمولی،	سنہ ۱۲۸۶ ھ
(۹۹) عبد الکریم بن احمد طلوسی،	"	سنہ ۱۰۷۸ ھ / ۱۶۶۷ ء
(۱۰۰) مصطفےٰ بن محمد (قسطنطنیہ)	"	سنہ ۹۳۵ ھ
(۱۰۱) محمد الاجہوری،	"	سنہ ۱۲۶۱ ھ
(۱۰۲) یونس بن محمد اندلسی،	مغربی	سنہ ۱۱۶۶ ھ / ۱۷۵۲ ء
(۱۰۳) محمد ادلاف،	"	؟
(۱۰۴) مبارک بن محمد کوری،	"	؟
(۱۰۵) امام جعفر صادق (المتوفی سنہ ۱۴۸ھ)	کوفی	؟

سیاست مدن

(سلسلۂ گذشتہ)

از مولوی عبدالباسط صاحب بدایونی،

سیاست مدن | سیاست مدن تدنی منزل مین حکمت عملی کے اس حصہ کو کہتے ہین جو ایک قوم ایک شہر یا ایک ملک کے باہمی تعلقات کے حفظان کے متعلق ان اصول سے بحث کرتا ہے جس سے تمام افراد مین طریقۂ عدالت جاری وساری رہتا ہے اور جسکی وجہ سے تمام افراد ترقی اور بہبودی کی طرف مائل ہوتے ہین،

ضروریاتِ زندگی مین تعاون وتعامل کا لازم ہونا بیان کیا جاچکا ہے، فطرت نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اسلیے سوسائٹی مین ہر اعلیٰ وادنی شخص پورا آزاد اور خود مختار ہے لیکن بعض اوقات اعلیٰ شخص ادنی پر بیجا دباؤ ڈالتا ہے اور اسکی آزادی مین مخل ہوتا ہے اسلیے یہ ضرورت پیش آئی کہ ابنائے جنس ایک دوسرے کی آزار رسانی سے محفوظ رہین اور ہر شخص سوسائٹی مین اپنے اپنے مراتب کے مطابق عمل کرتا رہے اور اگر کوئی ایسا کام کرے جس سے سوسائٹی کو نقصان پہنچے تو اس کو سزا دیجائے تاکہ آیندہ اس کو تنبیہ اور دیگر افراد کو عبرت حاصل ہو،

تمدن کی ابتدائی حالت مین تمام سوسائٹی کو یہ اختیار تھا کہ جب سوسائٹی کے کسی ممبر سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو سب ملکر اس کیلئے سزا تجویز کردیتے تھے، جرائم اور مجرمونکی نوعیت کے لحاظ سے مختلف سزائین تجویز کیجاتی تھین اور اسی کے مطابق ان کو فیصلہ سنا دیا جاتا تھا، رفتہ رفتہ ان مختلف فیصلون نے قانونی صورت اختیار کرلی اور سوسائٹی کے اختیارات کا نام جو لوگون مین قاعدہ عدالت قائم رکھین اور

جو فرد اس قاعدہ کی خلاف ورزی کرے اس کو سزا دین سیاست کہلانے لگا،

شروع مین ہر مقدمہ مین سوسائٹی کے ہر فرد کو رائے دینے کا استحقاق یکسان تھا اور ہر ممبر کو یہ حق تھا کہ وہ قانون وضع کرے اور اسکا نفاذ کرے گویا اس مین ایک جمہوری سلطنت کی سی شان تھی لیکن جب متمدن سوسائٹی مین ترقی ہوئی اور افراد مین ان کے حالات اور مذاق کے اعتبار سے کام تقسیم ہوئے تو ایک مقدمہ کے لیے تمام افراد کا جمع ہونا نہ صرف ان کے ذاتی کامون مین بھی حارج ہوا بلکہ ایک طرح محال ہوگیا، اسلئے انفصالِ مقدمات کے اختیارات ایک شخص واحد کو دیدیئے گئے، اور اس کا نام قاضی یا منصف ہوا لیکن قوانین سازی سوسائٹی کے ہاتھ مین رہی، منصف کا کام ان منضبط قوانین قوم کے مطابق مجرمون کو سزا دینا قرار پایا، ساتھ ہی ساتھ اسکی ضرورت بھی پیش آئی کہ اس سوسائٹی، شہر یا ملک کی حفاظت بیرونی حملون سے کیجائے تاکہ امن قائم رہے، اس لیے قیام افواج ضروری ہوا، جماعت مین سے چند اشخاص جو اس کام کے لیے موزون ومناسب تھے فوج مین بھرتی کئے گئے اور ان کا جداگانہ قانون بنایا گیا، صلح وجنگ کا اختیار اور اس فوج کی عنانِ حکومت ایک خاص شخص کے سپرد کیگئی تاکہ وہ صرف انہین امور پر اپنا وقت صرف کرے، اس کو اندرونی اور بیرونی نقصانات کی تلافی کے تمام اختیارات دیئے گئے اور اس کا نام حاکم یا بادشاہ ہوا،

اب فوج کے لیے جو بجز محافظتِ قوم اور کوئی کام انجام نہین دیسکتی تھی یا حاکم وقت کے لیے اخراجات کی ضرورت لاحق ہوئی چونکہ وہ اپنے لیے جداگانہ اکتسابِ معاش سے قاصر تھے اس لیے تمام سوسائٹی کے ذمہ ایک محدود رقم مقرر کیگئی اور اس کا نام ٹیکس یا خراج ہوا، اس ٹیکس کی آمدنی کچھ عدالت اور افواج کے اخراجات مین صرف ہوتی تھی اور کچھ حسب ضرورت بادشاہ کے صرف مین آتی تھی،

عوام الناس بادشاہ وقت کی عزت کرتے تھے اور اس کے احکام کی تعمیل، لیکن اگر وہ خلاف

قانون کوئی حکم کرتا تھا تو سوسائٹی کے ہر فرد کو اس کو تنبیہ کرنے کا حق ہوتا تھا،

جنگ کے موقع پر بادشاہ کے سپرد تمام انتظامات ہوتے تھے اور امن و صلح کے زمانہ مین اسکی حیثیت دیگر رؤسائے شہر کے برابر ہوتی تھی، باقی سلطنت کا نظم و نسق رعایا یا کونسل کی صلاح اور مشورے سے انجام پاتا تھا لیکن بادشاہ کا اقتدار زیادہ ہوتا تھا، اور اس کا ادب رعایا پر فرض تھا، اسی طرح تمدن نے ترقی کرتے کرتے سلطنت قائم کر لی لیکن یہ سلطنت جمہوری سلطنت تھی جس مین بادشاہ یا حاکم کا انتخاب سوسائٹی یا رعایا کی رائے سے ہوتا تھا، قیام سلطنت کے بعد ہر فرد مجرم کو سزا دینے کا مستحق نہیں رہا بلکہ وہ بجائے خود سزا دینے کے عدالت سے سزا دلا سکتا تھا،

مطلق العنانی یا غیر متمدن حالت مین اگرچہ ہر فرد کے اختیارات وسیع تھے لیکن اس آزادی کا فائدہ مفقود تھا اور اس آزاد زندگی مین کوئی بھی اپنی حفاظت خود نہین کر سکتا تھا، اس وقت نہ تو کوئی قاعدہ و قانون تھا جو سب کے لیے یکسان ہوا اور نہ جائز ناجائز کا کوئی معیار تھا بلکہ ایک ہی نوعیت کے مقدمات کے فیصلے مختلف طرائق سے ہوتے تھے اور اکثر مین طرفداری اور رعایات مد نظر رکھی جاتی تھین، دوسرے کوئی ایک شخص مسلمہ طور پر منصف نہ تھا بلکہ ہر شخص خود ہی واضع قانون بھی ہوتا تھا اور خود ہی قانون نافذ کرتا تھا اور اکثر خود غرضی کی بنا پر انصاف دشوار ہوتا تھا،

جب سلطنت جمہوری قائم ہوئی اور اس نے امن عامہ کو قائم کیا، قوانین وضع کئے اور ان کے مطابق حکمرانی کی اور سوسائٹی مین نصفت اور عدالت قائم کی اور ملک و سوسائٹی کو اندرونی اور بیرونی حملون سے محفوظ رکھا،

چونکہ قوانین کے وضع کرنے کا اختیار سوسائٹی کے ہر فرد کو تھا اسلیے اس مین بھی وہی دقت ہوئی کہ ہر شخص اس کو انجام نہ دیسکا اسلیے کل قوم نے اپنے سربرآوردہ اشخاص کو اپنی طرف سے اس کام کیلئے منتخب کر دیا جو عقل و دانش اور علم و لیاقت میں دوسروں سے ممتاز تھے، اور سب نے اس کو تسلیم کر لیا کہ

ان کے وضع کردہ قوانین پر ہر شخص عمل پیرا ہوگا اور کسی کو اختلاف نہ ہوگا، اس مجلس کو واضع قوانین یا لیجسلیٹو کونسل کے نام سے موسوم کیا، یہ وہ جماعت ہوتی ہے کہ جب اوسکو ذی اختیار بنا دیا جاتا ہے تو تمام افراد قوم پر اس کے وضع کردہ قوانین کی اطاعت فرض ہو جاتی ہے، اس مین شک نہین کہ مقنن کے اختیارات سب سے زیادہ ہوتے ہین لیکن وہ قانون بنانے مین بالکل خود مختار نہین ہوتا بلکہ اسکو امور ذیل کا پابند ہونا لازمی ہے،

اول وہ اس امر کا خیال رکھے کہ وہ ایسے قوانین وضع کرے جن سے قوم و ملک کی حالت درست ہو اور وہ خلاف فطرت نہ ہون بلکہ ہر ایک مین قوم کی فلاح و بہبودی متصور ہو،

دوسرے وہ ایسے قوانین منضبط کرے جو [illegible] کے لیے یکسان حکم رکھتے ہون افراط و تفریط سے بری اور عدل و انصاف پر مبنی ہون،

تیسرے ان قوانین مین خلائق کے جان و مال کی حفاظت مدنظر ہو اور ٹیکس یا خراج کا مقرر کرنا بغیر استفسارِ رائے قوم بے حد و بے حساب نہ ہو،

چوتھے وہ قوانین ایسے منضبط ہون کہ وہ مستقل ہون، اور جلد جلد تبدیل نہ ہوتے ہون،

جس شخص کے ہاتھ مین عنانِ حکومت ہو اوس کو خاص خاص ایسے اقتدارات بھی حاصل ہونا چاہئین جو قانون مروجہ سے برتر ہون، چونکہ بعض اوقات ایسے واقعات پیش آجاتے ہین جہان مقنن کا قانون کوئی ہدایت نہین کرتا اس وقت حاکم وقت کو چاہئیے کہ وہ اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کرے

غرض یہ سلطنت جمہوری ایسی سلطنت ہو کہ نیچرل یا فطری حالت مین جو اقتدارات و اختیارات لوگون کو فرداً فرداً حاصل تھے، وہ انھون نے سوسائٹی کو دے اور پھر سوسائٹی نے وہ ایک حکمران اور اس کے ماتحت چند افسران کو اس شرط پر دیئے کہ وہ انکی جان و مال، عزت و آبرو کی ہر طرح حفاظت کرے اور انکی بہبودی اور ترقی مین ہمیشہ کوشان رہے، لیکن اوسکو لوگونکی جان و مال پر خود مختار اختیار حاصل نہین ہو سکتا،

جب سوسائٹی تمدنی زندگی کی آخری منزل پر پہنچ جاتی ہے تو اس کے قوانین عدالت اعلیٰ پیمانہ پر ہوتے ہین، اور اسکی گورنمنٹ اپنی تمام افراد کی بھلائی اور بہبودی کے لیے اور تمام سوسائٹی کے انتظام کے خاطر تمدنی اصول وضع کرتی ہے اور انکو مشتہر کرتی ہے اور رعایا کو اُن پر کاربند رکھتی ہے، وضع قوانین، عدالت وسیاست، نظم ونسق، آئین مملکت اور انتظام ایک عمدہ گورنمنٹ کا فرض ہے، صلح کل، امن جوئی، معاونت وہمدردی اور حفاظت تمدن کے معاون ہین لیکن دشمنی، عناد، جور وظلم اور خانہ جنگی تمدن مین رخنہ انداز ہوتے ہین، جن سے اجزاے عالم کا مضبوط و مستحکم شیرازہ پارہ پارہ ہوجاتا ہے اسیلے گورنمنٹ خرابی کی رخنہ بندی اور مظلوم و مستحقین کی حفاظت کرتی ہے،

ملک کشمیر کے متعلق فارسی نامون کی تصحیح

از

جناب غلام حیدر صاحب تحصیلدار سدھولی کشمیر

اپریل ۱۹۲۳ء کے معارف میں سلطان زین العابدین والی کشمیر کے سوانح و واقعات پر مولوی ابوالحسنات مرحوم کا ایک مضمون تاریخ فرشتہ کے حوالہ سے نکلا تھا، فارسی تاریخوں میں ہندوستان کے مقامات کے نام فارسی لہجہ میں ذرا بدل گئے ہین، کہ ہر زبان کا تلفظ اور لہجہ دوسری زبان سے الگ ہوتا ہے، چونکہ مضمون مذکور مین فارسی تاریخ سے مدد لی گئی تھی، اسلیے وہی تلفظ قائم رہا، اب خود ایک گھر کے بھیدی اس راز کو ظاہر کرتے ہین، اسلیے ہم بھی اسکو وقف عام کرتے ہین تاکہ دوسرے اہل قلم بھی ان صحیح نامونکو جان لین

ہر ایک شخص جو کسی اجنبی ملک میں جاتا ہے، اپنی معلومات کی وسعت کے لیے اس ملک کا باشندہ یا کم از کم واقفکار بطور گائڈ یا رہنما ساتھ رکھتا ہے، رسالہ "معارف" ماہ اپریل ۱۹۲۳ء میں مولانا ابوالحسنات صاحب ندوی نے اپنے شبدیز قلم کی عنان میرے وطن کشمیر کی طرف موڑی ہے، اور اس خطۂ پاک کے سلطان زین العابدین کے متعلق ورافشانی فرما کر ہم اہالیانِ کشمیر کو مفتخر و معزز فرمایا ہے، کیا یہ بیجا ہوگا، کہ اس سفر کے پیچیدہ پہاڑی راستون مین یہ ہیچمیرز صاحب ممدوح الصدر کی رہنمائی یعنی گائڈ بننے کا فخر حاصل کرے، کیونکہ مین دیکھتا ہون، کہ ان سے معمولی لغزشین اس سفر مین ہوئی ہین،

۱ صفحہ ۲۵۳، سطر ۶، "جسرت کہکر" دراصل "جسرتھ گکھر" ہے، گکھڑ ایک اعلیٰ قوم ہے، جو راولپنڈی کے ارد گرد حکمرانی کرتی رہی، اور جنھون نے محمد غوری کو قتل کیا تھا،

۲۔ صفحہ ۴۵۶، سطر ۱۱ "سیہ بت" دراصل "سیہ بٹ" ہے، کشمیری پنڈت اکثر اپنے نام کے ساتھ لفظ بٹ لگاتے ہیں، مثلاً شو در بٹ، سری بٹ (بجائے سری بت معارف مذکور صفحہ ۴۵۰ سطر ۲) بودی بٹ (بجائے بودی بت معارف مذکور صفحہ ۴۶۰ سطر ۸)

۳، صفحہ ۴۶۰، سطر ۱۱ (راج ترنگنی کے متعلق) "مشتمل تھی" نہیں بلکہ "ہے" اب یہ کتاب چھپ چکی ہے، بڑی ضخیم اور پر از معلومات کتاب ہے،

۴۔ صفحہ ۴۶۳، سطر ۱۵ "اولر" تالاب نہیں بلکہ کشمیر کی سب سے بڑی جھیل ہے، اس کا درمیانی قطر کم از کم تین میل ہوگا، اور بجائے "اولر" کے "ولر" درست ہے،

۵۔ صفحہ ۴۶۶، سطر ۱ "لوہر کوٹ" اس زمانے کا نام تھا، بعد مین لوہرن کہنے لگے آج کل لوہرن کہتے مین، ریاست پونچھ کشمیر کے شمال مشرقی کونے مین ایک بڑا بھاری گاؤن ہے، اس زمانے مین ریاست کشمیر کا دار الخلافہ موسم گرما کا تھا، یہان بڑا بھاری قلعہ تھا جس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہین، یہ قلعہ چتوڑ کے قلعہ سے کچھ کم مضبوط نہ ہوگا، اس گاؤں کے پشت یعنی شمال مشرق کی طرف ناقابل گذر رفیع الشان پہاڑ ہین، سامنے ایک تنگ درہ جو بمشکل ایک ایک سوار کے گذرنے کے قابل ہے، دستی نقشہ ملاحظہ ہو،

پلیرہ کے مقام پر اگر پانچسو جوان مسلح آج بھی رکھے جادین تو راستہ بالکل ناقابل گذر اور قلعہ بالکل محفوظ ہوتا ہے،

۶۔ صفحہ ۴۶۷، سطر ۱۲ "موضع پنچھ" نہیں بلکہ پونچھ اس زمانے مین کشمیر کا ایک علاقہ تھا، اور اب چھوٹی سی ریاست ہے جسمین قریباً سات لاکھ باشندے رہتے ہین، سرکاری آمدنی کل ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ ہے،

موجودہ وقت میں سری راجہ سکھدیو سنگھ صاحب بہادر حکمران ہیں، جو سری راجہ صاحب راجۂ راجگان راجہ کلاں بہادر راجہ دھیان سنگھ صاحب (وزیر اعظم مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب شیر پنجاب) کے پڑپوتے ہیں (" راجہ راجگان راجہ کلان بہادر" کا خطاب راجہ دھیان سنگھ صاحب کو مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب نے بخشا تھا)

۷- صفحہ ۲۷۶، سطر ۱۰ " نیلاب " غلط ہے، لفظ " یولاب " ہے، جو سوپور سے شمال کی جانب ایک وسیع اور سرسبز علاقہ ہے،

۸- سلطان زین العابدین کو کشمیر کے لوگ " بڈشاہ " یعنی بڑا بادشاہ کہتے ہیں جسمانی محنت کے وقت کشمیر کے لوگ " بڈشاہ یا دشاہ " کا نعرہ تبرکاً و تیمناً لگایا کرتے ہیں،

جامع ازہر

اکتوبر کے رسالہ نائنٹینتھ سنچری میں عنوان بالا سے ایک مضمون شائع ہوا ہے، گذشتہ اکتوبر سے جدید علوم وفنون کی ترویج وتوسیع کے لیے ایک نیا جامعہ قائم کیا گیا ہے جو جامع ازہر اور دوسرے مدارس کے علاوہ تمام تعلیمی مرکزوں کو منظم ومرتب کرے گا،

"مصر ایک بہت بڑی حد تک اسلامی ملک ہے، الازہر اسلامی خیالات کا پرتو ہے، اسلامی ترقی کا مستقبل اسی کی آئندہ مساعی پر منحصر ہے، اس لیے یہ دیکھکر بعض مخلصین کو افسوس ہوا ہے کہ جامع ازہر کو اس جدید تنظیم میں شریک نہیں کیا گیا، مگر اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ یہ نیا جامعہ بھی اس کے لیے مفید ثابت ہو ایک گونہ تسکین ہوتی ہے،

"عہد آغاز اسلام میں بغداد، قرطبہ، قیروان، بصرہ اور کوفہ تمدن وتہذیب اور علوم وفنون کے مرکز تھے، آج یہ فخر صرف قاہرہ کو حاصل ہے" یہ ابن خلدون کے الفاظ ہیں اور اسلامی نقطۂ نظر سے اگرچہ خود ابن خلدون کی وفات کو سات سو سال ہو چکے ہیں، لیکن اب تک بالکل اسی طرح صحیح ہیں، اگر آج الازہر صرف واحد مسجدی جامعہ ہے تو وہ عرصہ سے مصر کا قدیم ترین مدرسہ بھی ہے، عرب فاتحین نے اپنے مصری دار السلطنت میں صرف ایک مسجد بنائی تھی جس میں تمام مسلمان جمعہ کی نماز کے لیے جمع ہوتے تھے، لیکن جب آبادی مسجد عمر کی وسعت سے بڑھ گئی تو احمد بن طولون نے ۸۷۶ء میں ایک دوسری بڑی مسجد بنوائی جو آج تک اس کے نام سے مشہور ہے، اس کے بعد لاتعداد مساجد، مکاتب اور خانقاہیں عالم وجود میں آگئیں، ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہاں لاتعداد مساجد اور خانقاہیں ہیں کیونکہ ہر امیر دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتا ہے، اور مدارس ومکاتب کا تو کوئی شمار ہی نہیں،

جامع ازہر مارچ ۹۷۰ء میں دنیا کی ایک عبادتگاہ کی حیثیت سے تعمیر ہوئی، اس کے پانچ سال بعد درس و تدریس کا آغاز ہوا، مقریزی کا بیان ہے کہ اس تعلیمی مرکز کا افتتاح بہت شان و شوکت سے ہوا تھا، فاطمی سلاطین کی خاص نظر عنایت اس طرف مبذول تھی، انھوں نے اسے سنیوں کے خلاف جو ان کے سیاسی و مذہبی حریف تھے، اس سے تبلیغی مرکز کا کام لیا، اسلیے اس میں بہترین دماغ جمع کیے گئے، اسی وجہ سے ابتدائے قیام سے یہ جامعہ ایک نہایت ہی اہم چیز رہا، خلیفہ العزیز بن المعز نے مدرسہ کے لیے بڑا کتب خانہ وقف کیا، اساتذہ و طلبہ کے وظائف مقرر کئے، مگر اس کا بیٹا حاکم بامر اللہ اس سے بھی سبقت لے گیا،

سلطان صلاح الدین کے قبضۂ مصر کے بعد الازہر کو وقتی صدمہ پہنچا تقریباً ایک صدی تک وہان جمعہ کی نماز نہیں ہوئی، مسجد الحاکم، حکام کا تعلیمی مرکز بن گئی ۱۲۶۶ء میں اس میں پھر تعلیمی زندگی کا آغاز ہوا، لیکن اس کا نصب العین بدل چکا تھا، اور اب یہ سنیوں کا ایک بڑا مرکز تھا، اہلسنت والجماعہ کے چارون فرقوں نے اپنے بہترین اساتذہ وہاں بھیجے تاکہ الازہر ایک مرتبہ پھر دنیائے اسلام کا بہترین تعلیمی مرکز بنجائے، ہر سلطان و امیر نے اس کی اعانت شروع کی، چنانچہ ۱۳۰۲ء میں جب زلزلہ سے قاہرہ کی اکثر عام عمارتیں منہدم ہوگئیں تو امرار نے اونکی تعمیر کا کام بانٹ لیا، جب ان میں سے ایک (سالار) کو معلوم ہوا کہ الازہر کی تعمیر اس کے ذمہ ہے تو اسکی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے اپنے کام کو بہت اچھی طرح انجام دیا،

زمانہ کے انقلابات کے ساتھ ہی ساتھ تمام دوسرے مدارس فنا ہوگئے اور الازہر کو مرکزیت حاصل ہوگئی، اس تعلیمی مرکزیت نے سیاسی خیالات میں بھی ایک اتحاد پیدا کر دیا، اس کے شیوخ حکومت کے ارکان ہو گئے، اونکی جماعت خاص اہمیت و قوت رکھتی تھی، وہ ایک لائحۂ عمل بناتے اور پھر اوس کو عملی جامہ پہناتے تھے، ۱۵۰۱ء میں قانصوہ الغوری کو انھیں کی تحریک نے مصر کا سلطان بنایا، جب ۲۲ جولائی ۱۷۹۸ء میں نپولین قاہرہ میں داخل ہوا تو اس نے سب سے پہلے الازہر کے شیخ اعظم سے ملاقات کی، مئی ۱۸۰۵ء میں الازہر نے اسی سبق سے کام لیا، اس نے عمر و مکرم کو معزول کر کے محمد علی کو مصر کا بادشاہ بنایا، لیکن اب گھڑی کی چال بدلگئی ہے اور

وہ اثر و اقتدار بھی ایک بڑی حد تک غائب ہو چکا ہے لیکن اگر موقع ملے تو اس میں حصول قوت کی استعداد اب بھی موجود ہے،

الازہر مسیحیت کے سب سے قدیم مقدس جامعہ سے پرانا ہے لیکن یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمانوں نے اپنی اولین کامیابی کے بعد ہی اس کی بنیاد رکھی تھی، اس کے صدیوں بعد جب اسلام چار دانگ عالم میں پھیل چکا تھا، یہ قائم کیا گیا، خلفائے راشدین کے سامنے تعلیم و فقہ کے اصول سے زیادہ جدید حکومت کی تنظیم کا سوال تھا، وہ سپاہی تھے علماء نہ تھے، مکاتب و مدارس بعد کی چیزیں ہیں، ان کے بعد اسلام کی رفتار ترقی میں سستی آگئی، پہلے یہ مدارس مساجد میں ہوتے، بعض لوگ اپنی تشفی کے لیے وہاں بیٹھکر گفتگو کرتے لوگوں کی تعداد بڑھنے لگی، مگر باقاعدہ مدرسہ کے قیام میں ایک عرصہ لگا،

اکثر عرب مورخین کا خیال ہے کہ اولین مدرسہ جو طلبہ کے لیے مخصوص طریقہ سے قائم کیا گیا وہ نظام الملک کا بغدادی مدرسہ تھا جسکی بنیاد ۱۰۶۶ء میں ڈالی گئی تھی، اس عہد کے لوگوں نے اس کے قیام پر ماتم کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ ماوراء عراق کے علماء و فضلاء نے جب یہ خبر سنی تو ان کو اس کا بہت رنج ہوا کہ آج سے حقیقی علوم و فنون کا خاتمہ ہو گیا، جامعہ ازہر کا مقصد اسلامی اصول کی مدافعت تھی اور وہ اب تک قائم ہے آج بھی جو لوگ اس سے نکلتے ہیں وہ اسلامی روایات کی مدافعت اور اس کے اصول کی تبلیغ کرتے ہیں، ان میں بعض مفتی ہیں اور انکا اثر و اقتدار بہت زیادہ ہے آخر اس اثر و اقتدار کا سبب اس کے لیے ہم کو اسلام کے بعض مخصوص حالات کا مطالعہ کرنا چاہیے،

اسلام جمہور کا مذہب ہے اور اس میں جمہور ہی جمہور کے لیے کام کرتے ہیں، اس میں مذہبی پیشواؤں کی کوئی جماعت نہیں، خدا اور بندہ میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں، مگر بعض حیثیات سے یہ نہایت ہی الجھا ہوا مذہب ہے، یہ مذہبی اصول بھی ہے اور ملک کا قانون بھی، معاشرتی مقنن بھی ہے اور انفرادی حیات کا ضابطہ بھی، قرآن صرف مسلمانوں کی کتاب مقدس ہی نہیں بلکہ قانون اسلام کی بنا بھی ہے، پیغمبر اسلام صلعم کے

افعال و اقوال قانون کا درجہ رکھتے ہیں، اسلئے اگرچہ اس میں کوئی مذہبی جماعت نہیں ہے مگر پھر بھی اس کے فقہا ضرور ہیں، اس کا ہر لفظ خدا یا اس کے رسول کی طرف منسوب ہوتا ہے، اسلئے فقہ و اصول، اسلامی تمدن کے محور ہیں اس کا وسیع مطالعہ جلد ختم نہیں کیا جاسکتا اسکیلئے مدت دراز او رسخت محنت کی ضرورت ہے اور الازہر کا مقصد وحید اسی شے کی تکمیل ہے، اس بناپر جو شخص اس سے تعلیم پاکر نکلتا ہے وہ اسلامی تعلیم احکام اور روایات کا محافظ ہوتا ہے، اگرچہ اس کے ہاتھوں میں عصائے شاہی نہیں ہوتا وہ کسی فوج کی کمان نہیں کرتا، اور کسی سیاسی چال یا سازش میں نہیں پڑتا اور یہ چیزیں دوسروں کے قبضہ میں ہوتی ہیں، پھر بھی اونکی قوت غیر محدود ہے، ان کے حلقۂ اثر میں ان کا خیال قانون ہے ان کے اختیارات کو نہ تو کوئی روک سکتا ہے اور نہ کم ہی کرسکتا ہے، اگرچہ علماء کے اتنے اختیارات ہیں مگر ان کا نقطۂ نگاہ بہت تنگ ہے اور وہ ہر اُس چیز کو جو کسی نہ کسی طرح سے ان کے مذہبی خیال کے مطابق نہ ہو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے، وہ اب تک لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں، اسی لیے الازہر حقیقی معنوں میں اسلامی مدرسہ نہیں ہے وہ تو بارہویں صدی عیسوی کی پیداوار و حالات کا چربہ ہے، اور کوئی ترقی پذیر قوم آج سے چھ سو سال کے نصاب کو رٹ کر اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی،

الازہر نے تمام علوم کو دو شعبوں میں تقسیم کیا ہے (۱) جو خود مستقل علوم ہیں (۲) جو واسطہ ہیں، اول الذکر میں اخلاقیات، فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ ہیں اور مؤخر الذکر میں قواعد صرف و نحو، علم معانی عروض اور ابتدائی علم حساب داخلہ کی شرائط بھی بہت معمولی ہیں،

۱۸۹۵ء تک خدیوی حکومت نے مدرسہ کے اندرونی انتظامات میں کوئی مداخلت نہ کی لیکن اس سال خدیو نے پانچ علماء کی ایک جماعت مقرر کی جسکا مقصد یہ تھا کہ وہ مدرسہ کے موجودہ حالات کی تحقیقات کرکے اس کے متعلق اپنی سفارش پیش کرے، اس سفارش نے ۱۸۹۶ء کے قانون کی صورت اختیار کی ۱۹۱۱ء میں ان قوانین میں ترمیم کیگئی مگران سے قدیم نصاب میں کوئی معقول تغیر نہ کیا جا سکا، اور اسکی اندرونی حالت تقریباً وہی رہی جو سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں تھی، اس کے بعد اس کے درجوں میں سرکاری مفتیوں

کے لیے ایک الگ درجہ کا اضافہ کیا گیا، مگر اس کا محکمہ بالکل الگ ہے اور نفس مدرسہ کے عام حالات پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑتا،

الازہر کی قوت واثر اس کے اندرونی حالات کی بجائے بیرونی ذرائع واسباب پر مبنی ہے اس مسجدی مدرسہ کے قریب ہی متعدد سرکاری مدارس قائم ہیں جہاں فرانسیسی زبان، تاریخ اور جغرافیہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے، مگر یہاں کے طلبہ کی تعداد الازہر سے ہمیشہ بہت کم رہتی ہے مگر یہ واقعہ کہ نصاب کی سختی کے باوجود یہاں کے طلبہ موجودہ مسائل علوم وحالات سے اس قدر واقف ہیں اور ان میں عملی حصہ لیتے ہیں اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی نفسی کیفیت کیا ہے اور معمولی نصابی تبدیلی ان کو کس قدر بلند کر سکتی ہے،

حکومت کی یہ کاروائی کہ اس طریقہ سے ان علمار کا اثر کم کرے، بیکار ثابت ہوگی اب تک ملک پر اسکا بہت بڑا اقتدار ہے، اور یہ وسیع جماعت اپنے کو اس آسانی سے فنا نہ ہونے دیگی یہ جنگ اپنا رنگ لائے بغیر نہ رہیگی، اسلیے ان سے دشمنی مول لینے سے بہتر یہ ہے کہ انکی اصلاح وترقی کے سامان مہیا کیے جائیں اور اس طرح ملک کی سب سے بڑی جماعت کو اپنے موافق کرکے اس سے بہترین کام لیے جائیں،

اس مضمون میں بعض ایسے جملے ہیں جنسے بعض غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں، مثلاً یہ کہ، خلفائے راشدین کے سامنے تعلیم وفقہ کے اصول سے زیادہ جدید حکومت کی تنظیم کا سوال تھا وہ سپاہی تھے علمار نہ تھے، مکاتب ومدارس بعد کی چیزیں ہیں"، حالانکہ خلفار نے تنظیم حکومت کے ساتھ فقہ وحدیث کی تعلیم کی بھی اشاعت کی ہے اور متعدد اکابر صحابہ نے اپنی خدمات اس کے لیے وقف کر دی ہیں، اصطلاحی معنوں میں اگرچہ اس زمانہ میں مدارس ومکاتب قائم نہ تھے، تاہم مسجدوں کے صحن تعلیم کے غلغلوں سے گونج رہے تھے،

اسی طرح اسلام کے متعلق ایک موقع پر لکھا ہے کہ" اس میں مذہبی پیشواؤں کی کوئی جماعت نہیں، خدا وبندہ میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں"۔ دوسرا جملہ اگرچہ بالکل صحیح ہے، لیکن اس کے ساتھ اصلاح اخلاق، استواری عقاید اور اشاعت تعلیم کے لیے اسلام نے علمار کی جماعت کو خاص درجہ دیا ہے، اور

اور عہد رسالت ہی میں یہ جماعت قائم ہو چکی تھی اور اب تک قائم ہے،

یہ بھی صحیح نہیں کہ پہلی اسلامی درسگاہ مدرسہ نظامیہ بغداد ہے، جیسا کہ رسائل شبلی میں ثابت کیا جا چکا ہے، ابن خلدون کی تاریخ وفات ۸۰۸ھ ہے، اسلئے ان کی وفات پر سات سو برس نہیں بلکہ ۵۳۶ برس گذرے ہیں،

بیشک یورپ کی مادہ پرست قوم کو اس سے الجھن ہوتی ہے، اسلام سب کچھ ہے، وہ قانون بھی ہے، معاشرت بھی ہے، تمدن بھی ہے، اور مذہب بھی ہے، لیکن

معشوق من آنست کہ نزدیک تو زشت است

یہی تو اسلام کا کمال ہے کہ وہ دین و دنیا کے ہدایات کا مجموعہ ہے، اور اب تک عقل بشری اس سے بہتر ہدایت پیش نہ کر سکی، کسی مذہب کا مجموعہ ہدایات ہونا کوئی عیب نہیں، بلکہ اسکی تکمیلی حیثیت ہے، آج جب عیسائی مبلغین افریقہ کے صحراؤں میں تہذیب و تمدن کی اشاعت اور اپنے مذہب کی تبلیغ کو لیے جاتے ہیں تو ان کو اخلاق و ایمان کا حصہ تھیں ہے لیکن نشست و برخاست، کھانا پینا، پہننا، اوڑھنا، بولنا چالنا، آداب ملاقات، آداب معاشرت، لباس و پوشش، اور طریقہ حکمرانی کا بھی باہر سے لانا پڑتا ہے، اور یورپ کی نقالی ان کو سکھائی جاتی ہے، لیکن مسلمان مبلغ صرف قرآن پاک لیکر جاتا ہے، اور وہی ان کو سپرد کرتا ہے، اور وہی انکو سب کچھ سکھا دیتا ہے، اور وہ ان کی ہر راہ میں انکا دائمی اور مستقل معلم ہو جاتا ہے،

تصوف اسلام

اسلامی تصوف کا خطر، قدما صوفیہ کے حالات اور انکی تصانیف پر تبصرہ، مؤلفہ مولوی عبدالماجد صاحب بی اے، لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۱۲۸ صفحہ، قیمت عمر

"منیجر"

مقبرۂ فرعون، مسٹر ہاورڈ کارٹر کو جو فرعون مصر توتن خمین کے مقبرہ کی تحقیقات اور دریافت کے سلسلہ مین مشہور عالم ہو چکے ہین، مقبرہ مین ایک گھڑا ملا ہے، جس کے تمام رنگ علی حالۃ تازہ تھے، کیمیاوی محللین اون کے اجزار کی دریافت مین مشغول و مصروف ہین،

سب سے چوڑی سرنگ، فلارنس جھیل کی سرنگ دنیا کی سب سے زیادہ چوڑی سرنگ ہے، اور پتھر کو کاٹ کر بنائی گئی ہے یہ کیلیفورنیا کے شہر فرنسو سے تقریباً ایک سو میل شمال مشرق مین واقع ہے، اسکی لنبائی ۰۴۰،۶۰،۷ فٹ ہے،

ایک چھوٹا سا ستارہ، آسمان پر ایک چھوٹا سا ستارہ میرا (Mira) ہے جو صرف ٹمٹماتا ہوا نظر آتا ہے برسون کی کوششون کے بعد اب اسکی پیمائش مین کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ ۲۵۰۰۰۰۰۰۰ میل مربع ہے، اب دنیا کی پیمائش کو لیجئے ڈاکٹر ہیفورڈ (Dr. HAY FORD) نے حال ہی مین خطِ استوا سے دنیا کو ناپا ہے اور ان کے خیال مین وہ ۹۲۶۶۷۸۰ مربع میل ہے، مجلس منجمین عالم نے بھی اس کو صحیح تسلیم کر لیا ہے اسلیے اب اس کے معنی یہ ہوئے کہ میرا ہماری دنیا سے ۳۱۰۰۰ گنا زیادہ بڑا ہے،

انسان پر ماحول کا اثر، پروفیسر ایم ڈارمنٹ کا بیان ہے کہ انسان اور دوسرے جانور جس ماحول مین رہتے ہین اسی قسم کی صرف عادات ہی اپنے اندر نہین پیدا کر لیتے بلکہ اونکی جسمانی ساخت

بھی انھین حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے، ہوائی جہاز کی کثرت نے شوق پرواز مین اضافہ کر دیا ہو، عنقریب ایسے بازو نکلنے والے ہین جنکو لگا کر انسان تنہا پرندون کی طرح اڑ سکے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان کے بازو رفتہ رفتہ پرندون کے بازؤن کی صورت اختیار کرتے جائین گے اور کچھ عرصہ کے بعد وہ چمگادڑ کی طرح بازو والے بڑے جانور بنجائین گے، ڈاکٹر موصوف کا یہ بھی بیان ہے کہ اس تبدیلی سے عورت جلد تر متاثر ہوگی، تو کیا پھر پریون کا افسانہ کہن حقیقت امروزہ بنجائے گا،

زہریلی مچھلی، محققین نے پتہ چلایا ہے کہ جزائر فلپائن مین ایک قسم کی زہریلی مچھلی بھی ہوتی ہے، وہ کاٹتی یا ڈنک تو نہین مارتی مگر اس کا گوشت زہر آلود ہوتا ہے، منیلا مین متعدد موتین ہوئین اور ڈاکٹر البرٹ ہرے نے تحقیقات کر کے اس کا پتہ چلایا تو یہی مچھلی ثابت ہوئی، چنانچہ اس کے کھانے کے متعلق امتناعی احکام نافذ کر دیئے گئے ہین،

امریکہ کی فطری قوتین، امریکہ کے باشندے فطرت کی ہر عطا کردہ قوت سے پورا پورا کام لینا جانتے ہین، نیگرا کے آبشار سے جو عظیم الشان کام وہ لے رہے ہین اس سے تمام دنیا واقف ہے، اس سے سب سے زیادہ سستی اور بڑی مقدار مین بجلی پیدا ہوتی ہے، اب وہ کلیفورنیا کے وادی اسکندر کی فطری قوت کی طرف متوجہ ہوئے ہین یہان زمین سے خود بخود بہت بلند فوارے نکلتے ہین اور ان سے ہر وقت بھاپ تیار ہوتی رہتی ہے، اس کے علاوہ اس قسم کی دوسری قوتین بھی ریاستہائے متحدہ امریکہ مین موجود ہین،

شعبۂ طباعت مین انقلاب، عنقریب شعبۂ طباعت مین بھی ایک انقلاب ہونے والا ہے، لوہے کے حروف اور چادرین بیکار ہو جائینگی ایک کاغذ پر حروف نقوش تصاویر وغیرہ کا فوٹو لے لیا جائیگا اور اسی کے ذریعہ طباعت ہوگی، ماہرین کا دعویٰ ہو کہ یہ ایجاد ۵۰۰ سال کے اصول طباعت مین انقلاب عظیم پیدا کر دے گی،

"باباطاہر عُریان"

از

پروفیسر محمد اکبر منیر، ملتان کالج

باباطاہر ہمدانی، مشہور رباعی گو صوفی شاعر ہیں، جن کی رباعی فارسی زبان کے لُری بول چال میں ہے، ہمارے دوست پروفیسر منیر نے اپنی سیاحت ایران کے زمانہ میں ہمدان میں خود باباطاہر کے مزار پر بیٹھکر یہ نظم انھی کی زبان کے تتبع میں لکھی،

"معارف"

فلک روشن زخورشید و قمر بی،	زمیں از مردم صاحب ہنر بی[1]
درُود حق برُوح پاک شاں باد	کہ فیض رُوح شاں در بحر و بر بی
چو شمع بزم خاموش اند و سوزاں	جہاں از نورِ شاں قُرص قمر بی
چو دریا پاک و ناپیدا کنارند	چہ دریائے کہ دائم پُر گہر بی
نگویم رخت بر بستند و رفتند	چو نام نیک قائم چوں خضر بی

من از ارواح پاکان فیض جویم
ز نورِ شاں روانم پُر شرر بی

[1] بی مخفف ببید بمعنی بود یا باشد است، در زبان لُری کہ زبان باباطاہر بودہ دال را بیائی تغییر میدہند، امروز ہم بختیاریہا و دشمن زیاریہا کہ از لُرہا ہستند دال را بیائے تغییر دادہ بود را بید، خون را خین، و پول را پیل تلفظ مینمایند،

بسے بشنیدم دخواندم زنامت | کہ نامت درجہاں چون ماہ و خور بی
شنیدم مسکنت بُودہ است الوند[1] | ھمانا کوہ را کوہے ببر بی
چو کہساراں ہمی "عریان" بماندی | ازاں ورزیر پایت سیم و زر بی
نہ بس عالم خاکی نبو شد | کسے کو را بہشتے در نظر بی
چون "عریان" بودہ "طاہر" بماندی | کہ طاہر از لباسے بے خبر بی
نہ بس آدمیت بُد لباست | طبیعت از صناعت در حذر بی
غلام ہمت آن پاکباز م | کہ از ناپاکی عالم بدر بی

چو خورشید جہاں آرا کہ ھموار
زپاکی افسر تابان بسر بی ؛

دگر عالم طبیعت ناشناس است | ھمانا پر زخلق کور و کر بی
چہ فتنہ ہا کہ سرزد از اردیا | جہاں زین فتنہ ہا اندر خطر بی ،
بماندہ شرقیاں را پائی در گل | درخت شرقیاں بے برگ و بر بی
دگر انساں ز فطرت دور افتاد | حدیث روشن فطرت سمر بی
حدیث ظالم و مظلوم در دھر | حدیث تیشیغ بُرّاں و سپر بی
بسے گردیدہ ام شہر و بہ شہر د[2] | ز فطرت خلق عالم بے بصر بی

---

[1] کوہ الوند بمسافت یک فرسخ و نیم یا دو فرسخ از ہمدان واقع شدہ ، باباطاہر در دامن این کوہ برہنہ می زیست ، از این است کہ ملقب بعریان شدہ ، می گویند در زمستان برفہا گر ، بابا آب می شد ، چون جہت این از وی می پرسیدند می گفت در دل من آتشے ہست کہ این را آب می سازد ، والعہدۃ علی الراوی ،

[2] شہر و بشہر د : یعنی شہر بشہر ، این ترکیب از مختصات باباطاہر است ، رجوع کنید بہ رباعی ذیل بابا : -

الالہ کوہساران ہفتہ بی   بنفشہ جو باران ہفتہ بی   منادی میکرد شہرو بہ شہرد   وفای گلعذاران ہفتہ بی ،

مرا افتادہ با خونِ جگر کار — نصیبِ عاشقاں خونِ جگر بی

چو خرگہ میزند تاریکیِ شب — دراں ظلمت چراغم چشمِ تر بی

دمِ گرمم تو برقِ پرشرار است — نگاہ پاک آتش در حجر بی

من ارچہ سوتہ جانم آتشے زن — ہماں بہتر کہ عاشق سوتہ تر بی

بپراں شعلہ از آتشِ دل — کہ شعلہ مرغکے با بال و پر بی

کہ آتش بر زنم ظلمِ بشر را — جہاں پر فتنہ از ظلمِ بشر بی

نمایم خلق را انوارِ فطرت
کہ فطرت خلق را مام و پدر بی

فسانۂ بیکسی

از صوفی غلام مصطفےٰ صاحب تبسم، بی اے، (امرتسر)

از وفورِ سوزِ عشقت نامرادم خواندہ اند — بر سرِ راہِ صبا شمعِ مزارم کردہ اند

آئینہ دارِ خیالِ زلف و عارض بودہ ام — پائمالِ گردشِ لیل و نہارم کردہ اند

ہم ز چشمِ التفاتم درسِ تسکیں دادہ اند — ہم ز آئینِ تغافل بیقرارم کردہ اند

تا نباشد دل حریفِ جلوۂ طاقت گداز — از تب و تابِ غمِ فرقت نزارم کردہ اند

خندۂ قلقل نصیبِ محفلِ یاراں نہ بود — شرمسار از گریۂ ابرِ بہارم کردہ اند

سوتہ یعنی سوختہ ۱۲

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے رسالے

موت اور حیات فطرت کے سلبی اور ایجابی دو کام ہیں، جو اس کے ہر شعبہ میں جاری ہیں، جدید تمدن نے جو ایک نئی علمی نسل پیدا کی ہے، وہ رسائل اور اخبارات ہیں، ہر سال کتنے یہ علمی نومولود پیدا ہوتے ہیں، اور کتنے مرجاتے ہیں، اور ان میں سے چند ہی سخت جان ایسے ہوتے ہیں، جو ارضی و سماوی آفتوں سے بچکر اپنی زندگی کے چند سال پورے کرلے جاتے ہیں، ۱۹۲۵ء میں اردو کی گود میں جو نئے بچے پیدا ہوئے ان میں دو سب سے زیادہ ہونہار ہیں، ایک **اورینٹل کالج میگزین** لاہور ہے، اور دوسرا **شمع** آگرہ،

اورینٹل کالج میگزین لاہور کی مشہور مشرقی درسگاہ اورینٹل کالج کا آرگن ہے، جو سال میں تین دفعہ یعنی کالج کے تعلیمی سال کے لحاظ سے نومبر، فروری اور مئی میں نکلتا ہے، بالفعل اس کے دو نمبر فروری اور مئی کے نکلے ہیں، اور نومبر کا انتظار ہے، اس رسالہ کا مقصد یہ ہے کہ علوم مشرقیہ کی ترویج اور احیار کی تحریک کو تاحد امکان تقویت دی جائے، اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ مین مصروف ہیں،" رسالہ دو حصوں میں منقسم ہے، پہلا حصہ عربی، فارسی، اردو اور دوسرا حصہ سنسکرت، ہندی اور گورکھی پر مشتمل ہے، رسالہ کے چیف اڈیٹر پروفیسر محمد شفیع ایم اے ہیں، اور حصہ اول کے اڈیٹر پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال ایم، اے پی، ایچ ڈی، حصہ سنسکرت و ہندی کے ڈاکٹر لکشمن سروپ ایم اے، پی ایچ ڈی، اور حصہ پنجابی کے بھائی بے انت سنگھ بی اے ہیں،

اورینٹل کالج اس وقت خوش قسمت درسگاہوں مین ہے جس سے علوم شرقیہ کے دو مغربی تعلیم یافتہ

ماہرین پروفیسر محمد شفیع اور ڈاکٹر محمد اقبال تعلق رکھتے ہیں، اس سے اورینٹل کالج میگزین کی خوش قسمتی کا بھی اندازہ ہو سکتا، رسالہ کے زیر نظر نمبر میں اردو میں پروفیسر محمد شفیع، پروفیسر اقبال، پروفیسر شیخ عبد العزیز، پروفیسر حافظ محمود شیرانی کے مضامین شائع ہوئے ہیں، پروفیسر شفیع کا مضمون فرقۂ نوربخشی پر، پروفیسر اقبال کا مضمون شاہنامہ کے ماخذ پر، پروفیسر شیرانی کے مضمون رابعہ بنت کعب لقرداری شاعرہ، اور شیخ فریدالدین عطار اور حکایات سلطان محمود پر، اور پروفیسر شیخ عبد العزیز کا مضمون ابو العلار اور ابو منصور خازن پر نہایت محنت اور کاوش سے لکھے گئے ہیں، گو ان مضامین میں حسب معمول زبان کی شیرینی، اور انشاء کی فصاحت نہ ہو، مگر تحقیق اور تعمیق میں حسب توقع کوئی کمی نہیں ہے، اور یہی سبب ہے کہ اگر ان میں تحقیق اور واقعیت کے خلاف ذرا سی چیز بھی نظر آتی ہے تو وہ بہت کھٹکتی ہے، پروفیسر محمد شفیع کے مضمون نوربخشی کے صفحہ ۷ کے حاشیہ میں ہے کہ "نوربخشی خطیب آج بھی جمعہ کے دن سیاہ پوش ہوتے ہیں" اور اس کے ثبوت میں رسالہ امامیہ میرٹھ (۱۳۲۵ھ) کے صفحہ ۳۰ سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں، "خطیب باید کہ تیغ و کمانے بدست گیرد و بدان اعتماد کند و عمامۂ و رداہر دو یا یکے ازان ہر دو سیاہ اختیار کند" اس عبارت سے اول تو مذہب کا حکم معلوم ہوتا ہے اور موجودہ عمل کا ثبوت نہیں ملتا، دوسرے یہ کہ سیاہ پوش ہونا، یا عمامہ اور چادر دونوں یا صرف عمامہ یا صرف چادر کا سیاہ ہونا، دو باتیں ہیں، اسی کے بعد قرآن مجید کی آیت میں متم نورہٖ کو متمم نورہٖ لکھا گیا ہے، حالانکہ قرآن پاک میں یہ لفظ باب افعال سے ہے نہ کہ تفعیل سے،

صفحہ ۸۰ میں پروفیسر اقبال نے ثعالبی کا نام منصور لکھا ہے، حالانکہ یہ غلط ہے، ثعالبی کا نام عبد الملک، اور کنیت اسکی ابو منصور ہے، اس قسم کی غلطیاں تو شعر العجم ہی کے لیے مخصوص ہونی چاہئیں، پروفیسر اقبال نے عربی مورخین سے ان مورخوں کی تعبیر کی ہے "جنھوں نے عربی کو اپنی ادبی زبان قرار دیا ہے خواہ وہ بذات خود عرب ہوں یا نہ ہوں" ادبی زبان سے ان کا مقصود غالباً یہ ہے کہ اپنی تصنیف کی زبان عربی قرار دی ہے، ہم اس اصطلاح کو تسلیم کرتے ہیں، مگر آگے چلکر وہ صفحہ ۹۱ میں لکھتے ہیں "ثعالبی، طبری، جوالیقی، اور دیگر عرب مصنفین کی کتابوں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے" "عرب مصنفین" کی اصطلاح سے کیا مراد ہے؟ اگر خالص عرب نژاد مورخین مراد ہیں تو وہ

کون ہیں؟ اور ثعالبی، طبری، اور جوالیقی مین سے کوئی بھی اس لحاظ سے عرب تھا؟ اور اگر ایسا نہیں تو عربی مورخین اور عرب مورخین کی اصطلاحوں میں باہم کیا فرق ہوگا؟

ہم کو سب سے زیادہ حیرت پروفیسر اقبال کے حاشیہ کی اس تحقیق پر ہے، جو صفحہ ۱۹ اور ۲۰ مین رقم ہے، "کتاب الاغانی مین بھی جو خلیفہ الواثق کے عہد کی تصنیف ہے" اغانی جیسی مشہور عام کتاب کی تاریخ مین ایسی فاش غلطی علوم مشرقی کے ایک مغربی حکیم سے حد درجہ حیرت انگیز ہے، اگر کسی سیدھے سادے عربی خوان مولوی سے یہ غلطی ہوتی تو معافی کے قابل تھی کہ ان بیچارون کو یورپ کے طرز پر تنقیدی مباحث سے دلچسپی نہین ہوتی، لیکن علوم مشرقی کے ایک ڈاکٹر سے جسکا بڑا سرمایہ یہی تنقیدی مباحث ہین ناقابل عفو ہے،

خلیفہ واثق نے ۲۳۲ھ مین وفات پائی ہے، (طبری ۳-۱۳۶۳ یورپ) اور اغانی کے مصنف ابو الفرج صفہانی کا سال پیدائش ۲۸۴ھ ہے (معجم الادبا یاقوت ۵-۱۴۹) اور سال وفات ۳۵۶ھ ہے، جو مطیع کا عہد ہے، کیا قیامت ہے کہ جو مصنف خلیفہ واثق کی وفات کے ۵۱ برس بعد پیدا ہوتا ہے، وہ اسکا معاصر ٹھہرایا جاتا ہے،

فارسی کے مشہور محقق پروفیسر حافظ محمود شیرانی اپنے مضمون کے صفحہ ۳ میں دوجگہ کتاب "الف لیلہ" کو "الف لیلی" لکھتے ہیں، ایسی فاش غلطی ایک ایسے محقق سے بیحد حیرت انگیز ہے، دوسرے نمبر کے صفحہ ۱ میں حافظ صاحب ایک مشہور مقولہ من عشق وعف ومات مات شہیدا مین ف بڑھا دیتے ہیں، اور مات کو فمات لکھتے ہین جو صحیح نہیں،

اس رسالہ کے ذریعہ سے بعض قلمی رسائل اور منظومات کی اشاعت کا بھی سامان کیا گیا ہے، مگر ضرورت ہے کہ ہمارے یہ دکاترہ جس فن کو سالہاسال میں یورپ سے سیکھ کر آئے ہین، اوسکو ہندوستانی مین بھی رواج دیں، مثلاً یورپ کے مستشرقین اس قسم کی چیزوں میں الفاظ اور نسخ کی سخت احتیاط کرتے ہین، مگر یہ احتیاط ہمارے ان ہندوستانی مستشرقین مین نظر نہین آتی،

صفحہ ۲۵ میں "کشف الوریٰ" یقیناً غلط ہے، اصل نسخہ مین کہف الوریٰ ہوگا، چاہے قافیہ کی رعایت سے

کھت الوداع کر لیجے،

صفحہ ۵ میں، تجرید شعر زہر چہ دریں رہ نہ درخواست چھپا ہے، حالانکہ آخری لفظ "درخواست" کی بجائے "در خور است" ہے، صفحہ ۹ میں "استاذ و صکوک" چھپا ہے، حالانکہ "اسناد و صکوک" چاہیئے، صفحہ ۹ میں ع نگاہ شفقت ایشاں شفای ناتواں بینی، میں "شفائے ناتواں بینی" ہونا چاہیئے، اس قسم کی خردہ گیریوں سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے مسلمان مستشرقوں سے اوسی احتیاط، کمال، اور صحت کی توقع رکھتے ہیں، جو یورپین مستشرقین کا طغرائے فخر ہے،

یہ میگزین خدا کرے عمر دراز پائے کہ اردو کو ان بزرگان علم کے چشمۂ فیض صحبت کچھ سیراب ہوتا ہے، ہم اس رسالہ کے اجراء پر اورنیٹل کالج کو مبارکباد دیتے ہیں اور اپنے دوستوں کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ انکی زبان انکی اعانت کی سخت محتاج ہے، رسالہ کی سالانہ قیمت تین روپیے ہے، اور ہر نمبر کی ایک روپیہ، دفتر اورنیٹل کالج لاہور لکھائی چھپائی مین ترقی کی ضرورت ہے،

شمع اردو کا ماہوار رسالہ ہے جو آگرہ سے نہایت عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ عمدہ کاغذ پر نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا ہے، اب تک پانچ نمبر نکل چکے ہیں، شمع کے ساتھ ہماری توقع اسلیے ہے کہ یہ یورپ سے تعلیم پاکر آئے ہوئے چند نوجوان تعلیم یافتہ اہل قلم کے ہاتھوں میں ہے، جنکے دل و دماغ تازہ، حوصلے بلند، علم و اطلاع اعلیٰ ہیں، اور جو علوم و مسائل جدیدہ سے آگاہ اور زبان کی ترقیات کے اسلوب و طریقہ سے واقف ہیں، اور جو حقیقت میں سچائی کے ساتھ اپنی زبان کی بہترین خدمت کرنا چاہتے ہیں رسالہ کے مدیر ہمارے دوست محمد حبیب صاحب آکسن بیرسٹرایٹ لا پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی اور حسن عابد صاحب جعفری آکسن بیرسٹرایٹ لا ہیں، ہم کو ان عزیز دوستوں سے اردو کی خدمت کی بہترین توقع ہے، اس توقع کے برخلاف اگر وہم پیدا ہے تو صرف یہ ہے کہ یہ مشرقی زبانوں سے کم واقف ہیں اور تجربہ شاہد ہے کہ جب تک عربی فارسی کا اچھا ذوق نہ ہو اردو کی خدمت بن نہیں آسکتی، رسالہ مین پروفیسر حبیب کے تاریخی مضامیں خاص اہمیت رکھتے ہین، اون کے مضمون محمود غزنوی کے نظریوں سے گو ہم کو کلی اتفاق نہ ہو، تاہم ان کی کوشش و محنت کی داد نہ دینا ظلم ہے، پروفیسر ہادی کا فارسی

مضمون تمردین پر اچھا ہے، رسالہ میں تاریخی مضامین کے علاوہ سیاسی اور ادبی مضامین کو بھی جگہ دیجاتی ہے، بعض نئے مسائل پر اچھے مضمون نکلے ہیں، شعر و سخن کا سلسلہ بھی ہے، آخر میں تبصرے اور شذرات کی جگہ بھی ہے، لائق اڈیٹروں کے متعلق معلوم ہے کہ رسالہ کا بلند معیار ان کے پیش نظر ہے، یہ یقیناً خوشی کی بات ہے کہ اب اردو رسائل کا وہ دور ختم ہو رہا ہے جب اونکی اڈیٹری کے لیے صرف جمع و ترتیب کی صلاحیت کافی سمجھی جاتی تھی، اور اب پروفیسر محمد اقبال، پروفیسر شفیع، پروفیسر محمد حبیب، اور حسن عابد جعفری وغیرہ کا اردو رسالوں کی ترتیب و اشاعت میں حصہ لینا ہماری زبان کے ایک نئے دور کا آغاز ہے،

شمع کے مؤلفین کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ ضرورت ہے کہ مشرق و مغرب کو یکجا کیا جائے، مغربی خیالات مشرقی زبانون میں اس وقت تک بلند معیار حاصل نہین کر سکتے جب تک مشرقی زبانوں کا بھی مطالعہ نہ کیا جائے، شمع کے نمبر ۲ میں "قرآن مجید اور علوم عرب" پر جو مضمون چھپا ہے، اس میں افسوسناک غلطیاں ہیں، یہ نام یقیناً یورپین تصنیفات سے بے سمجھے لیے گئے ہیں، علم لغت کی پہلی عربی تصنیف کا نام "کتاب الآئین" نہیں "کتاب العین" ہے، دوسری کتاب "اساسۃ البلاغہ" نہیں، "اساس البلاغہ" ہے اوس میں عربی زبان کے "صنایع و بدایع" کو مجتمع نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس میں عربی محاوروں کا بیان ہے، ابو تمام کے دل میں حماسہ کا خیال اساس البلاغہ سے نہیں پیدا ہو سکتا تھا کہ ان دونوں میں کوئی وجہ اشتراک نہیں ہے، پھر اساس البلاغہ کا مصنف جار اللہ محمد بن عمر زمخشری ۴۶۷ھ میں پیدا ہوا ۵۳۸ھ میں وفات پائی، اور ابو تمام ۱۹۰ھ میں پیدا ہوا اور ۲۳۱ھ میں وفات پائی، وہ کیونکر زمخشری کی کتاب سے فائدہ اٹھا سکتا، اور یہ بھی صحیح نہیں کہ اساس لغت کی دوسری کتاب ہے، فلاسفہ میں دقیانوس کا نام عجیب چیز ہے، وحیدی نام کا کوئی ابتدائی مسلمان مورخ نہیں، ابن قتیبہ کو ابن قطبیہ، طبری کو تبری، ابن حوقل کو ابن ہیکل، کہنا شمع کی زبان سے کتنا برا معلوم ہوتا ہے، اسی نمبر کے صفحہ ۲۳ پر "آیندگان کے واسطے" اچھا نہیں معلوم ہوتا صفحہ ۲۵ پر مرزا پور کے باقیات صالحات وغیرہم" صفحہ ۵۴ پر "شرح و بست" (بجائے بسط) صفحہ ۶۶ پر مصئون بجائے مصون یا مصئون، اسی طرح تبصرے کو تبصّرے یا تبصرہ جات لکھنا صحیح نہیں، اگست کے شذرہ میں "رذولیو شنہائے

پاس شدہ" کی ترکیب قابل احتراز ہے، ستمبر کے پرچہ میں ہمارے فاضل دوست پروفیسر ہادی حسن کے فارسی مضمون کے عنوان میں گذشتہ سے پیوستہ قابل اعتراض ہے، ان میں سے بعض فروگذاشتیں امید ہے کہ مطبعی اغلاط یا سہو کاتب ہونگی، جن سے ہر صاحب قلم کو دوچار ہونا پڑتا ہے، تاہم عربی و فارسی الفاظ کے صحیح املا کی طرف تصحیح کے وقت خاص طور سے توجہ کرنے کی ضرورت ہے، نفس رسالہ کے متعلق ہمارے نہایت امید افزا توقعات ہیں [illegible] ہے کہ وہ بہترین معلومات کے ساتھ آیندہ ترقی کرے گا، اور نئے علوم کو اردو میں منتقل کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت [illegible]، قیمت سالانہ چھ روپیہ، پتہ: حسن منزل، شاہ گنج، آگرہ،

اردو دکن میں پیدا ہوئی، وہیں اس کا پہلا دار الترجمہ قائم ہوا، وہیں اردو کی پہلی انجمن ترقی اردو کا مرکز ہے، وہیں اردو کی پہلی یونیورسٹی قائم ہوئی، اور وہیں سے اردو مصنفین کی عموماً حوصلہ افزائی ہوتی ہے، اردو کے بہترین اہل قلم وہاں موجود ہیں، تاہم تعجب ہوتا ہے کہ اردو رسالوں کی زندگی اس سرزمین میں سب سے زیادہ بے ثبات ہے حسن، مخزن الفوائد، دکن ریویو، ذخیرہ، اور خدا جانے کتنے اچھے اچھے رسالے وہاں سے نکلے اور چند نمبروں کے بعد بند ہو گئے، ابھی حال میں وہاں سے تاج نامی ایک رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے جس کے اڈیٹر غلام محمد انصاری وفا، ورنگنا تھ راؤ درد ہیں، رسالہ میں ہر مہینہ کوئی نہ کوئی عمدہ محققانہ مضمون ہوتا ہے دوسری جلد کے تین نمبر ۲، ۳، ۴ کا مجموعہ شایع ہوا ہے جس میں حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری کا فاضلانہ مبسوط مضمون زبان اردو کی تاریخ پر شائع ہوا ہے، بعد کے نمبر میں الناظر کے سوال "ہندوستان کا سب سے بڑا انشا پرداز کون تھا؟" کے جواب میں مولانا حالی کا نام پیش کرکے ان کی انشا پردازی کی مضمون لکھا گیا ہے، ہم کو مولانا حالی مرحوم کی سادہ انشا پردازی کے بلند درجہ سے انکار نہیں، مگر افسوس ہے کہ اس مضمون میں ان کی وکالت کا پورا حق ادا نہیں کیا گیا ہے، حالی کی انشا پر اس سے بہتر لکھا جا سکتا ہے، قیمت صہ سالانہ، پتہ: تاج، چھتہ بازار حیدرآباد دکن،

اردو کے مشہور ادیب و شاعر سید حسرت موہانی کا رسالہ اردوئے معلّٰی جو علی گڈھ سے کئی دفعہ بند ہو ہو کر نکلا ہے اب چند مہینوں سے کانپور سے پھر نکلنا شروع ہوا ہے، اردوئے معلّٰی کے پہلے دور میں ادب اور سیاست

کا اجتماع تھا، اب سیاست کے بجائے ادب اور تصوف کی یکجائی ہے، سید حسرت کے نیازمندوں کو نہ ادبیات
اور سیاست کے اجتماع پر تعجب تھا، اور نہ اب ادبیات اور تصوف کی یکجائی پر تعجب ہے، حسرت امتحان کی ترازو میں
اتنی دفعہ تل چکے ہیں کہ وہ جو چیز بھی مخلوق کو دینگے وہ اوس کے لینے میں پس وپیش نہ کریگی تاہم کیا یہ ضروری ہے
کہ ہمارے دوست ادبیات کے ساتھ کوئی نہ کوئی بیجوڑ ضمیمہ ضرور لگائیں، کیا تنہا ادبیات کی خدمتگذاری ضم ضمیمہ کے
کے بغیر نہیں ہو سکتی، ہمارے دوست کی مستقل مزاجی نے بڑے بڑے معترضین کو خاموش کر دیا ہے، پھر
کے اس اعتراض مخلصانہ کو قبول کی سند کہاں ملسکتی ہے، بہرحال حسرت قند ادب کے ساتھ جو کچھ بھی ملا کر دیں
قدرشناسوں پر فرض ہے کہ وہ ادب سے اوسکو قبول کریں، نئے سلسلہ میں "نکاتِ سخن" کے عنوان سے اونکی وہ کمائی
وقف عام ہو رہی ہے، جو فیض آباد کے قید خانۂ تنہائی میں اونھوں نے کمائی تھی، اردو کے قدردانوں کے لیے یہ تحفۂ عجیب
ہے، تصوف کے سلسلہ میں جو تبرکات شجرہ وغیرہ شایع کر رہے ہیں "حصول برکت" کے سوا ان سے کسی دینی یا دنیاوی
فائدہ کی امید نہیں، رسالہ کے ہر نمبر کے ساتھ بدستور کسی نہ کسی مشہور شاعر کے قلمی دیوان کا انتخاب بھی شایع ہوتا رہتا ہے،
قیمت سالانہ ؏۸، پتہ:۔ سید حسرت موہانی، حسرت روڈ کانپور،

ہمارے دوست مولانا آزاد سبحانی "ہر گوشہ" سے تمتع اٹھا کر بالآخر ایسا معلوم ہوتا ہے، اب "گوشۂ عزلت"
میں بیٹھکر "وطن در انجمن" یا "سفر در حضر" کا لطف اٹھانا چاہتے ہیں، گو یہ قیاس بڑے یقین کے ساتھ نہیں پیش کیا جا سکتا،
تاہم یہ یقینی ہے کہ اب اونکی مستقل شاہراہِ زندگی، مسلک تصوف ہو گی، چنانچہ اس سلسلہ کی سب سے پہلی بشارت یہ ہے
کہ موصوف نے جنوری ۱۹۲۵ء سے روحانیت کے نام سے ایک صوفیانہ رسالہ بڑی شان سے نکالنا شروع کیا ہے،
جس میں اپنے خاص انداز میں عقل و نقل، علم و عمل، حقائق قرآنی، روح الاحادیث، فلسفۂ امام ربانی، تبصرات
سبحانی، مکتوبات سبحانی، ملفوظات سبحانی، اطلاعات سلسلہ وغیرہ کے عنوانات سے اپنے علمی اور روحانی فیوض کو
وقف عام کیا ہے، مولانا کی علمی لیاقت، قابلیت، حسنِ تقریر اور بعض دیگر خصوصیتوں کے ہم معترف ہیں، اونکی
خدمت میں مدت سے تعارف حاصل ہے اور اسلیے ہم دل سے اونکی کامیابی کے متمنی ہیں، اور داعی ہیں کہ خدا اونکو

توفیق دے کہ وہ استقلال کے ساتھ ملک وملت کی ہدایت کا صحیح فرض انجام دیں، رسالہ کی ضخامت ڈھائی جز، ہے

قیمت سے ، پتہ: دفتر روحانیت گورکھپور،

الہ آباد کا جسمانی اکبر تو اب اس عالم آب وگل میں نہیں، لیکن یہیں کی مٹی سے اب ایک کاغذی اکبر اسکی یادگار میں نکلا ہے، ستمبر میں اسکا پہلا نمبر اور نومبر میں دوسرا نمبر چھپا ہے، الہ آباد کی آب وہوا ابھی اردو اخبارات اور رسالوں کو راس نہیں آتی، ادیب کے بعد سے کئی رسالے یہاں سے نکلے مگر نہ جی سکے، مرحوم اکبر الہ آباد کی نسبت کہتے تھے ع یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے، خدا کرے جس طرح وہاں کا امرود ابھی زندہ رہنے والا ہے یہ اکبر بھی زندہ رہجائے، رسالہ اراکین انجمن دار الادب کی نگرانی میں نکلتا ہے، اس کے مدیر جیسا کہ اس کے پہلے صفحہ پر ہے "مولانا تسلیم الدین شرقی بی اے" ہیں، اور چار اصحاب اس کے معاونین مدیر ہیں، جن میں ایک بی لے ہیں، ایک شاعر ہیں، ایک فاضل ادب" ہیں، ایک "فاضل وادب و دینیات" ہیں، ایسے ہمہ گیر پانچ الہ آبادی فاضلوں کے قلموں کے سنگم سے جو رسالہ نکلے گا وہ کتنا سیراب ہوگا، تاہم ابھی یہ توقع دور ہے، کہ ناآزمودہ کار دست و بازؤں کو ابھی پختگی اور قوت حاصل کرنا ہے، یہ غلط خیال ہے کہ کسی رسالہ کی کامیابی محض متعدد اڈیٹروں کے نام یا ان کے علمی و تعظیمی القاب کے اضافہ یا اظہار سے ہوسکتی ہے، مشک آن است کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید،

رسالہ میں فلسفیانہ، تاریخی اور نظم ونثر ادبی مضامین ہوتے ہیں، حضرت اکبر مرحوم کے خطوط کی اشاعت کا سلسلہ بھی ہے، دوسرے نمبر کے پہلے صفحہ پر ڈاکٹر اقبال کا زریں کلام زریں حرفوں میں چھپا ہے، آخر میں "دربار اکبری" کے عنوان کے نیچے کچھ متفرق خیالات شذرات کی صورت میں ہیں، مضمون نگاروں میں الہ آباد یونیورسٹی کے تمام اہل قلم اصحاب داخل معلوم ہوتے ہیں، خدا اس نوزائیدہ اکبر کو اس بوڑھی یونیورسٹی کے شایان شان بنائے، قیمت سالانہ للعہ

یوپی کے شہر خورجہ میں علم وفن کی بہار پہلے کبھی آئی ہو یا نہ آئی ہو، مگر اب جدید تمدن کی عام سیر حاصلی نے ہر دشت وصحرا کو گلستان اور چمنستان بننے کا موقع بہم پہنچا دیا ہے، ایسی صورت میں اگر خورجہ کے باغوں میں عندلیب چہکے تو تعجب کس کو ہوگا، خورجہ سے عندلیب نام ماہوار رسالہ ہلال احمد صاحب زبیری مارہروی کی اڈیٹری

میں شائع ہوا ہے، مارہرہ میں اہل قلم اصحاب کا اب بھی اچھا خاصہ مجمع ہے، اسلیے اگر صرف مارہرہ برادری کا یہ تنہا ارگن ہو تو بھی توقع کے مطابق ہوگا، اس وقت فروری ۲۵ء میں نکلنے والے رسالہ کا پہلا نمبر ہمارے ہاتھ میں ہے، مولوی ظفر علیخاں صاحب کا مضمون "تحریک اتحاد تورانی" سید احسن صاحب مارہروی کا مضمون "اصلاح اردو" مولوی سعید احمد صاحب مارہروی کا مضمون "مخزن الاثار" بلند سے بلند رسالہ کے لیے بھی قابل فخر ہیں، سید احسن صاحب نے اردو کی اصلاح کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، ہم کو اس سے حرف حرف اتفاق ہے، دیگر مضامین بھی اچھے ہیں، معلوم نہیں یہ رسالہ اب تک نکل رہا ہے یا نہیں، ہمارے پاس صرف پہلا نمبر آیا ہے، رسالہ میں خیالی تصویر کا بھی سامان ہے، قیمت للعہ، خورجہ (یوپی)

ریگستان میں بھی بہار آگئی، اور وہاں بھی اردو کے نونہال نے برگ و ساز پیدا کیا ہے، راجپوتانہ کی مشہور ریاست جے پور سے شادمان نام اردو کا ماہوار رسالہ نکلا ہے، حکیم نور الحسین صدیقی اس کے اڈیٹر ہیں، مضامین زیادہ تر ادبی ہیں، ضخامت ۳۲ صفحے قیمت صہ سالانہ،

ہندوستان کی سرحد پشاور سے سرحد نام ایک نیا رسالہ سرحدی نوجوانوں کی قلمی اعانت سے نکلنے لگا ہے، ہندوستان جنکو "اہل سیف" دیکھنا چاہتا ہے، انکا اہل قلم ہونا مناسب ہو یا نہ ہو تاہم صحیح خیالات کی اشاعت، اور لوگوں میں زندگی کی نئی روح پیدا کرنے کے لیے اسکی ضرورت تھی، یہ اردو اور پشتو دونوں زبانوں میں نکلتا ہے، جناب یوسفی صاحب اس کے اڈیٹر ہیں، اچھے خیالات، بلند ارادوں، اور صحیح معلومات کی تبلیغ کی اس سے اُمید ہے، خدا کرے یہ سرحدی مولود زندہ رہے، اور آزاد آب و ہوا میں اچھی طرح نشو و نما پائے قیمت ..

علوم دینی کی مشہور درسگاہ دار العلوم دیوبند کا پرانا ارگن القاسم جو کئی سال سے بند تھا، محرم ۴۴ھ سے پھر نکلنے لگا ہے، لیکن ابھی اپنے پرانے رنگ میں خوب نکھرا نہیں ہے، ایک ایک دو دو صفحون کے کثیر التعداد مضامین سے بہتر ہے کہ چند ہی مضمون ہوں، مگر کامل ہوں، شروع میں تذ رنعت کے عنوان سے شہریار دکن خلد اللہ ملکہ کی ایک مطبوعہ نعت کو جگہ دیگئی ہے، اور خمیں مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کا عربی قصیدہ اردو

ترجمہ کے ساتھ ہے، اور ان دونوں کے بیچ میں ۹۲ صفحوں کے اندر ۹ مضامین مختلف علماء و مدرسین دیوبند کے قلم سے نکلے ہیں، اور نا تمام چھپے ہیں، ہم کو توقع ہے کہ اس رسالہ کے ذریعہ سے عام مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچے گا، مولوی طاہر بن احمد صاحب کی جوان ہمتی سے امید ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی اس امانت کی پوری قدر کرینگے، قیمت ۸؍،

بریلی سے امید کی ایک نئی شعاع نکلی ہے، یہ شعاع ماہوار رسالہ ہے جناب مجذوب بریلوی اور شمیم بریلوی کی اڈیٹری میں نکلا ہے، مضامین تمام تر ادبی ہیں قیمت سالانہ للعہ،

دار الادب لکھنؤ سے ترچھی نظر اب سیدھا سادھا نظر بنکر نکلا ہے، اسکے اڈیٹر پیرزادہ سید فدا حسین بی اے علیگ ہیں، فرض ادارت ادا کرنے والوں اور مضمون نگاروں میں متعدد گریجویٹ اور بعض لکھنؤ یونیورسٹی کے متعلقین ہیں، لکھنؤ اردو کا تربیت گاہ ہے، اسلئے لکھنؤ کی حیثیت اس سے زیادہ بلند رسالہ کو چاہئے، امید ہے کہ جس طرح "ترچھی نظر" نے اس "نظر" تک ترقی کی ہے، آئندہ یہ نظر اور وسعت پیدا کرے، قیمت ؏ سالانہ، پتہ چوک لکھنؤ،

لاہور سے ایک نیا دلکش رسالہ نکلا ہے، رسالہ کے نام سے زیادہ تین اڈیٹروں کے نام دلکش ہیں اڈیٹر نذیر احمد خاں یزدانی، اسسٹنٹ اڈیٹر نجمہ سلطانہ سیلانی، اور جائنٹ اڈیٹر انیس مجتبیٰ صبا مارہروی، رسالہ میں نظم و نثر ادبی مضامین ہوتے ہیں، کوئی خاص انداز نہیں، قیمت ؏،

لاہور کے "اللہ والے کی قومی دکاں" سے حضرت قدوۃ السالکین سید چھن شاہ کا آدھ بہاری کی یادگار میں، ملک چنن الدین نقشبندی و مجددی کی ادارت میں رسالہ اسرار تصوف نکلا ہے، صوفیۂ سلف کی تعلیم تھی کہ تصوف کے اسرار گفتنی نہیں ہیں، "اگر ہیں تو بر دار تواں گفت و بمنبر نتواں گفت، مگر اس چودھویں صدی کا کیا انقلاب ہے کہ اب تصوف صرف گفتنی رہ گیا ہے اور کاغذ کے منبروں پر اس کے اسرار علانیہ فاش کئے جارہے ہیں، رنگین سرورق پر جو حدیث قدسی زیر عنوان ہے وہ حدیث تو نہیں، کسی

صوفی صافی کا قول ہوگا جس نے حدیث قدسی کا درجہ پایا ہے، رسالہ کے متعلق دعویٰ ہے کہ وہ ہماعالی
خانوادوں کے اہل اللہ اور سالکان راہ اور طالبانِ حقیقت کی آواز بازگشت ہے، قیمت اصلی سے رعایتی عہ
آگرہ نے دل نکالا ہے اس "دل" کے معالج حکیم سید وصی حسن صاحب شتاب اکبرابادی ہیں، ضخامت
۳۲ صفحے، قیمت ۶ ر

رامپور سے نیرنگ نام ایک ادبی رسالہ نکلتا ہے، مولوی سید محمد نقی صاحب شاد تاں لکھنوی،
پروفیسر اورنٹیل کالج رامپور اسکے اڈیٹر ہیں، رامپور اورنٹیل کالج کے نام سے تو کوئی درسگاہ نہیں معلوم، شاید اہمیت
بڑھانے کے لیے مدرسۂ عالیہ رامپور کو اورنٹیل کالج کا درجہ دیا گیا ہے، لیکن اب ہندوستان اس درجہ کو پہنچ
گیا ہے کہ ناموں کا الٹ پھیراب اس کو مرعوب نہیں کرسکتا، رسالہ میں شاعرانہ مطارحات زیادہ تر ہوتے
ہیں، آخر مین غزلوں کا گلدستہ ہوتا ہے قیمت سے ر،

ککّے زی، ککّے زئی قوم کا ماہوار آرگن، جو جناب امام خانصاحب نوشہروی کی ادارت میں نکلا ہے
جس میں خاص اس قبیلہ کی تاریخ وحالات ونسب اور اصلاح وترقی کے مضامین ہوتے ہیں، قیمت عہ
پتہ: سوہدرہ گجرانوالہ پنجاب،

علی گڈھ سے سود مند رسالہ مولوی سید طفیل احمد صاحب کی کوششوں سے اور سید جعفر حسین صاحب
کے نام سے سات مہینوں سے نکل رہا ہے، رسالہ کا بظاہر مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں کفایت شعاری،
اور مالی کاروبار کی صلاحیت پیدا ہو، اور مسرفانہ مراسم کی اصلاح ہو، مگر اسی کے ساتھ یہ عزم بھی ہے کہ مسلمانوں
میں عام طور سے سود لینے کو رواج دیا جائے قیمت ۶ ر ضخامت ۳۲ صفحے،

عالمگیر لاہور کا ایک نیا "مصور مجلہ" اس نام سے نکلا ہے اس کے "رئیس التحریر" حافظ محمد عالم صاحب ہیں
شروع میں "ملاحظات" پھر عام ادبی مضامین ہوتے ہیں ضخامت ۶۲ صفحے، قیمت ہے،

جناب ابوالمعانی اختر شیرانی الافغانی نے انتخاب کے نام سے رسالوں کے منتخب مضامین کا ماہوار

مجموعہ لاہور سے شائع کرنا شروع کیا ہے، ماہ نومبر میں دوسرا نمبر نکلا ہے جس میں ۱۴ صاحبوں کے مختلف پرانے نظم و نثر مضامین کو دوبارہ چھاپا گیا ہے ساتھ ہی دستۂ گل، معلومات، حدیث دیگراں، گلکدہ، تلمیحات، آثار قدیمہ، فقہ اللغہ، روح انتخاب، فکاہات، تبصرے، معمہ کے مستقل عنوانات ہیں، کام اچھا ہے مگر ضرورت ہے کہ انتخاب میں حسن ذوق اور سلامت رائے سے کام لیا جائے ورنہ ڈر ہے کہ انتخاب لاجواب ہو کر رہجائے اسی قسم کی کوشش زبدۃ الرسائل کے نام سے علی گڈھ سے کیگئی تھی، مگر ناکام رہی، یہ بھی مناسب ہے کہ صرف مضمون نگاروں کے ناموں پر اکتفا نہ کیجائے، بلکہ اصل رسالہ کا بھی بقید نمبر نام دیا جائے، ورنہ یہ مشتبہ رہیگا کہ صاحب مضمون کا یہ نیا مضمون ہے، یا یہ کوئی پرانا مضمون ہے، اسی طرح اسکے لیے حصول اجازت کی بھی اخلاقاً ضرورت ہے، قیمت ۵ر

لاہور ہستی گیٹ سے **قوس و قزح** کے نام سے ایک "مجلہ علمیہ و ادبیہ" کی اشاعت ہو رہی ہے، اڈیٹر و ناشر جناب محمد وحید صاحب گیلانی ہیں، پہلا صفحہ "مندرجات" کا ہے، اس کے بعد ۴۸ صفحوں میں ایک ایک دو دو صفحوں کے ۳۰ مضمون ہیں، مضمون نگاروں میں بعض اچھے لکھنے والوں کے نام بھی ہیں، قیمت للعہ ر

اورنگ آباد دکن کے علمی باغ میں ایک میوۂ **نورس** بہم پہنچا ہے، اورنگ آباد کالج کے طلبہ کا یہ دوماہی رسالہ ہے، نوجوان طلبہ کی دماغی محنتوں کے مجموعہ کے لیے نورس کتنا اچھا نام ہے، خصوصاً یہ تاریخی مناسبت جان کر کہ اسی دکن کی سرزمین کا ایک بادشاہ "نورس" کے لفظ کا عاشق گذرا ہے، نورس میں پہلے شذرات ہوتے ہیں، پھر اخبار علمیہ، پھر چند مضامین، آخر میں کالج کی خبریں، اڈیٹر کا نام گو سرورق پر نہیں، مگر کسی پختہ کار قلم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، اورنگ آباد کالج اس لحاظ سے خود جامعۂ عثمانیہ سے بڑھ گیا ہے، کہ اس کا کوئی آرگن نہیں، اور اسکی یہ شاخ یہ ثمر نورس رکھتی ہے، قیمت لکھی نہیں،

نقاد، نیا رسالہ اس کے جامع "ترجمان حقائق" کوثر لکھنوی کے زیر ادارت دفتر سفیر سخن و دار المصنفین لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے، اس نئے "دار المصنفین" سے ہم واقف نہیں، شاید اہل لاہور واقف ہوں، ادبی و لغوی تحقیقات اس کا مقصد معلوم ہوتا ہے، ضخامت ۵۶ صفحے، قیمت ۸ٓ ر، کشمیری بازار لاہور،

لکھنؤ سے **حسن ادب** نام ایک رسالہ ابوالکمال محمد واحد علی لطف لکھنوی کی اڈیٹری میں اشاعت پذیر ہے، اس میں کچھ نثر میں خیالی ادبی مضامین اور نظم میں شاعروں کی غزلیں ہوتی ہیں، قیمت ع۸ر، پانانالہ لکھنؤ،

انوار القدس، مہائم شریف بمبئی سے ایک صوفیانہ رسالہ چودھری شریف احمد آزاد لکھنوی کی زیر ترتیب شائع ہوتا ہے، زیادہ تر مضامین مولوی سید محمد صاحب جنکا صوفیانہ لقب ذوقی شاہ ہے کے قلم سے نکلے ہیں، شاہ صاحب انگریزی تعلیم یافتہ ہیں، اسلیے تصوف کے اسرار کو نئی بولی میں ظاہر کرنا چاہتے ہیں، خدا لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچائے، حضرت مخدوم مہائمی کے مزار کا انتساب بھی اس کو حاصل ہے، مضامین سلجھے ہوئے ہیں، خیالات عام صوفیانہ رسائل سے بلند ہیں، قیمت للعہ ر، پتہ مہائم پوسٹ نمبر۱۶ بمبئی،

شیر شاہ کے پرانے دار السلطنتہ شہسرام (صوبہ بہار) سے ایک طبی رسالہ **الطبیب** کے نام سے نکلنا شروع ہوا ہے، اس کے مدیر حکیم کریم الدین احمد صاحب قادری ہیں، قیمت عا ر

صنعت و تجارت نام ایک رسالہ سید محبوب علی شاہ مکینکل انجنیئر کی ادارت میں لاہور سے نکل رہا ہے، جس میں صنعت و تجارت، ایجادات اور کلوں پر مختلف مضامین ہیں کسی نہ کسی مشین کی تصویر بھی ہوتی ہے، ملک میں ایسے رسالوں کی سخت ضرورت ہے، خدا اس کو کامیاب کرے، قیمت سے ر، پتہ:- لاہور، چوک مٹی کٹرہ تارکشاں،

طلیعہ، بوائے اسکاوٹس کو ہر دلعزیز بنانے کے لیے یہ رسالہ نکالا گیا ہے، مضامین بوائے اسکاوٹس کے فرائض اور تعلیم و مشق کے متعلق ہوتے ہیں، مسلم یونیورسٹی بوائے اسکاوٹس علی گڈھ کی طرف سے نکلتا ہے، اڈیٹر عبدالشکور ایم اے بی ٹی، قیمت للعہ ر

بنارس اور مسلم پرستی کس قدر بے جوڑ ہے تاہم دنیا اسی صنعت تضاد کے بل پر قائم ہے، بنارس سے ایک "مسلم پرست" ماہوار اور سیاسی رسالہ **حفاظت** جناب شاہ عترت حسین صاحب بی اے (علیگ) وکیل کی ادارت میں نیا نکلا ہے، جس نے اپنا اصول شعار حق، انصاف اور مساوات قرار دیا ہے، اور حقیقت میں اس کا مقصد سر سید کی اسلامی و ملکی طرز سیاست کو زندہ کرنا ہے، اور مسلمانوں کو انگریزوں سے قریب اور ہندؤں سے دور

دور کرنا ہے بہر حال مسلمانوں کا ایک خاص سیاسی مسلک کا رسالہ ہے، اور اسلیے قابل قدر ہے کہ اس کا مقصد چند بیکار و فرسودہ نظم و نثر کی اشاعت کے بجائے عملی سیاست ہے، قیمت صر سالانہ پتہ اردلی بازار بنارس کنٹونمنٹ،

امرتسر سے سہیلی کے نام سے ایک زنانہ رسالہ خدیجہ بیگم لے، ایم اوایل (گولڈ مڈلسٹ) کی نگرانی اور نوشابہ خاتون قریشی (یا قریشیہ) بی لے اور رضیہ خاتون کی اڈیٹری میں نکلا ہے، عورتوں کی دلچسپی کے لائق معمولی ادبی مضامین جو زیادہ تر عورتوں کے نام سے ہیں، اس میں نکلتے ہیں، ایسی تعلیم یافتہ خاتونوں کا معیار تو اس سے بلند ہونا چاہیے، قیمت سے رپتہ کوٹھی سنگھی بابو صاحب امرتسر دفتر سہیلی

شہر ملتان سے ایک اور زنانہ رسالہ سرتاج امتیاز فاطمہ بیگم عرف حاجیہ تاج بیگم کی اڈیٹری میں ایک سال سے نکلتا ہے، مضامین عام دلچسپی کے ہوتے ہیں کبھی کبھی عراق وغیرہ کے سفرنامے بھی ہوتے ہیں، اس کا مقصد عورتوں کے معلومات کو بڑھانا ہے، افسوس ہے کہ مضامین میں املا اور زبان کی غلطیاں ہوتی ہیں، قیمت چار روپیے،

سال کے تمام نئے اردو رسالوں کا جائزہ آپنے لے لیا، آپ غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ اکثر رسالے بے مقصد نکلتے ہیں، لفظ "ادبی" میں اتنی وسعت ہے کہ ہر شے اس کے اندر داخل ہے، بقول مولوی سید ممتاز علی صاحب (دام فیضہم) کے ایک رسالہ کا سرورق اگر دوسرے پر لگا دیا جائے تو باہم تمیز نہ ہو سکے، زیادہ تر رسالے نومشق اہل قلم کی کوشش ہیں، جنکو نہ لکھنے کا اور نہ کرنے کا تجربہ ہے اور یہی ہمارے رسالوں کی ناکامی کا بڑا سبب ہے، ایک عام دبا یہ چل رہی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اڈیٹروں کے متعدد نام کامیابی کا ذریعہ ہیں، ایک رسالہ میں تو دس بارہ اڈیٹر کے نام ہیں، مگر ظاہر ہے کہ ہزاروں ستارے ملکر بھی ایک آفتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتے، بعضوں نے مختلف آداب و القاب و تخلص و نسبت و کنیت کے ذریعہ سے ہیبت و رعب پیدا کرنا چاہا ہے یہ بھی مذاق سلیم کی کمی کا نتیجہ ہے، اثر لفظ میں نہیں معنی میں ہے، بعضوں نے رسالہ کے ابواب کو نامانوس ترکیبوں اور لفظوں سے باوقار بنانا چاہا ہے، یہ ترکیب بھی کارگر نہیں، عموماً ان رسالوں کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ان میں جدت کم اور تقلید کا رنگ زیادہ ہے جس سے دماغوں کی بلندی کا نہیں پستی کا اظہار ہوتا ہے، دیکھئے ۱۹۲۶ء کی آب و ہوا ان میں سے کس کس کو راس آتی ہے،

خدا کی محبّت، جناب مفتی محمد دین صاحب وکیل گجرات نے اس رسالہ مین مختلف عنوانون کے ماتحت قرآن مجید کی آیات کریمہ کے حوالون سے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کن اوصاف وخصائل کے لوگون سے محبت کرتا ہے، مثلاً تقوی، طہارت، عبادت، امانت، صبر اور توکل وغیرہ ایسے اوصاف ہین جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید مین اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے، اسلیے اگر کوئی مسلمان خدا کا محبوب اور پیارا بندہ بننا چاہتا ہے تو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرے، رسالہ کی زبان سلیس اور شستہ ہے، ۴۸ صفحون مین چھوٹی تقطیع پر یہ چھپا ہے، کاغذ عمدہ اور کتابت وطباعت متوسط ہے، قیمت ۸ر پتہ:- مفتی نذیر احمد صاحب دائر بلو چان گجرات،

ضرورۃ القرآن، مولوی احمد علیصاحب لاہوری نے خطیبانہ طرز استدلال مین قرآن مجید کی ضرورت پر یہ رسالہ لکھا ہے، شروع کے چند صفحات مین تخلیق انسانی، بعثت انبیاء، اور اتباع شریعت کی ضرورت پر بحث کیگئی ہے، پھر قرآن مجید کا تحریفات وغیرہ سے محفوظ رہنا بتایا گیا ہے، اور سب سے آخر مین مسلمانون اور خصوصاً نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو ہدایت کیگئی ہے کہ جس طرح وہ اپنے بہت سے دوسرے ضروری کام انجام دیتے ہین، اسی طرح قرآن کی تعلیم بھی حاصل کرین، رسالہ مجموعی حیثیت سے مسلمانون کے لیے مفید ہے لیکن اس مین بہت سے ایسے غیر متعلق مباحث بھی آگئے ہین جو موضوع کتاب سے قطعاً خارج ہین، ضخامت چھوٹی تقطیع کے ۵۵ صفحے، کاغذ اچھا اور کتابت وطباعت متوسط ہے قیمت کتاب مین درج نہین کیگئی ہے، دفتر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے ملے گی،

معصولی کی جغرافیۂ ہند، جناب سید آل حسن صاحب معصولی نے مدارس صوبۂ بہار کے ابتدائی درجون کے لیے اس نام سے ہندوستان کا مختصر جغرافیہ مرتب کیا ہے، ابتدا مین چند جغرافی اصطلاحات کی تشریح کیگئی ہے، پھر ہندوستان کو صوبہ وار تقسیم کرکے صوبۂ بہار و اڑیسہ کے جغرافی حالات وضاحت سے بیان کئے گئے ہین، اس کے بعد ہندوستان کے اور دوسرے صوبون کے جغرافی حالات درج کئے گئے ہین، صوبۂ بہار کے اردو خوان طلبہ اس سے زیادہ مستفید ہو سکتے ہین، زبان مین کہین کہین غلطیان ہین تاہم عام فہم اور بچون کے پڑھنے کے لائق ہے، خط بچون کی مناسبت سے واضح ہے افسوس کہ لکھائی چھپائی اچھی نہین اور کاغذ بھی معمولی ہے، چھوٹی تقطیع پر ۵۰ صفحون مین کتاب ختم ہوئی ہے، قیمت ۸ر
پتہ:- جناب آل حسن صاحب معصولی پرشین ٹیچر آر، متر انگلش ہائی اسکول دیوگھر،

تفریح دل، یہ کتاب لطائف اور "تفریح دل" کا سامان ہے، جناب قادر بادشاہ صاحب بادشاہ مدراسی نے عمدہ طرز ادا کے ساتھ چھوٹے چھوٹے لطیفے یکجا کئے ہین، یہ کتاب اسلیے زیادہ قابل قدر ہے کہ شہر مدراس سے شائع ہوئی ہے جو اردو کے لیے بہت زیادہ ناہموار ہے، ضخامت معارف کے سائز پر ۴۸ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت اچھی ہے قیمت ۶ر پتہ: خطیب محمد عبد الرشید صاحب نمبر ۲، گوڈون اسٹریٹ مدراس

غم پُر ملال، مسلمانون کے اس دور تنزل مین حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب پھلواروی امیر شریعت اول صوبۂ بہار ایک مقدس بزرگ تھے جو علمائے سلف کے نقش قدم پر چلتے تھے اگر وہ ایک وقت گوشۂ خلوت مین مصروف عبادت ہوتے تو دوسرے وقت کتابون کے حلقہ مین جلوہ فرما ہو کر مطالعہ فرماتے تھے، مذہبی خدمات کی انجام دہی مین یہ شغف تھا کہ اپنی کبرسنی کے باوجود امارت شرعیہ کی ذمہ داری اپنے دوش مبارک پر اٹھائے ہوئے تھے، آج مسلمانون کے لیے ایسے مقدس بزرگون کے سوانح حیات کے ایک ایک خط وخال کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی زندگی مین اسے راہبر بنا کر بصیرت حاصل کرین، بحمد اللہ کہ جناب مولوی حکیم محمد شعیب صاحب قادری نے اپنی اس تالیف سے یہ کمی پوری کردی اسمین حضرت

مولانا مرحوم کے حالات زندگی وضاحت سے بیان کیے گئے ہین، اور خصوصاً مرض الموت اور وفات کے واقعات نہایت تفصیل سے لکھے گئے ہین، حکیم صاحب کو اپنے مرشد سے نہایت محبت تھی، اسی کا اثر اُن کے قلم مین بھی نمایان ہے معارف کے لیے یہ بیحد فخر کی بات ہے کہ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا آخری علمی کارنامہ معارف کے چند شذرات کی تحسین اور ان مین چند کلمات طیبات کا اضافہ ہے، ضخامت ۲۵۴ صفحے، کاغذ معمولی اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، قیمت ۱۲ پتہ:- جناب خواجہ سید نصیر حسین صاحب مالک نظامی پریس پٹنہ سٹی،

رنج و راحت، مسلمانون کا تعلیم یافتہ طبقہ تعلیم نسوان کی ترویج مین کوشان ہے، بحمد اللہ کہ اسکی کوششین بارآور ہوتی جاتی ہین، زیر تبصرہ کتاب ایک مسلمان خاتون جناب امّ عبد اللہ نے لکھی ہے، اس مین خدیجہ بیگم کی سرگذشت ناول کے طرز مین بیان کیگئی ہے، پہلے اس کے خاندان کی تباہی کا نقشہ کھینچا گیا ہے پھر اسکی سلیقہ مندی سے خاندان کی حالت سدہر جاتی ہے، یکایک پھر ادبار آتا ہے، پورا کنبہ منتشر ہو جاتا ہے اور وہ کسی طرح عیسائی مشن مین پہنچ جاتی ہے، وہان اپنے مذہبی اثر سے ایک عیسائی خاتون کو مسلمان بناتی ہے اور پھر اسسٹنٹ سرجن کے امتحان مین کامیاب ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کے خاندان کے تمام ارکان یکجا ہو جاتے ہین، بعض معمولی فروگذاشتون کو نظر انداز کر کے کتاب اچھی ہے، زبان بھی صاف اور شستہ ہے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۱۲۸ صفحے، کاغذ معمولی اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، قیمت ۸ر پتہ نیجر انڈیل بک ایجنسی لاہور،

اسلامی رسول کے معجزے، ہندوستان مین "شدھی" کی تحریک شروع ہوتے ہی خواجہ حسن نظامی صاحب نے "تبلیغ" کی آواز بلند کی، اسلئے فطرۃً ان کے قلم کا رخ بھی بدل گیا، اور خالص "مذہبی" کتابیں لکھنے لگے، زیر تبصرہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ابتدا کے چند صفحوں میں معجزہ و سحر کا فرق دکھایا گیا ہے، پھر مختلف کتابوں سے معجزات نبوی نقل کیے گئے ہیں، ضخامت ۴۸ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۶ر پتہ دفتر حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی،

الرای الصحیح فی من ھو الذبیح، عربی مین حضرت اسمٰعیل ع کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور بزور رسالہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱؍

اسباق النحو حصہ اول و دوم، سہل طرز پر عربی گرامر اردو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶؍، ۵؍

دیوان حمید، مولنٰا کا فارسی دیوان مع تصویر ۔ ۔ ۔ ۱۲؍

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اردو نظم مین ۔ ۔ ۔ ۔ ۲؍

خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان مین امثال سلیمان کا ترجمہ ۔

دیوان فیض ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ؍

مولنٰا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن حصہ اوّل، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم ۲؍

" " دوسری ریڈر طبع سوم ۔ ۔ ۔

رسالہ اہل السنت والجماعہ، فرقہ اہل سنت والجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حیات مالک، امام مالک کی سوانحعمری اور موطائے مالک پر تبصرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ؍

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین ہند کے سکون اور کتبون سے ان کا ثبوت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد مین خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کیلئے دنیا کی مسلمان قومین کیا جد وجہد کر رہی ہین مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین، قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، اس مین یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانون اور اسلامی ملکون کی گذشتہ صدیون مین کیا خدمتین انجام دی ہین، عہ

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتون کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بشریٰ، محبت الٰہی اور اسلام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مولنٰا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اوّل، صحابہ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولیٰ کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے ضخامت ۳۵۰، ۔ ۔ ۔

ایضاً جلد دوم، صحابہ کے سیاسی، انتظامی، اور علمی کارنامون کی تفصیل، ضخامت ۴۵۰، قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب جو قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ، طبع دوم قیمت عہ

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع، قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ؍

سیرۃ عمر بن عبد العزیز، حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے طبع دوم قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مولوی عبد الباری ندوی

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح مجلد عہ غیر مجلد ۔

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فصیح

اور سنجیدہ ترجمہ جس مین حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، مجلد ۱۲؍ غیر مجلد . . . . ۱۰؍

مولوی عبدالماجد بی اے

مثنوی بحرالمحبت، شیخ مصحفی کی ایک نایاب مثنوی مع سوانح مصحفی، . . . . ۲؍

فلسفۂ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح قیمت . . . . ۱۲؍

تصوف اسلام، اسلامی تصوف کا عطر . . . . ۸؍

پیام امن، موسیو جرج ڈیال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات در بارۂ امن عالم، و اخوت انسانی و خون آشامی دول یورپ کی ترجمانی ہے، اس کی بعد مولوی صاحب موصوف کا تبصرہ ہے جس مین انھین مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے، اردو مین بالکل نئے خیالات ہین، ۸۰ صفحے . . . ۴؍

مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس مین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت باختلاف کاغذ . . . . . . ۱۰؍ و ۱۴؍

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابومسلم اصفہانی، (عربی) معتزلہ کی مفقود و نادر الوجود عقلی تفسیر قرآن کے اجزاء جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہین، عمدہ ٹائپ مین چھپی ہے، قیمت . . . . . . ۱۲؍

سیر الصحابیات، ازواج مطہراتؓ بنات طاہراتؓ اور عام صحابیاتؓ کی سوانحعمریان اور ان کے علمی و اخلاقی کارنامے . . . . ۱۲؍

سیر الانصار حصہ اول، انصار کے حالات اور ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے، . . . . . . ۱؍

پروفیسر سید نواب علی ایم - اے،

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفۂ جدیدہ اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ قیمت . . . . ۱۲؍

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات دربارۂ جمع قرآن کا جواب قسم اول ۱۲؍ قسم دوم، . . . .

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی قومی و فلسفیانہ نظمون کا مجموعہ . . . . ۱؍

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس مین انسانی جماعت کے اخلاق پبلک رہنمایون کی خصوصیات اور جماعتون کے بننے اور بگڑنے کے قوانین [illegible]

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانون مین ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جسکی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیون مین پڑھائی جاتی تھین، اس کے سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ، اور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ مین اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا کسی مغربی زبان مین بھی نہین مل سکتا، ضخامت [illegible] صفحے قیمت . . . . . . ۱؍

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقایق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح . . . . ۱۲؍

تذکرۃ الحبیب یعنی رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان، ۸؍